

کہیں دیپ جلے کہیں دل

قیصرہ حیات

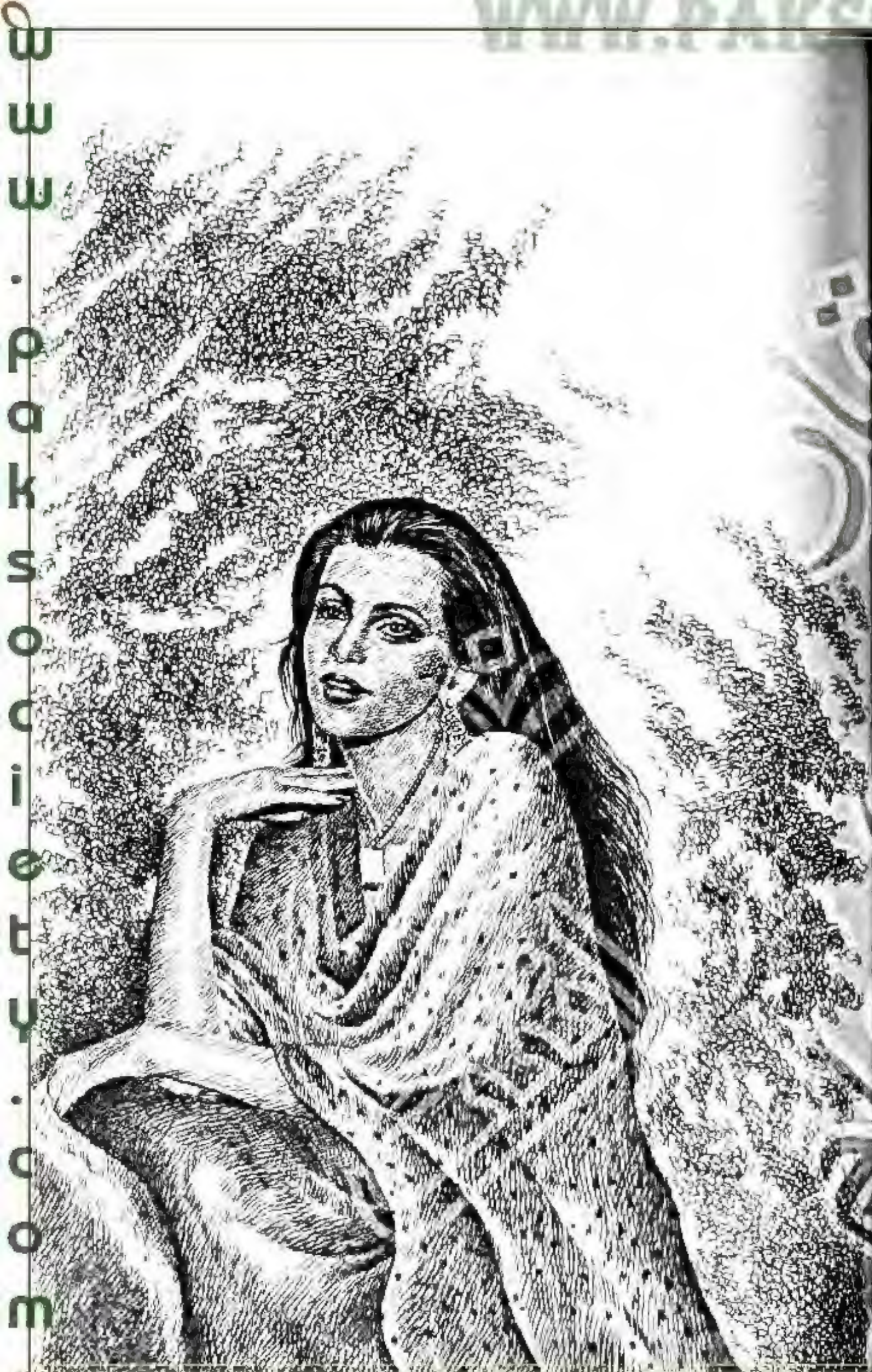
پاک سوسائٹی ٹاٹ کلام



# کہیں دیکھ چکے کہیں دل؟

قیصر حیات

بیمنی اپنی اسپورٹس کار میں انتہائی تیز رفتاری سے ایک بہت ہی سنبھل سڑک پر جا رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف سایہ دار درختوں کی قطار کا لامحدود سلسلہ ایک بار بھی سورج کو پوری آب و تاب سے چمکنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔ درختوں کی اوٹ سے سورج اپنی آنکھیں جھپکا جھپکا کر اپنی روشنی کو کہیں کم اور کہیں زیادہ کرتے ہوئے اپنے ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔ ہوا میں قدرے خشکی تھی۔۔۔ اس نے





لیڈر کی بلیک پنٹ اور بلیک ہی جیکٹ پہن رکھی تھی جو اس کی سیاہ چمکنی رنگت کو مزید چمکا رہی تھی، اس کے سیاہ تراشیدہ شولڈر کٹ بال ہوا میں بہت خوب صورت انداز میں لہرا رہے تھے۔ آنکھوں پر سیاہ گاگلز لگائے وہ بلیک بیوٹی بنی ہوئی تھی۔ اس نے فل والیوم میں انگلیش میوزک آن کر رکھا تھا اور وہ اپنی ہی لے میں میوزک انجوائے کرتے ہوئے ڈرائیونگ کر رہی تھی کہ اچانک ایک سفید ہنڈا سوک نے اس کا تعاقب کرنا شروع کر دیا اور اس کے بالکل قریب آ کر اونچی آواز میں ایک انتہائی خوب صورت اور نیلی آنکھوں والے لڑکے نے اس پر ورسنگ کی۔ یعنی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور گاڑی کی اسپید قدرے کم کی۔

”رہیں لگاؤ کی.....؟“ نیلی آنکھوں والے لڑکے نے شرارتی لہجے میں کہا۔ یعنی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”کیوں بلیک بیوٹی..... کیا خیال ہے.....؟“ اگر تم رہیں جیت گئیں تو ہم سب تمہارے اور اگر ہم جیتے تو تم ہماری.....“ نیلی آنکھوں والے لڑکے نے قہقہہ لگا کر پچھلی سیٹ پر بیٹھے دو لڑکوں اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یعنی کو اس کی بات سن کر انتہائی غصہ آیا مگر وہ خاموش رہی اور گاڑی قدرے آہستہ کر دی۔ لڑکوں نے اس پر بھرپور قہقہہ لگایا۔

”کیا ہوا، ڈر گئیں؟“ لڑکے نے کہا اور یعنی نے ایک دم گاڑی کو اتنی تیز رہیں دی کہ لڑکے حیران رہ گئے۔

”یار تیز چلاؤ، وہ دیکھو کیسے گاڑی بھاگ رہی ہے۔“ اسی لڑکے نے کہا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے نے بھی اپنی انتہائی کوشش سے گاڑی کو تیز رفتاری سے چلانا شروع کیا مگر یعنی دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

”ویری بیڈ..... یار لڑکی کیسے ہمیں ہرا گئی؟“

نیلی آنکھوں والے نے تاسف کا اظہار کیا۔

”کوئی بات نہیں پھر کبھی ملے گی تو بدلہ لے لیں گے اور تب ہم ہی جیتیں گے۔“ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے نے خستے ہوئے جواب دیا تو سب منہ ہاتھ کر اسے دیکھنے لگے۔

☆☆☆

”جمال، یعنی ابھی تک نہیں آئی۔ اس لڑکی نے تو حد کر دی ہے۔ فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔“ ایمن نے غصے سے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

”افوہ..... آجائے گی..... ابھی فلائٹ جانے میں چار گھنٹے باقی ہیں۔“ جمال صاحب نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”جمال..... آپ نے اسے بہت چھوٹ دے رکھی ہے اور اسی وجہ سے وہ خود سر اور ضدی ہوتی جا رہی ہے۔“ ایمن نے انہیں الزام دھرتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں ہوا اسے..... وہ میری بیٹی ہے اور کبھی کوئی غلط حرکت نہیں کر سکتی۔“ جمال صاحب نے کہا۔ اسی لمحے فون کی بیل بجنے لگی اور جمال صاحب نے فون اٹھایا۔

”ہیلو..... کون؟ ایس ایچ او صاحب..... جی فرمائیں..... کیا..... یعنی کا چالان ہو گیا ہے؟ اوہ..... تو..... میری اس سے بات کرائیں.....“ جمال صاحب نہایت پریشانی سے بولے۔

”ہاں..... کہو بیٹا کیا بات ہے۔“ جمال صاحب نے پوچھا۔

”ڈیڈی..... میں گھر آ کر آپ کو ساری بات بتاتی ہوں مگر ابھی تو کچھ کیجیے.....“ یعنی نے پریشانی سے کہا۔

”اوکے..... اوکے..... ایس ایچ او کو فون دو۔“ جمال صاحب نے کہا تو یعنی نے ایس ایچ او کو فون پکڑا دیا۔

”آپ اسے جانے دیجیے۔ چالان وغیرہ کا معاملہ میرا اسسٹنٹ آ کر آپ کے ساتھ ملے کر لے

گا۔“ انہوں نے کہہ کر فون بند کیا تو ایمن نے خشکی سے انہیں دیکھا۔

”دیکھ لیا آپ نے..... کس قدر یقین سے کہہ رہے تھے کہ وہ کبھی غلط حرکت نہیں کرے گی۔ جمال اب بھی ٹائم ہے اسے سمجھالیں ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔“ ایمن نے غصے سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

یعنی گھر آئی تو بہت اپ سیٹ تھی۔

”تمہارا چالان کیوں ہوا؟“ جمال صاحب نے خشکی سے پوچھا۔

”سگنل توڑنے پر.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”اور سگنل کیوں توڑا؟“ وہ قدرے خشکی سے بولے۔

”وہ..... کچھ.....“ وہ ہکھلانے لگی۔

”جمال اس سے گاڑی اور بانچک کی چابیاں لے لیں..... سارا دن آوارہ پھرتی رہتی ہے۔ پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دیتی اور اے لیوٹر کے اس نے ایگزامز دینے ہیں۔“ ایمن نے ایک دم کمرے میں آ کر غصے سے کہا تو یعنی نے قدرے غصے سے ماں کی طرف دیکھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

”ایمن! ایک تو تم ڈانٹنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ مجھے پوچھنے تو دو کہ اس نے سگنل کیوں توڑا؟“ جمال صاحب نے غصے سے کہا تو ایمن غصے سے پاؤں پیچنے باہر نکل گئیں۔

”ہاں..... تو کیا ہوا تھا؟“ جمال صاحب نے اس سے پوچھا۔

”میں نے بتایا تو ہے۔“ اس نے برا سامنہ بنا کر جواب دیا۔

”یعنی تو پوچھ رہا ہوں سگنل..... کیوں توڑا؟“ انہوں نے قدرے خشکی سے پوچھا۔

”سگنل کسی uncertain پوزیشن میں ہی پکڑا جاسکتا ہے۔ بس ایسی ہی کوئی مشکل پیش آئی تھی۔“ وہ کہہ کر غصے سے کمرے باہر چلی گئی۔

”یعنی..... رکو..... تو.....“ جمال صاحب اسے آواز میں دیتے رہ گئے مگر وہ کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

☆☆☆

”یعنی تم نے ایک ڈریس بھی ٹرائی نہیں کیا جو میں یوتیک سے تمہارے لیے خرید کر لائی ہوں۔ گھر میں رکھو تو پھر ہے ہاں۔“ ایمن نے خشکی سے کہا جب وہ گاڑی میں اتر پورٹ کی جانب جا رہے تھے۔

”آپ ڈر۔ سڑکیوں لائی ہیں؟“ یعنی نے حیرت سے پوچھا۔

”یہاں کی شادی پر پہننے کے لیے اور کس لیے.....؟“ انہوں نے جواب دیا۔

”آئی سی.....! وہ خاموش ہو گئی۔

”جمال..... آپ کب کراچی آئیں گے؟“ ایمن نے ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے جمال صاحب سے پوچھا۔

”وہ کوشش کروں گا بارات والے دن آسکوں اور اگر نہ آسکا تو ویسے پر ضرور پہنچوں گا۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”آپ بھی کمال کرتے ہیں، خاندان میں کون سی روز روز شادیاں ہوتی ہیں اور میری ایک ہی بہن ہے اور ایک ہی اس کی بیٹی ہے۔ اس کی شادی پر بھی آپ نہ جائیں تو کتنی بری بات ہے۔“ ایمن نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

”کہہ تو رہا ہوں پوری کوشش کروں گا لیکن بزنس کے سلسلے میں ایک فارن ڈسٹیکشن کے ساتھ میٹنگ بھی ہے اور تین ماہ پہلے انہوں نے اس میٹنگ کے لیے ٹائم لیا تھا۔ شادی کی ڈیٹ تو بعد میں مقرر کی گئی ہے۔“ جمال صاحب نے کہا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

”یعنی بیٹے! امما کو وہاں جا کر تنگ نہیں کرنا اور زیادہ گھومنا پھرنا نہیں۔“ جمال صاحب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اوکے ڈیڈی۔“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”اور اسے یہ بھی سمجھا دیجیے کہ خواہ مخواہ کسی سے نہ جھگڑے..... اگر کوئی کچھ کہتا بھی ہے تو



خاموش رہے۔“ ایمن کا بلا واسطہ اشارہ اس کی سیاہ رنگت کی طرف تھا جس کی وجہ سے اکثر لوگ اس کے مختلف نام رکھتے تھے اور وہ سب سے جھگڑتی تھی۔  
 ”ہاں..... بیٹا..... تم لوگ ایک ہفتے کے لیے تو جارہی ہو..... کیا ضرورت ہے کسی سے اُلجھنے کی۔“  
 جمال صاحب نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

”بیٹا! کل ردا کے کالج میں فنکشن ہے اور اس کے سوٹ کے ساتھ دوپٹا ٹھیک میچ نہیں کر رہا۔ اب رات کے دس بج رہے ہیں کہاں سے نیا دوپٹا ڈائی کرواؤں۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے فکر مندی سے فہام کو بتایا۔

”لا میں..... میں ڈائی کروا کر لاتا ہوں۔“ فہام نے جواب دیا۔

”یہ لو..... اور سنو، انارکلی سے سوٹ کے ساتھ میچنگ چوڑیاں اور ہر اپراندہ بھی لاتا..... اس نے کسی پروگرام میں بھی حصہ لیا ہے۔“ خدیجہ بیگم نے کہا۔  
 ”کیا اس وقت ڈائریز کی شاہیں کھلی ہوں گی؟ رات کے دس بج رہے ہیں۔“ فہام نے پوچھا۔

”امید تو ہے..... تم کوشش کر دیکھو..... خدا کرے دکانیں کھلی ہوں ورنہ ردا نے تو رو رو کر برا حال کر لیتا ہے۔“ خدیجہ بیگم نے کہا۔

”آپ فکر نہیں کریں۔ کہیں نہ کہیں سے تو ڈائی ہوئی جائے گا۔ ردا ہے کہاں؟“ فہام نے پوچھا۔  
 ”اپنے کمرے میں میچ کے فنکشن کی تیاریاں کر رہی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے جواب دیا۔

”اچھا..... اب میں جاتا ہوں۔ اس سے کہیے گا فکر نہ کرے۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے سوٹ اور دوپٹے والا اشارہ پکڑا اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد خدیجہ بیگم متفکر سی ردا کے پاس کمرے میں گئیں جو ہاتھ پاؤں اور چہرے پر سچ کریم لگائے بیڈ پر لیٹی تھی۔

”دوپٹے کا کیا بنا.....؟“ ردا نے ادھ کھلی

آنکھوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”فہام گیا تو ہے..... دیکھو..... بے چارہ کب واپس آتا ہے؟“ خدیجہ بیگم نے جواب دیا۔  
 ”مما! اگر دوپٹا ٹھیک میچ نہ ہوا تو میں کیا پہنوں گی؟ آپ بنے کام والی کو کیوں بھیجا..... اس کی تو نظر پہلے ہی کمزور ہے؟“ ردا اٹکی سے بولی۔

”اس کی بیٹی زاہدہ اس کے ساتھ تھی۔ میں نے سوچا اب میں کیا جاؤں، سیکنہ کو ہی بھیج دیتی ہوں۔ دوپٹا ہی تو ڈائی کرانا ہے..... مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ بیچ کے بجائے اورنج ٹکڑ کر دالائے گی.....“ خدیجہ بیگم نے جواب دیا۔

”اللہ کرے اب فہام بھائی ٹھیک ٹکر کروالائیں۔“ وہ پریشانی سے بولی۔

”ردا! تم بہت خوش قسمت ہو جو تمہیں اتنے چاہنے، محبت کرنے والے اور جان چھڑکنے والے بھائی ملے ورنہ آج کل کے زمانے میں بہن، بھائی کہاں ایک دوسرے سے اتنی محبت کرتے ہیں اور ان کی تو تم میں جان ہے۔ حاتم، عاصم تو جو محبت کرتے ہیں فہام ان سے کئی گنا زیادہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہاری آنکھ میں ایک آنسو اسے جتنا تڑپاتا ہے، وہ میں ہی جانتی ہوں۔“ خدیجہ بیگم نے فرط جذبات سے نم آنکھوں کے ساتھ کہا۔

”ہاں..... کالج میں میری دوستیں بھی مجھ پر رشک کرتی ہیں۔ جب میں انہیں بتاتی ہوں کہ فہام، حاتم اور عاصم میرے لیے خود شاپنگ کرتے ہیں۔ میرے کپڑوں کے ساتھ میچنگ جیولری بھی خود خریدتے ہیں اور میری کاسمیٹکس بھی۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”خدا کرے تم بہن بھائیوں میں یہ محبت کبھی کم نہ ہو۔“ خدیجہ بیگم نے اسے دعا دی اور خاموشی سے اس کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

فہام رات کو ایک بجے لوٹا تھا نہ جانے کہاں کہاں سے گھوم کر وہ دوپٹا درست ڈائی کروا کر



لایا تھا اور اس کے ساتھ میچنگ چوڑیاں اور ایک عدد نیاریڈی میڈ سوٹ کے اگر اسے وہ پسند آ جاتا ہے تو وہ پہن لے۔ دوپٹے کا کلر بھی ٹھیک کیج ہو گیا تھا اور ردا بہت خوش تھی۔

”تھینک یو فہام بھائی.....“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میری سوٹ ڈولی شکر یہ کس بات کا؟ میرا تو دل چاہتا ہے کہ تم فرمائش کرنی رہو اور میں انہیں پورا کرتا رہوں۔“ فہام نے مسکرا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

”واؤ..... تمہارا ڈریس تو بہت زبردست ہے۔ کہاں سے خریدا؟“ ردا کی دوست رشنا نے فہام کے لائے ہوئے ریڈی میڈ سوٹ کی بھرپور انداز میں تعریف کرتے ہوئے پوچھا جو اس نے فکشن کے بعد پہنا تھا۔

”فہام بھائی رات کو خرید کر لائے ہیں..... معلوم نہیں کہاں سے خریدا۔“ ردا نے مسکرا کر جواب دیا۔

”یار..... تمہارا بھائی بڑا زبردست ہے اگر کوئی بھائی نہیں ڈھونڈی تو میرے بارے میں بھی غور و خوض کیا جاسکتا ہے۔“ رشنا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”منہ دھور کھو..... ان کی میری خالہ زاد ہمیلہ سے منگنی ہو چکی ہے اور پورے ایک ماہ بعد شادی ہے۔“ ردا نے کہا۔

”منگنی کا کیا ہے، ٹوٹ بھی سکتی ہے اور اب ویسے منگنی تو میری بھی ہو چکی ہے مگر فراز میرے ٹیسٹ کا نہیں..... ہر وقت منہ بنائے سویر بنا رہتا ہے۔ مجھے تو تمہارے بھائی جیسے شوقین مزاج مرد پسند ہیں۔“ رشنا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”مگر..... فہام بھائی کو تو ہمیلہ شروع سے ہی پسند ہے۔ تمہارے بارے میں تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔“ ردا نے کہا۔

”نہ سوچیں..... میں کون سا سیریس

ہوں۔ فراز نے بھی بہت محبت اور منتوں سے میرے ساتھ رشتہ کر دیا ہے۔ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔“ رشنا نے..... قدرے خشکی سے منہ بنا کر کہا۔

”شکر ہے، کتنے انگوڑ جلدی نظر آ گئے۔“ ردا نے اس کر کہا تو رشنا بھی ہنسنے لگی۔

ردا گریجویشن کے فاسل ایئر میں تھی اور الوادی پارٹی میں فورتحہ ایئر کی اسٹوڈنٹس نے کئی پروگرامز ترتیب دیے تھے اور ردا نے ان میں سے دو میں شرکت کی تھی۔ وہ کالج کی آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹس میں سے ایک تھی اور غیر تصافی سرگرمیوں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔

پارٹی ختم ہوتے ہی رشنا کا بھائی تو قیر اسے لینے آ گیا۔ ردا فہام کو بار بار کال کرتی رہی مگر اس کا موبائل آف تھا۔

”آؤ..... میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں۔“ شام گہری ہو رہی ہے۔“ رشنا نے اسے کہا تو وہ مان گئی اور تو قیر کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ نئے ڈریس میں سیاہ کھلے لمبے بالوں کے ساتھ بہت خوب صورت لگ رہی تھی اور تو قیر کی نظریں اس سے نہیں ہٹ رہی تھیں اس نے اس پر مر ریت کر لیا اور کن آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا ردا کو اس پر غصہ آنے لگا مگر خاموش رہی۔

”ردا! ڈراے میں تمہاری ایکٹنگ بہت زبردست رہی اور تم پنجابی بولتے ہوئے بہت کیوٹ لگ رہی تھیں۔“ رشنا نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

”بائی داوے..... کیا رول لے لیا ہے..... ردا نے؟“ تو قیر نے اچانک پوچھا۔

”ہیر کا اور اتنا زبردست کہ میں آپ کو کیا بتاؤں۔ شاید حقیقت میں ہیر اسے دیکھ لیتی تو وہ آج اس کے سامنے ضرور سر ٹر کر دیتی۔“ رشنا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہاں..... کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جن

کے سامنے خود بخود سر ٹر کرنے کو دل چاہتا ہے۔“ تو قیر نے معنی خیز انداز میں کہا تو ردا اس کے جملے کے معلوم کو اچھی طرح سمجھ گئی۔

”رشنا..... پلیز مجھے گھر جلدی ڈراپ کر دو، ہاتھ بہت ہو رہا ہے۔ فہام بھائی کا فون نمبر بھی نہیں مل رہا۔ وہ یقیناً مجھے کالج پک کرنے گئے ہوں گے۔“ ردا نے تو قیر کی سست رفتار ڈرائیونگ سے تنک آ کر کہا۔

”یار..... ایک تو تمہارے بھائیوں نے تمہیں بالکل ہی آن کو فیڈنٹ بنا دیا ہے۔ تمہارا ہر کام اپنے ہاتھ لے کر وہ تمہیں ہیلپ لیس کر رہے ہیں۔ بی کو فیڈنٹ اینڈ اینڈ پیڈنٹ۔“ رشنا نے جھنجھلا کر کہا۔

نصیب والی ہیں ردا..... جنہیں اتنے چاہنے والے ملے۔“ تو قیر نے آہ بھر کر کہا۔

”تو قیر بھائی..... کہیں آپ بھی تو ان چاہنے والوں کی لسٹ میں شامل نہیں۔“ رشنا نے یوں بے باکی سے کہا کہ تو قیر کو بھی ایک جھٹکا لگا اور ردا بھی انتہائی حیرت سے آنکھیں پوری کھول کر رشنا کی طرف دیکھنے لگی۔ تو قیر اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا اور مر رہی سے ردا کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیوں..... تو قیر بھائی..... آپ نے بتایا نہیں؟“ رشنا نے قہقہہ لگا کر کہا تو ردا کو غصہ آ گیا۔

”اب بس بھی کرو رشنا..... تم کیا ہر بات کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہو۔ ویسے تم اتنی ٹان سینس ہو سکتی ہو..... مجھے آج یقین آ گیا ہے۔“ ردا نے خشکی سے کہا تو رشنا کو بھی بات اور موقع کی نزاکت کا احساس ملنے لگا۔

”آئی ایم سوری..... یار میں تو بس یونہی مذاق کر رہی تھی۔“ رشنا نے معذرت کی تو ردا خاموش ہو گئی۔ باقی سارا راستہ خاموشی سے کٹا۔

اچانک ردا کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے جلدی سے ہلو کہا۔

”جی..... فہام بھائی..... میں آرہی ہوں

رشنا کے ساتھ۔ آئی ایم سوری..... اوکے، بائے۔“ اس نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔

”کیا ہوا.....؟“ رشنا نے اس کے اداس لہجے کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

”فہام بھائی کا کالج سے فون تھا۔ وہ ابھی مجھے لینے گئے تھے اور مجھے وہاں نہ پا کر پریشان ہو گئے۔“ ردا نے بتایا۔

”آئی سی۔“ رشنا نے جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔ ردا کو اس کے گھر کے باہر ڈراپ کیا تو رشنا، ردا کی مہما سے ملنے اندر چلی گئی۔ ردا جیسے ہی گاڑی سے باہر نکلی تو تو قیر نے موقع دیکھ کر اسے آہستہ آواز میں مخاطب کیا۔

”ردا! آپ مجھے بھی اپنے چاہنے والوں کی لسٹ میں شامل سمجھیں۔“ تو قیر نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا تو ردا نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور وہ جلدی سے اندر کی طرف بھاگی۔

☆☆☆

شادی کی رسمیں اپنے عروج پر تھیں۔ ڈیفنس میں تین کنال پر محیط وسیع و عریض گونگی کو انتہائی اہتمام اور خوب صورتی سے ایک ہفتہ پہلے ہی ڈیکوریت کر لیا گیا تھا۔ گونگی کی وسعت، خوب صورتی، ڈیکوریشن اور نفاست کو دیکھ کر ہر آنے والا مہمان ضرور چونکا۔ ایمن کی ایک ہی بہن تھی سدیدہ اور اس کی بھی ایک بیٹی اور بیٹا تھے۔ بیٹی کی شادی کراچی کے انتہائی امیر کبیر خاندان میں ہو رہی تھی۔ نیہا، بیٹی سے چار سال بڑی تھی اور انتہائی افسار و خوب صورت تھی۔ یعنی کے اس کے ساتھ ٹرمز ہمیشہ سے ٹارنل رہے تھے البتہ اس کے بھائی شہیر کے ساتھ اس کی دوستی کی وجہ شاید دونوں کا ایک ہی کلاس میں ہونا ٹیسٹ و ایکٹیوٹیز کا مشترک ہونا بھی تھا۔ یعنی کے زیادہ تر شوق لڑکوں والے تھے یا پھر جمال صاحب نے جان بوجھ کر اسے ایسی تربیت دی تھی کہ

ماہنامہ پاکیزہ۔ اکتوبر 2012ء (183)



وہ زمانے میں بھرپور انداز سے سروانچو کر سکے۔

جمال احمد کے تین جڑواں بیٹے پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئے جس کا انہیں شدید دکھ ہوا۔ ایمن تو دو سال سکتے میں رہیں۔ ہر وقت روتی اور پریشان رہتیں۔ تینوں بیٹے بہت خوب صورت تھے اور پیدائش کے دو دن بعد ایک، ایک گھنٹے کے وقفے سے فوت ہو گئے۔ اتنا شدید صدمہ اور دکھ سہنے کے بعد ایمن اپنا ذہنی توازن قدرے کھو بیٹھی تھیں بیٹوں کی پیدائش پر جتنی خوشی منائی گئی اتنا ہی دکھ بعد میں سہنا پڑا۔ جمال احمد بہت مشکل سے ایمن کو سمجھا سمجھا کر تاریل زندگی کی طرف لائے مگر وہ ہر وقت آپیں بھرتی رہتیں۔

بیٹوں کی وفات کے چار سال بعد ایمنی پیدا ہوئی تو ہر کوئی چونک گیا۔ انتہائی دلیلی پتی، مرہل اور کالی سیاہ رنگت والی نہ جانے کس پر چلی گئی تھی۔ نہ تنصیال میں کوئی اس جیسا تھا اور نہ ہی دوھیال میں۔ ایمن نے بچی کو دیکھا تو انہیں شدید دھچکا لگا مگر جمال احمد نے انتہائی خوشی منائی خاندان بھر میں مٹھائیاں تقسیم کیں۔ رسم عقیدہ دھوم دھام سے کیا گیا مگر ایمن جب بھی اسے گود میں اٹھاتیں تو مایوس اور افسردہ ہو جاتیں۔ دل ہی دل میں خدا سے شکوہ کرتیں۔

”یا اللہ تو نے مجھے لڑکی کی نعمت سے نوازا ہے مگر اسے ایسا بنایا ہے کہ اسے دیکھ کر میرے دل کو کوئی خوشی نہیں ہوئی مگر جمال کا دل کتنا بڑا ہے وہ اسے یوں خوشی خوشی اٹھاتے ہیں جیسے اس سے بڑھ کر خوب صورت اور قیمتی شے ان کے نزدیک کوئی اور نہ ہو۔ میں ماں ہو کر اسے قبول نہیں کر پا رہی اور وہ باپ ہو کر کتنے مہربان ہیں۔ میں کیا کروں..... میرے دل کو اس کی محبت سے بھرو۔ تو نے بیٹے تو اتنے خوب صورت دیے اور بیٹی کو کیوں ایسا بنا دیا؟“ وہ اس بات کا ذکر بھی کبھی جمال احمد سے بھی کرتیں تو وہ غصے میں آ جاتے۔

”ایمن! تم خدا کی اتنی ناشکری کر سکتی ہو؟ مجھے یقین نہیں آتا اور تمہیں کیا معلوم..... یہ بیٹی

میرے لیے کتنی بڑی رحمت ثابت ہو رہی ہے جس دن سے اس نے جنم لیا ہے میرا بزنس ترقی کرتا جا رہا ہے۔ محنت تو میں پہلے بھی کرتا تھا مگر اب تو یوں لگتا ہے جیسے خدا مجھ پر بہت مہربان ہو گیا ہے، ہر طرف سے دھن برسا رہا ہے اور میری عزت و قار میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ بیٹی ہمارے لیے باعث برکت ہے۔ تم اس کی شکل صورت پر مت جاؤ۔ نہ جانے یہ کتنے نصیب والی ہو۔ تمہیں اور مجھے کیا معلوم لیکن ان تمام باتوں سے بالائی ہماری اولاد ہے اور اولاد تو یاں، باپ کو کائنات کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اس لیے آئندہ میں تمہارے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نہ دیکھوں۔“ جمال احمد نے ایمن کو سمجھایا تو رفتہ رفتہ ان کے روئے میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی اور ویسے بھی جب کسی کو دیکھنے کا زاویہ بدل جاتا ہے تو ہر شے اس زاویے کے مطابق نظر آنے لگتی ہے اور وہ شے خود بخود خوب صورت دکھائی دینے لگتی ہے۔ چاہے وہ دوسروں کو کتنی ہی بری لگے۔ جیسے ہی ایمن کی نظروں کا زاویہ بدلا انہیں یمنی پیاری لگنے لگی گو کہ اس کے لیے کپڑے خریدتے ہوئے اکثر انہیں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ کوئی لائٹ کلر اسے سوٹ نہ کرتا اور ڈارک کلرز میں تو وہ بالکل ہی بھینتی لگتی تب ایمن دل مسوس کر رہ جاتیں۔ کاش اس کی رنگت سائولی ہی ہوتی تو اسے کوئی کلرز تو سوٹ کرتے مگر وہ آہ بھر کر رہ جاتیں۔

یمنی جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی۔ ایمن اور جمال احمد کو وہ اور عزیز تر ہوتی گئی اور اس کی وجہ اکثر اس کی کہی ہوئی باتوں کا درست ثابت ہوتا تھا۔ وہ ان بچوں میں سے تھی جو مستقبل میں آنے والے وقت اور واقعات کی پیش گوئیاں کرتے ہیں اور وہ پیش گوئیاں سچ ثابت ہوتی ہیں۔ جمال احمد کو اس کی کہی ہوئی باتوں پر بہت یقین تھا، وہ ہر میٹنگ میں

جاننے سے پہلے یمنی کو تنہائی میں بلا کر پوچھتے کہ میٹنگ کا میاب رہے گی یا نہیں اور نتیجہ ہمیشہ اس کے جواب کے مطابق ملتا۔ جمال احمد نے اس بات کو بار بار آزمایا تھا مگر اس بات کو انہوں نے ایمن کے علاوہ کسی اور پر بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ جیسے جیسے جوان ہوتی گئی اس کی یہ صلاحیت رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی اور انہوں نے بھی اس طرح کے سوالات کرنا چھوڑ دیے کہ بچی خواہ خواہ اپنے بارے میں کونشس ہی نہ ہو جائے۔ جمال احمد نے اسے ہر فن مولا بنانے کا منصوبہ سوچ رکھا تھا۔ انہوں نے اس کے لیے انسٹرکٹرز رکھے جو اسے مارشل آرٹس کی تربیت دیتے۔ اس کے علاوہ رائیڈنگ، سوئمنگ، سائیکلنگ بھی وہ خوب کرتی تھی۔ فلائنگ بھی اس نے اے لیولز میں جانے کے بعد سیکھ لی تھی ویسے بھی وہ بلا کی ڈین تھی جو بات ایک دفعہ سن لیتی پھر نہ بھولتی۔

☆☆☆

جمال احمد کا تعلق ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ گاؤں میں ان کی بہت زمینیں اور ایک بہت بڑی حویلی تھی جس کی ساری دیکھ بھال ان کی ماں جی اپنے شوہر کی وفات کے بعد کر رہی تھیں۔ یاں جی محنت مند، عمر رسیدہ، توانا اور جہاندیدہ عورت تھیں۔ جڑواؤں اور ٹھیکیداروں سے ہر حساب کتاب خود لیتیں۔ جمال احمد ان کے اکلوتے بیٹے تھے انہیں بزنس کا گریز ہو گیا اور اس غرض سے وہ شہر آ گئے۔ ایمن ان کی چچا زاد تھیں اور یوں دونوں شادی کے بعد ڈیپنس لاہور میں آئے۔ جمال احمد اور ایمن بھی کھار گاؤں جاتے یا ماں جی ان سے ملنے شہر آ جاتیں اور جب بھی وہ یمنی کو دیکھتیں تو انہیں جمال احمد اور ایمن پر بہت غصہ آتا۔

”جمال! تم اسے دنیا داری کے بارے میں تو سب کچھ سکھا رہے ہو کچھ دین کا علم بھی دیا ہے یا نہیں؟“ ماں جی غصے سے پوچھتیں۔

”ماں جی! قاری صاحب اسے قرآن پاک پڑھانے آتے ہیں۔“ جمال احمد جلدی سے جواب دیتے۔

”بس.....؟ کیا آج کل کے زمانے میں صرف رٹا رٹا قرآن پڑھنا کافی ہے؟ بچوں کو معلوم ہی نہیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ خدا ان سے کیا چاہتا ہے؟ اور ان کو کیسا مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ انہیں کون سکھائے گا؟ جمال احمد یہ تم جیسے بے خبر والدین کی کمزوری ہے جو بچوں کے سروں پر من بھر کتابوں کا بوجھ تو لا دیتے ہیں مگر ایک گھنٹا بھی نہ خود دین کا علم سکھاتے ہیں نہ کوئی عالم دین مقرر کرتے ہیں۔ بس ان سے فر فر کرگریزی سن کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔“ ماں جی نے غصے سے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ایمن کے تاثرات بدلنے لگے انہیں بھی غصہ آنے لگا۔

”ماں جی! اب ایسی بھی بات نہیں..... میں اور ایمن ہر طرح سے اس کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ کیا پڑھ رہی ہے کیا نہیں؟“ جمال احمد نے صفائی دینے کی کوشش کی۔

”خاک خیال رکھ رہے ہو، تم لوگ تو یہی بھول گئے ہو کہ وہ لڑکی ذات ہے اور اس کی تربیت تم لڑکوں جیسی کر رہے ہو۔“ ماں جی انتہائی غصے میں جمال احمد کو کھری کھری سنارہی تھیں اور اس معاملے میں ایمن بھی ماں جی کی ہموا تھیں۔ جمال احمد فون کے بہانے اٹھ کر چلے گئے اور وہ نہ جانے کتنی دیر بڑبڑاتی رہیں۔ ماں جی بڑی جی دار عورت تھیں۔ بڑے رکھ رکھاؤ اور تمکنت والی۔ زمینوں کے معاملات کے سلسلے میں وہ خود بینک اپنے اسٹنٹ کے ساتھ جاتیں اور بڑے بڑے افسران سے بھی ملنے میں تامل نہ کرتیں۔ یہ ان کی انا تھی کہ آج تک انہوں نے اپنا کوئی کام جمال احمد سے نہیں کروایا تھا۔ وہ کبھی ان سے شکوہ بھی نہیں کرتیں انہیں اگر شکوہ تھا تو صرف یہی کہ وہ یمنی کی تربیت ٹھیک نہیں کر رہے جبکہ



جمال احمد اپنی جگہ پر مطمئن تھے کہ وہ اپنی بیٹی کی ایسی تربیت کر رہے ہیں جو آج تک کسی نے نہیں کی۔  
 یعنی کو زیادہ محبت اور لگاؤ باپ سے تھا۔ وہ اپنی ہر بات باپ کے ساتھ شیئر کرتی، ایمن کے ساتھ اس کے تعلقات بس نارمل تھے۔ جمال احمد کے اس رویے کی وجہ سے ایمن اکثر چڑچاٹیں اور یمنی کو خواہ مخواہ ڈانٹیں، جس سے وہ ماں سے متنفر رہتی گوکہ ایمن کو اس سے بہت محبت تھی مگر انہوں نے اپنی محبت کا بھرپور مظاہرہ بھی نہیں کیا تھا شاید انہیں محبت کا اظہار کرنا نہیں آتا تھا یا پھر ان کا انداز محبت بہت مختلف اور گھٹا گھٹا تھا کہ یمنی اس محبت کو بھی بھرپور انداز میں محسوس نہ کر پائی۔ اس لیے وہ باپ کی ہر بات مانتی اور ماں کی اکثر باتوں کو نظر انداز کر دیتی جس سے ایمن چڑ کر اسے ضدی اور خود سر کہہ کر بلاتیں اور یمنی اس بات سے مشتعل ہو کر الٹے سیدھے کام کرتی رہتیں۔

☆☆☆

یہاں کو اپن لگاتے اس کی ساری سہیلیاں اور سسرال سے صرف لڑکیاں اور چند عورتیں آتی تھیں اور سب ہی کراچی کے امیر کبیر اور نامور خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی بات چیت، فیشن اور اسٹائل دیکھ دیکھ کر ایمن اندر ہی اندر کڑھ رہی تھیں انہوں نے یمنی کے لیے لاہور کے ایک مشہور بوتیک سے بیچ اور سی گرین کو کونینیشن میں بہت اسٹائلش سوٹ خریدا تھا مگر جیسے ہی یمنی نے اسے پہنا تو وہ انتہائی بد صورت لگنے لگی۔ اسے وہ سوٹ بالکل نہیں چڑھتا تھا۔

”مما! یہ کیا کونینیشن آپ نے چوز کیا ہے؟ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔“ وہ غصے سے ڈرینگ ٹیبل کے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے بولی۔  
 ”اسی لیے میں تمہیں کہتی تھی کہ میرے ساتھ خود چلو اور اپنی پسند کا ڈریس لے لو مگر تمہیں تو گھونٹے پھرنے سے ہی فرصت نہیں تھی۔ اب میں

کیا کر سکتی ہوں۔ تمہیں یہی پہننا پڑے گا۔“ ایمن غصے سے بولیں۔  
 ”میں یہ ہرگز نہیں پہنوں گی۔“ یمنی نے بھی غصے سے جواب دیا۔

”پھر کیا پہنوں گی؟“ ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

”کم از کم یہ نہیں پہنوں گی۔۔۔۔۔ اور ویسے بھی مجھے شادی کے فضول فنکشنز اینڈ کرنے کا کوئی شوق نہیں۔“ وہ کہہ کر غصے سے واش روم میں ڈریس بدلنے چلی گئی۔ ایمن سر پکڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ سدیدہ انہیں ڈھونڈتی ہوئی ادھر آ گئیں۔

”ایمن۔۔۔۔۔ تم یہاں ہو اور میں تمہیں سارے گھر میں تلاش کر رہی ہوں۔ بھی مہمان خواتین آگئی ہیں۔ جلدی سے تیار ہو کر تم اور یمنی نیچے آ جاؤ۔۔۔۔۔ سب لوگ تمہارا پوچھ رہے ہیں۔“

”کیا کروں آپا۔۔۔۔۔ اس لڑکی نے تو مجھے ادا تنگ کر رکھا ہے کہ کیا بتاؤں، نہ اسے کوئی رنگ چٹا ہے، نہ کوئی فیشن اگر اپنی پسند کا کوئی ڈریس خریدوں تو وہ اسے پسند نہیں آتا۔ ابھی مجھ سے جھگڑ رہی تھی۔ بوتیک سے میں سب سے مہنگا اور خوب صورت سوٹ خرید کر لائی ہوں مگر نہ تو وہ اسے سوٹ کر رہا ہے اور نہ وہ خود اسے پسند کر رہی ہے۔“ ایمن نے پریشانی سے کہا۔

”ایمن آج کل لڑکیاں رنگ گورا کرنے کے لیے نہ جانے کیا کچھ لگاتی رہتی ہیں تم کیوں اسے کچھ استعمال کرنے کو نہیں دیتیں۔“ سدیدہ نے رازداری سے کہا۔

”آپا! کوئی ایک کریم۔۔۔۔۔ جمال کے ساتھ ہر بزنس ٹور پر میں صرف اس کے لیے کاسٹیکس خرید کر لاتی ہوں۔ پارلر لے کر جاتی ہوں مگر وہ کچھ استعمال ہی نہیں کرتی۔ ضدی بھی تو بہت ہے۔“ ایمن نے افسردگی سے کہا۔

”ایمن۔۔۔۔۔ تم پریشان مت ہو۔ وہ ہے

کہاں۔۔۔۔۔؟“ سدیدہ نے پوچھا۔

”واش روم میں۔۔۔۔۔ ڈریس چنچ کرنے۔۔۔۔۔“ ایمن نے آہستہ سے جواب دیا۔ یمنی ڈریس ڈنگر میں لٹکائے واش روم سے باہر نکلی تو اس نے جینز کے ساتھ آف وائٹ کاشن کا کڑہا پہن رکھا تھا۔

”یمنی بیٹے! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ یہاں کی فریڈز تمہارے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔“ انہوں نے محبت سے کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟ پھر مجھ پر ہنسنا چاہتی ہوں گی۔ سب چپ لڑکیاں ہیں۔ آئی ہیٹ ڈیم۔۔۔۔۔ آنٹی میں ایسی بد تمیز اور اسٹو پڈ لڑکیوں کی یمنی انجوائے نہیں کرتی۔“ یمنی نے غصے سے کہا۔

”کم آن بیٹا! ایسی بات نہیں۔ اسنے ذہن سے ساری نیگیٹو باتوں کو نکال دو اور تیار ہو کر نیچے آ جاؤ۔“ سدیدہ نے کہا۔

”سوری آنٹی۔۔۔۔۔ کل انہوں نے جو بد تمیزی کی تھی، آپ بھول گئی ہوں گی مگر میں نہیں بھولی۔۔۔۔۔ انہوں نے ڈھولک کے ساتھ گانوں میں میرے کتے نام ڈالے تھے اور آپ سب لوگ ہتے رہے تھے۔“ یمنی نے غصے سے کہا۔

”بیٹا! شادی بیاہ پر ایسے ہی چلتا ہے۔ مجھے بھی ٹونہ جانے کیا کچھ کہہ رہی تھیں تمہاری ممما کو بھی۔۔۔۔۔ کوئی بھی مائنڈ نہیں کرتا۔ تم بھی ایسا مت سوچو۔“ انہوں نے اسے سمجھایا۔

”آنٹی مجھے ایسے فنکشنز پسند نہیں۔ میں شہیر کے ساتھ باہر جا رہی ہوں اور ویسے بھی میرے پاس کوئی اچھے ڈریسز نہیں۔۔۔۔۔ میں کیا پہنوں؟“ اس نے ایک اور بہانہ گھڑا تو ایمن حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

”آپا! یہ ڈریس دیکھیں۔ تمیں ہزار کا ہے اور یہ دیکھیں پینتیس ہزار کا۔۔۔۔۔ یہ پچاس ہزار کا۔۔۔۔۔ دو لاکھ کے میں اس کے ڈریسز خرید کر لائی ہوں اور یہ کہہ رہی ہے کوئی اچھا ڈریس اس کے پاس نہیں۔ اوہ

کھیل دیپ طے لکھیں دل

گاؤ۔۔۔۔۔ یہ لڑکی تو مجھے پاگل کر دے گی۔ میں مریوں نہیں جاتی۔“ ایمن ہانپہر ہو کر چلانے لگیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

”ایمن! ایمن۔۔۔۔۔ خدا کے لیے عقل سے کام لو۔ یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا۔۔۔۔۔ یہ بچی ہے، اسے آرام سے سمجھاؤ۔“ سدیدہ نے بہن کو نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”آپا! اس نے میری زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ جو کہتی ہوں اس سے الٹا کام کرتی ہے۔ ہر بات میں نقص، ہر بات میں کیڑے۔“ ایمن سسکنا شروع ہو گئیں۔

”یمنی بیٹا! ٹھیک ہے تم شہیر کے ساتھ ہی جاؤ میں اسے کہتی ہوں جہاں سے جو ڈریسز تمہیں پسند آئیں وہ تمہیں اس کی شاہجگہ کر اؤں، اوکے۔۔۔۔۔“ سدیدہ نے اسے سمجھایا تو وہ ایمن کی طرف دیکھ کر زریب مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی اور سدیدہ نے شہیر کو اس کے موبائل پر فون کر کے سب کچھ سمجھا دیا۔

”آج کل کے بچے بہت مختلف ہیں۔ ان کے بہت سارے کامپلیکسز ہیں اس لیے انہیں ذرا ٹیکنیکل انداز میں ٹریٹ کرنا چاہیے نہ کہ چیخ چلا کر اور رو دھو کر اور ایمن ایک بات بتاؤں جب بھی مائیں بچوں کے سامنے یوں رو دھو کر اپنی کمزوری کا اظہار کرتی ہیں تو پھر بچے ساری زندگی ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کو ایکسپلائنڈ کرتے ہیں اور بعد میں اس پجولیشن کو انجوائے بھی کرتے ہیں۔ تم دیکھو جتنی اسٹرونگ اور dominating مائیں ہیں، ان کے بچے ان کے قابو میں رہتے ہیں وہ انہیں آسانی سے ڈانچ نہیں کر سکتے۔ اس لیے تم بھی اپنا اسٹائل بدل لو اب تو وہ خود سر ہو چکی ہے جو وہ چاہے اسے کرنے دو۔ میں نے شہیر اور نیہا کو بھی اتنی اجازت نہیں دی کہ وہ مجھے ایکسپلائنڈ کریں۔“ سدیدہ نے کہا تو ایمن بے بسی سے ان کی طرف



دیکھنے لگیں۔

”آیا! آپ کے شوہر امریکا میں رہتے ہیں اور ساری ذمہ داری آپ ہی پر ہے۔ آپ ہی بچوں کو جیسے چاہیں ٹریٹ کرتی ہیں مگر میرا مسئلہ دوسرا ہے۔ جمال اس کا بھرپور ساتھ دیتے ہیں۔ دونوں کی ایک بات ہے ہر اکون بنتا ہے؟ میں۔ جمال بھی مجھ سے خفا رہتے ہیں کہ میں یمنی کو ٹھیک طریقے سے ٹریٹ نہیں کرتی اور یمنی بھی مجھ سے خفا رہتے ہیں کہ ہاں ہر وقت اسے ڈانٹتی رہتی ہے۔ آپ خود دیکھیں یہ کیسے مجھے زچ کرتی ہے۔“ ایمن بڑی بے چارگی سے کہہ رہی تھیں۔

”ہاں..... تم بھی ٹھیک کہتی ہو لیکن یمنی عام لڑکیوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کا انداز گفتگو، اس کا لائف اسٹائل کافی حد تک لڑکوں جیسا ہے اور لڑکوں سے اس کی دوستی بھی زیادہ ہے۔ وہ لڑکیوں کو ناپسند کرتی ہے۔ بہر حال کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ ٹھیک ہو جائے گی۔ تم تو تیار ہو کر نیچے آؤ سب مہمان تمہارے منتظر ہیں۔“ انہوں نے نرمی سے یمن کو سمجھاتے ہوئے کہا تو انہوں نے گہری سانس لی اور تیار ہونے لگیں۔

☆☆☆

شہیر، یمنی کو شہر کے مشہور بوتیکس میں لے کر گیا تھا مگر اسے کوئی بھی ڈریس پسند نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی تنگ آ گیا تھا۔

”یمنی آخر تم کیسا ڈریس چاہتی ہو؟“ شہیر نے جھجکا کر پوچھا۔

”آئی ڈونٹ نو..... دیکھ تو رہی ہوں جو اچانک اچھا لگے گا وہ خرید لوں گی۔“ اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔

”اتنے اسٹائلش آؤٹ فٹس کو تم ریجیکٹ کر چکی ہو، اب کچھ تو چوز کرو۔“ شہیر نے ایک بوتیک میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”کیوں، کوئی زبردستی ہے کیا؟ پسند آئے گا تو

خریدوں گی۔“ وہ منہ بنا کر طبیعت سے بولی۔

”اوکے..... جب کوئی پسند آئے تو بتا دینا۔“ شہیر غصے سے بولا۔ وہ مختلف ڈریسز دیکھنے لگی اور ایک انتہائی آڈ کو مینشن میں چھوٹی سی شرٹ اور ٹراؤزر اسے پسند آیا۔

”شہیر! یہ سوٹ اچھا ہے، اسے پیک کرالو۔“ یمنی نے سوٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا..... ایہ..... یہ ڈریس تمہیں پسند آیا ہے؟“ شہیر نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”ہاں، اس ویری نائس۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”سوچ لو..... آئی ایم شیور..... تمہاری ماما کو یہ بالکل بھی پسند نہیں آئے گا۔“ شہیر نے حیرت سے کہا۔

”چھوڑو انہیں..... مجھے اپنی چوائس کے ڈریسز پہننے ہیں۔ ان کی چوائس کے نہیں۔ تم ہیمنٹ کرو۔“ اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ اس نے پرائس ٹیگ پڑھا پانچ ہزار شاید بوتیک کا سب سے پرانا اور معمولی سوٹ تھا جو اسے پسند آیا تھا۔ شہیر بھی چونک گیا تھا۔ اس نے ہیمنٹ کی اور خاموشی سے دونوں باہر نکل آئے۔ لیمن اور اوپیک گرین کلر کا انتہائی گندا سا کو مینشن پہن کر جب وہ فٹکشن میں آئی تو ہر ایک نے اس کی طرف انتہائی حیرت سے دیکھا۔ ایمن اسے دیکھ کر جل ہی گئیں اور سدیدہ کی طرف بے بسی سے دیکھا۔ سدیدہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ نیہا کی دوستوں نے ایک دوسرے کو اشارے کیے جن کا مفہوم یمنی بخوبی سمجھ گئی۔ نیہا نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

”یار! تمہارا کلر کو مینشن بہت ایکسیلنٹ ہے۔ اتنا یونیک ڈریس تم نے کہاں سے لیا اور تمہیں یہ بہت سوٹ بھی کر رہا ہے۔“ نیہا کی ایک دوست ڈرتیہ نے شرارتی لہجے میں یمنی سے کہا۔

”تم پہن لو۔“ یمنی نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ارے..... ارے نہیں، میں تو یونہی تعریف

کر رہی تھی۔“ ڈرتیہ نے کہا۔

”کیا یہ کو مینشن تم نے پہلی بار دیکھا ہے جو اتنی crush ہو رہی ہو۔“ یمنی نے قدرے نجی سے کہا تو ڈرتیہ خاموش ہو کر رہ گئی۔

”یار نیہ! تمہاری کزن تو بالکل ہی بھڑ ہے، بات کرو تو کانٹے کو دوڑتی ہے۔ اسے پراہلم کیا ہے؟“ ڈرتیہ نے موقع دیکھ کر نیہا سے کہا۔

”شاید اپنے کا مینٹیکیشن کی وجہ سے کسی کا مینٹیکس کا حکار ہے۔“ نیہا نے توجہ پیش کی۔

”ہا مینٹیکس..... آئی ڈونٹ بلیوٹ..... وہ بہت کونیڈنٹ ہے بلکہ اور کونیڈنٹ ہے۔“ ڈرتیہ نے کہا۔

”وہ شروع سے ہی ایسی ہے۔ اس لیے میں اس کے ساتھ زیادہ کبھی فریک نہیں ہوتی۔“ نیہا نے بتایا اور دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنا شروع ہو گئی۔ یمنی منہ بناتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

”وہ شروع سے ہی ایسی ہے۔ اس لیے میں اس کے ساتھ زیادہ کبھی فریک نہیں ہوتی۔“ نیہا نے بتایا اور دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرنا شروع ہو گئی۔ یمنی منہ بناتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

کھیل دیپ طے کھیل دل

کرتے ہوئے وہ گھبراتی تھی۔ تو قیر خوب صورت اور اسٹارٹ تھا مگر نہ جانے کیوں ردا کو وہ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ویل ایجوکیٹڈ اور ویل گروڈ پر سٹائلی کا مالک تھا۔ الیکٹریکل انجینئر کے طور پر ایک سرکاری ادارے میں جاب کرتا تھا مگر ردا اس سے ہمیشہ خائف رہتی۔ اس کی وجہ اسے خود سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اس نے نہ تو کبھی اس سے کوئی بدتمیزی کی تھی اور نہ ہی وہ چھپھورا تھا مگر کچھ ایسا ضرور تھا جو ردا کو وہ بھاتا نہیں تھا۔ وہ نوٹس دینے آیا تو اس وقت گھر پر کوئی نہیں تھا۔ سوائے اس کے اور خدیجہ بیگم کے اور وہ بھی سو رہی تھیں۔ نکل بننے پر وہ گیٹ پر گئی تو تو قیر چشمہ لگائے کھڑا تھا اسے دیکھ کر اس نے چشمہ اتارا اور مسکرا کر ردا کی طرف دیکھا۔

”کیسی ہیں آپ؟“ تو قیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”آپ کچھ خفا خفا سی لگ رہی ہیں، کیا بات ہے؟“ تو قیر نے آہستہ سے پوچھا۔

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں کیوں خفا ہوں گی ویسے نوٹس کہاں ہیں؟“ وہ اس سے زیادہ باتیں کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

”نوٹس بھی مل جاتے ہیں۔ کیا آپ اندر نہیں بلائیں گی؟“ تو قیر نے شوخ لہجے میں پوچھا۔

”سوری، اس وقت بھائی گھر پر نہیں.....“ اس نے جلدی سے کہا۔

”ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی..... یہ لیجیے اپنے نوٹس..... اور ان کے اندر آپ کو ایک کاغذ ملے گا اسے اچھی طرح سے پڑھ لیجیے گا۔“ تو قیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیسا کاغذ.....؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”کوئی سچا پیپر.....“ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

”کیا مطلب..... میں سمجھ نہیں پاتی۔“

”پڑھ کر سب کچھ سمجھ آ جائے گا بلکہ پہلی دفعہ تو

ماہنامہ پاکیزہ۔ اکتوبر 2012ء 189

188 ماہنامہ پاکیزہ۔ اکتوبر 2012ء



ایسی چیز پڑھ کر چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ یہ میرا تجربہ نہیں۔ اکثر لوگ بھی کہتے ہیں۔ ”وہ ہشتے ہوئے بولا اور گاڑی میں بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ رواج حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی اور بھاگ کر اندر چلی گئی۔ اپنے کمرے میں جا کر جلدی سے نوٹس کھولے تو اس میں سے ایک خط نما کاغذ نکلا۔ اس نے جلدی سے اسے کھولا اور پڑھنے لگی۔

”اس طرح دل میں ساؤگے

یہ معلوم نہ تھا

اس طرح دل کوڑپاؤگے

یہ معلوم نہ تھا

سوچا تھا کبھی یاد نہیں آؤگے

مگر اس قدر یاد آؤگے

یہ معلوم نہ تھا

روا تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ تمہیں چاہنا، زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے اور تمہیں پانا زندگی کا حاصل..... کیا میں یہ امید رکھوں کہ میری اس چاہت کے حصول میں تم میرا ساتھ دو گی۔

توقیر“

ردائے کاغذ پڑھ کر پُڑے پُڑے کر ڈالا۔

”اسٹوڈنٹ..... نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے..... انتہائی چھوڑا اور فکرِ قسم کا انسان ہے جسے اتنی تمیز نہیں کہ بہن کی دوست کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ اس کے ساتھ رومانس شروع کر دیا ہے۔ میرے بھائیوں نے تو کبھی ایسے نہیں کیا۔ میری دوستوں کو ہمیشہ میری طرح ہی سمجھا اور ان کی عزت کی ہے، یہ بھی رشنا کی طرح ہی ہے۔ آئندہ میں دونوں سے ہی نہیں ملوں گی۔“ ردائے غصے سے سوچا اور کاغذ کے پُڑے پُڑے کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیے اور نوٹس کھول کر پڑھنا شروع ہو گئی مگر پڑھتے پڑھتے اچانک دماغ کسی اور طرف چل پڑا۔ سوچ نکلیں اور جھٹکنے لگی۔ ذہن میں توقیر کے لکھے ہوئے اشعار گونجنے لگتے اور وہ جھنجھلائے لگتی۔

”اُف خدایا! کیا مصیبت ہے..... یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ میرے پڑھنے کے دن ہیں اور کیا بکواس سوچیں میرے ذہن میں آرہی ہیں اور ان سب کا ذمے دار توقیر ہے اگر میں نکل ہوئی تو میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔“ اسے رہ رہ کر توقیر پر غصہ آنے لگا۔ رات کو سونے لگی تو توقیر کی باتیں، اس کی مسکراہٹ، اس کا شوخ و شرار لب و لہجہ اور اس کا خط اور خط میں اس کی باتیں اس کی چاہت اور تمنا وہ ساری رات سونہ سکی..... کروٹیں بدلتی رہی اور توقیر کو کوستی رہی۔

”میں نے اس سے ایسا کیا کہا ہے اور کب کہا ہے کہ وہ یوں اظہارِ محبت کرنے پر مجبور ہو گیا۔“ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی، اس کی رشنا سے دوستی فرسٹ ایئر سے تھی اور کبھی کبھار وہ ان کے گھر چلی جاتی تھی یا رشنا ان کے گھر آ جاتی تھی۔ توقیر، رشنا کو یک اینڈ ڈراپ کرنے آتا اور اس کے بھائیوں نے بھی اس سے کبھی بات نہیں کی تھی سوائے سلام دعا کے اور وہ کیسے اتنا سب کچھ assume کر بیٹھا..... خود بخود ہی اس نے اسے چاہت اور محبت قرار دے دیا۔ وہ سوچ سوچ کر تھک جاتی مگر ان سب باتوں کے باوجود وہ اس کے دل میں گھر نہیں کر پا رہا تھا اس کے اقربا محبت نے روا کو مسرور نہیں بلکہ اس سے متنفر کر دیا تھا۔ وہ اس کے لیے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں محسوس کر رہی تھی بلکہ اس کا دل اس کے خلاف بول رہا تھا۔ اسے اس سے محبت کے بجائے نفرت کا محسوس ہو رہی تھی جس نے اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا تھا۔

”میں تم سے کبھی محبت نہیں کر سکتی اور نہ ہی کروں گی۔“ وہ غصے سے سوچتی۔

”اس شخص کو اتنا خیال نہیں آیا کہ میرے ایگزامز شروع ہونے والے ہیں اور ایسی باتیں لکھ کر مجھے ڈسٹرب کر رہا ہے۔ کیا یہ موقع تھا اظہارِ محبت کا.....؟ اسے پھر اس پر غصہ آنے لگا۔

صبح ناشتے کے بعد وہ پڑھنے کے لیے بیٹھی تو رشنا کا فون آ گیا۔

”یار..... تجھے نوٹس ملے ہیں کہ نہیں۔ توقیر بھائی سے پوچھتی ہوں تو کہتے ہیں کہ راستے میں کہیں گم ہو گئے۔ اور تمہارا بھی کوئی فون نہیں آیا، میں پریشان ہو رہی تھی۔“ رشنا نے فکر مندی سے پوچھا۔

”نوٹس تو وہ مجھے خود دے کر گئے تھے۔ پھر کیوں ایسا کہا؟“ ردائے حیرت سے پوچھا۔

”مجھے شک کرنے کے لیے کہا ہوگا۔ سچ بہت مذاق اور چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے تو گھر کی رونق ہیں۔ بہت ہی جڑی ہیں۔ اب دیکھنا میں ان کا کیا حال کرتی ہوں۔“ رشنا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں، انہیں چھوڑنا مت..... خوب ان کی بے عزتی کرنا۔“ نادانستہ ردائے منہ سے نکلا۔

”بے عزتی..... کیوں؟“ رشنا نے حیرت سے پوچھا تو وہ ایک دم بوکھلا گئی۔

”آئی ایم سوری! یونہی میرے منہ سے نکل گیا۔ دراصل انہوں نے تم سے جھوٹ بولا اس لیے میرے ذہن میں آیا۔“ ردائے جلدی سے بات کو سنبھالنے کی کوشش کی اور فوراً ہی فون بند کر دیا اور پھر سوچ میں پڑ گئی کہ اس نے رشنا سے جو کچھ بھی کہا غلط کہا ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔

☆☆☆

رشنا نے سارے گھر میں ایک ہنگامہ پر پا کر رکھا تھا۔ ایگزامز کے دوران ہی ردا کی برتھ ڈے تھی۔ اور وہ ردا کی برتھ ڈے بھی سیلبرٹ کرنا چاہتی تھی مگر پیچ کی تیاری بھی ابھی باقی تھی۔

”کیا کروں..... ابھی گفٹ بھی خریدنا ہے۔“ وہ سوچ میں پڑ گئی اور توقیر کے کمرے میں گئی۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

”توقیر بھائی! پلیز..... میرا ایک کام

کھیل حبیب طے کھیل دل

کر دیں۔“ رشنا نے التجائیہ انداز میں کہا۔

”اوہ! کام..... یقیناً ردا کو کچھ دینا یا پھر اس سے کچھ لینا ہوگا۔“ توقیر نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں..... وہ دراصل آج اس کی برتھ ڈے ہے اور کل ہم دونوں کا پیپر بھی اور پیپر بہت لمف بھی ہے تو.....“ وہ کہتے ہوئے رکی۔

”تو.....؟“ توقیر نے بالوں میں برش کرتے ہوئے رگ کر اس کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

”تو..... آپ اپنی پسند کا..... آئی مین..... میری پسند کا اچھا سا گفٹ لے کر ردا کو اس کے گھر دے آئیں۔“ رشنا نے کہا۔

”سوری، میں قادرغ نہیں..... اور ہائی وا وے۔ تم نے مجھے اپنا ملازم کیوں سمجھ رکھا ہے کہ میں تمہارا یہ کام کروں..... وہ کروں۔“ توقیر نے مصنوعی ہنسی سے کہا۔

”توقیر بھائی..... پلیز! پہلی اور آخری بار..... اچھا آئندہ نہیں کہوں گی۔“ رشنا نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

”تم ہر بار یہی کہتی ہو..... اور اگلی بار پھر تم رونی سی صورت بنا کر میرے پاس آ جاتی ہو کہ مجھے تم پر ترس آئے لگتا ہے۔“ توقیر نے منہ بنا کر کہا۔

”اس کا مطلب ہے آپ جا رہے ہیں۔“ رشنا نے جلدی سے کہا۔

”نہ گیا..... تو..... تم نے ٹینشن میں رہنا ہے اور اگر کل تمہارا پیپر اچھا نہ ہوا تو سارا الزام مجھ پر آئے گا۔“ توقیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو..... ویری میچ! توقیر بھائی..... آئی ایم سوگریٹ فل..... یہ لیس پیسے اور ان سے ردا کے لیے گفٹ خرید لیجیے گا۔“ رشنا نے پانچ ہزار کا نوٹ اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

”اسنے تھوڑے پیسے..... ان میں کیا آئے گا؟“ توقیر نے پانچ ہزار کا نوٹ پکڑ کر منہ بنا تے ہوئے کہا۔



☆☆☆

ردا کا آخری پیپر تھا اور وہ بہت خوش تھی کہ ایگزامز سے جان چھوٹی اور اب وہ جی بھر کر سوئے گی۔  
ناب پیپر کی ٹینشن ہوگی اور نہ کان جانے کی فکر۔  
”امی آج میں نے بہت سونا ہے۔ کوئی مجھے نہ اٹھائے۔“ اس نے کالج سے آکر ماں سے کہا۔ اس کی آنکھیں نیند اور تھکاوٹ سے بند ہو رہی تھیں۔  
”بیٹا! کھانا کھا کر سو جانا۔“ خدیجہ بیگم نے محبت سے کہا۔

”نہیں امی..... مجھے صرف اور صرف سونا ہے۔“ وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور جیسے ہی بیڈ پر لیٹی تو اس کے موبائل پر کال آئے گی، اس نے بیزارگی سے ہیلو کہا تو دوسری جانب تو قیر تھا۔  
”سوری فار ڈسٹرنگ یو..... بس میں تو آپ کے ایگزامز ختم ہونے کا شدت سے انتظار کر رہا تھا۔“ تو قیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”کیوں..... آپ کو میرے ایگزامز سے کیا کنسرن.....؟“ ردا خشک لہجے میں بولی۔  
”آپ کی ہر بات سے مجھے کنسرن ہے۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”کیوں.....؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔  
”اچھا یہ بتائیں آپ کو شاعری کی کتابیں کیسی لگیں..... آئی مین میرا انتخاب..... شاعری کے بارے میں..... میں بہت choosy ہوں۔“ وہ بولا۔  
”کون سی کتابیں..... کیا میرے پاس اتنا نام تھا کہ میں اپنی کورس کی کتابیں چھوڑ کر شاعری کی کتابیں پڑھتی اور ویسے بھی مجھے شاعری سے کوئی لگاؤ نہیں۔ زائدہ نے حلیف میں لگادی ہیں کسی روز وقت ملے گا تو دیکھ لوں گی۔“ اس نے منہ بنا کر بیزارگی سے کہا۔

”ردا..... آپ کے لہجے میں اتنی بیزارگی کیوں ہے۔ کیا آپ..... میرے بارے میں کچھ محسوس نہیں کرتی؟“ تو قیر نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

لکھا ہوا پیغام محبت پا کر ضرور اسے کال کرے گی۔  
”مجھے بیٹھے اس کا ذہن ردا کے خیالوں میں ہی کھویا رہا۔ جیسے ہی اس کا موبائل بجتا تو وہ مضطرب ہو کر موبائل اٹھاتا کہ شاید ردا کی کال آئی ہو..... مگر ہر بار کسی اور کی کال ہوتی۔“

”ردا کے پیپرز ہو رہے ہیں۔ وہ کیسے کال کر سکتی ہے۔“ وہ اپنے دل کو تسلی دے کر مطمئن ہو جاتا..... مگر دل تھا کہ اس کی بات سن کر ایک لمحے کو مطمئن ہوتا تو اگلے ہی لمحے مزید مضطرب ہو کر بے قرار ہونے لگتا۔

”ممکن ہے..... ردا نے تحائف ہی نہ کھولے ہوں۔“ وہ سوچتا اور پریشان ہو جاتا..... ”مجھے رشنا سے پوچھنا چاہیے..... ردا نے اسے تو کچھ بتایا ہوگا۔“ وہ بھی سوچ کر رشنا کے کمرے میں گیا۔

”تھینک یو ویری ریچ تو قیر بھائی..... ردا بہت خوش تھی اور وہ مجھے بہت ٹھنکس بول رہی تھی۔ آپ کی چو اس کا پرفیوم اسے بہت پسند آیا..... کیک اور بسکٹ..... ٹھنکس الاٹ.....“ رشنا قدرے پر جوش انداز میں جذباتی ہو کر بولی۔

”اور..... اور اس نے کچھ نہیں بتایا؟“ نادانستہ تو قیر کے منہ سے نکلا۔

”کیا.....؟“ رشنا کے منہ سے حیرت سے نکلا۔  
”آئی مین..... ٹھنکس کے بارے میں۔“ تو قیر نے ذومعنی انداز میں پوچھا۔

”میں نے بتا تو دیا ہے۔ پرفیوم، کیک اور بسکٹ کے بارے میں..... آپ اور کون سے ٹھنکس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ کیا کوئی اور بھی.....؟“ رشنا نے شرارت سے پوچھا۔

”نہیں..... نہیں میں انہی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“ تو قیر جلدی سے بولا۔

”تھینک یو! تو قیر بھائی..... آئی ایم پراؤڈ آف یو۔“ رشنا نے کہا تو وہ مسکرا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

”آپ..... آپ نے کیوں ٹکلف کیا؟“ وہ ہر مشکل بولی۔

”محبت میں ٹکلف کیسا.....؟“ تو قیر نے فوری جواب دیا۔

”کیسی محبت.....؟“ ردا نے خفگی سے کہا۔  
”وہی جو میں آپ سے کرتا ہوں۔“ تو قیر نے جواب دیا۔

”پکیز! آئی ایم سیک آف اٹ..... ہر وقت محبت..... محبت آپ کو کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ میں نے آپ سے کہا تھا.....“ وہ خفگی سے بول رہی تھی کہ اسی لمحے خدیجہ بیگم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

”ارے..... تو قیر بیٹا..... کیسے ہو؟“ خدیجہ بیگم نے محبت سے اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔  
”ٹھیک ہوں آنٹی؟“ وہ مسکرا کر بولا۔

”ردا بنے کوئی چائے وغیرہ..... زائدہ سے کہو.....“ خدیجہ بیگم نے کہا۔  
”جہیں آنٹی..... پھر بھی سہی..... ابھی میں بہت بڑی ہوں۔“ تو قیر نے مؤدبانہ کہا اور اجازت لے کر چلا گیا۔ ردا کے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے۔

”ارے واہ! رشنا تو تم پر آج کل بہت مہربان ہے۔ اتنے زیادہ تحائف بھیج دیے۔“ خدیجہ بیگم نے تحائف کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ردا جواب میں زبردستی مسکرا دی اور تحائف اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ تو قیر کے تحائف کو اس نے ریپر بھاڑ کر ٹیبل پر پھینک دیا اور خود پڑھنے میں مصروف ہوئی۔

اسے تو قیر پر بار بار غصہ آرہا تھا۔ وہ اس کے دیے ہوئے ٹھنکس کو دیکھتی تو اور غصہ آنے لگتا۔

☆☆☆

تو قیر نے اپنے دل کی بات ردا تک پہنچائی تھی اور اب وہ منتظر تھا کہ ردا کا کیا ری ایکشن ہوتا ہے۔ وہ سارا وقت منتظر رہا کہ ردا جب اس کے دیے ہوئے تحائف کو کھول کر دیکھے گی تو اس کے اندر اس کا

”کیا واقعی.....؟“ مگر ان پیسوں سے تو بہت اچھا گفٹ آسکتا ہے۔“ رشنا نے کہا۔

”ہاں..... تم خریدو گی تو ضرور آسکتا ہے۔ اگر میں خریدوں تو کچھ بھی نہیں آئے گا۔“ تو قیر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔  
”تو..... آپ کوئی ٹارٹل سا گفٹ خرید لیں۔“

رشنا نے کہا۔  
”لیکن اسلٹ تو میری ہوگی کہ گفٹ دیتے میں گیا اور وہ بھی ٹارٹل سا..... اس لیے تم اپنے پیسے اپنے پاس رکھو..... میں کوئی اچھا سا گفٹ خرید کر اسے دے دوں گا۔“ وہ کوٹ پہن کر اپنا آفس بیگ اٹھاتے ہوئے بولا تو رشنا مسکراتے لگی۔

☆☆☆

تو قیر نے رشنا کی طرف سے بہت قیمتی پرفیوم، کیک اور خوب صورت بوکے خریدے اور اپنی طرف سے شاعری کی کتابوں کا ایک سیٹ اور چائیس کا ایک پیک اور ایک کتاب میں اپنی طرف سے ایک محبت نامہ لکھ کر اسے خوب صورتی سے پیک کر دیا اور دیتے چلا گیا۔ ردا اپنے کمرے میں پیپر کی تیاری کرنے میں مصروف تھی جب زائدہ (ملازمہ) نے اسے اطلاع دی کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے وہ چونگی اور حیرت کے تاثرات چہرے پر لیے ڈرائنگ روم میں گئی تو دیکھا تو قیر ٹھنکس کے ڈھیر کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

”پپی برتھ ڈے ٹو یو.....“ تو قیر نے بڑی خوش دلی سے اسے ش کی۔

”آپ.....؟“ ردا نے انتہائی حیرت سے کہا۔  
”اچھو سلی..... رشنا ایگزامز کی وجہ سے نہیں آسکی۔ اس لیے اس نے مجھے یہ ٹھنکس دے کر بھیجا ہے۔“ اس نے بوکے کیک اور پرفیوم کا پیک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اور یہ میری طرف سے۔“ بقیہ ٹھنکس دیتے ہوئے تو قیر نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے ٹھکانا کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تہہ بیل
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی سالانہ برڈنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈپ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپڈیٹنگ
- ✧ یہ کون کون سا نیا نیا ہے یہ کون سا
- ✧ عمران میریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈفری ٹکس، ٹکس ٹویسے کمنٹ کے لئے ٹرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ایب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ سے لئے نہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر مستعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Facebook



Twitter: @paksociety

”کیا یعنی بھی تمہارے ساتھ ہے؟“ سدیدہ نے پوچھا۔

”نہیں تو۔۔۔“ شہیر نے جواب دیا۔

”ہم لوگ تو یہی سمجھ رہے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھ گئی ہے۔۔۔ تو پھر وہ کہاں ہے؟“ سدیدہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

”آئی ڈونٹ نو۔۔۔۔۔ ماما! بٹ اپنی دے میں مگر آ رہا ہوں، آپ لوگ پریشان مت ہوں۔“ شہیر نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

”آپا! کیا یعنی شہیر کے ساتھ نہیں تو پھر وہ کہاں گئی؟ یہاں تو وہ کسی کو نہیں جانتی۔۔۔۔۔ آپ کی ساری گاڑیاں گھر پر ہی ہیں ناں؟“ ایمین نے پریشانی سے پوچھا۔

”نیچے ڈرائیور سے پوچھتی ہوں۔“ سدیدہ اور وہ چیخے آئیں۔ ڈرائیور سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ شہیر کی گاڑی کے علاوہ ساری گاڑیاں بھی گھر پر ہیں۔

”تو پھر وہ کہاں جاسکتی ہے؟“ ایمین نے فکر مندی سے سوچا اور اس کا موبائل نمبر ملایا مگر وہ آف جا رہا تھا۔

”یا اللہ! میں کیا کروں؟ اس لڑکی کو کہاں ڈھونڈوں۔“ ایمین نے گھبرا کر کہا۔ گھر میں ہر طرف یعنی کی گشت گردی کا ذکر ہونے لگا۔ شہیر بھی آگیا اور سدیدہ کے شوہر ظہیر بھی پریشان ہو کر ادھر ادھر تلاش کرنے لگے۔ ڈیفنس کے ایرے سے وہ کہاں غائب ہو سکتی ہے۔ وہ یقیناً خود ہی کہیں گئی ہوگی۔

”ظہیر بھائی آپ جمال کو فون کریں اور انہیں یعنی کے بارے میں بتائیں۔“ ایمین نے روتے ہوئے کہا۔

”ایمین حوصلہ کرو۔۔۔۔۔ پہلے ہمیں ڈھونڈ لینے دو پھر دیکھتے ہیں۔“ ظہیر نے انہیں سمجھایا۔

”ہائے میری بیٹی کہاں چلی گئی۔۔۔۔۔“ ایمین کو اچانک ہول سا اٹھا۔ انہوں نے زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئیں۔

(باقی آئندہ ماہ پڑھیں)

”ہلیز۔۔۔۔۔ مجھ سے یہ فضول باتیں مت کریں۔ اور بتائیں آپ نے اس وقت فون کیوں کیا ہے؟“ وہ خفگی سے بولی۔

”ٹھیک ہے تو سنیں، مجھے آپ سے بہت محبت ہے، آپ کو پروپوز کرنا چاہتا ہوں اور اسی سلسلے میں۔۔۔۔۔ میں اپنے گھر والوں کو آپ کے ہاں بھیجنا چاہتا ہوں۔“ تو قیر نے کہا تو رد کو غصہ آگیا اور اس نے موبائل آف کر کے رکھ دیا۔ وہ کمرے کی لائٹ آف کر کے لیٹ گئی مگر نیند اب اس سے روٹھ چکی تھی۔ وہ بے چین ہو کر کروشیں بدلتی رہی۔

☆☆☆

نیہا کی مہندی کی رسم کی تیاریاں سرشام ہی شروع ہو چکی تھیں۔ مہندی کا کنکشن ایک بہت بڑے ہوٹل میں ہونا تھا۔ گھر کے سب لوگ سہ پہر سے ہی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ایمین نے یعنی کا سوٹ نکال کر پریشان کر دیا تھا۔

”ایمین۔۔۔۔۔ یعنی کہاں ہے؟“ سدیدہ نے اس کے کمرے میں آ کر پوچھا۔

”شہیر کے ساتھ کہیں گئی ہوگی۔۔۔۔۔“ ایمین نے بے پروائی سے جواب دیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ شہیر بھی گھر پر نہیں۔۔۔۔۔ پھر دونوں کہیں گئے ہوں گے، آج صبح سے میں نے اسے نہیں دیکھا تو پریشان ہو گئی تھی۔“ آپا نے کہا تو ایمین بھی چوٹک گئیں۔

”ہاں میں نے بھی اسے صبح سے نہیں دیکھا۔۔۔۔۔ شہیر کو فون کر کے پوچھیں کہ وہ کہاں ہے اور کیا یعنی بھی اس کے ساتھ ہے؟“ ایمین نے پریشانی سے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میں اسے فون کرتی ہوں۔“ ”ہیلو بیٹا! اس وقت کہاں ہو؟“ سدیدہ نے بیٹے کو فون کر کے پوچھا۔

”مہی! میں اپنے فرینڈز کے ساتھ بڑی ہوں۔“ شہیر نے جواب دیا۔

194 ماہنامہ پاکیزہ - اکتوبر 2012ء







ایموشنل اسٹیپ نہ لے لیں۔ آخر وہ بھی تو بہت اثر رسوخ والے آدمی ہیں۔“ ظہیر نے پریشانی سے جواب دیا۔

”لیکن..... میرا خیال ہے اب کافی ٹائم گزر چکا ہے۔ مہندی کا فنکشن بھی ہم نے اسی لیے ملتوی کر دیا۔ سارا دن گزر گیا، اب رات کے بارہ بج رہے ہیں اور یمنی کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ جمال کو ساری بات بتا دیں۔“ سدیدہ نے شوہر سے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے میرا موبائل پکڑاؤ۔“ ظہیر نے سائنڈ ٹیبل پر رکھے موبائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ذرا طریتے سے بات کیجیے گا۔“ سدیدہ نے انہیں موبائل دیتے ہوئے کہا۔ ظہیر نے جمال کا نمبر ملا یا مگر ان کا موبائل آف تھا۔ وہ بار بار نمبر ملاتے رہے مگر جواب نہ دار.....

”جہاں کا موبائل آف ہے۔“ ظہیر نے مایوسی سے موبائل آف کرتے ہوئے کہا۔

”ظہیر..... کیوں ناں ہم پولیس میں رپورٹ لکھوا دیں۔ آج کل شہر میں اتنے جرائم بڑھ رہے ہیں۔ خدا نخواستہ کوئی..... اللہ نہ کرے..... میرا تو سوچ، سوچ کر دل ہی دل رہا ہے۔ میں نے تو نہ جانے کیا کیا منتیں مانی ہیں کہ جیسے ہی یمنی ملے گی ساری منتیں پوری کروں گی۔ پرانی امانت ہے، خیر سے اپنے گھر جائے۔“ سدیدہ نے فکر مندی سے کہا۔

”اولاد کو اتنا سر بھرا نہیں ہونا چاہیے کہ ماں باپ سمیت دوسروں کو بھی اذیت میں ڈال دے۔ اب یہاں کی مہندی کی رسم کو اس کی خاطر ملتوی کرنا پڑا اور لوگوں کو انعام کرنا کتنا مشکل ہو گیا تھا۔ یہ صرف اس لڑکی کی وجہ سے ہوا ہے۔“ ظہیر خفگی سے بولے۔

”ہاں، وہ ایسی ہی ہے۔ مگر اب کیا کیا جاسکتا ہے۔ ایمن خود اس کی وجہ سے بہت اب سیٹ رہتی ہے۔ کس کو قصور وار ٹھہرائیں۔“ سدیدہ نے

یمن کی طرف داری کرتے ہوئے کہا۔ یہاں کو یمنی کا آنا ویسے ہی اچھا نہیں لگا تھا اور اب اس کی وجہ سے اس کا فنکشن ملتوی ہو گیا تو اسے رہ رہ کر اس پر غصہ آ رہا تھا مگر وہ خاموش بھی کہ نہ جانے اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو، شہیر بھی اسے ہر جگہ تلاش کر رہا تھا مگر وہ کہیں بھی نہیں مل رہی تھی۔

☆☆☆

”آپ فکر مت کریں، آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔“ یمنی نے بیڈ پر لیٹے ہوئے شخص کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

”آپ..... تو میرے لیے فرشتہ ثابت ہوئی ہیں۔ آپ اچانک کہاں سے آگئی تھیں اگر آپ مجھے سڑک سے اٹھا کر اسپتال نہیں لاتیں تو میں اب تک مر چکا ہوتا۔“ وہ روتے ہوئے بولا۔

”ہاں..... بہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن اگر میں وہاں نہ ہوتی تو کوئی اور آپ کو اسپتال لے آتا۔“ یمنی نے صاف گوئی سے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

”آپ کی ان لڑکوں کے ساتھ کیا دشمنی تھی اور انہوں نے آپ کو کیوں مارا؟“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں، وہ مجھ سے موبائل چھین رہے تھے اور میں انہیں نہیں دے رہا تھا۔ بس انہوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔“

”تو آپ موبائل دے دیتے۔“ یمنی نے کہا۔ ”بڑی مشکل سے یہ سیکشنڈ ہینڈ موبائل خریدا تھا، وہ بھی بہت ضرورت کے تحت..... کالج میں اپنی کلاسز اینڈ کرنے کے بعد میں ٹیوشنز پڑھاتے جاتا ہوں اور موبائل پر اسٹوڈنٹس مجھے فون کر کے آنے یا نہ آنے کے بارے میں بتاتے ہیں۔ میں بہت مشکل سے اپنے گھر کا خرچ چلاتا ہوں۔ موبائل میری ضرورت ہے، لکڑی نہیں۔ کاش وہ لڑکے اس بات کو سمجھتے..... یہ دیکھیے..... کیا یہ موبائل اس قابل ہے

کہ اسے چھینا جائے؟“ اس نے ایک انتہائی پرانا تھکا ہوا موبائل اپنی جیب سے نکال کر دکھایا۔

”اوہ گاڈ..... اس کے لیے انہوں نے آپ کو اتنا مارا۔“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔“ وہ درد کی شدت سے کرا رہا تھا۔

”آئی ایم سوری..... آپ کہاں رہتے ہیں؟ آئی مین آپ کے پیرنٹس کو میں انعام کر دوں۔“ یمنی نے پوچھا۔

”میرے والدین حیات نہیں۔ میرے تین چھوٹے بہن بھائی ہیں جو اسکول جاتے ہیں، آپ انہیں انعام کر دیں۔ پریشان ہو رہے ہوں گے لیکن آپ کیوں رحمت اٹھائیں گی۔ کاش میں اٹھ سکتا۔“ اس نے بے بسی سے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے تمام سر پر پٹیاں تھیں اور ہاتھ پاؤں پر بھی چوٹیں آئی تھیں۔ یہ خدا کا شکر تھا کہ کوئی سیریس قسم کی چوٹ نہیں آئی تھی۔

”آپ فکر نہیں کریں، مجھے کوئی براہم نہیں ہوگی۔ آپ مجھے اپنا ایڈریس دیجیے۔ میں ابھی جا کر انہیں انعام کر کے دوبارہ آپ کے پاس آتی ہوں یا انہیں بھی ساتھ ہی لے آؤں گی۔ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی۔

”آپ کا نام؟ سوری..... میں پوچھنا ہی بھول گیا۔“

”یمنی جمال..... میں لاہور سے یہاں اپنی کزن کی شادی اینڈ کرنے آئی ہوں اور ڈیفنس میں ان کے ہاں ٹھہری ہوں۔“ یمنی نے بتایا۔

”اور میں حسن رضا ہوں..... بی بی اے کا اسٹوڈنٹ ہوں۔ یہ ایڈریس نوٹ کر لیں اور میرے بہن بھائیوں کو انعام کر دیں۔ گھر میں فون بھی نہیں..... ورنہ آپ فون کر لیتیں۔ ایک منٹ..... یاد آیا..... میرے موبائل میں میرے بھائیوں کا نمبر ہے آپ اس پر رینگ کر کے انہیں انعام کر سکتی

کتنی دیر طے کتنی دل

ہیں؟“ حسن رضا نے کہا اور یمنی نے اس نمبر پر رینگ کر کے لیے اپنا موبائل نکالا تو حسن رضا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جدید باڈل کا انتہائی خوب صورت اور قیمتی موبائل تھا۔ یمنی نے بار بار نمبر ملایا مگر عدم ادائیگی کی وجہ سے وہ نمبر بند تھا۔

”میرا خیال ہے مجھے خود ہی جانا پڑے گا۔ نمبر آف ہے۔ اور اب میرے فون کی بیٹری بھی جارہی ہے۔“ وہ یہ کہتے ہوئے آگئی۔ اس کا اے ٹی ایم کارڈ اس کے پاس تھا۔ سو اسے ٹیپوں کی مشکل نہیں ہوئی۔ اسپتال ڈیوڑھی اس نے کریڈٹ کارڈ سے ادا کیے تھے بہت مشکل سے وہ حسن رضا کے گھر پہنچی۔

انتہائی پسماندہ علاقے میں دو کمروں کے چھوٹے سے مکان میں وہ داخل ہوئی تو غربت کا عالم دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ٹوٹی اینٹوں کا فرش، دیواروں سے سفیدی کے پیر نہ جانے کب سے جھڑ جھڑ کر اپنے ہونے کا نشان چھوڑ چکے تھے۔ حسن کی چھوٹی بہن اور دو چھوٹے بھائی حسن میں ایک چارپائی پر بیٹھے تھے۔ یمنی کو دیکھ کر سہم گئے۔

”تم لوگ گھبراؤ نہیں..... تمہارے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ اسپتال میں ہے، اگر تم لوگ اسپتال میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو چلو۔“ یمنی نے کہا تو تینوں سہم کر ایک دوسرے کو یوں دیکھنے لگے جیسے انہیں اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا ہو۔

”مگر آپ کون ہیں اور انہیں کیسے جانتی ہیں؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”میں تو صبح گھر سے واک کرنے نکلی تھی اور راستہ بھولی کر دوسری سڑک پر چلی گئی۔ وہاں حسن کا لڑکوں کے ساتھ جھگڑا ہو رہا تھا۔ میں نے جوڑو کرائے لے لیا تھا۔ میں نے لڑکوں کو مار بھگایا اور ٹیکسی لے کر تمہارے بھائی کو اسپتال لے گئی۔“ یمنی نے بتایا۔

”کیا آپ کو جوڑو کرائے آتے ہیں؟“ سب سے چھوٹے لڑکے نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں.....“ یمنی نے مسکرا کر بتایا۔

ماہنامہ پیکرہ - نومبر 2012ء

62

63



”کیا آپ سب کو مار سکتی ہیں؟“ حیرانی سے بڑے لڑکے نے پوچھا۔

”ہاں.....“  
”کہاں سے سیکھا ہے آپ نے؟“ لڑکی نے پوچھا۔ تینوں اپنے بھائی کو بھول چکے تھے اور محسوس ہو کر یمنی سے جوڑو کرائے کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور وہ بھی انہیں بتاتی جا رہی تھی۔

”اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔ تم لوگ اسپتال چلو گے یا نہیں؟“ یمنی نے پوچھا تو تینوں پھر خاموش ہو گئے۔

”آخر کیا پرالیم ہے، تم لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟“ یمنی نے پھر پوچھا۔

”آپ ہمیں اغوا کرنے تو نہیں آئیں۔ بھائی جان کسی کے بھی ساتھ جانے سے منع کرتے ہیں۔“ لڑکی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”تمہارا کیا نام ہے.....؟“ یمنی نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔

”میرا نام سمیرا..... یہ حسن ہے اور وہ احسن ہے؟“ لڑکی نے بھائیوں کے ہی نام بتائے۔

”سنو سمیرا..... کیا تمہیں میری شکل سے لگتا ہے کہ میں بچوں کو اغوا کرنے والی ہوں؟ ڈیئر ایسی بات نہیں تم اپنے بھائی سے فون پر بات کر سکتی ہو۔“ یمنی نے حسن کا موبائل نمبر ملایا اور بچوں سے بات کرائی۔ شکر ہے ابھی اس کا فون چارجڈ تھا۔

”ٹھیک ہے..... ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔“ سمیرا نے بھائی سے فون پر بات کرتے گئے بعد کہا اور وہ بچوں کو ساتھ لے کر اسپتال آ گئی۔ راستے میں اس نے بچوں اور حسن کے لیے پھل اور کھانا لیا اور بچوں کو راستے میں آئس کریم کھلائی۔ بچے اس کے ساتھ بہت خوش تھے اور جلد ہی کھل مل گئے۔

”بھائی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟“ تینوں بہن بھائی حسن کو دیکھ کر اس سے لپٹ کر رونے لگے اور وہ حیرت سے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ بھی روتا رہا۔

”پلیز یہ رونا دھونا بند کریں۔ کچھ نہیں ہوا۔ زندگی میں تو ایسے واقعات بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ چلو پیچھے ہٹو اور اب میں سب کو کھانا نکال کر دیتی ہوں۔“ اس نے بچوں کو پیچھے ہٹایا تو وہ خاموش ہو کر بیچ پر بیٹھ گئے۔ یمنی نے سب کو کھانا نکال کر دیا۔ حسن کے لیے وہ جس بھی لائی تھی اسے جس پلایا..... بچے مزے سے چکن کئے، پراٹھا کباب کھاتے رہے۔ ان کی آنکھوں کی چمک سے لگ رہا تھا کہ انہوں نے بہت عرصے بعد ایسا کھانا کھایا تھا اور وہ لمحہ بہ لمحہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”حسن اب ان بچوں کو گھر چھوڑ کر میں اپنے گھر جاؤں گی۔ رات کافی ہو چکی ہے، سارا دن گزر گیا ہے، میری مہا پریشان ہو رہی ہوں گی۔“ اس نے کہا۔

”جھینک یو، ویری مچ..... آپ نے میرے لیے اتنا کچھ کیا ہے کہ میرے پاس شکر یہ کہنے کے لیے الفاظ بھی نہیں۔ کاش میں کچھ.....“ جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ رونے لگا۔

”پلیز ابی اسٹرونگ اینڈ بریو..... آپ اپنے بہن بھائیوں کے لیے جتنی محنت کر رہے ہیں اس کی امیزنگ..... میں آپ سے مل کر بہت متاثر ہوئی ہوں۔ معلوم نہیں..... میں آپ سے دوبارہ ملنے آسکوں گی یا نہیں..... لیکن آپ ہمت نہیں ہاریں..... جو دوسروں کے لیے زندہ رہتے ہیں اور ان کے لیے کوشش کرتے ہیں انہیں ہمیشہ اسٹرونگ ہونا چاہیے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”جھینک یو..... آپ سے مل کر انسانیت پر یقین آ گیا ہے۔ جب تک زندہ رہوں گا آپ کے لیے دعا کروں گا۔ کاش زندگی میں کبھی کسی موقع پر میں بھی..... سوری..... شاید میں کوئی بڑا بول بولنے لگا تھا۔ میری اتنی اوقات کہاں.....؟ خیر..... بہت شکریہ.....“ وہ تم آنکھوں سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا۔

”میں نے اسپتال ڈیوڑھی سب ادا کر دیے ہیں اور یہ کچھ پیسے ہیں انہیں رکھ لیجیے..... اور یہ میرا موبائل ہے۔ اسے بھی آپ رکھیں۔ سم میں نے نکال لی ہے۔ آپ چارجر اور مٹی سم لے لیجیے گا۔“ وہ سب کچھ اس کے سر ہانے نیچے کے نیچے رکھتے ہوئے بولی۔ نیچے کارڈ بور میں جا چکے تھے۔

”پلیز..... نہیں.....“ حسن نے اپنا ہاتھ سر ہانے رکھے نیچے کی طرف بڑھایا جو اس کے ہاتھ سے ٹکرا گیا۔

”سوری.....“ وہ گھبرا کر بولا۔  
”کوئی بات نہیں۔“ یمنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”پلیز..... ایامت کریں..... آپ کے مجھ پر پہلے ہی بہت احسانات ہیں..... مزید شرمندہ نہ کریں۔“ حسن نے موبائل اور پیسے نیچے کے نیچے سے فوراً نکالنا چاہے تو یمنی کے ہاتھ کے اوپر اس کا ہاتھ آ گیا۔ حسن نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر اپنی تم آنکھوں کے ساتھ لگا با اور اپنے کپکپاتے گرم لبوں سے اسے چوما۔ یمنی گھبرا گئی اور ہاتھ نیچے لیا۔

”یہ محبت ہے، عقیدت ہے یا احترام میں نہیں جانتا مگر میرے پاس آپ کو دینے کو سوائے اس احترام کے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں آپ کی محبت کے قابل کہاں.....؟ مگر عقیدت کا حق تو دیجیے۔“ حسن نے آہ بھرے سچے میں روتے ہوئے کہا تو یمنی مزید کچھ کہے سے وہاں سے باہر نکل آئی۔ اس کا جسم بری طرح لرز رہا تھا۔ ایسا لمس اس نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا تھا اور اس کے اپنے جذبات اٹھل پھٹل ہو رہے تھے۔ اس نے ٹیکسی لی اور بچوں کو گھر چھوڑنے گئی اور راستے میں سے انہیں بہت سی چیزیں خرید کر دیں پھر انہیں گھر چھوڑنے کے بعد جب وہ خود گھر لوٹی تو رات کے بارہ بج چکے تھے۔ سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ظہیر اور سدیدہ گھبرا کر اس کی طرف لپکے۔

## تعریف

”سنا ہے کہ بے وقوف، اور غبی مردوں کی بیویاں حسین ہوتی ہیں۔“ شوہر نے کتاب پڑھتے پڑھتے اپنی زوجہ سے کہا۔

”آپ بڑے وہ ہیں۔“ بیوی نے اٹھلا کر کہا۔ ”ہر وقت میری تعریف کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔“

## خود پسندی

شوہر نے کہا۔ ”سنئے آئے ہیں کہ خوب صورت عورتیں عام طور سے کم عقل ہوتی ہیں، چالاک مرد آسانی سے انہیں بے وقوف بنا لیتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک سنا ہے تم نے!“ بیوی نے حیرتی سے کہا۔ ”میں کم عقل نہیں ہوتی تو کبھی تمہارے پلے سے نہ بندھی ہوتی۔“

مرسلہ: سعدیہ سرفراز، کراچی

”یمنی بیٹا! تم..... تم کہاں تھیں! اور اس وقت.....؟“ اس کے بھڑے بال اور تھکاوٹ کے آثار چہرے پر دیکھتے ہوئے سدیدہ بھاگ کر اس کی طرف گئیں اور بے صبری سے پوچھنے لگیں۔

”میں ٹھیک ہوں، مہما کہاں ہیں؟“ وہ قدرے بے پروائی سے بولی۔

”وہ تمہاری وجہ سے اتنی زیادہ اپ سیٹ تھی کہ اسے نیند کا انکشن دے کر سلا دیا ہے اور تم کہاں چلی گئی تھیں؟ سب لوگ بہت پریشان تھے۔“ سدیدہ نے کہا۔

”ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا.....“ وہ پرسکون لہجہ میں بولی۔

”کیا..... تمہارا ایکسیڈنٹ.....؟“ ظہیر نے اسے سر تا پا دیکھتے ہوئے حیرانی سے پوچھا۔



”میرا نہیں کسی اور کا..... اور میں اسے لے کر ہسپتال گئی تھی۔“ اس نے بے پروائی سے بتایا۔  
”تمہیں معلوم ہے تمہاری اس حرکت کی وجہ سے ہم سب کو کتنا نقصان اٹھانا پڑا۔ یہاں کی مہندی کی رسم ملتوی کرنا پڑی..... سارا پروگرام ڈسٹرب ہو گیا۔ مہمانوں کو کیسے کیسے انفرم کرنا پڑا۔ تمہیں شاید اس کا اندازہ نہیں۔“ ظہیر غصے سے بولے پاس کھڑی بیبا کا چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔  
”کنکشن ملتوی کرنے سے کیا کوئی قیامت آگئی تھی۔ وہاں کسی کی جان مصیبت میں لگی اور ویسے بھی لوگوں نے یہاں فیشن کر کے دوسروں کا مذاق اڑانے آنا تھا۔ اچھا ہی ہوا وہ اسٹوڈ لوگ نہیں آئے۔“ وہ منہ بنا کر بولی تو سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو تمہاری وجہ سے ہمارا اتنا نقصان ہوا اور تمہیں رتی برابر پروا نہیں۔“ ظہیر بدستور غصے میں تھے۔

”انکل! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں..... آپ میں تو ذرا بھی انسانیت نہیں..... میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ کوئی بہت مصیبت میں تھا اور میں اس کی مدد کر رہی تھی اور آپ کو اپنے نقصان کی فکر ہے۔ سوری میری وجہ سے آپ لوگ پریشان ہوئے..... لیکن اب میں یہاں مزید نہیں رکوں گی۔ میں ابھی ڈیڈی کو فون کرتی ہوں کہ وہ میری سیٹ کنفرم کرائیں۔ میں واپس جا رہی ہوں یہاں رک کر میں آپ لوگوں کو مزید مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتی۔“ یمنی نے فوراً فیصلہ کیا تو سب اس کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

”یمنی بیٹے..... ایسا نہیں کرو، تمہارے انکل کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔“ سدیدہ نے جلدی سے اسے اپنے ساتھ لگا کر کہا مگر اس نے انہیں پیچھے ہٹایا اور لینڈ لائن سے نمبر ملانے لگی۔

”ڈیڈی..... میری سیٹ کنفرم کرا دیں..... میں صبح ہی واپس آنا چاہتی ہوں..... ہاں موسم اچھا

نہیں ہے، میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں..... رائٹ..... تھینک یو.....“ اس نے فون بند کیا اور سب حیرت سے اسے دیکھتے رہ گئے۔ وہ میز چیاں چڑھتی اوپر چلی گئی۔ ظہیر اور سدیدہ پریشان ہو کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

”اگر میری ایسی اولاد ہو تو جوتے مار مار کر ٹھیک کر دوں۔“ ظہیر نہایت غصے سے دانت کچکچ کر بولے۔

”پلیز..... آپ غصہ نہ کریں..... جمال کے لاڈ ہارنے اسے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔“ سدیدہ نے شوہر کو سلی دیتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے فون کی کھنٹی بجی تو ظہیر نے فون اٹھایا۔ دوسری جانب جمال تھے۔  
”ظہیر بھائی..... یمنی کی سیٹ کنفرم ہوگئی ہے اسے بتا دیجیے گا۔“ جمال نے کہا۔

”وہ..... دراصل۔“ ظہیر کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔

”ظہیر بھائی..... آپ فکر نہ کریں، میں سب سمجھتا ہوں، یقیناً یمنی نے کوئی ایسی ویسی بات کی ہوگی اور اب وہ ناراض ہو کر وہاں مزید رکنہ نہیں چاہتی۔ آپ لوگ بے فکر رہیے۔ میں اپنی بیٹی کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ مجھے آپ لوگوں سے کوئی شکوہ شکایت نہیں لیکن میں جب اس سے ناراض ہو کر اس کی بات نہیں مانتا تو اکثر براہمن کا شکار ہوتا جاتا ہوں۔ اس لیے مجھے اس کی بات ماننا پڑتی ہے۔“ جمال نے وضاحت کی۔

”تھینک یو..... کہ..... تم چوہنیشن کو سمجھ گئے۔“ ظہیر نے قدرے سکون سے کہا۔

”ڈوٹس پوری..... بس آپ اسے واپس بھیج دیجیے گا۔ خدا حافظ!“ جمال نے مسکراتے ہوئے کہا تو ظہیر نے فون رکھ کر سدیدہ کی طرف دیکھا۔

”ایسے عجیب باپ، بیٹی میں نے آج تک نہیں دیکھے۔“ ظہیر نے حیرت سے کہا۔

”جمال کیا کہہ رہے تھے؟“ سدیدہ نے

پوچھا۔

”یمنی کہ وہ اپنی بیٹی کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہم سے انہیں کوئی شکایت نہیں..... اور یہ کہ اس کی سیٹ کنفرم ہوگئی ہے۔ صبح اسے واپس بھیج دیں۔“ ظہیر نے بتایا۔

”شکر کروں گی میں جب یہ لڑکی واپس جائے گی۔ ورنہ ساری شادی بھر اس نے ٹینشن ہی پھیلانی تھی۔ سچ، ائین کی ہمت ہے جو اسے سنبھالے ہوئے ہے۔“ سدیدہ نے آنکھیں گھماتے ہوئے ہاتھ بھر کر کہا۔

☆ ☆ ☆  
صبح ائین جاگئیں۔ تو یمنی واپسی کی تیاری کر رہی تھی۔

”ت..... تم..... کہاں جا رہی ہو؟“ ائین نے اسے ہینگ کر تے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔  
”واپس..... لاہور.....“ اس نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

”مگر..... کیوں.....؟ اور کل تم کہاں چلی گئی تھیں؟“ ائین اب غصے سے پوچھنے لگیں۔

”بس..... اب میں یہاں نہیں رکنا چاہتی۔ میرا یہاں دل نہیں لگ رہا..... آپ شادی اینڈ کر کے آجیے گا۔“ یمنی نے سرسری انداز میں کہا۔

”یمنی..... تم کیا کچھ کرنی ہو، تم نے تو میری جان کو عذاب میں ڈال رکھا ہے۔“ ائین نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

”مما! آپ کیوں fuss کر رہی ہیں۔ میں پہلے ہی اس شادی میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ آپ نے زبردستی کی تھی۔“ وہ بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بولی۔

”اور تم نے بھی اپنی ضد پوری کر کے چھوڑی۔ یہاں آ کر اب واپس جا رہی ہو۔“ ائین نے بھی اس کی غلطی جتائی۔

”ہاں، جا رہی ہوں۔“ یمنی نے سپاٹ لہجے

کھیں دسب طے کھیں دل

میں جواب دیا تو ائین اسے صرف گھور کر رہ گئیں..... اور یمنی بیگ لے کر کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

دن کے بارہ بج رہے تھے اور شمیلہ لاؤنج میں مزے سے بیٹھی ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔ سلاش پر جیم لگا کر وہ فی وی پر میوزک بھی انجوائے کر رہی تھی۔ جیسی رحمانہ قدرے غصے میں کچن سے نکل کر آئیں، آواز آہستہ کی اور شمیلہ سے مخاطب ہوئیں۔

”شمیلہ! یہ تمہاری کیا روشنی ہے؟ بارہ بجے اٹھ کر ناشتا کرنا..... ذرا سا فارغ ہونا تو پینٹنگ کرنے بیٹھ جانا یا پھر میوزک سنتے رہنا۔“ رحمانہ نے خفگی سے بیٹی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مما..... آپ کو اعتراض کس بات پر ہے۔ مجھ پر یا میری ایکٹیوٹیز پر؟“ شمیلہ نے منہ بنا کر کہا۔  
”دیکھو بیٹا..... گھر میں سکون رہے تو اس کے لیے گھر کے ہر فرد کو ڈٹے وار پیاں مٹھانی چاہئیں۔“ وہ شمیلہ کے قریب کرسی پر بیٹھ کر اسے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

”کیا کروں میں؟ جو کام کرتی ہوں، نفیہ بھابی اس میں نقص نکالتی ہیں۔ ان جیسی سکھڑ تو کوئی ہے ہی نہیں۔ جائیں پھر خود کام کریں۔ میں کیوں کروں۔“ شمیلہ کافی غصے سے بولی۔

”شمیلہ..... شمیلہ اس طرح گھروں میں گزارے نہیں ہوتے۔ جب سب ایک دوسرے سے مقابلے کے لیے ڈٹ جائیں۔ کیا مطلب! اب تم نے کوئی کام ہی نہیں کرنا۔“ رحمانہ غصے سے جھنجھلا کر بولیں۔

”ہاں..... تو کیوں کروں؟“ شمیلہ بدستور غصے میں تھی۔

”چھوڑ دو اپنی ضدیں..... شادی کے بعد جانے گیا کرو گی۔ اگر آپا کو تمہاری حرکتوں کا پتا چل جائے تو کبھی کہیں بہو نہ بنائیں، رحمانہ بیٹی کو سمجھاتے ہوئے بولیں۔



# پاک سوسائٹی فاٹ کام کی پیشکش

## یہ شاندار پاک سوسائٹی فاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپوڈنگ
- ✧ سیریل کوئی نادرل کوئی، یہ بینڈ کوائی
- ✧ عمران میریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈفری ٹکس، ٹکس کو میس کمنے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل انک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورم سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ سے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Available on Facebook & compatible with all devices



”اچھا تو مجھے بہو بنا کر وہ احسان کر رہی ہیں۔“ حمیلہ نے غصے سے منہ بنا کر کہا۔

”احسان نہیں تو اور کیا ہے..... ہمارے اور ان کے اسٹیشن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ تو شاید اپنے مرحوم شوہر کی خواہش پوری کر رہی ہیں۔ اللہ بخشنے وہ تم سے بہت پیار کرتے تھے۔ اور بچپن میں ہی تمہیں قہام کے لیے مجھ سے مانگ لیا تھا۔“ ریحانہ آہ بھر کر... بہنوئی کو یاد کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

”جی نہیں..... وہ مجھے اس لیے بہو بنا رہی ہیں کہ میں قہام کی پسند اور اس کی محبت ہوں۔“ حمیلہ قدرے اکڑ کر غریباں انداز میں کہنے لگی۔

”میرا تو دل چاہتا ہے آپا کو تمہاری ساری حرکتیں بتا دوں۔“

”یہ شوق بھی پورا کر لیں۔“ حمیلہ بولی۔

”ماں ہوں، اس لیے چپ ہوں۔“ ریحانہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ ہر وقت نصیحتیں..... گلے اور شکوے۔“ حمیلہ غصے سے ناشتا چھوڑ کر بولی اور وہاں سے چلی گئی۔

”یا اللہ! اس کو ہدایت دے اور میری آپا کے حال پر رحم فرما۔ نہ جانے یہ لڑکی کیا گل کھلائے گی۔“ ریحانہ پریشانی سے دعا کرتے ہوئے بولیں۔

☆☆☆

خدیدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور وہ بینڈ پریشی ہوئی تھیں۔ ریحانہ پاس بیٹھی پریشانی سے ان کی طرف دیکھ کر باتیں کرنے لگیں۔

”آپا! بہت دنوں سے آپ کو دیکھنے کا دل چاہ رہا تھا مگر یہاں آکر آپ کی اتنی خراب طبیعت دیکھ کر میں تو پریشان ہی ہو گئی ہوں۔“ ریحانہ نم آنکھوں سے خدیجہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولیں۔

”ارے..... ریحانہ آج کل تو طبیعت ایسی ہی رہتی ہے۔ صبح ٹھیک تو شام کو خراب۔۔۔ تم پریشان مت ہو..... بس بی بی ہائی ہو گیا ہے۔ ٹھیک ہو جاؤں

گی.....“ وہ چھوٹی بہن کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولیں۔ ریحانہ اپنی بیٹی حمیلہ کے ساتھ انہیں دیکھنے آئی تھیں۔ ریحانہ نے آتے ہی حمیلہ کو بچن میں بھیج دیا تھا کہ جا کر ردا کا ہاتھ۔ مالو۔ حمیلہ ٹرے میں جوس کا گلاس رکھ کر خدیجہ کے لیے لائی۔

”میری جان..... تم نے کیوں تکلیف کی۔“ خدیجہ آپا محبت سے اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

”خالہ جان! تکلیف کیسی.....؟“ حمیلہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”آپا..... میں تو چاہتی ہوں، حمیلہ آپ کی بہو بن کر آئے تو آپ کی بہت زیادہ خدمت کرے۔“

ریحانہ نے مسکرا کر بیٹی کی طرف دیکھ کر کہا اور دل ہی دل میں گہری آہ بھری۔

”نہ بھی..... میں اپنی بہو سے کوئی کام نہیں کرادیں گی۔ میری تو یہ لاڈلی بہو ہوگی۔“ خدیجہ مصنوعی غصے سے بولیں۔ وہ مسکرانے لگی۔

”جیتاؤں..... میں نے حمیلہ اور ردا میں کبھی فرق ہی نہیں سمجھا..... دونوں کو ایک جیسا ہی سمجھتی ہوں۔“ انہوں نے محبت سے حمیلہ کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔

”آپا! یہی بات سوچ کر تو میں خوش ہوتی ہوں کہ میری بیٹی کسی غیر کے گھر میں نہیں جا رہی.....

آپ تو حمیلہ کو مجھ سے بھی بڑھ کر چاہتی ہیں۔“ ریحانہ خوش ہو کر بولیں۔

”کیوں نہ چاہوں..... میری بیٹی ہے ہی اتنی اچھی۔“ وہ مسکرا کر حمیلہ کی طرف دیکھ کر بولیں تو

حمیلہ نے مسکرا کر خالہ کو دیکھا۔

”حمیلہ میں نے تمہارے لیے ایک سوٹ خریدا ہے۔ ٹھہرو میں دکھائی ہوں۔“ وہ بہ مشکل بینڈ سے اٹھتے ہوئے بولیں مگر ان سے اٹھا نہیں گیا۔

”آپ کیوں اٹھ رہی ہیں خالہ۔ مجھے بتائیں۔“ حمیلہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں

بٹھاتے ہوئے کہا۔ خدیجہ اسے وارڈروب کے



بارے میں بتانے لگیں تو وہ اسے کھول کر سوٹ کا لئے گی۔

”آف..... خالہ جان اتنا پیارا سوٹ!“ وہ تنہائی خوش ہو کر بولی۔

”تمہیں پسند آیا؟“ وہ خوش ہو کر پوچھنے لگیں۔

”جی ہاں، بہت زیادہ..... اس نے مسکرا کر جواب دیا۔“

”جانتے ہی سلوا لینا اور اگلی بار پہن کر آنا۔“ خدیجہ اپنے پیار سے کہا۔

”جی ضرور..... جھینک یو۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”بیٹا! ماں کو شکریہ نہیں کہتے۔“ وہ مسکرا کر ہمیلہ کو چومتے ہوئے بولیں تو ہمیلہ بھی مسکرا دی۔

☆☆☆

خدیجہ! ہمیلہ کو اپنے سب سے بڑے اور چہیتے بیٹے فہام کی دہن بنانے جاری تھیں اور ان کے دل میں ہمیلہ کے لیے جتنی محبت اور چاہت تھی شاید ہمیلہ اس کا بھی اندازہ بھی نہیں کر سکتی تھی..... اور ردا بھی اگلوٹی مند ہونے کے ناتے اس سے بہت محبت کرتی تھی ایک تو وہ تھی بھی خالہ زادہ..... اپنی ہر چھوٹی بڑی بات اس کے ساتھ شیر کرتی۔ فہام تو اسے چاہتا ہی بہت تھا۔ حاتم اور عاصم کے ساتھ بھی اس کی دوستی تھی۔ اتنی ساری محبتوں کو دیکھ کر ریحانہ کا دل خوشی سے پھولے نہیں ساتا۔ انہیں اپنی بیٹی بہت خوش قسمت لگتی جو خوب صورت محبت کدے میں جاری تھی مگر ہمیلہ کا مزاج قدرے مختلف تھا۔ وہ اتنی ساری محبتوں کو اپنی خوش قسمتی سے زیادہ اپنی اہلیت اور قابلیت سمجھتی..... اس کا خیال تھا کہ اسے جو اتنی محبتیں مل رہی ہیں، وہ ان کی اہل ہے۔ یونہی تو کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا ناں اور اس خیال نے اس کے دل میں قدرے نفوٹ غرور اور خود غرضی کے جذبات پیدا کر دیے تھے۔ وہ سسرال کی محبتوں کو خاطر میں نہ لاتی۔ اس کی بھالی نفسہ قدرے تیز طرار عورت تھی اور اپنی تیز فطرت کے باعث اپنے شوہر

سلمان کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ سلمان ہمیلہ کا بڑا بھائی تھا۔ ریحانہ نے جلدی اس کی شادی کر دی تھی، وہ ایک پرائیوٹ فرم میں جاب کرتا تھا۔ پانچ سال شادی کو ہو چکے تھے اور ان کے ہاں ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ نفسیہ آئے روز بیمار رہتی..... اور ہمیلہ اس کی بیماریوں کو اس کی اینکنگ کا نام دیتی تھی جس کے ذریعے اس نے سلمان کو اپنے چکروں میں جکڑ رکھا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تند بھادج میں نوک جھوک چلتی رہتی اور جب بات سلمان تک پہنچتی تو وہ اپنا غصہ ماں پر نکالتا اور کہتا کہ انہوں نے ہی ہمیلہ کو اتنی چھوٹ دے رکھی ہے۔ وہ بیٹی کو ڈانٹتیں تو وہ مزید ہاتھ پر ہو جاتی اور یوں گھر کا ماحول قدرے ناخوشگوار رہتا۔

سلمان ماں کے کمرے میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے والٹ میں سے چند ہزار روپے نکال کر گن کر انہیں دیے۔

”بس اتنے سے پیسے؟“ ریحانہ نے گہری سانس لے کر پیسے گنتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... اس ماہ نفسیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہی تھی تو اس پر کافی خرچ ہو گیا۔“ سلمان منہ بنا کر بولا۔

”لیکن بیٹا! اتنے سے پیسوں میں گھر کا خرچ کیسے چلے گا؟“ ریحانہ پریشانی سے بولیں۔

”مما! میری تنخواہ میں سے جو بچا ہے، وہ میں نے آپ کو دے دیے۔ اب اور کہاں سے لاؤں؟“ سلمان خفگی سے بولنے لگا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر گھر کے اخراجات بھی تو بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔“ وہ ہونٹ سکڑتے ہوئے بولیں۔

”اخراجات بڑھانے سے بڑھتے ہیں۔“ سلمان منہ بناتے ہوئے بولا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ریحانہ نے چونک کر کہا۔

”مما! آپ ورا ہمیلہ پر بھی چیک رکھا

کریں۔ وہ بھی بہت فضول خرچیاں کرتی ہے۔“ وہ طنز انداز میں بولا۔

”لیکن ہمیلہ جو کچھ کرتی ہے، باپ کی پنشن سے کرتی ہے تم سے تو اس نے بھی کچھ نہیں مانگا۔“

ریحانہ انتہائی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”اگر وہ اپنی فضولیات پر خرچ نہ کرے تو وہی پیسے گھر میں کام آسکتے ہیں۔ کوئی جاب ہی کر لے۔“

سلمان منہ بنا کر بولا تو دودھ کا گلاس لے کر آتی ہوئی ہمیلہ بھائی کی باتیں سن کر چونکی اور فوراً کہنے لگی۔

”آپ کو میری فضولیات کی خبر ہے اور اپنی بیوی کا کچھ پتا نہیں جو آئے دن منٹ ڈر۔“

بنوائی رہتی ہیں۔“ وہ خفگی سے بھائی کی طرف دیکھ کر لڑنے والے انداز میں بولی۔

”میں..... ممما سے بات کر رہا ہوں۔“ سلمان نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہمیلہ! تم خاموش رہو۔“ ریحانہ نے گہرا کر بیٹی کی طرف دیکھ کر کہا اور سلمان خفگی سے اسے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔

”مما! آپ بھی انہی کا ساتھ دیتی ہیں۔ ان کے سامنے کبھی میرے فیور میں نہیں بولتیں۔“ ہمیلہ نم آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”بیٹا! عورت کی بادشاہی اس کے شوہر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جب وہ نہ رہے تو اس کی حیثیت اس ملازم کی سی ہوتی ہے جس کے پاس اختیار ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی اور وہ وقت اسے ہی خاموشی سے گزارنا ہوتا ہے جیسے میں گزار رہی ہوں۔“ وہ ایک گہری سانس لے کر آہ بھر کر بولیں اور اپنی نم آنکھوں کو صاف کرنے لگیں۔

”مگر میں کیوں ان کی باتیں سنوں؟“ ہمیلہ نے غصے سے کہا۔

”بیٹا..... زیادہ تو ٹکار سے گھر کا سکون برباد ہوتا ہے۔ عافیت خاموشی میں ہی ہے۔ بس تم عزت سے اپنے گھر رخصت ہو جاؤ تو میں خدا کا شکر ادا

کروں۔“ ریحانہ نے آہ بھر کر کہا تو وہ پاؤں جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ ہمیلہ اپنے کمرے میں بند ہو کر آنکھوں سے آنسو بہا رہی تھی۔

”مما! میں نے اسے اس کا موبائل بچتے لگا تو وہ نم آنکھوں سے موبائل کو دیکھنے لگی اور جلدی سے آنسو صاف کر کے اپنے موڈ کو نارمل کرنے لگی۔ دوسری جانب فہام نے قدرے خوشگوار موڈ میں ہیلو کہا تو وہ ایک دم ٹھیک ہو گئی۔

”ارے بھئی..... کہاں گم ہو، اتنی دیر کے بعد فون اٹھایا۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”وہ..... میں واش روم میں تھی۔“ ہمیلہ گلا کھٹکھا کر صاف کرتے ہوئے بولی۔

”بس تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آج ہم سب بیچ پر جا رہے ہیں۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن..... میں اب وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ فہام اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”کوئی ایکسکوز نہیں سنوں گا، سمجھیں تم۔ آج ہم خوش انجوائے کریں گے۔“ فہام نے مسکرا کر سرگوشی میں کہا تو ہمیلہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اب تم تیاری کرو، میں آ کر تیل دوں گا تو گھر سے باہر آ جانا..... بی کوٹیک..... اوکے۔“ فہام جلدی سے بولا۔

”اوکے.....“ ہمیلہ مسکرا کر بولی اور فون بند کر کے اپنی نم آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وارڈ روم کی طرف چلی گئی۔

موسم بہت زیادہ خوشگوار ہو رہا تھا۔ ردا، حاتم اور عاصم پانی میں کھیل رہے تھے وہ اپنے ساتھ گیند اور فرزی لائے تھے جبکہ ہمیلہ اور فہام ننگے پاؤں ریت پر چلتے ہوئے خوشگوار موڈ میں بائیں کر رہے تھے۔ عاصم نے گیند کافی فاصلے پر پھینکی تو ردا کو لینے کے لیے بھیجا۔ اس نے وہاں کچھ لوگوں کو اونٹ کی سواری کرتے دیکھا تو خوشی سے چلانے لگی۔

ماہنامہ پاکیزہ - نومبر 2012ء

کروں۔“ ریحانہ نے آہ بھر کر کہا تو وہ پاؤں جھٹکتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ ہمیلہ اپنے کمرے میں بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اسی لمحے اس کا موبائل بجتے لگا تو وہ نم آنکھوں سے موبائل کو دیکھنے لگی اور جلدی سے آنسو صاف کر کے اپنے موڈ کو نارمل کرنے لگی۔ دوسری جانب فہام نے قدرے خوشگوار موڈ میں ہیلو کہا تو وہ ایک دم ٹھیک ہو گئی۔

”ارے بھئی..... کہاں گم ہو، اتنی دیر کے بعد فون اٹھایا۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”وہ..... میں واش روم میں تھی۔“ ہمیلہ گلا کھٹکھا کر صاف کرتے ہوئے بولی۔

”بس تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آج ہم سب بیچ پر جا رہے ہیں۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن..... میں اب وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ فہام اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”کوئی ایکسکوز نہیں سنوں گا، سمجھیں تم۔ آج ہم خوش انجوائے کریں گے۔“ فہام نے مسکرا کر سرگوشی میں کہا تو ہمیلہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اب تم تیاری کرو، میں آ کر تیل دوں گا تو گھر سے باہر آ جانا..... بی کوٹیک..... اوکے۔“ فہام جلدی سے بولا۔

”اوکے.....“ ہمیلہ مسکرا کر بولی اور فون بند کر کے اپنی نم آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وارڈ روم کی طرف چلی گئی۔

موسم بہت زیادہ خوشگوار ہو رہا تھا۔ ردا، حاتم اور عاصم پانی میں کھیل رہے تھے وہ اپنے ساتھ گیند اور فرزی لائے تھے جبکہ ہمیلہ اور فہام ننگے پاؤں ریت پر چلتے ہوئے خوشگوار موڈ میں بائیں کر رہے تھے۔ عاصم نے گیند کافی فاصلے پر پھینکی تو ردا کو لینے کے لیے بھیجا۔ اس نے وہاں کچھ لوگوں کو اونٹ کی سواری کرتے دیکھا تو خوشی سے چلانے لگی۔

ماہنامہ پاکیزہ - نومبر 2012ء

71



”حاتم بھائی میں نے کیمل رائیڈنگ کرنی ہے۔“  
”نہیں بھئی۔۔۔ تم مگر گھوڑیں تو فہام بھائی سے  
میری شامت آجائے گی۔“ حاتم منہ بنا کر بولا۔

”عامم بھائی! پلیز۔۔۔“ اب ردا، عامم کی  
طرف دیکھ کر بولی۔

”نہیں بھئی۔۔۔ پچھلی بار تم گر گئی تھیں پھر ماما اور  
فہام بھائی سے میں نے جتنی ڈانٹ کھائی تھی وہ مجھے  
ابھی تک یاد ہے۔“ عامم بڑی صاف گوئی سے بولا۔

”مجھے نہیں پتا۔۔۔ مجھے تو کیمل رائیڈنگ کرنی ہے۔“  
”گڑیا۔۔۔ تم پچھلی بار بھی گر گئی تھیں۔“ فہام

نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے ردا سے کہا تو حمیلہ نے  
چونک کر دونوں کو دیکھا۔

”اب نہیں گروں گی۔“ ردا نے مصحوبیت سے  
کہا تو فہام کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

”اب یہ ایسے نہیں مانے گی۔۔۔ میں ابھی  
آیا۔“ فہام نے حمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

حمیلہ وہیں کھڑی دونوں کو دیکھنے لگی۔  
”چلو۔۔۔“ فہام، ردا سے بولا اور اس کا ہاتھ

پکڑ کر لے گیا اور اسے ایک اونٹ پر بٹھا دیا۔ ردا  
بہت خوش تھی لیکن اونٹ جب چلنے لگا تو وہ

جینیں مارنے لگی۔  
”فہام بھائی۔۔۔ بچائیں۔۔۔“ ردا چلاتے

ہوئے کہہ رہی تو فہام تقریباً اسے پکڑ کر اس کے ساتھ  
چلنے لگا۔ حاتم اور عامم بھی قہقہے لگانے لگے۔ حمیلہ آہ

بھر کر حسرت بھری نظروں سے ردا کو دیکھنے لگی۔  
”ردا۔۔۔ کتنی کمی ہے۔ اس کے بھائی اس پر

جان چھڑکتے ہیں۔“ حمیلہ نے نم آنکھوں سے بڑی  
حسرت سے سوچا اور میرا بھائی مجھ سے جان چھڑانا

چاہتا ہے۔“ آہ بھر کر سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں  
چھلک گئیں۔ حاتم اور عامم بھی بھاگتے ہوئے آئے

اور اونٹ کے ساتھ چلتے ہوئے ردا اور فہام کا مذاق  
اڑانے لگے مگر فہام، بہن کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

عامم اپنا کیمرہ نکال کر ان کی تصویریں بنانے لگا اور  
”72“ ماہنامہ پاکیزہ۔ نومبر 2012ء

سب خوب انجوائے کرتے گئے مگر حمیلہ کے چہرے  
پر حسرت اور اب غفلت کے تاثرات نمایاں ہوئے

تھے۔ وہ ردا کو جب بھی بھائیوں کے ساتھ اور خاص  
طور پر فہام کے ساتھ دیکھتی تو اس کے دل میں نہ

چاہتے ہوئے بھی حسد کے جذبات پیدا ہونے لگتے  
تھے۔ مگر وہ کسی طرح ظاہر نہ کرتی۔ ردا سے ہمیشہ مسکرا کر

ملتی۔ اس کے تازہ خیرے اٹھاتی کیونکہ وہ اچھی طرح  
جانتی تھی کہ فہام کی جان ردا میں ہے اور ردا کو ناراض

کرنے کا مطلب فہام کو ناراض کرنا تھا اور فہام کی  
ناراضی وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

فہام اپنی فیملی کے بارے میں بہت زیادہ  
فائنس اور کیئرنگ تھا۔ اس لیے حمیلہ نے کمال

ہوشیاری سے کبھی اپنے اندر کے جذبات کو ان پر  
ظاہر نہ ہونے دیا۔ وہ اس وقت کا انتظار کر رہی تھی

جب فہام پوری طرح اس کے قبضے میں آجائے۔  
☆☆☆

محسن رضا ٹھیک ہو کر گھر آیا تو اس کا دل  
کہیں کھو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی کوئی شے

کھو گئی ہو۔ اس کا نہ تو اپنی پڑھائی میں دل لگتا اور نہ  
ہی بچوں کو پڑھانے کو دل چاہتا۔ وہ بات کسی اور

سے کر رہا ہوتا اور ذہن میں بھٹی ہوئی۔ بستر پر لیٹ  
کر آنکھیں بند کرتا تو یمنی کی موجودگی اسے اپنے

آس پاس محسوس ہوتی۔ دل ایک ایسے احساس سے  
دوچار ہو رہا تھا جو تکلیف دہ بھی تھا اور مسرور کن

بھی۔۔۔ جو دل کو خوشی بھی دیتا تھا اور آہیں بن کر  
تکلیف بھی۔۔۔ وہ اس کے دیے ہوئے موبائل کو بار

بار نکال کر دیکھتا رہتا۔ اسے مضبوطی سے تھام کر یمنی  
کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتا۔۔۔ کبھی اسے اپنی بند

آنکھوں سے لگا تا تو کبھی دل کے ساتھ۔۔۔ کبھی کبھی  
اسے اپنی حرکتیں بے حد عجیب لگتیں۔ وہ خود اپنے

آپ کو دیکھتا کہتا۔۔۔ کبھی بے وقوف اور کبھی  
پاگل۔۔۔ جو کچھ بھی تھا وہ اب اپنے آپ کو نارمل نہیں

سمجھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اسے یقین نہ آتا کہ اتنے امیر  
عزت مند

کبیر خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی اس قدر اچھی  
اور مخلص بھی ہو سکتی ہے۔ اسے اس کی سیاہ رنگت کہیں

نظر نہ آتی۔ اسے تو اس کی اچھائی اور انسان دوستی  
سے پیار ہو گیا تھا۔ وہ ایک خوب صورت یاد میں کر

اس کے اندر اس کے دل کے نہاں خانوں میں کہیں  
نمبر ہی گئی تھی۔ اسے دکھ تھا تو صرف یہی کہ یمنی کا نہ تو

کوئی ایڈریس اس نے لیا تھا اور۔۔۔ فون میں موجود  
کوئی نمبر بھی ایسا نہیں تھا جس پر وہ رابطہ کرتا۔ وہ

اسے ملی بھی۔۔۔ اور کھو بھی گئی۔ وہ اسے کہاں  
ڈھونڈے۔ اس کی ذات کے اندر ایک بے قراری

سی جنم لے چکی تھی اور اس کی آنکھوں میں تلاش کا  
عنصر نمایاں ہو گیا تھا وہ ہر راہ چلتی گہری سیاہ رنگت

والی لڑکی کو ایک دم غور سے دیکھنے لگتا۔ کسی لڑکی کی  
بات سن کر اسے مزہ ضرور دیکھتا۔۔۔ وہ تو جیسے بہک

گیا تھا گویا اس کی قیمتی شے کہیں گم ہو گئی تھی۔ زندگی  
کی ننھن راہ پر چلتے چلتے اچانک کوئی شجر سایہ دار کی

طرح نمودار ہوا اور پھر غائب بھی ہو گیا۔  
محسن رضائے میٹرک کے امتحان دیے تھے اور

زلزلہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا باب ٹھیکیدار تھا۔ وہ  
زیادہ خوشحال تو نہیں تھے مگر گزر بسر اچھی ہو رہی تھی۔

اچانک جام شور میں اس کی خالہ کی ڈنچہ  
ہوئی۔ اس کے ماں، باپ، دونوں تعزیت کے لیے

دہاں گئے اور۔۔۔ واپس گھر آتے ہوئے بس کا  
بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ دونوں موقع پر ہی جاں

بحق ہو گئے۔ محسن رضا سے چھوٹے تین بہن بھائی  
تھے۔ رشتے میں صرف ایک پھوپھی حلیہ تھیں جو۔۔۔

بے با دیش رہتی تھیں اور ان کے شوہر عرصہ دراز سے  
فانچ کے مرض کا شکار تھے۔ پھوپھی کی کوئی اولاد نہیں

تھی۔ بس تھوڑی بہت زمین تھی جس کی آمدنی اور  
اناج سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ محسن اور اس کے بہن

بھائیوں کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔ سوائے ان کے  
مکمل داروں اور بھائیوں کے جنہوں نے اس کی

امت بندھائی۔ اس کا بہت ساتھ دیا اور آگے پڑھنے

## کھس دیب طے کھس دل

کا مشورہ دیا۔ وہ لائق بھی بہت تھا ہر کلاس میں ہمیشہ  
فرسٹ آتا۔ اس کی تعلیمی صورت حال کو دیکھ کر اردو

گرو کے سب لوگوں نے اسے پڑھائی کے ساتھ  
ساتھ اچھی تو کری اور ٹیوشنر کا مشورہ دیا اور

یوں زندگی کا سفر جاری ہو گیا، اس کے بہن بھائی بھی  
پڑھائی میں اچھے تھے۔ وہ فارغ وقت میں انہیں

پڑھاتا۔ ساتھ والی عسائی خالہ صابرہ اس کی بہن  
سمیرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتیں۔ ان کے لیے

کھانا پکاتیں جو ممکن ہوتا ان یتیم اور بے آسرا بچوں  
کے لیے کرتیں۔ رفتہ رفتہ سمیرا نے بھی گھر داری سیکھ

لی اور اب وہ اسکول سے آتے ہی بھائیوں کے لیے  
کھانا بناتی اور ان کی دوسری ضروریات کا خیال

رکھتی۔ محسن رضا انتھک محنت کرتا مگر بہن بھائیوں کے  
لیے بہت کچھ کرنے کی تمنا اسے ہر وقت سبے چین

رکھتی۔ محسن نے اپنی ذات کو بالکل بھلا دیا تھا۔ نہ کبھی  
تھے کپڑے اور جو تے خریدتا نہ بھی دوستوں کے

ساتھ باہر گھومنے پھرنے جاتا۔ زندگی کی کوئی تفریح  
وہ انجوائے نہ کرتا کہ جو پیسے وہ اپنی ذات پر خرچ

کرے گا وہی پیسے اس کے بہن بھائیوں کے کام  
آئیں گے۔ اس کی سوچ بہن بھائیوں سے شروع

ہو کر ان تک ہی ختم ہوتی تھی۔ ساتھ والی خالہ صابرہ  
کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بڑی کی مکتی ہو چکی

تھی اور پچھلی والی طیبہ بی اے کے بعد ایک پرائیویٹ  
اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اچھی شکل صورت کی گھریلو

اور سکھڑ لڑکی تھی۔ وہ محسن رضا میں خاص دلچسپی لیتی  
تھی۔ اکثر اس کے لیے خاص کھانے بنا کر اسے خود

دینے آتی۔ اس کے چھٹے ہوئے کپڑوں کو اپنے ہاتھ  
سے سیتی۔ اس کے کمرے کی صفائی کر جاتی۔ محسن

طیبہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا کیونکہ اس کے سر پر  
جتنی ذرے داریوں کا بوجھ تھا ان کی موجودگی میں تو

اس نے اپنی ذات کی بالکل نفی کر دی تھی۔ اس نے  
کبھی طیبہ سے کوئی بات نہ کی تھی اور طیبہ پھر بھی اس

پر مروتی تھی۔ اس کی شرافت کے گن گانی تھی۔ اس

کا مشورہ دیا۔ وہ لائق بھی بہت تھا ہر کلاس میں ہمیشہ  
فرسٹ آتا۔ اس کی تعلیمی صورت حال کو دیکھ کر اردو

گرو کے سب لوگوں نے اسے پڑھائی کے ساتھ  
ساتھ اچھی تو کری اور ٹیوشنر کا مشورہ دیا اور

یوں زندگی کا سفر جاری ہو گیا، اس کے بہن بھائی بھی  
پڑھائی میں اچھے تھے۔ وہ فارغ وقت میں انہیں

پڑھاتا۔ ساتھ والی عسائی خالہ صابرہ اس کی بہن  
سمیرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتیں۔ ان کے لیے

کھانا پکاتیں جو ممکن ہوتا ان یتیم اور بے آسرا بچوں  
کے لیے کرتیں۔ رفتہ رفتہ سمیرا نے بھی گھر داری سیکھ

لی اور اب وہ اسکول سے آتے ہی بھائیوں کے لیے  
کھانا بناتی اور ان کی دوسری ضروریات کا خیال

رکھتی۔ محسن رضا انتھک محنت کرتا مگر بہن بھائیوں کے  
لیے بہت کچھ کرنے کی تمنا اسے ہر وقت سبے چین

رکھتی۔ محسن نے اپنی ذات کو بالکل بھلا دیا تھا۔ نہ کبھی  
تھے کپڑے اور جو تے خریدتا نہ بھی دوستوں کے

ساتھ باہر گھومنے پھرنے جاتا۔ زندگی کی کوئی تفریح  
وہ انجوائے نہ کرتا کہ جو پیسے وہ اپنی ذات پر خرچ

کرے گا وہی پیسے اس کے بہن بھائیوں کے کام  
آئیں گے۔ اس کی سوچ بہن بھائیوں سے شروع

ہو کر ان تک ہی ختم ہوتی تھی۔ ساتھ والی خالہ صابرہ  
کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بڑی کی مکتی ہو چکی

تھی اور پچھلی والی طیبہ بی اے کے بعد ایک پرائیویٹ  
اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اچھی شکل صورت کی گھریلو

اور سکھڑ لڑکی تھی۔ وہ محسن رضا میں خاص دلچسپی لیتی  
تھی۔ اکثر اس کے لیے خاص کھانے بنا کر اسے خود

دینے آتی۔ اس کے چھٹے ہوئے کپڑوں کو اپنے ہاتھ  
سے سیتی۔ اس کے کمرے کی صفائی کر جاتی۔ محسن

طیبہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا کیونکہ اس کے سر پر  
جتنی ذرے داریوں کا بوجھ تھا ان کی موجودگی میں تو

اس نے اپنی ذات کی بالکل نفی کر دی تھی۔ اس نے  
کبھی طیبہ سے کوئی بات نہ کی تھی اور طیبہ پھر بھی اس

پر مروتی تھی۔ اس کی شرافت کے گن گانی تھی۔ اس

کا مشورہ دیا۔ وہ لائق بھی بہت تھا ہر کلاس میں ہمیشہ  
فرسٹ آتا۔ اس کی تعلیمی صورت حال کو دیکھ کر اردو

گرو کے سب لوگوں نے اسے پڑھائی کے ساتھ  
ساتھ اچھی تو کری اور ٹیوشنر کا مشورہ دیا اور

یوں زندگی کا سفر جاری ہو گیا، اس کے بہن بھائی بھی  
پڑھائی میں اچھے تھے۔ وہ فارغ وقت میں انہیں

پڑھاتا۔ ساتھ والی عسائی خالہ صابرہ اس کی بہن  
سمیرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتیں۔ ان کے لیے

کھانا پکاتیں جو ممکن ہوتا ان یتیم اور بے آسرا بچوں  
کے لیے کرتیں۔ رفتہ رفتہ سمیرا نے بھی گھر داری سیکھ

لی اور اب وہ اسکول سے آتے ہی بھائیوں کے لیے  
کھانا بناتی اور ان کی دوسری ضروریات کا خیال

رکھتی۔ محسن رضا انتھک محنت کرتا مگر بہن بھائیوں کے  
لیے بہت کچھ کرنے کی تمنا اسے ہر وقت سبے چین

رکھتی۔ محسن نے اپنی ذات کو بالکل بھلا دیا تھا۔ نہ کبھی  
تھے کپڑے اور جو تے خریدتا نہ بھی دوستوں کے

ساتھ باہر گھومنے پھرنے جاتا۔ زندگی کی کوئی تفریح  
وہ انجوائے نہ کرتا کہ جو پیسے وہ اپنی ذات پر خرچ

کرے گا وہی پیسے اس کے بہن بھائیوں کے کام  
آئیں گے۔ اس کی سوچ بہن بھائیوں سے شروع

ہو کر ان تک ہی ختم ہوتی تھی۔ ساتھ والی خالہ صابرہ  
کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بڑی کی مکتی ہو چکی

تھی اور پچھلی والی طیبہ بی اے کے بعد ایک پرائیویٹ  
اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اچھی شکل صورت کی گھریلو

اور سکھڑ لڑکی تھی۔ وہ محسن رضا میں خاص دلچسپی لیتی  
تھی۔ اکثر اس کے لیے خاص کھانے بنا کر اسے خود

دینے آتی۔ اس کے چھٹے ہوئے کپڑوں کو اپنے ہاتھ  
سے سیتی۔ اس کے کمرے کی صفائی کر جاتی۔ محسن

طیبہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا کیونکہ اس کے سر پر  
جتنی ذرے داریوں کا بوجھ تھا ان کی موجودگی میں تو

اس نے اپنی ذات کی بالکل نفی کر دی تھی۔ اس نے  
کبھی طیبہ سے کوئی بات نہ کی تھی اور طیبہ پھر بھی اس

پر مروتی تھی۔ اس کی شرافت کے گن گانی تھی۔ اس

کا مشورہ دیا۔ وہ لائق بھی بہت تھا ہر کلاس میں ہمیشہ  
فرسٹ آتا۔ اس کی تعلیمی صورت حال کو دیکھ کر اردو

گرو کے سب لوگوں نے اسے پڑھائی کے ساتھ  
ساتھ اچھی تو کری اور ٹیوشنر کا مشورہ دیا اور

یوں زندگی کا سفر جاری ہو گیا، اس کے بہن بھائی بھی  
پڑھائی میں اچھے تھے۔ وہ فارغ وقت میں انہیں

پڑھاتا۔ ساتھ والی عسائی خالہ صابرہ اس کی بہن  
سمیرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتیں۔ ان کے لیے

کھانا پکاتیں جو ممکن ہوتا ان یتیم اور بے آسرا بچوں  
کے لیے کرتیں۔ رفتہ رفتہ سمیرا نے بھی گھر داری سیکھ

لی اور اب وہ اسکول سے آتے ہی بھائیوں کے لیے  
کھانا بناتی اور ان کی دوسری ضروریات کا خیال

رکھتی۔ محسن رضا انتھک محنت کرتا مگر بہن بھائیوں کے  
لیے بہت کچھ کرنے کی تمنا اسے ہر وقت سبے چین

رکھتی۔ محسن نے اپنی ذات کو بالکل بھلا دیا تھا۔ نہ کبھی  
تھے کپڑے اور جو تے خریدتا نہ بھی دوستوں کے

ساتھ باہر گھومنے پھرنے جاتا۔ زندگی کی کوئی تفریح  
وہ انجوائے نہ کرتا کہ جو پیسے وہ اپنی ذات پر خرچ

کرے گا وہی پیسے اس کے بہن بھائیوں کے کام  
آئیں گے۔ اس کی سوچ بہن بھائیوں سے شروع

ہو کر ان تک ہی ختم ہوتی تھی۔ ساتھ والی خالہ صابرہ  
کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بڑی کی مکتی ہو چکی

تھی اور پچھلی والی طیبہ بی اے کے بعد ایک پرائیویٹ  
اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اچھی شکل صورت کی گھریلو

اور سکھڑ لڑکی تھی۔ وہ محسن رضا میں خاص دلچسپی لیتی  
تھی۔ اکثر اس کے لیے خاص کھانے بنا کر اسے خود

دینے آتی۔ اس کے چھٹے ہوئے کپڑوں کو اپنے ہاتھ  
سے سیتی۔ اس کے کمرے کی صفائی کر جاتی۔ محسن

طیبہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا کیونکہ اس کے سر پر  
جتنی ذرے داریوں کا بوجھ تھا ان کی موجودگی میں تو

اس نے اپنی ذات کی بالکل نفی کر دی تھی۔ اس نے  
کبھی طیبہ سے کوئی بات نہ کی تھی اور طیبہ پھر بھی اس

پر مروتی تھی۔ اس کی شرافت کے گن گانی تھی۔ اس

کا مشورہ دیا۔ وہ لائق بھی بہت تھا ہر کلاس میں ہمیشہ  
فرسٹ آتا۔ اس کی تعلیمی صورت حال کو دیکھ کر اردو

گرو کے سب لوگوں نے اسے پڑھائی کے ساتھ  
ساتھ اچھی تو کری اور ٹیوشنر کا مشورہ دیا اور

یوں زندگی کا سفر جاری ہو گیا، اس کے بہن بھائی بھی  
پڑھائی میں اچھے تھے۔ وہ فارغ وقت میں انہیں

پڑھاتا۔ ساتھ والی عسائی خالہ صابرہ اس کی بہن  
سمیرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتیں۔ ان کے لیے

کھانا پکاتیں جو ممکن ہوتا ان یتیم اور بے آسرا بچوں  
کے لیے کرتیں۔ رفتہ رفتہ سمیرا نے بھی گھر داری سیکھ

لی اور اب وہ اسکول سے آتے ہی بھائیوں کے لیے  
کھانا بناتی اور ان کی دوسری ضروریات کا خیال

رکھتی۔ محسن رضا انتھک محنت کرتا مگر بہن بھائیوں کے  
لیے بہت کچھ کرنے کی تمنا اسے ہر وقت سبے چین

رکھتی۔ محسن نے اپنی ذات کو بالکل بھلا دیا تھا۔ نہ کبھی  
تھے کپڑے اور جو تے خریدتا نہ بھی دوستوں کے

ساتھ باہر گھومنے پھرنے جاتا۔ زندگی کی کوئی تفریح  
وہ انجوائے نہ کرتا کہ جو پیسے وہ اپنی ذات پر خرچ

کرے گا وہی پیسے اس کے بہن بھائیوں کے کام  
آئیں گے۔ اس کی سوچ بہن بھائیوں سے شروع

ہو کر ان تک ہی ختم ہوتی تھی۔ ساتھ والی خالہ صابرہ  
کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بڑی کی مکتی ہو چکی

تھی اور پچھلی والی طیبہ بی اے کے بعد ایک پرائیویٹ  
اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اچھی شکل صورت کی گھریلو

اور سکھڑ لڑکی تھی۔ وہ محسن رضا میں خاص دلچسپی لیتی  
تھی۔ اکثر اس کے لیے خاص کھانے بنا کر اسے خود

دینے آتی۔ اس کے چھٹے ہوئے کپڑوں کو اپنے ہاتھ  
سے سیتی۔ اس کے کمرے کی صفائی کر جاتی۔ محسن

طیبہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا کیونکہ اس کے سر پر  
جتنی ذرے داریوں کا بوجھ تھا ان کی موجودگی میں تو

اس نے اپنی ذات کی بالکل نفی کر دی تھی۔ اس نے  
کبھی طیبہ سے کوئی بات نہ کی تھی اور طیبہ پھر بھی اس

پر مروتی تھی۔ اس کی شرافت کے گن گانی تھی۔ اس

کا مشورہ دیا۔ وہ لائق بھی بہت تھا ہر کلاس میں ہمیشہ  
فرسٹ آتا۔ اس کی تعلیمی صورت حال کو دیکھ کر اردو

گرو کے سب لوگوں نے اسے پڑھائی کے ساتھ  
ساتھ اچھی تو کری اور ٹیوشنر کا مشورہ دیا اور

یوں زندگی کا سفر جاری ہو گیا، اس کے بہن بھائی بھی  
پڑھائی میں اچھے تھے۔ وہ فارغ وقت میں انہیں

پڑھاتا۔ ساتھ والی عسائی خالہ صابرہ اس کی بہن  
سمیرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتیں۔ ان کے لیے

کھانا پکاتیں جو ممکن ہوتا ان یتیم اور بے آسرا بچوں  
کے لیے کرتیں۔ رفتہ رفتہ سمیرا نے بھی گھر داری سیکھ

لی اور اب وہ اسکول سے آتے ہی بھائیوں کے لیے  
کھانا بناتی اور ان کی دوسری ضروریات کا خیال

رکھتی۔ محسن رضا انتھک محنت کرتا مگر بہن بھائیوں کے  
لیے بہت کچھ کرنے کی تمنا اسے ہر وقت سبے چین

رکھتی۔ محسن نے اپنی ذات کو بالکل بھلا دیا تھا۔ نہ کبھی  
تھے کپڑے اور جو تے خریدتا نہ بھی دوستوں کے

ساتھ باہر گھومنے پھرنے جاتا۔ زندگی کی کوئی تفریح  
وہ انجوائے نہ کرتا کہ جو پیسے وہ اپنی ذات پر خرچ

کرے گا وہی پیسے اس کے بہن بھائیوں کے کام  
آئیں گے۔ اس کی سوچ بہن بھائیوں سے شروع

ہو کر ان تک ہی ختم ہوتی تھی۔ ساتھ والی خالہ صابرہ  
کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ بڑی کی مکتی ہو چکی

تھی اور پچھلی والی طیبہ بی اے کے بعد ایک پرائیویٹ  
اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اچھی شکل صورت کی گھریلو

اور سکھڑ لڑکی تھی۔ وہ محسن رضا میں خاص دلچسپی لیتی  
تھی۔ اکثر اس کے لیے خاص کھانے بنا کر اسے خود

دینے آتی۔ اس کے چھٹے ہوئے کپڑوں کو اپنے ہاتھ  
سے سیتی۔ اس کے کمرے کی صفائی کر جاتی۔ محسن

طیبہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتا کیونکہ اس کے سر پر  
جتنی ذرے داریوں کا بوجھ تھا ان کی موجودگی میں تو

اس نے اپنی ذات کی بالکل نفی کر دی تھی۔ اس نے  
کبھی طیبہ سے کوئی بات نہ کی تھی اور طیبہ پھر بھی اس

پر مروتی تھی۔ اس کی شرافت کے گن گانی تھی۔ اس

کا مشورہ دیا۔ وہ لائق بھی بہت تھا ہر کلاس میں ہمیشہ  
فرسٹ آتا۔ اس کی تعلیمی صورت حال کو دیکھ کر اردو

گرو کے سب لوگوں نے اسے پڑھائی کے ساتھ  
ساتھ اچھی تو کری اور ٹیوشنر کا مشورہ دیا اور

یوں زندگی کا سفر جاری ہو گیا، اس کے بہن بھائی بھی  
پڑھائی میں اچھے تھے۔ وہ فارغ وقت میں انہیں

پڑھاتا۔ ساتھ والی عسائی خالہ صابرہ اس کی بہن  
سمیرا اور بچوں کا بہت خیال رکھتیں۔ ان کے لیے

کھانا پکاتیں جو ممکن ہوتا ان



کی خوب صورتی کی مداح تھی۔ وہ چھوٹے کالہ تانکا منہ سب خدو خال کا مالک تھا۔ اس کی گندی رنگت سیاہ گھٹکر لے پال، خوب صورت بڑی بڑی آنکھیں غریبہ وہ ایک انتہائی خوب صورت اور دلکش شخصیت کا مالک تھا مگر اس کا حلیہ اور کپڑے بہت نارمل اور عام سے ہوتے جس کی وجہ سے اس کی شخصیت کھل کر سامنے نہ آتی۔ کبھی کبھار وہ کوئی نیا سوٹ پہنتا تو بہت خوب صورت لگتا۔ گزشتہ ایک دو ماہ سے طیبہ اس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی سنجیدگی سے سوچ رہی تھی اور محسن بھی اس بات کو محسوس کرتے ہوئے اس کے بارے میں سوچتے لگا تھا مگر اچانک محسن سے ملاقات کے بعد اس کے حواسوں پر اور دل و دماغ پر صرف یہی چھا گئی تھی۔ اس کی متلاشی نگاہیں صرف اسے ڈھونڈتی رہتی تھیں اور اب اس کا دل صرف اسی کے لیے مضطرب رہتا۔ اب طیبہ اسے سامنے کھڑی دکھائی نہ دیتی تھی۔ وہ اس کی موجودگی کو محسوس نہ کر پاتا تھا۔ طیبہ کو بھی جب سے سمیرا، حسن اور احسن کی زبانیں محسن کے بارے میں معلوم ہوا تھا وہ محسن کی بدلی ہوئی سوچ اور نظروں کا مفہوم اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ اسے خود بخود محسوس ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اب محسن کے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی اور یہی سوچ کر وہ پیچھے ہٹ گئی تھی مگر محسن کی یاد سے دستبرداری اس کے لیے بہت مشکل ہو رہی تھی۔ یہ محبت بھی عجیب روگ ہے ناصر جس کو بھلایا وہ اکثر یاد آئے

☆☆☆

یعنی کو گاؤں میں ماں جی کے پاس چھوڑ کر جمال احمد خود لیے کے روز کراچی چلے گئے۔ یہاں کی شادی کا فنکشن تو وہ آئینڈ نہیں کر سکے تھے مگر ویسے پر پختہ کا وعدہ انہوں نے ایمن سے کر رکھا تھا۔ ایمن پوری شادی میں جس قدر اپ سیٹ رہی تھیں۔ ان کی حالت دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ بہت افسردہ دکھائی دے رہی تھیں۔

”کیا بات ہے، ایمن۔ تم بہت ڈسٹرب لگ رہی ہو؟“ جمال نے ایمن کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

”کیا آپ کو یحییٰ نے کچھ نہیں بتایا۔؟“ ایمن نے سوال کیا۔

”نہیں... لیکن مجھے اندازہ ہے کہ اس نے ضرور کوئی گڑبڑ کی ہوگی۔“ جمال نے جواب دیا۔

”صرف گڑبڑ... جمال اس کی وجہ سے یہاں کی مہندی کا فنکشن ملتوی کرنا پڑا اور ہم سب کو اس نے اس قدر ٹینشن دی کہ مجھے دو روز تک نیند کے انجکشنز دے کر سلا دیا گیا۔ جمال... یہ سب آپ کے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔ اس بار تو اس نے حد ہی کر دی ہے۔ اسے کسی کا بھی کوئی خیال نہیں... اتنے سالوں کے بعد میں کراچی شادی کا فنکشن آئینڈ کرنے آئی اور اس نے وہ بھی سکون سے مجھے آئینڈ نہیں کرنے دیا۔ جمال وہ حد سے زیادہ irritate کرنے لگی ہے۔“ ایمن شوہر کو دیکھ کر غصے سے پھٹ پڑیں اور رونا شروع کر دیا۔

”تم ہی بتاؤ... اب میں اسے کیسے سمجھاؤں؟“ جمال نے بے بسی سے پوچھا۔

”اس نے آپ کو سیٹ کنفرم کرانے کے لیے فون کیا اور آپ نے فوراً کروادی۔ کیا آپ اسے منع نہیں کر سکتے تھے۔“ ایمن نے شکایت کی۔

”نہیں؟“ جمال نے غصے سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے... میں بھی نہیں پوچھوں گی کیوں۔ جو دل چاہے کیجیے۔“ ایمن غصے سے کہہ کر باہر نکل گئیں۔ اور جمال خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر ایمن کی باتوں پر سوچنے لگے۔ اب وہ ایمن کو کیسے سمجھاتے کہ جب بھی انہوں نے یحییٰ کی بات نہیں مانی تھی انہیں بات خود نقصان اٹھانا پڑا تھا یا پھر کسی نہ کسی اور وجہ سے انہیں ٹینشن اٹھانا پڑتی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ ان کی اپنی سوچ ہو مگر کچھ ایسا ضرور ہوتا تھا کہ وہ ڈسٹرب ہو جاتے اور ایمن اس بات کو بھی نہیں مانتی تھیں۔ وہ جمال کی باتوں کو ان کا وہم کہہ کر ٹال

## کھس دسب طے کھیں دل

آتی تھی۔ ماں جی نے اپنی ایک خاص ملازمہ بشیراں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ یحییٰ کے کمرے میں سوئے اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھے۔ بشیراں بڑی نیک، پارسا اور اللہ والی عورت تھی۔ اس کی شادی کے فوراً بعد ہی اس کا شوہر قتل ہو گیا۔ اس وقت سے اب تک وہ ماں جی کے پاس حویلی میں ہی رہ رہی تھی اور اس کی حیثیت ملازمہ کی نہیں بلکہ گھر کے فرد جیسی تھی۔ بشیراں بڑی صاف دل عورت تھی۔ اللہ سے کچی محبت کرنے والی... اس کی زندگی مصائب اور تکالیف سے پُر تھی مگر اس کی زبان سے کبھی خدا سے شکوے شکایت کے الفاظ نہ نکلتے۔

”اماں... آپ نے کبھی اللہ سے شکوہ نہیں کیا کہ اس نے آپ کے ساتھ یہ سب کیوں کیا... پہلے ماں، باپ چھینے پھر شوہر چھین لیا بچے بھی نہیں۔ ساری زندگی لوگوں کے گھروں میں محنت کر کے گزار دی۔ آپ نے کبھی خواہش نہیں کی کہ آپ کو بھی اللہ نوازتا... آپ بھی خوش رہیں... ماں جی کی جگہ آپ بھی تو حویلی کی مالکن ہو سکتی تھیں ناں...“ یحییٰ نے ایک رات حیرت سے بشیراں سے جانے کیا سوچ کر کہا۔

”بیٹا جس سے محبت کرتے ہیں اس سے شکایت نہیں کرتے بس اس کی مانتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں۔“ اماں بشیراں نے مسکرا کر جواب دیا۔

”کیوں اماں...؟ یہ کیا بات ہوئی، کیوں خاموش رہیں؟“ یحییٰ نے پوچھا۔

”بیٹا! ابھی تم کم عمر ہو، تم کیا جانو... محبت میں کیا کچھ سہنا پڑتا ہے، یہ تو ایک آگ ہے جو اس میں جل گیا وہ کندن ہو گیا اور کندن کی قدر سنار جانتا ہے۔ دوسرے کیا جانتیں؟“ بشیراں نے مسکراتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

”اماں... مجھے نہیں معلوم آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں مگر میں تو بس یہ جانتی ہوں کہ جب اللہ نے سب انسانوں کو ایک جیسا پیدا کیا ہے تو سب کو

وہی تھیں مگر جو کچھ جمال محسوس کرتے تھے۔ ایمن اسے قطعیت سے جھٹلاتی تھیں۔ جمال نے ظہیر اور سدیدہ سے یحییٰ کی وجہ سے پھیلنے والی ٹینشن کے لیے معذرت کی اور ایک روز ٹھہرنے کے بعد وہ ایمن کے ساتھ واپس آ گئے۔

گھر واپس آ کر انہوں نے یحییٰ کو فون کیا کہ وہ ڈرائیور کو بھیجیں گے اور وہ اس کے ساتھ گھر واپس آ جائے مگر ماں جی نے بتایا کہ وہ یہاں بہت خوش ہے اور چند روز کے بعد ماں جی کو خود ہی شہر میں بینک میں کام کے سلسلے میں آنا تھا وہ تب اسے ساتھ لیتی آئیں گی۔ جمال ماں جی کا کہا نہیں ٹال سکے ورنہ خاموش ہو گئے۔ ایمن نے اس کی کلاسز میں ہونے پر احتجاج کیا تھا انہیں ماں کی ناراضی کا بتا کر خاموش کر دیا۔

☆☆☆

اتنی بڑی حویلی میں یحییٰ سارا دن گاؤں کی لڑکیوں اور حویلی کی ملازم لڑکیوں کے ساتھ گھومتی پھرتی رہتی۔ حویلی کے ساتھ ملحقہ باغات کی سیر کے لیے صبح سویرے ہی نکل جاتی اور دوپہر کو واپس لوٹتی۔ گاؤں کی لڑکیاں اس سے بہت متاثر ہوتیں۔ اس کے سامنے سب دبی دبی رہتیں اور اس کی جی حضوری کرتی رہتیں۔ ماں جی بھی اسے کچھ نہ کہتیں کہ وہ زندگی میں پہلی بار ان کے ہاں آ کر ٹھہری تھی ورنہ اس سے قبل وہ ایمن اور جمال کے ساتھ صبح آتی اور شام کو ان کے ساتھ ہی واپس چلی جاتی۔ حویلی میں سر شام ہی اندھیرا چھا جاتا ماں جی بھی کھانا کھانے کے بعد عشا کی نماز پڑھتیں، تھوڑی دیر واک کرتیں اور سو جاتیں کیونکہ انہیں تہجد کے لیے اٹھنا ہوتا تھا جبکہ یحییٰ کو اتنی جلدی سونے کی عادت نہیں تھی۔ وہ شہر میں تو آدھی آدھی رات تک جاگتی رہتی بھی لی وی دیکھ رہی ہے تو کبھی میوزک سن رہی ہے اور کچھ نہیں تو سہیلیوں سے فون پر باتیں... اور اب گاؤں میں آٹھ نو بجے ہی سونے کا رواج تھا مگر اسے نیند کہاں



زندگی کی ایک جیسی خوشیاں، نعمتیں اور آسائشیں بھی ملنی چاہئیں۔ جن کو کچھ نہیں ملتا اس میں ان کا کیا تصور ہوتا ہے؟" یمنی نے کہا۔

"یمنی بیٹا..... تو بھی بڑی بھولی ہے۔ بھلا ڈھانچے ایک جیسے بنانے سے سب انسان کیسے ایک جیسے ہو گئے، سب کی عقلیں اور شکلیں اس نے مختلف بنائی ہیں تو پھر کسی کو فرمانبردار اور کسی کو نافرمان، کسی کو ایماندار تو کسی کو بے ایمان بنایا ہے۔ یہ تو سب دنیا داری کی باتیں ہیں اگر وہ سب کو امیر بنادیتا تو غریبوں کے دکھ کون سمجھتا۔ سب کو خوب صورت بنادیتا تو خوب صورتی کی قدر کرنے والا کون ہوتا؟ بیٹا وہ بادشاہ جو آتی بڑی دنیا کا کارخانہ چلا رہا ہے اس کی عقل ہم سب سے بڑھ کر ہے اور ویسے بھی اسے ہمارے کپڑوں، حلیوں اور شکلوں کی پروا نہیں۔ اسے تو ہمارے دل چاہئیں پاک، صاف، دھلے ہوئے۔ ایمان کی دولت سے بھرے ہوئے دل۔" بشری نے بڑی گہری باتیں کیں تو یمنی اسے بس دیکھنے لگی پھر کچھ دیر بعد بولی۔

"بھئی پاک و صاف دھلے ہوئے دل، کیا مطلب؟ میں سمجھتی نہیں؟" یمنی نے پوچھا۔

"جھیلے تو سمجھتی ہوگی..... واشنگ مشین میں دھلے ہوئے..... نہیں، نہیں..... ایسے دل جن میں نہ حسد ہو، نہ کینہ نہ کوئی دشمنی ہو، نہ ہیبت ہیبت ہو..... سب کے لیے۔" بشری نے اسے سمجھایا۔

"اماں..... سب کے لیے محبت کیسے ایک دل میں جمع ہو سکتی ہے۔ یہ تو بہت مشکل ہے۔" یمنی نے حیرت سے کہا۔

"وہ کہتے ہیں ناں....."

دل دریا سمندروں ڈونگے کون دلاں دیاں جاتے تھو  
دل..... دریا اور سمندروں سے بھی زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔ ان کے اندر کیا، کیا ہوتا ہے۔ کتنے راز چھپے ہوتے ہیں، کسی کو خبر نہیں ہو سکتی اور تو

بھی تو بہت سے لوگوں سے محبت کرتی ہے..... حال بیٹے سے بہورانی اور ماں جی..... اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ ہوں گے۔ جو تمہارے دل کو بھلے نکتے ہوں گے پھر جیسے جیسے تو آگے بڑھے گی اور بہت سے لوگ تیرے دل میں سماتے جائیں گے اور پھر ان سب میں سے کوئی ایک تیرے دل کو سب سے زیادہ اچھا لگے گا، اس کی برائیاں بھی تجھے خویں لگیں گی اور اس کے لیے تو اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جائے گی۔ اس کے بدلے میں تجھے ساری دنیا کی نعمتیں بھی دی جائیں تو تو پھر بھی انہیں نہیں لے گی۔ تجھے تو صرف وہی چاہیے ہوگا جسے تیرا دل سب سے زیادہ محبت کرتا ہوگا۔ جس پر تو سب سے زیادہ اعتبار کرتی ہوگی۔ اس لیے بیٹا..... محبت میں بڑا پھیلاؤ ہے۔ یہ ایک ایسا تھیلا ہے جس کے اندر جس جس کو ڈالتی جاؤ گی یہ اسے سمیٹا جائے گا۔" بشری نے بڑے مدبرانہ انداز میں اسے سمجھایا۔

"اماں..... کیا آپ کی زندگی میں بھی کوئی ایک ایسا آیا جو آپ کے دل کو سب سے زیادہ اچھا لگا؟" یمنی نے مسکرا کر شرارتی انداز میں پوچھا۔

"ہاں، عبدالغفور سب سے زیادہ اچھا لگا....." مگر وہ ہنستی تو شادی کے چوتھے دن گل ہو گیا..... ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔ میں اس سے سارا دن باتیں کرتی رہتی ہوں اور وہ خاموشی سے سنتا رہتا ہے۔ بیٹا..... وہ مرا نہیں بلکہ ایک یاد بن کر میرے دل میں ٹھہر گیا ہے۔" بشری نے نم آنکھوں سے کہا۔

"اماں، آپ ان کے مرنے پر بہت روتی ہوں گی۔ اللہ سے بہت شکوہ کرتی ہوں گی کہ اس نے اتنی جلدی آپ سے آپ کی محبت چھین لی۔ اماں ویسے آپ کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی تھی۔" یمنی نے کچھ نفیوز ہو کر کہا۔

"ہاں! پہلے میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ بہت روتی تھی، رب سے اٹھتے بیٹھتے بہت شکوے کرتی تھی کہ تو

نے تو میرے ہاتھوں کی مہندی اترنے سے پہلے ہی میرا سہاگ چھین لیا۔ ساری دنیا نہ ہر گنتی تھی اور ہر شے بری..... دل چاہتا تھا کہ میں بھی مر جاؤں..... پھر ایک رات اس نے مجھے سمجھایا کہ تو کس کے پیچھے دیوالی ہو رہی ہے۔ تجھے تو میں نے اپنے لیے پیدا کیا ہے۔ تجھے تو مجھ سے محبت کرنی چاہیے اور تو کسی اور سے محبت میں پاگل ہو رہی ہے۔ تیری تنہائیوں کا ساتھی تو میں ہوں..... اور تو کسی اور کو ڈھونڈتی ہے۔ تیری سرگوشیوں کو میں سنتا ہوں اور تو اسے پکارتی ہے، وہ تو دنیا میں تیرا ساتھی تھا اور تیرا میرا ساتھ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ بیٹا، پھر میں بہت روتی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں بھٹک گئی تھی۔ کہیں کھو گئی تھی۔ وہ مجھے واپس لایا۔..... پھر اپنی محبت کے درشن کرائے اور پوچھنے لگا۔ بتا..... بشری اب تو کسے زیادہ چاہتی ہے۔ غفور کو کہ عبدالغفور کو اور پھر میں اس کے آگے جھک گئی۔ بہت روتی..... بہت زیادہ میں نے کہا صرف غفور کو پھر وہ بولا۔ "پھر کا ہے کوروتی ہے پنگی جس کو میں مل گیا..... اسے اور کیا چاہیے؟" بس اس رات کے بعد میں نے اس سے شکوے کرنا چھوڑ دیے..... اور اسے اپنا ہم راز بنالیا۔ اس سے دوستی کر لی اس پر ایمان لے آئی۔" بشری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیسا ایمان.....؟ کیا آپ پہلے مسلمان نہیں تھیں؟" یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

"جھیلے..... کلمے والا ایمان نہیں..... دل والا ایمان۔" کلمہ تو سارے مسلمان پڑھتے ہیں..... پر دل والا ایمان کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ صرف ان کو جن سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔" بشری نے مٹی خیز انداز میں کہا۔

"کیا مطلب.....؟ میں سمجھتی نہیں....." یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

"جب ساری دنیا بے اعتبار لگے..... اور صرف رب پر دل سچا اور پکا اعتبار کر لے جب.....

کھیں دیب طے کھیں دل

معصیت میں بہت لوگ مدد کو آئیں مگر دل اس کے علاوہ کسی اور کی مدد قبول نہ کرے تو یہ دل والا ایمان ہوتا ہے..... جو نبیوں، پیغمبروں، ولیوں اور اللہ سے محبت کرنے والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ہم عام انسان بھی اس کے مقرب بن جاتے ہیں مگر اس کے لیے بہت محنت چاہیے ریاضت چاہیے خلوص چاہیے جیسے دنیاوی رشتوں میں محبت یا چاہت..... خصوص اور وفا مانگی ہے، قربانی مانگی ہے۔ جب کوئی اپنے رب پر سچا ایمان لے آتا ہے تو پھر ایسے ایمان والوں کو سرعام سون پر چڑھا دیا جائے یا آگ میں ڈال دیا جائے وہ مطمئن رہتا ہے۔ کسی سے شکوہ نہیں کرتا مگر یہ کسی، کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ہم کہاں اس قائل؟" بشری نے کہا تو یمنی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مگر..... اماں..... آپ تو کہہ رہی تھیں کہ آپ اس پر دل سے ایمان لے آئیں اور اب کہہ رہی ہیں میں اس قائل کہاں؟" یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

"تو بھی بڑی بھولی ہے۔ بندہ صرف دعویٰ کرتا ہے..... قبول تو وہ کرتا ہے..... معلوم نہیں..... اس نے میرے ایمان کو قبول بھی کیا ہے یا نہیں....." بشری آہ بھر کر بولی۔

"اماں..... ضرور کیا ہوگا..... آپ فکر نہ کریں۔" یمنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو کہتی ہے تو مان لیتی ہوں۔" بشری نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"اماں..... ایک بات تو بتائیں۔ جب اس نے انسان کے دل کو اپنی محبت کے لیے بنایا ہے تو پھر اس میں کسی اور کی، تنی محبت کیوں ڈالتا ہے..... جسے انسان سب سے زیادہ چاہنے لگتا ہے اور پھر اسے خود ہی چھین لیتا ہے، یہ کتنا عجیب سا کورکھ دھندا ہے۔ انسان تو تماشا بن کر رہ جاتا ہے۔" یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

"سن اگر تو گاؤں نہ آتی..... تو تجھے کیسے معلوم



ہوتا کہ یہاں تجھے کون، کون چاہتا ہے اور کتنی محبت کرتا ہے .... اس طرح وہ پہلے بندے کے دل کو بندوں کی محبت کے درشن کراتا ہے۔ اگر وہ بندے کے خالی دل کو سیدھا سیدھا اپنی محبت سے بھروے تو وہ دل کسی اور کی محبت کو کبھی محسوس نہ کرے۔ پہلے وہ بندے کے دل کو بہت سی محبتوں کی پہچان کراتا ہے مثلاً بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پہلی آنکھ ہی وہ محبت کی گود میں کھولتا ہے پھر ماں، باپ اور بہن بھائیوں کا محبت سے اسے چھونا۔ اسے پیار کرنا پھر جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا جاتا ہے۔ محبت کی شکلیں بدلتی جاتی ہیں مگر محبت کا وجود اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ جب بندے کا دل بہت سی محبتوں سے پُر ہو جاتا ہے تو پھر رب کریم پوچھتا ہے۔ اے بندے اب تو کس سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اور جب بندہ اس کی محبت کا اقرار کرتا ہے تو پھر کہتا ہے۔ ٹھیک ہے پھر امتحان کے لیے تیار ہو جا۔“ بشیراں کسی بزرگ کی طرح جذب کے عالم میں اسے تیار ہی تھی۔

”پر کیا امتحان.....؟“ یعنی نے چونک کر پوچھا۔

”جب کوئی کسی سے محبت کرتا ہے اور اس کا محبوب پہلا سوال پوچھتا ہے۔“ تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو؟“ جانتی ہو وہ کیا جواب دیتا ہے۔ کہتا ہے میں تمہارے لیے آسمان سے تارے توڑ لاؤں گا زمین پر نہر کھوداؤں گا۔ پہاڑ کوریزہ ریزہ کر دوں گا..... اور رب کیا کرتا ہے! رب محبتوں کی آزمائش کرتا ہے۔ انسان جس جس شے سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اسی سے اسے آزماتا ہے اور جب انسان اس امتحان میں پورا اترتا ہے تو پھر اسے اپنی سچی اور بچل محبت سے نوازتا ہے۔ پیٹا وہ بڑا سخت امتحان لیتا ہے۔ یہ تو وہی جالے اور اس سے محبت کرنے والے جانیں۔ محبت کی باتیں..... محبت کے رنگ محبت کے دکھ بڑے بڑے ہوتے ہیں۔“

بشیراں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”اماں کیا محبت یوں بھی ہوتی ہے؟“ یعنی نے بشیراں کی باتیں سن کر نہایت حیرت سے پوچھا۔

”ہاں اصل محبت تو یہی ہے بلکہ حقیقی محبت ہم، تم انسان تو محبت کا کچھ اور مطلب لیتے ہیں..... مگر اس کے نزدیک محبت کچھ اور ہے۔“ بشیراں نے کہا۔

”کچھ اور.....؟ کیا مطلب ... اماں آپ بہت مشکل باتیں کرتی ہیں۔“ یعنی نے جمانی لیتے ہوئے کہا۔

”بیٹا مشکل بات نہیں، سیدھی سی بات ہے اس کے نزدیک محبت ختم ہو جانے کا نام ہے۔“ بشیراں نے کہا۔

”یعنی قنا..... مطلب..... مر جانا.....؟“ یعنی نے چونک کر پوچھا۔

”ارے..... نہیں..... اپنی ذات، اپنی خواہشوں، خوشیوں، چاہتوں اور ضرورتوں کو کسی دوسرے کے لیے قربان کر دینا ہے..... اپنے لیے نہیں..... کسی دوسرے کے لیے بھی نہیں..... بلکہ صرف اپنے رب کے لیے اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے..... وہ انسان سے ایسی ہی محبت چاہتا ہے.....“

بشیراں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اماں..... آپ تو بڑھی لکھی نہیں..... پھر اتنی مشکل باتیں کہاں سے سیکھیں؟“ یعنی نے حیرانی سے پوچھا۔

”بیٹا..... ایسی باتوں کے لیے کتابیں ضروری نہیں..... اس سے محبت کرنے والے دل ہی کافی ہوتے ہیں۔ ویسے میں گاؤں کی مسجد کے مولوی صاحب کی بیوی آبا جتنے کے پاس درس لینے جاتی تھی۔ وہ بڑی پڑھی لکھی اور اللہ والی عورت تھیں۔ ان سے یہ علم لیا پھر میری مائیں بھی تو بہت اللہ والی ہے۔“ بشیراں نے اچانک یعنی کی طرف دیکھا وہ سوچتی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے اسے چادر اوڑھادی اور خود تہجد کی نماز کے لیے دُعا کرنے چلی گئی۔



## قارئین متوجہ ہوں



کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

- ☆ پک اسٹال کا نام چھاپا دستیاب نہ ہو۔
- ☆ شہر اور علاقے کا نام۔
- ☆ ممکن ہو تو پک اسٹال کا PTCCL پر فون نمبر

ہر ماہ قاعدگی سے اپنے گھر پر پرچا حاصل کرنے کے لیے آپ 12 پرچوں کی قیمت 720 روپے کے بجائے صرف 700 روپے ادارے کو ذرا فٹ، مینی آرڈر مینی گرام یا کسی اور ذریعے سے ارسال کریں۔ ہم رجسٹرڈ ڈاک کا خرچ (14 روپے فی پرچا) خود ادا کریں گے اور آپ کو 12 تک اپنا پسندیدہ پرچا رجسٹرڈ ڈاک سے ملتا رہے گا

یہ سالانہ خریداری اسکیم ادارے کے چاروں رسائل کے لیے ہے

رایٹے اور مزید معلومات کے لیے  
**نصر عباس**  
 03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

سپیس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگرم

C-63، پشیمانی روڈ، لاہور، پاکستان

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

☆☆☆

توقیر آفس سے لوٹا تھا اور قدرے تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ نجمہ اس کے پاس صوفے پر بیٹھی کسی سے موبائل پر باتیں کرنے میں مصروف تھیں بات ختم کر کے انہوں نے چونک کر توقیر کی طرف دیکھا۔

”کیا بات ہے بیٹا..... بہت تھکے ہوئے اور اداس لگ رہے ہو؟“ نجمہ نے محبت سے پوچھا۔

”نہیں..... یونہی۔“ اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

”تھکے کیا بات ہوئی۔ اس اداسی کی وجہ کیا ہے، مجھے کچھ تو بتاؤ؟“ نجمہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں امی.....!“ اس نے ایک لمبی آہ بھری۔

”توقیر..... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں..... تم میری بات سمجھتے کیوں نہیں؟“ انہوں نے خشکی سے کہا۔ ”کون سی بات.....؟“ اس نے چونک کر پوچھا۔

”یہی کہ..... اب وقت آگیا ہے..... تم شادی کر لو، تمہاری اچھی جا ب لگ گئی ہے۔ ہمارے پاس اچھا گھر ہے اور ہر نعمت موجود ہے پھر کس بات کی کمی ہے جو تم شادی سے انکار کر رہے ہو؟“ نجمہ نے پوچھا۔

”بس انتظار کر رہا ہوں۔“ توقیر نے آہ بھرے لہجے میں کہا۔

”کس کا انتظار.....؟“

”ایک بات کا.....“ توقیر نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ کارڈور میں رکھا فون بجا تو نجمہ اٹھ کر فون سننے چلی گئیں۔ توقیر نے اپنا موبائل نکال کر روا کے نمبر پر کال کی مگر اس نے کال انینڈ نہ کی۔ توقیر کو مینشن ہونے لگی کہ روانے کال کیوں نہیں اٹینڈ کی۔

”ہو سکتا ہے وہ بڑی ہو۔“ اس نے سوچا پھر اس



کی نظر ٹھیل پر پڑے رشنا کے موبائل پر پڑ گئی اور اس نے جلدی سے بیج لکھ کر اسے سینڈ کر دیا اور فوراً ہی بیج ڈیلیٹ بھی کر دیا اور اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

ردا کا موبائل سائڈ ٹھیل پر پڑا تھا اور وہ داش روم میں تھی۔ حاتم کسی کام سے آوازیں دیتا ہوا اس کے کمرے میں آیا اور وہیں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس کو آواز دینے لگا۔

”ردا کہاں ہو بھئی؟“ اسے داش روم سے پانی گرتے کی آواز آئی وہ اس جانب دیکھ کر باہر جانے لگا کہ ردا کے موبائل پر بیج ٹون آئی تو حاتم نے جھک کر اس کے موبائل اسکرین کی طرف نظر کی اس نے چپک کیا تو رشنا کے نمبر سے بیج تھا اس نے ضروری بیج سمجھ کر اسے پڑھا۔

”I just want to know do you love me or not?“

پڑھا اور بری طرح چونکا۔ ”رشنا کے موبائل سے یہ بیج..... رشنا کو ایسے بیج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہیں ردا نے رشنا کے نام سے کوئی اور نمبر تو سیو نہیں کیا۔ ہاں ممکن ہے۔“ حاتم حیرت سے ہونٹ کاٹتے ہوئے بڑبڑایا اور اپنا موبائل نکال کر رشنا کا نمبر سیو کرنے لگا اور ردا کے موبائل سے بیج ڈیلیٹ کر کے کمرے سے نکل آیا۔

☆☆☆

حاتم اپنے کمرے میں کافی پریشانی میں چکر لگا رہا تھا۔ اس کا موبائل اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ مخلوک ہو کر سوچ رہا تھا۔ ”مجھے ایک بار کنفرم کرنا چاہیے کہ کیا یہ نمبر رشنا کا ہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ردا کسی لڑکے..... اور وہ ہمیں بتانا نہیں چاہ رہی ہو..... ہاں مجھے رشنا کو فون کرنا چاہیے۔“ حاتم نے پریشانی سے سوچا اور فوراً نمبر ملانے لگا مگر فوراً ہی رک گیا۔

”نہیں..... نہیں مجھے دوسرے نمبر سے فون کرنا چاہیے..... جس کا ردا کو بھی علم نہیں ہو۔“

”ہیلو..... جی..... کون؟“ رشنا نے پوچھا۔ ”نہیں کیا، یہ آپ کا نمبر ہے؟“ حاتم نے گلا کھٹکھا کر کہا۔

”جی، یہ میرا ہی نمبر ہے۔“ رشنا نے جواب دیا۔ ”اسے کوئی اور تو استعمال نہیں کرتا۔“ حاتم نے پوچھا۔

”نہیں..... اس مائی پرسل نمبر..... آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟“ رشنا حیرت سے بولی۔ ”اپنے فرینڈ ”احمد“ سے..... آئی تھنک یہ اس کا نمبر نہیں۔“ حاتم نے ایک دم بوکھلا کر کہا۔

”آف کورس..... یہ کسی اور کا نہیں، میرا ہی نمبر ہے۔“ رشنا نے کہا اور موبائل آف کر دیا۔ ”اگر یہ رشنا کا ہی نمبر ہے تو اسے محبت کی یقین دہانی کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسی ضرورت صرف لڑکوں کو ہی ہوتی ہے۔ لڑکیوں کو نہیں..... مجھے اس سے پوچھنا چاہیے۔“ حاتم نے سوچا اور پھر رشنا کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ایک بل گئی۔ ”اب میں رشنا سے کیا پوچھوں؟“ حاتم نے سوچا پھر کال ڈراپ کر دی اور رشنا کی کال اس کے موبائل پر آنے لگی۔ وہ موبائل ہاتھ میں پکڑ کر پریشانی سے دیکھنے لگا اور قدرے توقف کے بعد اس سے بات کرنے کے لیے بہ مشکل ہیلو کہا۔

”مسٹر..... ہیلو وقفہ تو رانگ کال تھی..... دوبارہ کال کرنے کی آپ کو کیا ضرورت پیش آئی؟“ رشنا نے غصے سے پوچھا۔

”وہ..... اچھو سکی.....“ حاتم بہانہ کھڑنے لگا۔ ”سنیے..... یہ lame excuses کسی اور کو دیجیے گا..... آپ کی زبان آپ کا ساتھ نہیں دے رہی۔ بہتر یہی ہے کہ دوبارہ کال نہ کریں۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ سمجھے آپ۔“ رشنا نے ڈانٹا تو حاتم شرمندگی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

☆☆☆

تو قیر اپنے کمرے میں کافی پریشان کھڑکی کے

پاس کھڑا پاہر اندھیرے میں آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا اور سگریٹ کے گہرے کش لگاتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔

”میں نے رشنا کے موبائل سے ردا کو بیج کر کے کوئی غلطی تو نہیں کی اگر ردا نے رشنا کو وہ بیج دکھا دیا تو.....؟ مجھے اس وقت کیوں یہ خیال نہیں آیا..... شاید میں نے بیج کر دیا۔“ تو قیر نے پریشانی سے سوچا۔

”آئی ایم شیور..... وہ رشنا کو نہیں بتائے گی۔ اس نے پہلے بھی تو لیٹرڈ کا اس سے ذکر نہیں کیا۔“ تو قیر نے خود ہی اپنے خیال کی تردید کرتے ہوئے سوچا۔ ”لیکن اس کے اس attitude کی مجھے سمجھ نہیں آرہی وہ کھل کر اظہار نہیں کرتی۔ اب کیسے پوچھوں..... وہ کچھ بتائے تو سہی.....“ تو قیر نے پریشانی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور کمرے میں چکر لگانے لگا۔ دن کافی چڑھ چکا تھا۔

رشنا اپنے کمرے میں بیڈ پر بڑے آرام سے گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کا موبائل بجتے لگا تو اس نے بغیر دیکھے غصے سے کال ریجیکٹ کر دی۔ ”ایک تو فراز کو چین نہیں..... رات کو سونے سے پہلے بھی اس سے بات کر دو اور بیج اٹھ کر بھی.....“ رشنا نے منہ بنا کر سوچا اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی تو پھر سے کال آنے لگی۔

”ہیلو.....“ رشنا نے غصے سے موبائل کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم ابھی تک سو رہی ہو؟“ ردا نے گاڑی چلاتے ہوئے پوچھا۔

”ردا..... تم..... اوہ..... یار میں بالکل بھول گئی کہ آج ہم دونوں کو شادی کی شاپنگ کے لیے جانا ہے۔“ رشنا نے ایک دم چونک کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم بھی بہت اسٹوپڈ ہو۔“ ردا غصے سے بولی۔ ”تم اس وقت ہو کہاں؟“ رشنا نے پوچھا۔ ”پانچ منٹ تک تمہارے گھر کے باہر

کھین دیب طے کھن دل

ہوں گی۔ اب جلدی سے تیار ہو کر باہر آ جاؤ۔“ ردا دھمکی کے انداز میں بولی۔ ”اوکے..... اوکے..... میں بس آ رہی ہوں۔“ رشنا جلدی سے بولی اور موبائل آف کر کے داش روم میں چلی گئی۔

☆☆☆

ردا گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے رشنا کے گھر پہنچی اور گیٹ سے کچھ قافلے پر گاڑی روک کر باہر نکل کر کھڑی ہو گئی، تو قیر اپنی گاڑی میں گیٹ سے باہر نکلا تو ردا کو گاڑی کے پاس کھڑے دیکھ کر وہ انتہائی خوش ہوا اور اپنی گاڑی سے باہر نکل کر جلدی سے اس کے پاس آیا اور بڑی خوش اخلاقی سے بولا۔

”ارے آپ.....؟“ ”میں رشنا کو پک کر آئی ہوں۔“ ردا نے منہ پھیر کر جواب دیا۔

”آپ کیسی ہیں؟“ تو قیر نے مسکرا کر پوچھا۔ ”کیوں، مجھے کیا ہوا ہے؟“ ردا نے بے رخی سے پوچھا۔

”ردا..... کیا آپ مجھ سے خفا ہیں؟“ تو قیر نے ایک دم چونک کر گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔ ”جو؟ پھوری حرکتیں آپ کر رہے ہیں۔ ان پر خفا ہی ہوا جاتا ہے۔“ ردا غصے سے بولی۔

”میں نے تو ایسی کوئی غلط بات آپ سے نہیں کی..... مجھے آپ اچھی لگیں اور میں نے آپ تک اپنی فیلنگو پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں کیا برائی ہے؟“ تو قیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”مجھے آپ میں کوئی دلچسپی نہیں۔“ ردا نے غصے سے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کیا..... میری محبت؟“ تو قیر نے ایک دم چونک کر کہا۔

”کیا..... محبت..... محبت کی رٹ لگا رکھی ہے۔ نہیں ہے مجھے آپ سے کوئی محبت.....“ ردا نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا تو قیر کا منہ کھلا کا کھلا رہ



ہم خاص کیوں ہیں :-

☆ ہر ای ٹک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امپل انک  
☆ ڈاؤن لوڈنگ سے پہلے ای ٹک کا پرنٹ پر یو  
☆ ہر پوسٹ کے ساتھ  
☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے  
ساتھ تبدیلی

☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریح  
☆ ہر کتاب کا الگ سیشن  
☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ  
☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد و جب سائنٹ جہاں ہر کتاب نورِ تہ سے بھی ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤن لوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

 Like us on Facebook

[fb.com/paksociety](http://fb.com/paksociety)

[twitter.com/looksofthe18th](http://twitter.com/looksofthe18th)

”سہلے مجھے فراز سے خوف آتا تھا اور بالکل اچھا نہیں لگتا تھا مگر اب یوں لگتا ہے جیسے میری دنیا کا محور ہی فراز ہو اب سب کچھ وہی لگتا ہے۔“ رشنا نے مسکرا کر جواب دیا۔

”رنگی..... فراز کی محبت نے تو واقعی تمہیں بہت بدل دیا ہے۔“ ردا نے ایک دم چونک کر کہا۔

”محبت یونہی بدل دیتی ہے، میں تو کہتی ہوں تم بھی فوراً کسی سے محبت کر لو پھر دیکھنا دن میں چاند ستارے دکھائی دیں گے۔“ رشنا نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں بھئی..... میں اتنی طوفانی محبت نہیں کر سکتی۔“ ردا زبردستی مسکرا کر بولی۔

”جب تم محبت کرو گی پھر مجھے بتانا، انسان کو پتا ہی نہیں چلتا۔ وہ کیا کچھ کر گزرتا ہے۔“ رشنا مسکرا کر بولی۔

”یار..... اب ڈراؤ مت.....“ ردا مسکرا کر بولی۔

”ڈرا نہیں، بتا رہی ہوں اور سمجھا بھی رہی ہوں۔“ رشنا چستے ہوئے بولی۔

”کیا.....؟“ روانے چونک کر پوچھا۔  
 ”یار..... ایک بات پوچھوں..... میرے تو قیر بھائی  
 تمہیں کیسے لگتے ہیں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ تمہیں پسند  
 کرتے ہیں؟“ رشنا نے اس کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔  
 ”تم نے مجھے بھائی نہیں بنایا مگر میں تمہیں  
 بنا سکتی ہوں۔“ رشنا قہقہہ لگا کر بولی۔

”نہیں۔۔۔ میرے دل میں ان کے لیے کوئی  
 جگہ نہیں۔“ ردا ایک دم منہ بنا کر سنجیدگی سے بولی۔  
 ”ہاں۔۔۔ اور جب دل میں کسی کے لیے کوئی  
 جگہ نہ ہو تو وہاں محبت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ اچھا کیا تم  
 نے مجھے صاف صاف بتا دیا، ورنہ میں تو قیر بھائی  
 سے بات کرنے والی تھی۔“ رشنا نے منہ بنا کر کہا تو  
 ردا نے ایک دم بریک لگا لی تو دونوں کو جھٹکا لگا۔ ردا  
 نے جلدی سے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

**جاری ہے**

گیا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔  
 ”میرے دل میں آپ کے لیے کوئی فیصلہ تو ہیں اور  
 نہ ہی محبت..... آئندہ مجھ سے اس ٹاپک پر بات کرنے  
 کی کوشش مت کیجیے گا۔“ رواٹھوس لہجے میں کہہ کر جاتے  
 گئی تو قیرہ کا پکا اسے نم آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ اتنے میں  
 رشنا بیک لٹکائے گیٹ سے باہر آ چکی تھی۔

”چلو۔۔۔ میں تیار ہوں۔۔۔ آئی ایم سوری  
یار۔۔۔ تمہیں ویٹ کرنا پڑا۔“ رشتائے ردا کو مسکراتے  
ہوئے دیکھ کر کہا۔ ردا خاموشی سے اس کے ساتھ  
گٹاری میں بیٹھ گئی اور تو قیر دونوں کو دیکھ کر جلدی سے  
اپنی گٹاری میں بیٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆  
وہ گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ رشنا اس کے ساتھ  
فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ رشنا کافی خوشگوار موڈ میں  
باتیں کر رہی تھی جبکہ رواجہ سے بہت اپ سیٹ  
لگ رہی تھی۔ اس نے گاکلز لگا رکھی تھی اور وہ اپنی  
سوچوں میں گم تھی۔

”میں نے تو ایسی کوئی غلط بات آپ سے نہیں  
کی، میرے دل کو آپ اچھی لگیں تو.....“ اس کے  
کانوں میں تو قیر کے الفاظ گونج رہے تھے۔  
”یار یہ محبت بھی کیا عجیب شے ہے۔ اچھے بھلے  
انسان کو بالکل ہی دیوانہ بنا دیتی ہے، وہ ایسی حرکتیں کرنے  
لگتا ہے کہ ہلکی آتی ہے۔“ رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”کیا مطلب..... تم کس کی بات کر رہی ہو؟“  
روانے بری طرح بوکھلا کر کہا۔

”فراز کی اور کسی کی رات کو میں اس سے کسی بات پر ناراض ہوئی تو نہ جانے کتنی نہیں اور واسطے دے کر معافیاں مانگنے لگا۔“ رشتہ نے ہستے ہوئے کہا۔

”آئی سی...!“ ردا گہری سانس لے کر بولی اور اپنا ہونٹ کاٹنے لگی۔

”یار روا! تمہیں ابھی تک کسی سے محبت نہیں ہوئی؟“ زرشنا نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”نہیں..... اور تم آج کیسی باتیں کر رہی ہو؟“





## کہیں ویں چلے کہیں دل

قصہ حیات

تیرا حصہ

گو بچنے لگے۔ وہ جلدی سے جیڑ سے اٹھ اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ باہر جھولتے ہوئے درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ میں اسے روا کے الفاظ کی سرگوشیاں محسوس ہونے لگیں۔

تو قیر اپنے دل فرشتہ آفس میں اپنی ریو الونگ جیڑ پر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی اور اداسی کے تاثرات تھے۔ وہ کمپیوٹر پر کچھ کام کرنے لگا تو روا کے الفاظ echo کی صورت اس کے کانوں میں



”کیا محبت..... محبت کی رشتہ گارہی ہے۔ نہیں ہے مجھے آپ سے کوئی محبت.....“ روا کے الفاظ تو قیر کے کانوں میں گونجنے لگے۔

”روا نے میری محبت کو یوں رنجیکٹ کر دیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا، اس نے تو میرے چہرے پر ایسا طمانچہ مارا ہے جس کی جلن میں ساری زندگی محسوس کرتا رہوں گا۔“ تو قیر نے آہ بھر کر سوچا اور اپنا ہاتھ اپنے گال پر رکھ کر رگڑنے لگا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ وہ واپس چہرے پر جا کر بیٹھ گیا اور اس کی پشت کے ساتھ سر کو دکھ کر نہناک آنکھوں سے چھت کو ٹھوڑے لگا۔

”محبت میں اتنی ذلت اور شکست..... میں کیسے یہ سہہ پاؤں گا۔“ اس نے آہ بھر کر سوچا اور ہونٹ بھینچ کر سسکی روکنے کی کوشش کرنے لگا مگر آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ کتنا مشکل ہوتا ہے یہ سب برداشت کرنا..... کسی کو اتنی شدت اور محبت سے چاہا جائے اور وہ اس محبت کو قدموں تلے روند کر چلا جائے..... محبت بھرے احساسات اور جذبات کو ایسی ٹھیس لگتی ہے کہ سب کچھ چمکا چور ہو جاتا ہے۔ دل سنبھلنے میں نہیں آتا۔ کسی پل سکون آتا ہے نہ قرار..... دکھ کا شدید احساس رگ دے میں سرایت کر جاتا ہے اور انسان چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہیں کر پاتا۔ تو قیر بھی اسی کیفیت سے گزر رہا تھا اور باقی بے آب کی طرح ٹرپ رہا تھا۔

☆☆☆

حاتم کا موڈ سخت آف تھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات تھے۔ حاتم لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا دی دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریموٹ تھا۔ جس سے وہ چینلوں پر بار بار چینج کر رہا تھا۔ خدیجہ اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کا موبائل بھی اس کے پاس صوفے پر پڑا تھا۔

”حاتم بیٹا! کیا بات ہے، تم مجھے کچھ اب سیٹ

لگ رہے ہو۔“ خدیجہ اس کی طرف بغور دیکھ کر بولیں۔

”کچھ نہیں.....“ حاتم نے ہڑبڑا کر ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مگر تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کچھ پریشان ہو۔“ خدیجہ سنجیدگی سے بولیں۔

”مما! کوئی لڑکا مجھے روا کے بارے میں عجیب عجیب میسجز کر رہا ہے۔“ حاتم گہری سانس لے کر بولا۔

”کون ہے وہ؟“ خدیجہ نے یک دم گھبرا کر پوچھا۔

”اگر مجھے اس کا پتا چلے تو میں اسے گولی سے نہ اڑا دوں۔“ حاتم نے غصے سے بھڑک کر کہا۔

”بیٹا! یوں غصے میں مت آؤ اور اپنی بہن پر یقین رکھو۔ وہ ایسی نہیں ہے۔“ خدیجہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے کہا۔

”اس بات کا تو یقین ہے۔ اسی لیے تو میں خاموش ہوں۔“ حاتم نے گہری سانس لے کر کہا۔ اُس کا موبائل بجا تو وہ تین بج رہے تھے۔

”اب پھر اسی کا کینج ہے۔“ حاتم غصے سے نتھنے پھلا کر بولا۔

”کیا تم نے فہام کو اس کے بارے میں بتایا ہے؟“ خدیجہ نے پریشانی سے پوچھا۔

”نہیں..... وہ بزنس پر ایلز دیکھیں یا پھر یہ والی..... میں خود ہی اسے پینڈل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ حاتم گہری سانس لے کر بولا تو فہام اندر داخل ہوا۔

اس کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔

”مما اسے کھول کر دیکھیں.....“ فہام نے مسکرا کر بیگ ماں کی طرف بڑھا کر کہا۔

”یہ..... گولڈ کا سیٹ..... کس کے لیے ہے؟“ خدیجہ نے شاپر کھول کر اس کے اندر موجود زیور کا ڈبا دیکھ کر حیرت سے کہا۔

”روا کے لیے..... دیکھیں تو کتنا خوب صورت

ہے..... میں ایک فرینڈ کے ساتھ جیولر کے پاس گیا تو مجھے یہ سیٹ پسند آ گیا تو اس کے لیے لے آیا ہوں۔“ فہام مسکرا کر بولا۔

”بیٹا! پہلے ہی اتنی جیولری اس کے پاس ہے، اس کی کیا ضرورت تھی؟“ وہ منہ بنا کر بولیں۔

”بات ضرورت کی نہیں پسند کی ہے، بتائیں سیٹ، چھاپے ناں؟“ فہام مسکرا کر بولا۔

”ہاں..... بہت اچھا ہے۔ حاتم تم بھی دیکھو۔“ خدیجہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... اچھا ہے۔“ حاتم زبردستی مسکرا کر بولا۔

”حاتم کیا بات ہے، تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟“ فہام نے حیرت سے حاتم کو دیکھ کر پوچھا۔

”میرے سر میں درد ہے، میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔“ اس نے گہری سانس لے کر کہا اور وہاں سے چڑ گیا۔

”مما! حاتم ٹھیک تو ہے ناں؟“ فہام نے ماں سے پوچھا۔

”ہاں ہاں، سب ٹھیک ہے۔ سیٹ بہت اچھا ہے۔“ خدیجہ نے ہڑبڑا کر کہا تو فہام مسکراتے لگا مگر خدیجہ بہت پریشان ہو گئیں۔

”روا کہاں ہے۔ اسے بھی دکھائیں ناں۔“ فہام نے اسے آواز دینا چاہی۔

”وہ ابھی سو رہی ہے۔ بعد میں دکھا دینا۔“ خدیجہ نے جلدی سے کہا۔

”اوکے.....“ اور وہ سیٹ اٹھا کر مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا مگر خدیجہ کچھ پریشان سی وہیں بیٹھی رہیں۔

☆☆☆

حاتم سلپنگ سوٹ میں ملبوس موبائل پکڑے اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔ وہ ہونٹ سکڑ کر موبائل پر کینج پڑھتا

کھیل حبیہ جسے حسین دی

ہوا لاؤنج میں آیا تو خدیجہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

”کیا..... پھر؟“ خدیجہ نے پریشانی سے پوچھا۔

”ہاں.....“ حاتم گہری سانس لے کر بولا۔ جی رہا تیزی سے اپنا بیگ پکڑے کمرے سے باہر نکلی۔ وہ پیپر دینے جا رہی تھی۔

”مما..... ڈرائیور کو جلدی سے بلائیں۔ مجھے پیپر دینے جانا ہے۔“ روا نے خدیجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”روا..... چلو میں خود تمہیں ڈراپ کرا تا ہوں۔“ حاتم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”حاتم بھائی آپ؟“ وہ چونک کر بولی۔

”ہاں..... میں کیوں نہیں؟“ حاتم نے چونک کر پوچھا۔

”اچھے نیلی..... یہ آپ کے سونے کا ٹائم ہے ناں۔“ روا جلدی سے بولی۔

”نہیں تم چلو۔“ حاتم نے آہستہ آواز میں کہا۔

”مما..... بہت دعا کیجیے گا کہ پیپر اچھا ہو جائے۔“ روا نے ماں سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

”ہاں، اللہ سب ٹھیک کرے گا۔“ وہ فکر مندی سے بولیں اور حاتم، روا کے ہمراہ باہر نکل گیا۔

”حاتم بیٹا..... تم سے۔“ خدیجہ نے پیچھے سے آواز دیتے ہوئے کہا۔ حاتم نے گہری سانس لے کر ماں کی طرف دیکھا اور وہ منہ ہی منہ میں دعا پڑھنے لگیں۔

☆☆☆

روا، حاتم کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ وہ اپنے بیگ میں سے نوٹس نکال کر انہیں پڑھنے میں مصروف تھی۔ حاتم ہر گاڑی کو مشکوک نظروں سے دیکھ کر ڈرائیونگ کر رہا تھا اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے اور وہ بار بار اپنا نیچلا ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ کافی دیر سے پیچھے آنے والی ایک گاڑی کو اپنے بیک ویو مرر میں سے دیکھ کر رہا تھا۔ وہ گاڑی اسے اور ٹیک کرتے ہوئے آگے چلی گئی تو حاتم نے تیزی سے گاڑی چلا تے



ہوئے اس گاڑی کو اور فیک کیا اور آگے جا کر گاڑی کو زور سے جھٹکا دیا تو ردا سیٹ سے اچھل کر ڈیش بورڈ سے جا گرائی۔

”حاتم بھائی..... سب ٹھیک تو ہے ناں؟“ ردا نے گھبرا کر بھائی سے پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ حاتم نے چونک کر کہا۔

”آپ نے تو ایسی ریش ڈرائیونگ کبھی نہیں کی۔“ ردا نے پریشانی سے کہا تو حاتم نے ایک گہری سانس لی۔

”آپ مجھے کچھ اب سیٹ لگ رہے ہیں۔“ ردا نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

”نہیں بس پونہی..... تمہارے پیپر ڈکب ختم ہوں گے؟“ حاتم نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔

”اس کے بعد لاسٹ پیپر ہے۔“ اس نے بتایا، حاتم کے موبائل پر ایک میسج ٹون آئی وہ جلدی سے موبائل دیکھ کر غصے سے نتھنے پھلانے لگا اور غصے سے اسٹیرنگ پر ہاتھ مارنے لگا۔

”ردا..... تمہیں کبھی کوئی رائگ کالز یا میسجز تو نہیں آتے۔“

”نہیں..... نہیں..... مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ وہ یکدم گھبرا کر بولی۔

”یونہی..... وہ میرے موبائل پر اکثر رائگ کالز اور میسجز آتے ہیں ناں..... اس لیے پوچھ رہا ہوں۔“ حاتم منہ بنا کر بولا۔

”تو آپ سم بدل لیں۔“ ردا مسکرا کر بولی۔

”دوبارہ میسج کی ہے مگر پھر بھی اس کو میرے نمبر کا چنا چل جاتا ہے۔“ وہ گہری سانس لے کر بولا۔

”آئی ایم شیور..... وہ پھر آپ کا کوئی کلور فریڈ ہی ہوگا جو جان بوجھ کر آپ کو تنگ کر رہا ہے۔“ ردا نے چونک کر کہا۔

”مگر میں نے تو وہ نمبر کسی کو نہیں بتائے۔“ حاتم گہری سانس لے کر بولا۔

اس ایئر لنک پھر کیسے..... کسی کو پتا چل جائے ہے ردا نے چونک کر پوچھا۔

”یہی تو پتا نہیں چل رہا۔ بہت کوشش کر رہا ہوں ہر بار ٹیبلٹ سے میسج آتے ہیں۔“ حاتم بولا۔

”وہ لڑکا ہے یا لڑکی؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔

”لڑکا.....“ حاتم نے گہری سانس لے کر کہا۔

”لڑکا بھلا آپ کو کیوں تنگ کر رہا ہے؟“ ردا نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا تو حاتم نے اس کی طرف دیکھا اور گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ ردا بھی اسے دیکھ کر خاموش ہو گئی اور وہ تیزی سے ڈرائیونگ کرتے لگا مگر اس کا ذہن بری طرح ماؤف ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ردا کے پیپر ڈکب ختم ہوئے گھر میں زندگی لوٹ آئی۔ اس کے پیپر ڈکب سے باہر کھوٹا پھرنا، لان میں بھائیوں کا بیڈ مشن کھیلنا، ڈنر کے لیے باہر جانا، فرینڈز کا آنا جانا، سب ایکٹوئٹیز مانت پڑ گئی تھیں کیونکہ ردا ان میں شامل نہیں ہوتی تھی اور جس روز وہ فارغ ہوئی تو فہام نے سب سے پہلے ڈنر کا پروگرام بنالیا اور اس نے فہم کو بھی انوائٹ کیا۔

رات کو ساری فیملی ایک چائیز ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے گئی تو وہ بہت خوش تھی۔ فہم بہت ماضون گیت اپ میں خدیجہ اور ردا کے پاس بیٹھی تھی جبکہ فہم کے دوسری جانب فہام، حاتم، ورعاصم بیٹھے تھے۔ فہام بہت خوش تھا اور مسکرا مسکرا کر فہم کی طرف دیکھتا، ورعاصم اس بات کو نوٹ کر رہا تھا اور شرارتی انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”بھئی، یہ آپ لوگ کب تک آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہیں گے۔ ایک بار ہی نظر میں چار کر کے زمانے کو بھی دیکھیں اور سامنے والوں کو بھی۔“ ورعاصم نے مسکرا کر کہا۔

”تمہاری اتنی لمبی چوڑی بات کا مطلب؟“

فہم نے چونک کر ورعاصم سے پوچھا۔

”کیا آپ واقعی اتنی نا سمجھ ہیں یا پھر.....“ ورعاصم نے مسکراتے ہوئے فہم کو مخاطب کیا اور جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

”مجھے پہیلیاں اچھی نہیں لگتیں.....“ فہم منہ بنا کر تیزی سے کہنے لگی۔

”جبکہ مجھے پہیلیاں بھی اچھی لگتی ہیں اور پہیلیاں بھی۔“ ورعاصم نے تہمتہ لگاتے ہوئے کہا۔

”لگتا ہے تم یہ Meaningful باتیں ان سہیلیوں سے ہی سیکھتے ہو۔“ فہم نے مسکراتے ہوئے سخی خیز انداز میں کہا۔

”پس آف کورس..... کسی دن آپ کو بھی سنوؤں گا۔“ ورعاصم نے مسکراتے ہوئے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

”لیکن ماما بھی تو آپ ان دونوں کی شادی کا فائل کریں گھر میں کچھ ہٹا گلا ہو..... ہم بھی کچھ انجوائے کریں۔“ ورعاصم، ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ہاں، میں تو بس ردا کے پیپر ڈکب ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ کل ہی ریمانہ کی طرف جا کر شادی کی تاریخ طے کرتی ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”ماما! اتنی جلدی، آئی مین، حاتم کا بھی کہیں.....“ فہام نے چونک کر چھوٹے بھائی حاتم کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اس کی بعد میں دیکھوں گی..... پہلے تمہاری اور فہم کی شادی ہو جائے۔“ خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں تو فہم شرم کر مسکرانے لگی۔

”لڈو پھوٹ رہے ہیں کہ نہیں۔“ ردا نے آہستگی سے فہم کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

”لڈو تو تب پھوٹیں گے جب تمہاری شادی بھی میرے ساتھ ہوگی۔“ فہم منہ بنا کر ردا کی طرف دیکھ کر بولی۔

”ہاں..... میں یہ میری شادی کا ذکر کہاں سے

آگیا؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔

”ہوئے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے..... کیوں حاتم؟“

”ہاں..... یہ تو ہے۔“ حاتم کے ساتھ فہام نے بھی ہنستے ہوئے ہاں میں ہاں ملائی۔

”یہ آپ میرا احسان مانیں کہ آپ کی رخصتی کر رہا ہوں۔“ ورعاصم نے فہم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس لیے کہ تمہاری باری جلدی آئے۔“ فہم تیزی سے بولی۔

”خاصی سمجھدار ہو گئی ہیں۔ وہ بھی چند منٹوں میں۔“ ورعاصم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا بھئی، اب جلدی کھانا ختم کرو..... رات کافی ہو چکی ہے، اب گھر چلنا چاہیے۔“ خدیجہ بولیں۔

کھانا کھا کر سب لوگ ریسٹورنٹ سے باہر نکلے تو خدیجہ بولیں۔

”فہام بیٹا تم فہم کو ڈراپ کر آؤ، میں اور ردا، حاتم اور ورعاصم کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے ماما۔“ فہام نے کہا۔

”جاؤ بیٹا، اے امان اللہ.....“ خدیجہ، فہم کو محبت سے چوم کر بولیں تو فہم بھی ردا کے گالوں کو چوم کر مسکراتے ہوئے گاڑی میں فرٹ سیٹ پر فہام کے ساتھ بیٹھ گئی اور فہام گاڑی ڈرائیونگ کرنے لگا۔

”تم نے آج ڈنر انجوائے کیا ناں؟“ فہام نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں، بہت زیادہ۔“ میں تو ہمیشہ سے آپ اور آپ کی فیملی کے ساتھ بہت انجوائے کرتی ہوں۔“ فہم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”فہم..... میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہمارا فیملی یونٹ کبھی نہ ٹوٹے۔ سب ایک دوسرے کے دکھ، درد اور خوشیوں کو محسوس کریں اور پیار محبت سے رہیں۔“ فہام مسکراتے ہوئے بڑے مان سے بولا۔



”انشاء اللہ..... ایسا ہی ہوگا۔“ شہیلہ نے بھی مسکرا کر کہا۔  
 ”اور میں تم سے بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم بھی ان کے ساتھ ہمیشہ ویسی ہی محبت کرو جیسی میں کرتا ہوں۔“  
 ”فہام..... کیا آپ کو مجھ پر یقین نہیں.....؟“  
 شہیلہ نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”ارے..... مجھے تو تم پر اپنے آپ سے بھی زیادہ یقین ہے کہ تم میری نیکی کا بہت زیادہ خیال رکھو گی۔ خاص طور پر رواد کا۔“ فہام نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔  
 ”رواد..... کا..... ہی کیوں؟“ شہیلہ چونک کر بولی۔

”اس لیے کہ..... میں..... اس سے بہت محبت کرتا ہوں، میں بتا نہیں سکتا..... رواد میرے لیے کیا ہے۔“ فہام قدرے جد ہاتی انداز میں غم آنکھوں سے بولا تو شہیلہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں ہوتے گئے مگر وہ زبردستی مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔ فہام نے شہیلہ کو گھر کے گیٹ پر اتار دیا تو وہ قدرے آف موڈ کے ساتھ بیگ کندھے پر ڈال لے لاؤنج میں داخل ہوئی۔  
 اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات تھے۔ ریحانہ صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ شہیلہ غصے سے اپنا بیگ صوفے پر پھینک کر منہ پھلجھا کر بیٹھ گئی۔

”کیا ہوا.....؟ تمہارا موڈ کیوں آف ہے، ڈر پر جانے سے پہلے تو اچھی بھلی تھیں؟“ ریحانہ نے چونک کر شہیلہ سے پوچھا۔

”میں تنگ آ گئی ہوں، ان لوگوں سے۔“ شہیلہ غصے سے منہ بنا کر بولی۔  
 ”کیوں..... کیا ہوا؟“ ریحانہ حیرت سے بولیں۔

”مما! ان لوگوں کی عجیب سی باتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر فہام..... یوں رواد کے تازہ خمرے اور چونچلے اٹھاتا ہے۔ جیسے وہ دودھ جیتی پکٹی ہو۔ رواد یہ تو رواد

وہ..... شہیلہ خفگی سے بولی۔

”ہاں، وہ اس سے محبت بھی تو بہت کرتا ہے۔ ریحانہ نے مسکرا کر بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔  
 ”اور اس کی محبت میں اسے اس وقت کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ میں بھی نہیں۔“ شہیلہ غصے سے بولی۔  
 ”بیٹا، رشتوں میں یوں مقابلہ مت کرو۔“  
 ”اے باب بن کر پالا ہے۔ جو تمہاری جگہ ہے وہ کی بھی نہیں ہو سکتی اور رواد کی جگہ تم بھی نہیں لے سکو گے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا۔“ ریحانہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

”مجھ سے تو سلمان بھائی نے کبھی ایسے محبت کی اور نہ ہی آپ نے جیسے خالد رواد سے کرتی ہیں۔“ شہیلہ خفگی سے بولی۔

”ہر ایک کا اپنا اپنا حراج ہوتا ہے اگر میں اظہار نہیں کرتی تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔ آپا کا حراج مختلف ہے، وہ ہر ایک کے میں اتر جاتی ہیں۔“ ریحانہ گہری سانس لے کر بولیں۔  
 ”رواد..... سمیت۔“ شہیلہ طنز پر لہجے میں بولی۔  
 ”شہیلہ..... مت ایسی باتیں کیا کرو، تم نے بیاہ

اس گھر میں جانا ہے۔ ابھی سے دل میں نفرتیں پالو گے گزارہ کیسے ہوگا۔“ ریحانہ سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔  
 ”ہاں، نفیہ بھابی کے دل میں بھی میں نے نفرتیں پیدا کی ہیں ناں..... ممما! آپ میرے علاوہ بندے کا نفور کرتی ہیں، سب اچھے ہیں، میں ہی برا ہوں۔“ وہ نہایت غصے سے بولی۔

”میں نے ایسا کب کہا ہے؟ میری بیٹی تو سب سے اچھی ہے۔ تم تو خوش قسمت ہو کہ فہام جیسا اچھا تمہیں مل رہا ہے۔ خاندان بھر میں اس کی کتنی تعریف ہوتی ہے، تم جانتی ہو ناں.....“ ریحانہ نے مسکرا کر شہیلہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔  
 ”مجھے فہام سے تو کوئی شکوہ نہیں۔“ اس نے بنا کر آہستہ آواز میں کہا۔

”باقی سب جگہ بھی بہت اچھے ہیں۔“ ماں نے مسکرا کر کہا۔

”آپ نہیں سمجھیں گی۔“ اس نے سختی سے جواب دیا۔

”تم آخر سمجھانا کیا چاہتی ہو..... خواہ خواہ کڑھ کڑھ کر اپنا خون جلاتی رہتی ہو..... بیٹا اپنے دل میں دوسروں کے لیے محبت پیدا کرو۔ اس محبت کا رنگ جب چہرے پر نمایاں ہونے لگتا ہے تو ہر دیکھنے والا اس کی طرف کھینچ چلا آتا ہے۔ محبت بہت بڑا تھیلہ ہے۔ اس سے تم دوسروں کے دل جیت سکتی ہو..... اب دیکھو ہاں..... ہر ایک سے کتنی محبت اور پیار سے بات کرتی ہے کہ سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور پھر اسے پیار کرنے کو بہت دل چاہتا ہے۔“ ریحانہ نے مسکرا کر کہا۔  
 ”ہاں..... اب آپ بھی اس کی شان میں قصیدے پڑھیں۔ آپ لوگ جتنی اس کی تعریفیں کرتے ہیں، اتنی ہی میرے دل میں اس کے لیے نفرت بڑھتی جاتی ہے۔“ وہ غصے سے کہہ کر وہاں سے چلی گئی.....  
 اور ریحانہ بے حد پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

محسن رضائے بی بی اے اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد ایم بی اے میں داخلہ لے لیا تھا۔  
 میرٹ پر آنے کی وجہ سے اسے یونیورسٹی سے اسکالرشپ بھی مل گئی۔ وہ بہت خوش تھا مٹھائی لے کر گھر لوٹا تو طیبہ اس کی منتظر تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے تاثرات نمایاں تھے۔ محسن کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ دیکھ کر وہ چونکی۔

”میرا پرنسپل میٹریڈیشن ہوا ہے اور مجھے اسکالرشپ بھی ملی ہے۔“ محسن نے طیبہ کے چہرے پر چھائی حیرانی کو بھانپتے ہوئے بتایا۔

”مبارک ہو بہت بہت.....“ وہ ایک دم کہہ کر خاموش ہو گئی۔

”بھائی جان بہت مبارک ہو۔“ سمیرا نے بھائی

محسن صاحب طے کھن دل

کے ساتھ لپٹ کر اسے مبارک دیتے ہوئے کہا۔  
 ”تھینک یو، اب پلیٹ میں مٹھائی نکال کر لاؤ سب کھاتے ہیں۔ حسن اور احسن کو بھی بلاؤ، وہ کہاں ہیں؟“ محسن نے کہا۔

”وہ باہر کھینے گئے ہوئے ہیں۔ میں ابھی انہیں بلاتی ہوں۔“ سمیرا کہہ کر دروازے تک چلی گئی اور محسن کمرے میں چلا گیا۔ طیبہ کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی اور پھر اس کے پیچھے پیچھے کمرے کے اندر چلی آئی۔  
 ”محسن۔“ وہ اسے آواز دے کر خاموش ہو گئی۔  
 ”ہاں کہو، کیا بات ہے؟“ محسن نے مڑ کر بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بتانے سے ہی کسی بات کا ہتھل سکتا ہے۔“ طیبہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”کیا مطلب؟“ محسن نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”میری خاموشی اور میری ان آنکھوں سے آپ کو میرے دل کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی؟ کیا آپ میری زبان سے سب کچھ سننا چاہتے ہیں؟“ طیبہ نے ہمت کر کے کہا۔

”نہیں۔ کیونکہ تم جو کچھ سوچتی ہو وہ ممکن نہیں ہے۔“ محسن نے کہا۔

”کیوں، کیا میں آپ کے قابل نہیں؟“ طیبہ نے بھراؤنی آواز میں پوچھا۔

”ایسی بات نہیں مگر دل کو کسی کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔“ محسن نے آہ بھر کر کہا۔

”کیا آپ کے دل میں کوئی اور ہے؟“ طیبہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

”معلوم نہیں۔“ محسن نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”مگر میں جانتی ہوں..... آپ جس کی محبت میں گرفتار ہیں۔“ طیبہ نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

”کیا مطلب؟“ محسن نے چونک کر پوچھا۔  
 ”وہ یہی ہے ناں!“ طیبہ نے کہا۔ محسن نے بغور



سائنس نے کر حاتم سے پوچھا۔  
 ”کچھ روز سے۔۔۔ میں نے سم بھی بدلی ہے اور  
 ٹیسٹر ٹریس آؤٹ کرانے کی کوشش بھی کی ہے مگر ہر بار میج  
 نے نمبر سے آتا ہے اور جب میں ٹریس آؤٹ کروانے  
 کی کوشش کرتا ہوں تو سبز عورتوں کے نام کی ٹھکی ہیں مگر  
 میجر کوئی لڑکا ہی کرتا ہے۔“ حاتم منہ بنا کر بولا۔  
 ”کیا تم ردا کے بارے میں مشکوک ہو؟“ فہام  
 نے چونک کر اس سے پوچھا۔  
 ”معلوم نہیں۔۔۔ مگر میں بہت ڈسٹرب ہوں۔“  
 حاتم گہری سانس لے کر بولا۔  
 ”ردا پر یوں یقین رکھو جیسے اپنے آپ پر رکھتے  
 ہو۔ زمانہ کچھ بھی کہے تمہارے اس یقین میں کمی نہیں  
 آئی چاہے۔ وہ ہماری بہن ہے اور اس کی پارسائی کے  
 گواہ ہم ہیں اور محافظ بھی۔“ فہام نے حاتم کے کندھے  
 پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔  
 ”اگر کوئی اتنا سچا ہے تو وہ ہمارے سامنے آ کر  
 بات کرے۔ ایسے اوجھے جھکنڈے جھوٹے لوگ ہی  
 اپناتے ہیں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔  
 جب تک میں زندہ ہوں، ردا کی عزت پر کوئی حرف  
 نہیں آئے دوں گا جاؤ جا کر آرام کر دو“ فہام نے  
 موبائل اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا تو وہ وہاں  
 سے چلا گیا۔  
 ”خدا میری ردا کے سر پر تم بھائیوں کا سایہ ہمیشہ  
 قائم رکھے۔“ خدیجہ نے مسکرا کر فہام کی طرف دیکھ کر  
 دعا تیبہ لہجے میں کہا ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔  
 ”مما! آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں اور وہ  
 بھی میرے ہوتے ہوئے۔“ فہام نے مسکرا کر ماں کو  
 اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں، جن ماؤں کے تم جیسے بیٹے ہوں، انہیں  
 کبھی نہیں گھبراتا چاہیے۔ مگر کیا کروں ایک جوان  
 بیٹی کی ماں بھی تو ہوں۔“ خدیجہ نے مسکرا کر فہام کا ہاتھ  
 چومتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

انہیں دہانے ہوئے آہستہ آہستہ ان سے باتیں بھی کر رہا  
 تھا اور وہ ہوں، ہاں میں اسے جواب دے رہی تھیں۔  
 ”مما! میں کل ہی کسی آرٹھوپڈک سے آپ کے  
 لیے اپاکنٹنٹ لے لیتا ہوں۔ آپ کی ٹانگوں کا درد  
 بڑھتا ہی جا رہا ہے۔“ فہام نے ان کی ٹانگیں  
 دہانے ہوئے فکر مندی سے کہا۔  
 ”ٹھیک ہو جائے گا، تم فکر نہیں کرو، اور اب جاؤ  
 اپنے کمرے میں آرام کرو، میں ٹھیک ہوں۔“ خدیجہ  
 درد کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے آہستہ سے  
 بولیں۔ اتنے میں حاتم انتہائی غصے میں موبائل پکڑے  
 کمرے میں داخل ہوا مگر فہام کو خدیجہ کے پاس بیٹھا  
 دیکھ کر چونکا اور کچھ کہتے ہوئے ایک دم رک گیا اور وہ  
 حاتم کا چہرہ دیکھ کر گھبرا گئیں۔  
 ”حاتم تم گھبرائے ہوئے لگ رہے ہو۔۔۔ خیر تو  
 ہے؟“ فہام نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”کچھ نہیں۔“ اس نے واپس مڑتے ہوئے کہا  
 اور ماں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں گویا کچھ سمجھایا۔  
 ”کو حاتم۔“ خدیجہ نے گہری سانس لیتے  
 ہوئے حاتم کو بلایا تو وہ رک گیا اور چونک کر ماں کی  
 طرف دیکھنے لگا۔  
 ”کیا پھر کوئی ایسا میج آیا ہے؟“ انہوں نے  
 بڑی فکر مندی سے پوچھا۔  
 ”حاتم کیا پرالیم ہے اور یہ مہماتم سے کس میج کے  
 بارے میں پوچھ رہی ہیں؟“ فہام نے چونک کر بھائی  
 سے پوچھا تو وہ بوکھلا گیا۔  
 ”حاتم کے موبائل پر کوئی لڑکا ردا کے بارے میں  
 فضول میجر کرتا ہے۔“ خدیجہ نے گہری سانس لے کر  
 اسے بتایا۔  
 ”کیا۔۔۔ ردا کے بارے میں؟“ فہام کی حیرانی  
 قابل دید تھی وہ تیزی سے حاتم کے نزدیک آیا اور  
 موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر میج پڑھنے لگا۔  
 ”کب سے یہ میجر آرہے ہیں؟“ اس نے گہری

نئے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”محبت خود ہی ایسا منتر پھونکتی ہے کہ نہ چاہے  
 ہوئے بھی دل بڑا اور طرف اونچا ہو جاتا ہے۔ شاید  
 کرنے والے کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتے۔ معلوم  
 ایسا کیوں ہو جاتا ہے۔ پہلے مجھے اس لڑکی سے حسد  
 تھا مگر اب اس پر رشک آنے لگا ہے جسے بن بنائے  
 اتنا چاہے۔۔۔ جس کی محبت میں گرفتار ہو کر اسے کوئی  
 دکھائی نہ دے۔“ طیبہ نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔  
 ”سوری۔“ تم میری وجہ سے برٹ ہوئی ہو  
 میں بے بس ہوں۔ میں تمہیں دھوکا دے سکتا ہوں  
 نہ ہی اپنے آپ کو۔ بس تم مجھے معاف کر دینا اور جو  
 پروپوزل آئے اسے قبول کر کے اپنی زندگی اپنے  
 طریقے سے گزارنا۔“ محسن نے بڑے خصوص سے کہا۔  
 ”کتنا آسان ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا اور  
 کتنا مشکل ہوتا خود اس پر عمل کرنا۔۔۔ اپنی وے تھینک  
 یو۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئی اور محسن مضطرب سا  
 جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔  
 ”میں نے جو کچھ کیا وہ سب ٹھیک ہے کیا؟“ میں  
 کوئی غلطی تو نہیں کی۔ انجانے میں کسی کا دل توڑ کر کو  
 گناہ تو نہیں کیا؟ طیبہ کی مہربانیوں کا بدلہ میں نے ان  
 کے جذبات کی ٹٹنی کر کے دیا اور اس سے وہ کتنی ہر  
 ہوئی یہ سب کچھ کر کے میں گناہ گار تو نہیں ٹھہرا۔  
 اس نے آہ بھر کر سوچا۔  
 ”کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دل اس کی  
 سے کسی مل غافل ہی نہیں ہوتا۔ وہ جو معلوم نہیں  
 ملے گی بھی یا نہیں۔ دنیا کی اس بھیڑ میں نہ جانے کہاں  
 کھو گئی ہے وہ اور شاید میں ایک خیال، ایک ہیو  
 کے پیچھے بھاگ رہا ہوں۔ میں کیا کر رہا ہوں؟“ وہ  
 اپنا محاسبہ کر رہا تھا۔

☆☆☆

فہام ماں کے پاس بیڈ پر بیٹھا ان کی ٹانگیں دہانے  
 تھا۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ وہ بہت محبت سے

اس کی طرف دیکھا مگر کچھ نہ بولا۔  
 ”محسن وہ ایک ہیولا بن کر آپ کے اندر گھر  
 کر چکی ہے اور آپ اس کے سحر میں مبتلا ہو گئے ہیں مگر  
 یہ بھولی بیٹھے ہیں کہ اب وہ کبھی نہیں آئے گی۔“ طیبہ  
 نے ڈرشت لہجے میں کہا۔  
 ”زندگی ناممکنات کا سفر نہیں۔۔۔ جب معجزے  
 کائنات میں رونما ہو سکتے ہیں تو معمولی سی ناممکن بات  
 ممکن کیوں نہیں ہو سکتی؟“ محسن نے ٹھوس لہجے میں کہا۔  
 ”آپ حقیقت سے نظریں چڑا کر خیالی دنیا میں  
 جی رہے ہیں اور حقیقت کبھی نہیں بدلتی۔“ طیبہ نے کہا۔  
 ”تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں مانتا ہوں مگر میرا دل  
 نہیں مانتا اسے کیسے مناؤں۔“ محسن نے صاف گوئی  
 سے کہا۔ طیبہ نے اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھا  
 اور ایک سروا بھر کر رہ گئی۔  
 ”طیبہ میرے پاس کچھ نہیں ہے سوائے یقین  
 کامل کے اور میری یہی جی تگن اگر میرے خدا کو منظور  
 ہوگا تو وہ کبھی نہ کبھی زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر  
 ضرور رنگ لائے گی۔“ وہ پرامید لہجے میں بولا۔  
 ”اور میں۔۔۔ اور میری محبت آپ کے لیے کوئی  
 معنی نہیں رکھتی؟“ طیبہ نے تقریبا روتے ہوئے پوچھا۔  
 ”تم میرے لیے بہت محترم ہو اسی لیے تو تمہیں  
 کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر چاہتا تو تم سے  
 محبت کا ڈھونگ رچا کر تمہارے احساسات مجروح  
 کر سکتا تھا لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ  
 تم بہت اچھی لڑکی ہو۔۔۔ مگر میرا نصیب نہیں ہو۔“ محسن  
 نے کہا تو طیبہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔  
 ”پلیز چپ ہو جاؤ۔۔۔ بچے آگئے تو وہ کیا  
 سوچیں گے۔“ محسن نے کہا تو اس نے دپٹے کے پلو  
 سے آنکھیں رگڑیں۔  
 ”اب میں چلتی ہوں، دعا کرتی ہوں وہ آپ کو  
 ضرور ملے۔“ طیبہ نے دکھے دل سے کہا۔  
 ”شکریہ، تمہارا دل واقعی بہت بڑا ہے۔“ محسن



☆☆☆

شمیلہ اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز ایک فیشن میگزین دیکھتے میں مصروف تھی کمرے میں آہستہ آواز میں میوزک آن تھا۔ ریحانہ تیار ہو کر بیگ ہاتھ میں پکڑے شمیلہ کے کمرے میں آئیں۔

”بیٹا! میں ٹیلر کے پاس جا رہی ہوں اگر تمہیں بھی جانا ہے تو چلو۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

”نہیں، مجھے نہیں جانا۔“ شمیلہ منہ بنا کر بولی۔

”کیوں تم نے آیا والا سوٹ نہیں سلوانا؟“

ریحانہ نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں، وہ مجھے پسند نہیں آیا؟“ شمیلہ صلف پلٹتے ہوئے منہ بنا کر بولی۔

”کیوں، وہ تو بہت اچھا ہے اور اس وقت تو تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں بہت پسند آیا؟“ ریحانہ نے انتہائی حیرت سے چونک کر پوچھا۔

”اس لیے کہ میں فہام کو ناراض نہیں کرنا چاہتی۔“ شمیلہ ماں کے قریب کھڑے ہو کر معنی خیز انداز میں بولی۔

”مگر فہام کا اس سے کیا تعلق؟“ ریحانہ نے چونک کر پوچھا۔

”فہم کی فیملی دنیا کی سب سے اچھی فیملی ہے، وہ لوگ کبھی کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتے، ان پر کسی قسم کا اعتراض یا تنقید فہام برداشت نہیں کرتا۔“ شمیلہ طنز یہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ ”اس لیے میں فہام کو کبھی ناراض نہیں کر سکتی۔“ اس نے آنکھیں گھما کر معنی خیز انداز میں کہا۔

”ورنہ تم آپا اور ان کی فیملی کی کبھی عزت نہ کرو۔“ ریحانہ خفگی سے بولیں۔

”ہاں، تو۔۔۔ کیوں کروں؟“ شمیلہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

”شمیلہ، شمیلہ تمہیں کیسے سمجھاؤں۔“ وہ غصے سے جھنجھلا کر بولیں۔

”میں سب سمجھتی ہوں اور وہ بھی بہت۔“

طرح۔۔۔ مجھے کیا کرنا ہے اور کس کے ساتھ رشتہ جو ہے، سب جانتی ہوں۔“ شمیلہ نے مسکرا کر ماں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ غصے سے منہ بنا کر ہوئے وہاں سے چلی گئیں اور شمیلہ معنی خیز انداز میں مسکراتے لگی۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم نے لاؤنج میں غرور اور مٹھائیوں کے ڈکڑے رکھے تھے۔ زاہدہ انہیں خاص اہتمام سے سجا رہی تھی اور شوکت ڈرائیور انہیں گاڑیوں میں رکھا رہا تھا۔ خدیجہ بیگم بھی خصوصی طور پر تیار ہوئی تھیں کیونکہ وہ آج فہام کی شادی کی تاریخ رکھنے جا رہی تھیں اور بے حد خوش تھیں۔ خوشی سے ان کے پاؤں زمین نہیں پڑ رہے تھے۔ ردا لاؤنج میں آئی تو اتنا زیاں اہتمام دیکھ کر چونک گئی۔

”مما آپ اتنا سب کچھ شمیلہ آپا کے کمرے میں جا رہی ہیں؟“ ردا نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں بیٹا، یہ بھی رسم ہوتی ہے۔ بہو کے گھر جانے بھی جائیں تو اس شان سے جائیں کہ سے اپنی عزت اور قدر محسوس ہو۔“ خدیجہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

”ردا بی بی کو کیا پتا۔۔۔ جب ان کی سسرال والے یہ سب کچھ لائیں گے پھر ان کو پتا چلے گا۔“ زاہدہ نے سرخ گوٹے والے رومال سے مٹھائی کی لوکری لپیٹتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”ہٹو۔۔۔ کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔۔۔ شادی کا کوئی ارادہ نہیں، مجھے تو ابھی یونیورسٹی جانا ہے۔“

بہت پڑھنا ہے۔“ ردا نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

”پڑھ کر بھی تو شادی کرنی ہے ناں؟“ زاہدہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تب کی تب دیکھی جائے گی۔“ ردا نے منہ نہ کر جواب دیا۔

”اچھا زاہدہ۔۔۔ جدی سے سارا سامان



اچھا نہیں سمجھتی۔ گھر بہو کی چیزوں سے نہیں اس کے اخلاق سے خوب صورت لگتا ہے۔۔۔ اور شہیلہ جھٹل رہی ہے تو اور کیا چاہیے۔“ خدیجہ نے مسکرا کر کہا تو نفیسہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ریحانہ اور سلمان کی طرف دیکھا۔

”بس پھر ٹھیک ہے اس ماہ کی 25 تاریخ رکھ لیتے ہیں۔“ خدیجہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے جیسا آپ کہہ رہی ہیں۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ سلمان نے مسکرا کر کہا تو سب مسکراتے گئے۔

☆☆☆

شہیلہ کو جب خبر ملی کہ خالہ نے جہیز لینے سے انکار کر دیا ہے تو وہ بری طرح تنگ پا ہوئی۔ اس نے تو پلان کر رکھا تھا کہ وہ بہت ٹھیک ٹھاک جہیز لے کر جائے گی مگر اس کی ساری پلاننگ پر پانی پھر گیا تھا۔ رات کو فہام اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز شہیلہ سے موبائل پر باتیں کر رہا تھا۔ کمرے میں ہلکی سی موسیقی بھی سنائی دے رہی تھی۔

”آج تو تم بہت خوش ہوگی۔ ہماری شادی کی ڈیٹ جو فکس ہو گئی ہے۔“ فہام نے سرگوشی کے انداز میں شہیلہ سے پوچھا۔

”میرا سوڈ سخت آف ہے۔“ شہیلہ نے منہ بنا کر خفگی سے جواب دیا۔

”کیوں؟“ فہام نے چونک کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”خالہ جان نے جہیز لینے سے انکار کر کے میری ساری خواہشات کو ختم کر دیا ہے۔“ شہیلہ خفگی سے بولی۔ ”کیا مطلب۔۔۔ میں سمجھا نہیں؟“ فہام نے اس کی بات کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”میری اتنی خواہش تھی کہ میں اپنی شادی پر اپنی مرضی سے کرا کر رہوں، بیڈ شیش اور گھر کی دوسری چیزیں خریدوں گی مگر خالہ جان نے تو۔۔۔“ شہیلہ غصے

کا ڈیوں میں رکھواؤ۔۔۔ ریحانہ انتظار کر رہی ہوگی۔“ خدیجہ بیگم نے اپنا برس اٹھاتے ہوئے کہا اور مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔ ڈاڑھ، شوکت کے ہمراہ نوکریاں گاڑی میں رکھوانے لگی۔

☆☆☆

شہیلہ اتنا سب کچھ دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سہا رہی تھی۔ نفیسہ بھی قدوے حیرت سے ان کی طرف دیکھتی رہی اور دل ہی دل میں اس سے حسد کرتی رہی۔ ریحانہ اپنی بیٹی کی اتنی قدر اور خوش نصیبی پر فخر محسوس کر رہی تھیں اور بے حد خوش تھیں۔

خدیجہ اکیلے ہی گئی تھیں اب وہ ریحانہ کے بہو، بیٹے کے ہمراہ بیٹی شادی کی تاریخوں پر بات کر رہی تھیں۔ ریحانہ کی مالی حیثیت کبھی مستحکم نہیں رہی تھی۔ نہ ہی گھر زیادہ پر آسائش اور بڑا تھا۔ خدیجہ کے مقابلے میں ان کی مالی حیثیت بہت کم تھی مگر خدیجہ ہمیشہ انہیں سپورٹ کرتیں اور کبھی کسی کمی کا احساس نہ ہونے دیتیں۔ شوہر کی وفات کے بعد جو فنڈ ملا ریحانہ نے اسے بینک میں جمع کروا دیا اور یہی سوچا کہ شہیلہ کی شادی پر نکلاؤ انہیں گی۔ سلمان کی تنخواہ سے گھر کا خرچ مشکل سے پورا ہوتا تھا۔

”ریحانہ، میں تو اس غرض سے آئی ہوں کہ جلد سے جلد فہام اور شہیلہ کی شادی کر دی جائے۔“ خدیجہ نے کہا۔

”خالہ جان اتنی جلدی۔۔۔ تیاری کے لیے کوئی وقت تو دیں۔“ سلمان جلدی سے بولا۔

”بیٹا کیسی تیاری۔۔۔ ریحانہ کان کھول کر سن لو میں ایک پائی کا جہیز نہیں لوں گی۔ شہیلہ کے لیے زیورات اور کپڑے میں خود ہواؤں گی اور بارات میں بھی بہت کم لوگ لاؤں گی۔“ خدیجہ نے کہا۔

”نہیں آپا۔۔۔ اب ہم نے بیٹی کو ایسے ہی تو رخصت نہیں کرتا۔“ ریحانہ نے کہا۔

”ریحانہ میں خود دو نمائش اور پیسے کے زیاں کو



غزل

ہم بھی سوچیں اگر خساروں کو  
منہ دکھائیں گے کیا بہاروں کو  
لطف دے گی شکستہ کشتی بھی  
بھول جاؤ اگر کناروں کو  
چین مٹا ہے تیری محفل میں  
چاند کو جگنوؤں کو تاروں کو  
مرسلہ: دورِ لیشم کراچی

کر پوچھا۔

”ارے نہیں، رشتا میرے ساتھ تھی اور ہم نے  
بہت انجوائے کیا۔“ ردا مسکرا کر بولی۔  
”آئی سی پھر تو تم بہت تھکی ہوئی ہوگی۔ اب تمہوں  
ساریسٹ کر لو۔“ شمیلہ نے بچھے ہوئے لہجے میں آہستہ  
آواز میں کہا۔  
”ہاں، اوکے بائے۔“ وہ مسکرا کر بولی۔  
”مما شمیلہ آئی کو بھی ڈریس کاسن کرا چھا گا ہے۔“  
ردا نے ماں کو خوشی سے بتایا تو دونوں مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

ریحانہ اپنے کمرے میں وارڈروب کھولے  
کھڑی تھیں اور اس میں سے کچھ نئے کپڑے نکال کر  
دیکھ رہی تھیں۔ شمیلہ قدرے غصے میں ان کے کمرے  
میں داخل ہوئی۔  
”شمیلہ بیٹے میں نے یہ کچھ کپڑے نکالے ہیں،  
تمہارے لیے اور ردا کے لیے جو تمہیں پسند ہوں وہ  
دیکھ لو۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”مجھ سے پسند کروانے کی کیا ضرورت ہے۔  
جو دل چاہتا ہے وہ دے دیں۔“ شمیلہ خفگی سے منہ  
ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2012ء (85)

”آمین۔۔۔ آمین۔۔۔ ممما، شمیلہ آپنی کے لیے  
شاہنگ کرتے ہوئے مجھے اتنی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ  
آپ کو کیا بتاؤں۔“ ردا نے مسکرا کر جلدی سے کہا۔  
”بیٹا یہ محبتوں کے رشتے ہوتے ہیں اور خوشی بھی  
جب ہی محسوس ہوتی ہے جب انسان دل سے کسی کو چاہتا  
ہے۔“ خدیجہ مسکرا کر بولیں۔  
”مجھے تو اس دن کا شدت سے انتظار ہے جس  
دن شمیلہ آپنی ہمیشہ کے لیے ہمارے گھر میں آ جائیں  
گی۔“ ردا نے مسکرا کر دوپٹا نہ کرتے ہوئے کہا۔  
”اللہ خیر سے وہ دن لائے لیکن سوٹ واقعی بہت  
اچھا ہے۔“ خدیجہ مسکرا کر بولیں۔  
”ہے ناں ممما۔۔۔ میں شمیلہ آپنی کو فون کر کے  
بتاتی ہوں۔“ ردا نے خوش ہو کر کہا۔  
”ردا تم بھی ناں۔۔۔ کیا کچھ بتاؤ گی۔ سب کچھ  
ہی بہت اچھا ہے۔“ خدیجہ ہنستے ہوئے بولیں اور وہ  
اپنے موبائل پر شمیلہ کا نمبر لکھنے لگی۔  
”ہیلو شمیلہ آپنی، آج میں نے آپ کے لیے  
بہت زبردست شاہنگ کی ہے ایک ڈریس لیں مجھے اتنا پسند  
آیا کہ میں نے فوراً ہی خرید لیا۔“ ردا نے خوش ہو کر  
شمیلہ سے کہا۔  
”اچھا اس میں کیا خاص بات ہے؟“ اس نے  
ڈرہنسی مسکرا کر پوچھا۔  
”ملٹی کلر کے کومسی نیشن پر بہت خوب صورت  
کام ہوا ہے۔“ ردا مسکرا کر بولی۔  
”ملٹی کلر۔۔۔؟“ شمیلہ نے چونک کر پوچھا۔  
”کیوں، آپ کو ملٹی کلر پسند نہیں ہے؟“ ردا نے  
ایک دم گھبرا کر پوچھا۔  
”ارے نہیں۔۔۔ نہیں تم جو بھی لاؤ گی وہ مجھے پسند  
ہوگا۔“ شمیلہ نے جلدی سے موڈ بدلتے ہوئے کہا۔  
”تھینک یو۔“ ردا مسکرا کر بولی۔  
”خالہ جان کے گھنٹوں میں بہت درد تھا تو کیا تم  
ایک شاہنگ کرنے گئی تھیں؟“ شمیلہ نے یک دم منہ بنا

سے کہا تو فہام پریشانی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔

”اوکے۔۔۔ تم اپنا موڈ آف نہ کرو۔ میں ممما  
کہوں گا۔ وہ آئندہ تم لوگوں کے معاملات میں انٹرفیر  
نہیں کریں گی۔“ فہام نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے  
لیے کہا تو شمیلہ کے چہرے پر مٹی خیز مسکراہٹ پھیل  
گئی۔ جو وہ چاہتی تھی فہام اسی طرف آ رہا تھا۔ اس  
موڈ یک دم ٹھیک ہو گیا اور وہ اس سے مسکرا مسکرا  
باتیں کرنے لگی۔  
”اچھا یہ بتاؤ تم اپنے اور میرے اس ملن پر  
خوش ہو؟“ فہام نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں پوچھا۔  
”آنکھوں نے جس کے سینے دیکھے ہوں اور دل  
نے جس کے بارے میں کیا کچھ محسوس کیا ہو۔ وہ شخص  
ملنے جا رہا ہو تو کیا احساسات ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ  
کو معلوم ہونا چاہیے۔“ شمیلہ نے مسکرا کر کہا تو فہام  
نے بھرپور قہقہہ لگایا۔  
”بالکل۔۔۔ میری بھی یہی کنڈیشن ہے شمیلہ  
آئی لو یو سوچ۔“ فہام نے مسکرا کر کہا۔  
”آئی لو یو ٹو۔“ شمیلہ نے قدرے شرما کر  
جواب دیا تو دونوں مسکرانے لگے۔  
☆☆☆  
خدیجہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھیں اور ردا ان  
کے پاس بیٹھی انتہائی خوشی سے شاہنگ بیگز میں سے  
کپڑے نکال نکال کر دکھا رہی تھی۔  
”مما یہ دیکھیں، کتنا خوب صورت دوپٹا ہے اور  
کلر کومسی نیشن بھی بہت خوب صورت ہے۔ شمیلہ آپنی  
بہت سوٹ کرے گا۔ مجھے پہلی نظر میں ہی اتنا پسند آیا  
کہ میں نے اسے فوراً ہی خرید لیا۔“ ردا نے ایک خوب  
صورت کا مارڈو پٹا انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔  
”ہاں ماشاء اللہ کام بھی بہت خوب صورت ہے  
اور رنگ بھی۔“ خدیجہ کو پہننا اور دھنا نصیب  
کرے۔“ خدیجہ نے اپنی ٹینک لگا کر دوپٹے کو ہاتھ لگا  
کر دیکھتے ہوئے کہا۔

سے بولی۔

”مما نے تو تم لوگوں کا ہی بھلا سوچا ہے۔“ فہام  
نے سمجھاتے ہوئے کہا۔  
”کیا ضرورت تھی اتنا ہمدرد بننے کی۔ میرے  
بھائی، بھابی کون سا مجھ پر پہلے ہی بہت کچھ خرچ کرتے  
ہیں۔ ایک شادی پر ہی کرنا تھا، وہ بھی انہیں روک دیا  
گیا ہے۔“ شمیلہ خفگی سے بولی۔  
”کیا مطلب؟“ فہام نے اسے حیرت سے  
پوچھا۔  
”مسلمان بھائی کو تو اپنی بیوی کے ہاتھ نخرے  
اٹھانے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ میں اور ممما ڈیڈی کی  
پیشن سے گزارہ کرتی ہیں۔ ممما نے میری شادی کے  
لیے کچھ سیونگ کر رکھی ہے۔ اب انہیں موقع مل جائے  
گا۔ دونوں اب اسے بھی ہتھیالیں گے۔“ شمیلہ فہام کو  
بتاتے ہوئے بولی۔  
”آئی ایم سوری۔ میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔  
ایڈ آئی ایم شیور ممما بھی نہیں جانتی ہوں گی لیکن شمیلہ  
ہمارے گھر میں تمہیں کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔“  
فہام اسے نے اچھی طرح سمجھایا۔  
”فہام بات کسی کی نہیں ہے بات میرے سنجوس  
بھائی اور گھٹیا فطرت والی بھابی کی ہے۔ خود غرض اور  
لاہچی ہیں۔“ وہ انتہائی حقارت سے بولی۔  
”شمیلہ تم ان لوگوں کے بارے میں ایسی باتیں  
کیوں کر رہی ہو؟“ فہم کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔  
”اس لیے کہ میں ان دونوں کو اچھی طرح جانتی  
ہوں، ہر کوئی ردا کے بھائیوں جیسا نہیں ہوتا۔“ شمیلہ  
نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔  
”یہ تم لوگوں کا پرسنل میٹر ہے، اب میں کیا کہہ  
سکتا ہوں۔“ فہام ڈراہٹا کر بولا۔  
”یہی تو میں سمجھا رہی ہوں کہ آپ لوگوں کو کسی بھی  
معاملے میں بولنے کی ضرورت نہیں۔ ہر گھر کے اپنے  
مسائل اور ضروریات ہوتی ہیں۔“ شمیلہ نے قدرے خفگی  
ماہنامہ پاکیزہ۔ دسمبر 2012ء (84)



بنا کر بولی۔

”کیوں ایسی کیا بات ہوگئی؟“ ریحانہ نے چونک کر پوچھا۔

”اُدھر ردا اپنی فریڈ کے ساتھ میری شاپنگ کر رہی ہے۔ اس نے اتنا گوارا نہیں کیا کہ مجھے ساتھ لے جا کر میری چوائس کے ڈریس خریدتی۔“ شمیلہ نے منہ بنا کر شکایتی لہجے میں کہا۔

”بیٹا شادی بیاہ کی شاپنگ مائیں، ہمیں بڑے اربانوں اور جاتوں سے کرتی ہیں اور میرا خیال ہے آپا نے اس لیے نہیں نہیں بلایا ہوگا۔ ورنہ وہ تو ہمیں ہر بات میں آگے کرتی ہیں۔ تم اس بات سے دل میلانہ کرو۔ ساری زندگی تم نے اپنی ہی پسند سے کپڑے پہنے ہیں۔ انہیں اپنے اربان پورے کرتے دو۔“ ریحانہ نے گہری سانس لے کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”لیکن ماما۔۔۔ پھر بھی۔“ وہ خفگی سے ماں کو دیکھنے لگی۔

”تم جس گھر میں جا رہی ہو وہ بہت نصیب والوں کو ملتا ہے۔ جتنی محبت اور چاہت وہ لوگ دکھا رہے ہیں ان کی قدر کرو۔“ ریحانہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

”پلیز بیٹا، اس گھر میں جانے سے پہلے اپنے ذہن سے تمام منفی باتیں نکال دو اور اب یہ سوٹ پسند کرو جو تمہیں اچھا لگے۔“ ریحانہ نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا تو وہ زبردستی مسکرا کر کپڑے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

توقیر کمرے میں اندھیرا کیے بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بار بار غم ہو رہی تھیں۔ کبھی وہ آجیں بھرتا ہوا اٹھ کر بیٹھ جاتا اور کبھی لیٹ جاتا تھا۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔ ردا نے میری محبت کو کیوں دلوچ نہیں کیا، میں تو اس سے بہت پر خلوص اور شہید محبت کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں

سوچا کہ یوں انکار کرنے سے میں کتنا ہرٹ ہوں گا۔“ توقیر نے پریشان ہو کر سوچا اور اپنی غم آنکھوں سے اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے لگا۔

”کمرے میں اتنا اندھیرا کیوں کر رکھا ہے“ نجمہ نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر لائٹ آن کی توقیر نے جلدی سے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

”تو توقیر کیا تم سو رہے ہو بیٹا کھانا بھی نہیں کھا نے۔“ نجمہ نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا بازو ہلاتے ہوئے کہا تو توقیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نجمہ اسے آوازیں دینے لگیں مگر وہ خاموش رہا۔

”تو توقیر تو اتنی جلدی سونے کا عادی نہیں بھرا کیسے سو گیا۔“ نجمہ حیرت سے بڑبڑائیں۔

”تو توقیر بیٹا تم ٹھیک تو ہونا آج جلدی کیوں سو گئے؟“ انہوں نے اس کا بازو پھر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

”میرے سر میں بہت درد ہے، مجھے سو دیں۔“ توقیر نے منہ بنا کر آہستہ آواز میں کہا اور کمرے میں بدلتی۔ انہوں نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی وہ آہ بھر کر اٹھ بیٹھا اور دواؤں کے روم میں جا کر شیشے کے پاس کھڑا ہو گیا اس کی آنکھیں متورم تھیں، وہ پانی کے چھینٹے زور زور سے اپنے چہرے پر مارنے لگا۔ جس میں اس کے آنسوؤں کی آمیزش بھی شامل تھی۔

☆☆☆

نجمہ اور رشنا دونوں۔۔۔ بیٹھی ناشتہ کرتے ہیں مصروف تھیں۔ توقیر اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں انتہائی سرخ اور چہرہ بہت اداس اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے شیو بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی ٹھیک سے تیار ہوا تھا۔ وہ اپنا بیگ پکڑے لاؤنج سے باہر جانے لگا۔

”تو توقیر۔۔۔ کیا تم ناشتا کیے بغیر آفس جا رہے

ہو؟“ نجمہ نے چونک کر اسے آواز دیتے ہوئے پوچھا۔ ”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”تو توقیر یہاں آؤ۔“ نجمہ نے خفگی سے تھکمانہ لہجے میں کہا تو توقیر خاموشی سے ڈانٹنگ ٹیبل کے قریب آ گیا۔

”دھیر دھیر اور ناشتا کر کے آفس جاؤ اور تم تیار بھی ٹھیک سے نہیں ہوئے۔“ نجمہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے کہا تھا کہ مجھے بھوک نہیں ہے اور میں ٹھیک ہوں۔“ توقیر نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔

”رشنا بھائی کو چائے بنا کر دو۔“ نجمہ نے رشنا کی طرف دیکھ کر کہا۔ توقیر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ رشنا نے کب میں چائے ڈالتے ہوئے بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

”تو توقیر کیا بات ہے، چہرے سے بہت پریشان لگ رہے ہوں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے رات بھر سو نہیں سکے۔“ انہوں نے اس کی طرف بخور دیکھ کر کہا۔

”کچھ نہیں۔“ توقیر نے چائے پیتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

”کیا آفس میں کوئی ٹینشن چل رہی ہے؟“ نجمہ نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے سناٹ لہجے میں جواب دیا۔ ”پھر کیا بات ہے، کچھ تو بتاؤ۔ تمہارا چہرہ صاف تیار رہا ہے کہ تم بہت پریشان ہو؟“ انہوں نے خفگی سے جھنجھلا کر پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ وہ گہری سانس لے کر بولا۔ ”مگر تو توقیر بھائی آج آپ چہرے سے بالکل جتنوں لگ رہے ہیں اور وہ بھی ناکام محض۔“ رشنا نے اس کی طرف دیکھ کر پختے ہوئے کہا۔

”کنک محبت میں ناکامی تو نہیں ہوئی؟“ رشنا نے مسکرا کر اندازاً انداز میں پوچھا تو توقیر نے یکے

کھنکھناتے طعنے کھنکھناتے

دم چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں غم ہوئے لگیں اور وہ چائے کا کپ وہیں چھوڑ کر اٹھ کر چلا گیا تو رشنا ایک دم پریشان ہوگئی۔

”یہ تو توقیر بھائی کو کیا ہوا ہے۔۔۔ جب تک بات کا جواب نہیں دے لیتے تھے وہ خاموش نہیں بیٹھتے تھے اور آج تو بولے نہیں کچھ گڑبڑ ہی لگ رہی ہے۔“ وہ فکر مند سی ہوئی۔

”ہاں، میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں۔ اچھا بھلا تھا اچانک ہی اسے کچھ ہو گیا ہے۔“ نجمہ نے پریشانی سے کہا تو رشنا بھی پریشان ہوگئی۔

☆☆☆

ردا گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ رشنا اس کے ساتھ ہی تھی۔ وہ بہت خاموش تھی، زیادہ باتیں نہیں کر رہی تھی۔ ”کیا بات ہے رشنا، آج تم خاموش کیوں ہو، کیا فرائز بھائی سے بھگڑا ہو گیا ہے؟“ ردا نے چونک کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”نہیں یارہ میں تو توقیر بھائی کی وجہ سے بہت آپ سیٹ ہوں۔“ رشنا نے فکر مند سی کہا۔

”کیوں، انہیں کیا ہوا ہے؟“ ردا نے ایک دم چونک کر پوچھا۔

”یہی تو پتا نہیں چل رہا۔ ہر وقت ہنسنے ہنسانے والے اور خاموش نہ بیٹھنے والے توقیر بھائی ایک دم اتنے چپ ہو گئے ہیں کہ کسی سے بات ہی نہیں کرتے اور چہرے سے بھی بہت پریشان اور اداس دکھائی دیتے ہیں۔“ رشنا نے ایک آہ بھر کر کہا تو ردا نے ایک زبردست بڑیک لگائی اور بوکھلا کر ریش ڈرائیو لگ کرنے لگی۔

☆☆☆

لبام، خدیجہ کے ہمراہ صوفے پر بیٹھا تھا اور خدیجہ خوش خوش شاپنگ بیگز کھول کر اسے دکھا رہی تھیں۔ کپڑوں کو دیکھ کر فہم کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔



”بیٹا کیا تمہیں حمیلہ کے یہ کپڑے پسند آئے ہیں۔ تمہاری تو اپنی چوائس بہت اچھی ہے اگر کوئی کھڑے چنچ کرے ہوں تو بتا دینا۔“ خدیجہ نے مسکرا کر فہام سے پوچھا۔

”سب بہت اچھے ہیں۔“ فہام نے مسکرا کر کپڑوں کو ہاتھ لگا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”بے چاری رونا ہی اپنی کٹلی کے ساتھ ساری شاپنگ کر رہی ہے۔ میں تو گھنٹوں کے درد کی وجہ سے کہیں جا ہی نہیں پارہی۔“ خدیجہ نے مسکرا کر کہا۔

”ویسے تم حمیلہ سے اس کی پسند بھی پوچھ لینا اور جو جو چیزیں اسے پسند ہوں وہ بھی۔“ خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ ”میں نے تو ریحانہ کو صاف کہہ دیا ہے کہ وہ کوئی چیز نہ بنائے۔ سب میں ہی بناؤں گی۔ زیور بھی کپڑے بھی۔“ خدیجہ اپنی ہی لے میں بولیں۔

”مما آپ کو ایسا کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا۔“ فہام نے نظریں چراتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

”بیٹا..... کیا تم چاہتے ہو کہ حمیلہ چیزیں لے کر اس گھر میں آئے؟“ خدیجہ ایک دم چونک کر بولیں۔

”نہیں..... مگر میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ہم ان کے گھریلو معاملات میں بولیں۔“ فہام نے جھنجھلا کر کہا۔

”بیٹا..... تم کیا کہہ رہے ہو، مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”مما..... بس آپ حمیلہ کی فیملی کا خیال رکھیں۔ وہ کسی بات سے ہرٹ نہ ہو۔“ فہام نے یک دم بوکھلا کر بات کو گول مول کرتے ہوئے کہا اور خدیجہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”کیا یہ سب حمیلہ نے تم سے کہا ہے؟“ انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں..... وہ؟“ فہام ایک دم بوکھلا گیا۔

”بیٹا..... میں تو اسے بھرپور محبت اور خوشیاں دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔ صرف اس لیے کہ یہ گھر اس کو سسرال نہیں میکا ہی لگے۔“ خدیجہ گہری سانس

لے کر بولیں۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے مگر.....“ فہام پریشانی سے بولا۔

”میں سب سمجھ گئی ہوں تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔“ خدیجہ شکستہ لہجے میں بولیں اور خاموش ہو کر بے ولی سے کپڑے شاپنگ بیگ میں ڈال لگیں۔ فہام شرمندہ سادہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆

روا ایک اسٹائش ڈریس پہنے تیار ہو کر بیٹہ کندھے پر ڈالے خدیجہ کے گھرے میں آئی تو دیکھا ماں بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھیں، رونا مسکراتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھی۔

”مما..... ہاں تو بتائیں آج حمیلہ آلی کے کیا شاپنگ کرتی ہے؟“ وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”جو کچھ بھی لانا ہے بس آج لا کر شاپنگ ختم کرو۔ خدیجہ گہری سانس لے کر بڑی بیزاری سے بولیں۔

”کیوں..... ممما ابھی تو بہت شاپنگ رہا ہے۔“ اس نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا بات ہے آپ مجھے شاپنگ کے لیے بھیجتے ہوئے خوش نہیں لگ رہیں ورنہ آپ تو بہت خوش ہوتی ہیں۔“ رونا نے ان کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔

”کچھ نہیں، بس میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ خدیجہ گہری سانس لے کر بولیں اور اسے اپنے چہرے میں سے میسے نکال کر دینے لگیں۔

”بس آج شاپنگ مکمل کرو، جو کچھ رہ جائے گا وہ حمیلہ خود آ کر دیکھ لے گی۔“ خدیجہ نے آہ بھر کر کہا۔

”کیوں..... کیا کوئی بات ہوئی ہے؟“ رونا چونک کر پوچھا۔

”نہیں یونہی کہہ رہی ہوں، اب تم جاؤ۔“ خدیجہ نے اس کی بات ٹالتے ہوئے کہا اور رونا خیرت سے ماں کو دیکھ کر وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

سب لاؤنج میں جمع تھے۔ ان کے سامنے.....

بہت خوب صورت شادی کے کارڈز کا ڈھیر میز پر پڑا ہوا تھا۔ عاصم اور رونا کارڈز دیکھنے میں مصروف تھے جبکہ حاتم کے ہاتھ میں مہمانوں کی لسٹ تھی۔ فہام بہت خوش تھا، مسکرا کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ خدیجہ کچھ خاموش تو ضرور تھیں لیکن ان کی کوشش تھی کہ کسی کو کچھ محسوس نہ ہو۔

”فہام بھائی..... آپ نے اپنی شادی کا کارڈ اتنا خوب صورت بنوایا ہے تو میری شادی پر کیسا ہوا نہیں ہے؟“ عاصم ایک کارڈ پکڑ کر شرارتی لہجے میں بولا۔

”بے فکر رہو..... تمہارا کارڈ تو میں سونے کے پانی سے لکھواؤں گا۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”اوہ..... ریلی.....“ عاصم خوش ہو کر بولا۔

”اور رونا کا کارڈ؟“ عاصم مسکرا کر رونا کی طرف دیکھ کر بولا۔

”جیسا رونا کہے گی۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو رونا منہ نیچے کر کے شرماتے لگی۔

”کچھ شرم کریں، کسی باتیں کر رہے ہیں۔“ رونا نے عاصم کو گھورتے ہوئے کہا۔

”اور حاتم بھائی کی شادی پر ہم کارڈ پرنٹ نہیں کروائیں گے صرف ایک پلیٹ کاغذ پر انوشیٹن لکھ کر بھیج دیں گے۔“ عاصم نے حاتم کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ کیوں بھی؟“ فہام نے حیرت سے پوچھا۔

”حاتم بھائی ٹھہرے سو پر..... سنجیدہ طراز، انہیں زندگی کی شادیوں اور رنگینیوں سے کیا کام.....“

مجھے تو لگتا ہے ان کی دلہن کے ڈریس پر بھی کام نہیں کڑھائی ہوگی اور وہ بھی سیمپل سی۔“ عاصم مسکرا کر شرارتی لہجے میں بولا تو سب ہنسنے لگے۔

”بس کرو عاصم کیا فضول باتیں کر رہے ہو اور جلدی سے کارڈز لکھو اتنا زیادہ کام ہے۔“ خدیجہ مصنوعی خفگی سے بولیں۔

”مما..... آپ حکم کریں، دو منٹ میں لکھ دوں

کھنسل سب طے کھنسل دل

گا۔“ عاصم نے چنگی بجاتے ہوئے کہا۔

”کیا اللہ دین کا جن ہے آپ کے پاس؟“ رونا نے چونک کر پوچھا۔

”نہیں، جن کی خالہ یعنی کہ تم۔“ عاصم نے بہن کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

”جائیں، میں کارڈ نہیں لکھتی اب دو منٹ میں خود ہی لکھیں۔“ رونا نے مصنوعی خفگی سے کارڈ اور پین چھوڑ کر جاتے ہوئے کہا۔

”اگر میری گڑباز ناراض ہو کر کارڈ نہیں لکھے گی تو پھر کوئی بھی نہیں لکھے گا۔“ فہام نے مسکرا کر پیار سے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا تو رونا مسکرا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

”بیٹا..... اب جلدی کام کرو، رونا سب سے پہلے رشنا کا کارڈ لکھو اور کل تم خود ان کے گھر کارڈ دینے جانا۔ اس بچی نے شادی میں بہت کام کیا ہے۔“

خدیجہ سنجیدگی سے بولیں۔

”جی..... ممما! اس نے مسکرا کر کارڈ لکھتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

تو قیر، نجمہ کے ساتھ لان میں چیز پر بیٹھا جائے پی رہا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور وہ چہرے سے بہت افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔ رشنا ضروری چیزوں کی لسٹ پکڑے لان میں آئی وہ قریب کی ہی مارکیٹ جا رہی تھی۔

”مما! ایک بار یہ چیزوں کی لسٹ دیکھ لیں اور بتادیں کوئی چیز رہ تو نہیں گئی۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی لسٹ ماں کو دکھاتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے سب چیزیں تو میں نے لکھ دی ہیں کوئی نہیں رہ گئی۔“ نجمہ نے لسٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”لائیں..... میں ابھی لے کر آئی ہوں۔“ رشنا لسٹ پکڑتے ہوئے بولی اور وہ ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں چلی گئی۔ تو قیر ہر چیز سے بے نیاز آہستہ



آہستہ آہستہ کے سبب لے رہا تھا۔

”تو قیر خدا کے لیے کچھ تو بولو۔۔۔۔۔ کچھ تو بتاؤ، تمہاری اس خاموشی کو میں کیا سمجھوں؟“ نجمہ نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا مگر تو قیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابھی رشنا کو نکلے پندرہ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ردا گیٹ سے داخل ہوئی اور اُن کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

”آؤ۔۔۔۔۔ ردا کیسی ہو، بیٹا؟“ نجمہ نے مسکرا کر پوچھا۔

”آئی، رشنا کہاں ہے؟“ ردا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ذرا مارکیٹ تک گئی ہے ابھی آچکے گی، تم بیٹھو۔“ نجمہ نے کہا۔

”آئی۔۔۔۔۔ میں فہام بھائی کی شادی کا کارڈ دینے آئی ہوں۔“ ردا نے مسکرا کر بیک میں سے کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔

”آپ سب نے ضرور آنا ہے۔“ ردا نے مسکرا کر کہا اور ایک دم تو قیر کی طرف دیکھا مگر تو قیر خاموشی سے دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔

”ہاں، ہاں بیٹا ہم سب آئیں گے، تم بیٹھو تو سہی۔“ نجمہ مسکراتے ہوئے بولیں۔ وہ گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔ تو قیر خاموشی سے چائے پی رہا تھا۔ اس نے ایک دفعہ بھی ردا کی طرف نہیں دیکھا۔

”آئی رشنا کب تک آئے گی؟“ ردا نے آہستہ سے نجمہ سے پوچھا۔

”بس تھوڑی دیر تک آجائے گی۔“ نجمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو ردا خاموش ہو گئی۔ اتنے میں ٹیبل پر رکھا نجمہ کا موبائل بجنے لگا۔

”تمہارے ڈیڑی کا فون ہے۔ مجھے اُن سے ایک ضروری بات کرنی ہے میں ابھی آتی ہوں۔“ نجمہ نے تو قیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ردا بیٹے میں بس ابھی آئی، تم یہیں بیٹھو۔“ نجمہ نے ردا سے کہا اور خود نوٹوں پر بات کرتے ہوئے وہاں سے

چلی گئیں تو ردا نے نظریں جڑاتے ہوئے تو قیر کی جانب دیکھا۔ وہ ادا اس چہرہ لیے دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔

”آپ بہت اب سیٹ لگ رہے ہیں۔“ نے یہ مشکل اپنے آپ کو لپوڑ کر تے ہوئے کہا تو تو نے کوئی جواب نہ دیا اور وہی اس کی طرف دیکھا تو نے ایک گہری سانس لی۔

”کیا آپ، میری وجہ سے۔۔۔۔۔ آئی ایم سوری میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔“ ردا رک رک کر بولی تو تو قیر نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا اور ایک گہری مگر بول کچھ نہیں۔

”آپ کی یہ خاموشی مجھے تپتی کر رہی ہے، کچھ تو کہیے۔“ ردا نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں نے آج تک کسی سے محبت نہیں کی صرف ادا صرف آپ سے کی ہے مگر آپ نے میری محبت یوں ٹھکرا دیا جیسے ہم کچرے میں کوئی چیز پھینکتے ہیں، میری محبت اچھی ہے وقعت ہے؟“ تو قیر نے آہ بھر کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”آئی، ایم سوری۔۔۔۔۔ اگر آپ میری وجہ سے ہرٹ ہوئے ہیں لیکن میں نے آپ کو حقیقت بتانے کی کوشش کی ہے کہ میرے دل میں آپ کے لیے وہ فیملی نہیں جو آپ اپنے دل میں میرے لیے محسوس کرتے ہیں۔“ ردا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”کیوں؟“ اس نے چونک کر پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ مگر میرے دل پر میرا اختیار بھی نہیں کہ میں اسے آپ کی طرف مائل کر سکوں۔“ ردا نے خشک لہجے میں بولی تو تو قیر نے چونک کر اسے دیکھا۔

”اور اپنی بد نصیبی مجھے دکھ دے رہی ہے کہ جس سے میں نے محبت کی اس کے لیے میری محبت کوئی مستحق نہیں رکھتی۔“ ردا نے اپنے پار کی بات بولا۔

”میں کیسے اپنے دل کو آپ کی چاہت کے لیے مجبور کر دوں۔ میں جب بھی آپ کے پارے میں



سوچتی ہوں تو میرا دل اس سوچ کو ہی قبول نہیں کرتا۔“  
روانے آہستہ سے کہا اور سر جھکا لیا۔

”مجھے خوشی ہے کہ آپ نے پوری سچائی سے مجھے اپنے دل کی حالت بتادی ہے، ردا میں کوئی آوارہ اور فلرٹ انسان نہیں جو دوبارہ کبھی آپ کا پیچھا کروں گا۔ میں آئندہ کبھی آپ کے راستے میں نہیں آؤں گا لیکن یہ یاد رکھیے کہ میری پہلی اور آخری محبت آپ ہی ہیں اور آپ ہی رہیں گی۔ میری زندگی میں آپ کے سوا کوئی اور نہیں آئے گا۔“ تو قیر نے آہ بھرتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو ردا نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔ رشنا کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور وہ گاڑی سے نکل کر اس کی جانب آئی۔

”اوہ ردا۔۔۔ تم کب آئیں چلو اندر چلتے ہیں۔“  
رشنا جلدی سے بولی اور وہ خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تو قیر نے آنکھوں سے اسے دیکھا رہ گیا۔

☆☆☆

فہام اپنے کمرے میں صوفے پر ٹیم دراز بہت روڈینک موڈ میں خمیلہ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔  
”خمیلہ! ہماری شادی میں تین دن رہ گئے ہیں۔ تمہیں کیا محسوس ہو رہا ہے، آئی مین۔ کیا تم ایکساٹڈ ہو؟“ فہام نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”آف کورس۔۔۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ فہام میری زندگی میں آپ سب سے اہم ہیں اور آپ کو اپنے کا خواب ہمیشہ سے دیکھتی آئی ہوں۔“  
خمیلہ مسکرا کر قدرے شرماتے ہوئے بولی۔

”اور اب خواب پورا ہونے جا رہا ہے۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”پھر بھی آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ کیا میں خوش ہوں، میری زندگی اور خوشی سب کچھ آپ ہی ہیں۔“ خمیلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”تمہارا یہی انداز محبت تو مجھے امپریس کرتا ہے۔“ فہام مسکرا کر بولا۔

”صرف۔۔۔ امپریس؟“ خمیلہ نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”یارا پریس ہونا ہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے۔“ فہام ہنستے ہوئے بولا۔

”دیکھیے گا۔۔۔ میرے علاوہ زندگی میں اور کسی سے امپریس نہیں ہونا۔“ خمیلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”بے فکر رہو۔۔۔ میری زندگی میں جو جگہ تمہاری اور ردا کی ہے کسی کی بھی نہیں ہو سکے گی۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو خمیلہ کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

”ہاں، ہاں۔۔۔ وہ تو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔“ خمیلہ خود کو مارل کرتے ہوئے جلدی سے بولی۔

”خمیلہ جانتی ہو جب ممانے مجھ سے شادی کے بارے میں پوچھا تو میں نے تمہیں ترجیح کیوں دی؟“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہاں۔۔۔ میری محبت کی وجہ سے!“ خمیلہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہاں، یہ بھی بہت بڑا فیکٹر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ ہم آپس میں کزنز ہیں اور تم ردا کے ساتھ بھی کافی اچھڑ ہو۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید وہ میرے اور ردا کے ریلیشن شپ کو کبھی سمجھ نہیں پاتی لیکن تمہیں تو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”تو ہمارے ریلیشن شپ کی ریزن ردا ہے کچھ اور نہیں!“ خمیلہ ایک دم چونک کر بولی۔

”ہاں۔۔۔ یونہی سمجھو۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو اس نے گہری سانس بھری اور خاموش ہو گئی۔

”میں بس یہی چاہتا ہوں کہ تم ردا سے ویسی ہی محبت کرو جیسی میں کرتا ہوں۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہاں، ہاں۔۔۔ کیوں نہیں، میں نے تو اسے

کھن دیکھ۔۔۔ طے کھن دل

گیا ہے۔ اسے میں نے صبح ہی کہا تھا کہ شادی میں ضرور چلتا ہے۔“ نجمہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور انہیں یقیناً اپنی سوچوں میں سب کچھ بھول گیا ہوگا۔ آج کل تو وہ اتنے خاصے absent minded ہو رہے ہیں۔ ابھی تک آفس سے ہی نہیں آئے۔“ رشنا منہ بنا کر بولی۔

”بیٹا اسے تو ن کرو کہ وہ جلدی گھر آئے۔“ نجمہ نے کہا تو رشنا اپنے موبائل پر تو قیر کا نمبر ملائے گی کہ اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ کچھ لمحوں بعد وہ پوچھل قدموں سے اندر آیا۔ چہرے سے بہت اداس لگ رہا تھا۔

”کیا۔۔۔ آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں؟“ تو قیر نے دونوں کو تیار دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

”دیکھا میں کیا کہہ رہی تھی؟“ رشنا نے منہ بنا کر خفگی سے کہا۔

”آج ردا کے بھائی کی شادی ہے اور ہم سب کو وہاں جانا ہے۔ جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔“ نجمہ نے تو قیر کے قریب آ کر کہا۔

”مجھے کہیں نہیں جانا۔۔۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔“ تو قیر نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے چیز اڑی سے کہا۔

”کیا ہوا۔۔۔ بخار تو نہیں ہے؟“ نجمہ نے گھبرا کر اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”انہیں جو بخار ہے، دکھائی دینے والا نہیں۔“ رشنا نے منہ بنا کر جواب دیا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ تو قیر نے خفگی سے پوچھا۔

”بیماری ہے ہی نہیں تو دکھائی کہاں سے دے۔ آپ بس ایکسکیوزز ڈھونڈ رہے ہیں۔ نہ جانے کے۔“ رشنا نے منہ بنا کر کہا۔

”ہاں۔۔۔ یونہی سمجھو۔“ تو قیر اسے غصے سے دیکھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”یہ تو قیر کو کیا ہوا۔۔۔ اس نے تو بھی اس لیے

ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے اور سمجھتی رہوں گی۔“ خمیلہ ایک دم منہ بنا کر گھر کے کمرے میں نری لاتے ہوئے بولی۔

”تھینک یو خمیلہ۔۔۔ تم ہمیشہ میری بات ماننی آتی ہو اور تمہاری یہ خوبی مجھے سب سے اچھی لگتی ہے۔“

فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”شکر ہے میں آپ کو کہیں دکھائی تو دی۔“ وہ طنز یہ انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔

”یار تم میرے دل میں رہتی ہو اور جو دل میں ہوں وہ کہیں اور دکھائی کیوں دے۔“ فہام نے ہنستے ہوئے کہا تو خمیلہ معنی خیز انداز میں مسکراتے لگی۔ فہام باتیں کرتا رہا اور خمیلہ ہونٹ سکڑ کر اور منہ بنا کر انہیں سننے لگی۔ ظاہری طور پر اس کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی مگر اس کا دل بری طرح کھٹا ہو چکا تھا۔ فہام کی محبت کی خاطر وہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔

☆☆☆

خمیلہ اور فہام کی شادی کی دونوں گھروں میں ڈیر دست تیار کیا ہو رہی تھیں۔ خاندان اور ملنے چلنے والے بھی بہت خوش تھے اور فہام کی شادی کا خاص چاؤ کر رہے تھے شاید اس کی وجہ فہام کی ہر ایک سے دوستی اور اپنا محبت تھی۔ سب ہی اسے بہت چاہتے تھے۔

☆☆☆

فہام احمد کی شادی میں جانے کے لیے رشنا انہ کی خوب صورت اسٹائلش ڈریس پہنے، بالوں کا اسٹائل بنانے تیار تھی۔ نجمہ بھی خوب صورت لباس میں ملیں صوفے پر بیٹھی اپنے بیک میں اپنا موبائل اور پیسے گن کر رکھ رہی تھیں۔ ٹیبل پر خوب صورت بیکنگ میں نشیں رکھے تھے۔

”بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ نجمہ نے مسکرا کر رشنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو ماما۔۔۔ میں تو تیار ہوں اور آپ؟“ خمیلہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”میں بھی بس تیار ہوں۔ تو قیر نے کہاں رہ



میں بات نہیں کی۔“ بھر حیرت سے بولیں۔

”نہیں جانتے تو نہ جانیں۔ آپ تو چلیں ہم لوگ پہلے ہی لیٹ ہو رہے ہیں۔“ رشتائے خفگی سے منہ بنا کر کہا تو نجمہ آہ بھر کر رہ گئیں۔

☆☆☆

”بیمنی بیٹا اپنی تیاری کر لو۔ سامان باندھ لو نیگم صاب کا حکم ہے کل شام تمہیں شہر جانا ہے۔“ اماں بھیراں نے رات کو سونے سے پہلے اس سے کہا۔

”اماں میری پیننگ تو مکمل ہے مگر یہاں میرا دل لگ گیا ہے۔ بالکل جانے کو دل نہیں چاہ رہا اور خاص طور پر آپ سے تو بہت محبت ہو گئی ہے۔ اماں آپ بہت اچھی ہیں۔ آپ میرے ساتھ شہر کیوں نہیں چلتیں۔“ بیمنی نے محبت سے بھیراں کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”نہیں بیٹا۔۔۔ میرا جین مرنا اتنی دلی میں ہے۔ یہی میرا میکا اور سسرال ہے۔ اب مگر کئی یہاں سے نکلوں گی مگر اب تم آتی رہنا۔“ بھیراں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”معلوم نہیں اب کب آؤں گی۔“ وہ افسردگی سے بولی۔

”کیوں؟“ بھیراں نے حیرت سے پوچھا۔

”پڑھائی بھی تو کرنی ہے۔“ وہ اکٹا ہٹ سے بولی۔

”تم کیا پڑھتی ہو؟“

”بہت سی کتابیں۔ انگریزی اور اردو میں۔“ وہ منہ بنا کر بولی۔

”کتابیں بندے کو عقل سکھاتی ہیں۔ ہم جیسے ان پڑھ لوگوں کو جو باتیں زندگی کی ٹھوکر میں کھا کر پتا چلتی ہیں تم لوگ وہ پہلے ہی کتابوں میں پڑھ لیتے ہو۔ تمہارے دادا جی کی ڈھیروں کتابیں الماریوں میں پڑی ہیں وہ بہشتی بھی رات کو کتاب پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ میں اکثر ان سے پوچھتی تھی۔ صاب جی

آپ سارا دن زمینداری کر کے تھکے ہوئے ہوتے ہیں اور پھر رات گئے تک کتابیں پڑھتے ہیں، آپ کو نیند نہیں آتی؟ تو جانتی ہو وہ کیا جواب دیتے تھے۔۔۔۔۔ کہتے تھے۔ بھیراں اچھی کتاب سے پیارا اور کوئی دوست نہیں اور جب تک میں اپنے دوست کا حال چال نہ پوچھ لوں نیند نہیں آتی۔“ بھیراں نے ہنستے ہوئے کہا تو بیمنی بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔

”اس کا مطلب ہے دادا جی بہت خوش مزاج انسان تھے؟“ بیمنی نے پوچھا۔

”ہاں بچو، بڑوں اور ملازموں سب سے بہت محبت اور نرمی سے پیش آتے تھے مگر دشمنوں اور دعا بازوں کے بارے میں بہت سخت تھے۔ کھڑے کھڑے بندے کو پھڑکا دیتے تھے۔“ بھیراں نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ بیمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”ایسی مزاد دیتے تھے کہ وہ یہ دیکھتا تھا۔“ بھیراں مسکرا کر بولی۔

”اور ماں جی تب بھی اتنی سخت تھیں جتنی اب ہیں؟ مجھے پہلے پہلے ماں جی سے بہت ڈر لگتا تھا۔ اونچی آواز میں بات کرتیں تو میں اکثر ڈر کر چھپ جاتی تھی لیکن اب یہاں آ کر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اتنی سخت نہیں ہیں جتنی نظر آتی ہیں۔“ بیمنی نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

”ہاں سچ کہتی ہو، وہ دل کی بڑی نرم ہیں اور انکو وہ اتنی سختی نہ کریں تو ملازم سارا کچھ ہڑپ کر جائیں۔ یہ تو بڑے بڑے کی دانش مندی ہے کہ وہ سب پر کڑی نظر رکھتی ہیں۔ صاب جی کے ساتھ ان کی بہت اچھی مٹتی تھی۔ سمجھا اور عورت ہیں اس لیے صاب جی بھی ہر کام ان کے مشورے سے کرتے۔“ ان کی ہر بات مانتے تھے دونوں نے بڑی پیاری زندگی گزاری ہے مگر ایک بات ہے صاب جی ان سے ڈرتے بھی بہت تھے۔“ بھیراں نے آہستہ آواز میں قہقہہ لگا کر کہا تو بیمنی بھی ہنسنے لگی۔

کھنکھن دہپ طے کھنکھن دل

کے نیچے اپنا دوپٹا پھیلا کر بولی۔ چھمو اور عذر راز میں سے کچے آم چنٹی رہیں۔ بیمنی کافی دیر آم توڑتی رہی اور خوب انجوائے کرتی رہی۔

”بیٹا اب بس کرو۔ میرا دوپٹا پھٹنے کو ہے اب نیچے آ جاؤ۔“ بھیراں نے اسے کہا۔

”یہ دیکھو میں آئے گی ہوں۔ اوپر سے صاب لگاتی ہوں۔“ بیمنی نے پرجوش انداز میں کہا۔

”نہ۔۔۔ نہ بیٹا کہیں چوٹ نہ آ جائے۔“ بھیراں نے گھبرا کر کہا مگر بیمنی اس کے کہنے سے پہلے ہی وہاں سے کود چکی تھی اور دھڑام سے زمین پر آ گری اور گرتے ہی اس کی ٹانگ پر ہی طرح مڑ گئی۔ وہ بیمنی چلا رہی تھی بھیراں، چھمو اور عذر گھبرا گئیں۔ بیمنی کے رونے، چلانے کی آواز سن کر رکھوالے اور ڈرائیور بھی دوڑے چلے آئے اور جلدی سے بیمنی کو گاڑی میں ڈال کر حویلی لے گئے۔

ماں جی، بھیراں پر بگڑنے لگیں کے اس نے بیمنی کو درخت پر چڑھنے ہی کیوں دیا۔ گاؤں کے ڈاکٹر کو جلدی سے بلایا گیا۔ اس نے وقتی طور پر تو ٹانگ کو باندھ دیا مگر اسے شہر لے جانے کو کہا کیونکہ اس کی دائیں ٹانگ فریکچر ہو چکی تھی۔ ماں جی نے بیٹے کو زون پر ساری بات بتائی اور ڈرائیور کے ساتھ اسے لے کر شہر آ گئیں۔ وہ سے سیدھا اسپتال لے کر گئیں۔ جہاں اور ایمن بھی اسپتال پہنچ گئے تھے۔

☆☆☆

بیمنی کافی روز اسپتال میں ایڈمٹ رہنے کے بعد اب گھر آ گئی تھی۔ اس کی ٹانگ پر بلاسٹر چڑھا تھا جس کی وجہ سے وہ زیادہ حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ بس بستر پر لیٹی رہتی تھی اور مسلسل بستر پر لیٹنے سے اسے ڈپریشن ہونے لگا تھا۔ ایمن ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں مصروف رہتیں اور بھال اس کا دل بھلاتے رہتے۔ بیمنی کے دل میں ماں کی محبت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ ایمن کھانے پینے کے علاوہ اس کی صفائی ستھرائی کا ہر وقت خیال

بھیراں نے اس کے اوپر چادر پھیلاتے ہوئے کہا۔

”لیکن اماں جانے سے پہلے مجھے آموں کے باغ میں ضرور جانا ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہاں، ہاں چلی جانا۔ میں چھمو اور عذر کو کہہ دوں گی۔ تجھے ساتھ لے جائیں گی۔“ بھیراں نے محبت سے کہا۔

”نہیں، اماں کل آپ بھی میرے ساتھ چلنا۔“ بیمنی نے کہا۔

”اچھا بھیک ہے۔ نیگم صاب سے پوچھ لوں گی۔ اگر کوئی کام نہ ہو تو ضرور چلوں گی۔“ بھیراں نے مسکراتے ہوئے کہا اور لائٹ بند کر دی۔

اگلے روز وہ ناشتا کرنے کے بعد ماں جی سے اجازت لے کر آموں کے باغ میں چلی گئی۔ وہ ایک منٹ میں درخت پر چڑھ چکی تھی اور نیچے کھڑے سب دیکھتے رہ جاتے تھے۔

”واہ بیٹا، تو تو بڑی کاری کر رہے۔ کیسے بندریا کی طرح درخت پر چڑھ گئی۔“ بھیراں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”مگر میں بندریا نہیں ہوں۔“ بیمنی نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”ارے تو، تو میری شہزادی ہے۔“ بھیراں محبت سے بولی۔

”اماں۔۔۔ آگے آ کر جھولی پھیلاؤ۔ میں اوپر سے آم چھینکتی ہوں۔“ بیمنی نے کچے کچے آم توڑتے ہوئے کہا۔

”بیٹا کا بے کو توڑ رہی ہے۔ حویلی میں آموں کی بیٹیاں بھری رکھی ہیں۔“ بھیراں نے کہا۔

”اماں یہ آم میں اپنے ساتھ شہر لے جاؤں گی اور ڈیڈی کو بتاؤں گی کہ یہ میں خود توڑ کر لائی ہوں۔“ دغوش ہوتے ہوئے بولی۔

”بیٹا تو بھی بڑی نرمی ہے۔ بھلا بھال بیٹے کے لیے کیا۔“ انوکھی بات ہوگی جو خود سارا دن درختوں پر چڑھ رہی تھی۔ توڑ لے تو آم۔“ بھیراں درخت



برکتیں اور یعنی سکے دل میں ماں کے لیے محبت کے علاوہ  
تشکر کا احساس پیدا ہونے لگا۔ وہ بستر پر لیٹی ہر وقت  
سوچوں میں گم رہتی کبھی اسے محسن رضا اور اس کے بہن  
بھائی بہت یاد آتے۔ کبھی ماں جی اور شیراں، کبھی اپنے  
اسکول اور کالج کے دوست اور اساتذہ مگر سب سے زیادہ  
اماں شیراں کی محبت بھری باتیں۔۔۔۔۔

ماں جی ہر روز فون کر کے اس کا حال پوچھتیں۔  
کبھی کبھار اس کی اماں شیراں سے بھی بات چیت  
ہو جاتی۔ وہ اُن سے یوں کھل کر باتیں کرتی جیسے کوئی  
اپنی پرانی پکھڑی دوست سے باتیں کرتا ہے۔ ایمین  
حیرانی سے اسے فون پر باتیں کرتے دیکھتیں مگر خاموش  
رہتیں۔ یعنی میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔  
پہلے وہ ایمین کی ڈرامی بات پر مشتعل ہو کر برقع لگاتی  
تھی۔ اب ان کی ہر بات کا جواب نرمی سے دیتی تھی۔  
پہلے وہ ان کی ہر بات کا الٹا مطلب لیتی اور بات بے  
بات ان سے بحث و تکرار کر کے انہیں جان بوجھ کر رنج  
کرتی۔ ایمین اس کے رویے پر مشتعل ہوتیں تو وہ اس  
صورت حال سے لطف اندوز ہوتی مگر اب وہ کافی حد  
تک بدل چکی تھی۔ وہ ہر وقت ایمین کی محبت کو آبرو  
کرتی۔ ان کی انتہائی توجہ اور خدمت کو دیکھ کر سوچ میں  
پڑ جاتی کہ اگر وہ یوں بیمار نہ ہوتی تو کبھی ایمین کے  
قریب نہیں آ سکتی تھی۔ زندگی بھر دونوں ایک دوسرے  
سے دور رہیں۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کی  
بیاری کے پیچھے قدرت کا خاص مقصد تھا۔ شاید وہ  
دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا چاہتا تھا۔

بیماری کے اے ایو کے ایگزامز ہو گئے تھے اور  
اس وجہ سے وہ شدید ڈپریشن کا شکار رہی۔ جمال احمد  
نے اسے پھر نہیں دینے دیے تھے ورنہ وہ تو ویل چیر  
پر جا کر پیر دینے کو تیار تھی۔ وہ بستر پر لیٹی چہرے کو گھورتی  
رہتی اور روتی رہتی تھی۔ اسے سال میں ہونے کا بہت  
افسوس تھا مگر جمال احمد مطمئن تھے۔

”ایگزامز میں ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ مجھے

اس کی صحت کی فکر ہے۔“ ایمین کے شکایت کرنے پر  
انہوں نے کہا۔

”مگر اب وہ بہت شدید ڈپریشن کا شکار ہے۔  
اسے خود سمجھا لیں۔“ ایمین نے جمال سے کہا۔

”ہاں“ میں ابھی اس کے کمرے میں جاتا  
ہوں۔“ جمال نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”جمال اس نے کل سے کھانا بھی نہیں کھیا۔  
ایمین نے بتایا۔

”واٹ۔۔۔۔۔ اور تم مجھے اب بتا رہی ہو۔ اس  
کا کھانا اندر منگواؤ میں خود اسے کھلاتا ہوں۔“ جمال

نے پریٹ نی سے کہا اور ایمین کے کمرے میں چلے گئے۔  
”میری جان، میری گڑیا کیوں آپ سیٹ ہے۔“

میری گڑیا کو معلوم بھی ہے کہ ڈیڈی کتنے ڈسٹرب  
ہو جاتے ہیں جب ان کی گڑیا روٹھ جاتی ہے۔“ جمال

نے ایمین کا ماتھا چومتے ہوئے کہا اور اسے سہارا دے کر  
بٹھایا۔ یعنی جمال کی بات سن کر رونے لگی۔

”کم آن ڈیئر، کس بات پر رو رہی ہو؟“ جمال  
نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”ڈیڈی، آپ نے مجھے ایگزامز دینے کی پرمیشن  
کیوں نہیں دی۔ میرا سال ضائع ہو گیا۔“ ایمین نے

شکایت کی۔  
”اوہ، مائی سویٹ، یعنی اچھی سی بات پر ناراض

ہے۔ ڈیئر میں چاہتا ہوں کہ تم ایم بی اے کرو اور بزنس  
میں میری ہیپ کر۔ یہاں ایک نیا پرائیویٹ کالج کھل

رہا ہے، میں چاہتا ہوں بی بی اے میں تمہارا ایڈمیشن  
وہاں کرواؤں۔“ جمال نے کہا تو ایمین حیرت سے باپ

کی طرف دیکھنے لگی۔  
”ڈیڈی آپ نے سب کچھ خود ہی طے کر لیا ہے

اور مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔“ ایمین نے شکایتی لہجے میں کہا۔  
”نہیں بیٹا، تمہاری رائے کے بغیر تو میں کچھ نہیں

کر سکتا۔ یہ سب کچھ تب ہو گا جب تم خود کالج میں جا کر  
ایڈمیشن کرواؤ گی لیکن اس وقت مجھے تمہاری صحت کی

زبردہ فکر ہے۔ پڑھائی تو تم ساری عمر کر سکتی ہو مگر صحت  
ایک دفعہ چلی جائے تو انسان بہت مشکل سے سنبھلتا ہے

پلیز ریلیکس یور مائنڈ۔“ جمال نے بیڈ پر بیٹھ کر ایمین کو  
محبت سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

ڈیڈی کی محبت رفتہ رفتہ شدید تر ہوتی جا رہی تھی  
اور ایمین کی محبت کا انداز بھی بدل رہا تھا۔ ماں جی کی

محبت کا اپنا اسٹائل تھا اور اماں شیراں اسے اپنے  
طریقے سے چاہتی تھی۔ واقعی ایک محبت دوسری سے کتنی

مختلف ہے مگر ہر ایک کا احساس اور لمس کتنا دلچسپ ہے  
وہ کتنی افسردہ تھی مگر ڈیڈی کی تسلی اور محبت سے وہ ایک

لمحے میں بدل گئی۔ وہ دل جو پہلے افسردہ ہو کر آہیں  
بھر رہا تھا اب ڈیڈی کی محبت سے محفوظ ہو کر مسرور ہو رہا

تھا۔ وہ ڈیڈی کی باتوں کو یاد کر کے مسکراتے لگی۔  
☆☆☆

حمیلہ دہن بنی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔  
وہ برا سٹائل روم میں کھڑی قد آور آئینے میں اپنے آپ

کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ دروازہ کھلا رہا نہ  
مسکراتے ہوئے اندر آئیں اور خوش ہو کر حمیلہ کو اپنے

ساتھ لگا لیا۔  
”خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ آج تو میری بیٹی

پری لگ رہی ہے اور فہام بھی ماشاء اللہ کسی شہزادے  
سے کم نہیں لگ رہا۔“ ریحانہ نے بھرپور نگاہوں سے

حمیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ  
پھیل گئی۔

”اللہ تم دونوں کو نظر بند سے بچائے بیٹا۔۔۔۔۔ اب دو  
خاندانوں کے درمیان تم محبت کی سفیر بن کر جا رہی ہو۔

تمہاری وجہ سے یہ رشتے داری مزید مضبوط بھی ہو سکتی ہے  
اور کمزور بھی۔۔۔۔۔ اپنی محبت اور خدمت سے ان سب کے

دلوں میں گھر کرنا۔۔۔۔۔ سب رشتے خود بخود مضبوط ہوتے  
جائیں گے۔“ ریحانہ نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا

تو اس نے موڈ بدل کر ماں کی طرف دیکھا۔  
”اگر وہ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں

کھس دے۔۔۔۔۔ حلے کھس دل

کے تو میں کیوں ان کے ساتھ برا کروں گی۔ میں کوئی  
پاگل جھوڑی ہوں۔“ حمیلہ گہری سانس لے کر بولی۔

”ہاں، ہاں۔۔۔۔۔ میں جانتی ہوں تالی دونوں  
ہاتھوں سے بجاتی ہے لیکن کہیں۔ کوئی کمی یا کوتاہی دکھائی

دے تو نظر انداز کرنے کی کوشش کرنا۔ کبھی معمولی  
سی باتیں بھی دلوں میں ہمیشہ کے لیے ایسی گرہیں ڈال

دیتی ہیں کہ پھر ساری زندگی نہیں نکلتیں۔“ ریحانہ  
جلدی سے بولیں۔

”کوشش کروں گی مما۔۔۔۔۔“ حمیلہ نے عزم کر  
آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔

”خدا تمہیں ہمیشہ سکھی رکھے۔۔۔۔۔ اور تمہیں اپنی  
خوشیاں دے کہ سنبھالنا مشکل ہو جائیں، ہمیشہ خوش رہو،

آباد رہو۔۔۔۔۔“ ریحانہ بیٹی کی طرف نم آنکھوں سے دیکھتے  
ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا کر محبت سے چومنے لگیں۔

پورے گھر کو بہت خوب صورت انداز سے سجایا  
گیا تھا۔ سب لوگ بہت زیادہ خوش تھے۔ ساری کہیں

ادا کی گئی تھیں، رخصتی کے بعد فہام دہن کو لے کر گھر آ گیا۔  
گٹھڑی میں اس نے ردا کو اپنے ساتھ بٹھایا تھا۔ خدیجہ

بیگم ملازمہ کے ساتھ جلدی گھر آئی تھیں۔ دونوں دولہا  
دہن لاؤنچ میں داخل ہوئے تو خدیجہ دروازے پر

کھڑی ہو کر دونوں کا استقبال کرنے لگیں۔ فہام کے  
بہراہ ردا، عاصم اور حاتم تھے۔ حمیلہ اور فہام دونوں

بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ خدیجہ محبت سے  
دردانے میں اپنے ہاں کی رسم کے مطابق نیل گرا کر

حمیلہ کو اندر لائیں اور محبت سے اس کی پیشانی چوم کر  
اسے گلے لگایا۔ اس کے سر سے پیسے وار کر انہوں نے

ملازمہ کو پکڑائے۔ ردا بھی بہت خوش تھی۔ اس نے  
بہت اسٹائلش لیگا سوٹ پہن رکھا تھا جبکہ حمیلہ کا چہرہ

بہت سپاٹ تھا۔ خدیجہ بہ مشکل چلتے ہوئے حمیلہ اور  
فہام کو اپنے ساتھ لگا کر لاؤنچ میں لائیں اور صوفے پر

بٹھا کر مشائی کھلانے لگیں۔ حاتم اور عاصم بھی کافی  
خوشگوار موڈ میں تھے۔ خدیجہ، حمیلہ کے منہ میں رس گلا







”آپ کا مطلب ہے وہ ہمیں ایکسپلاٹ کریں گی؟“ حاتم نے چونک کر پوچھا۔  
”میں ایسا کچھ نہیں کہتی مگر تم سب سے صرف یہ کہوں گی کہ اب رشتوں کی آزمائش کا وقت شروع ہو گیا ہے اور آزمائش میں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تنہا نہیں چھوڑتے۔“  
خدیجہ کافی سنجیدگی سے انہیں سمجھانے لگیں تو وہ لوگ انہیں دیکھنے لگے۔

☆☆☆

خدیجہ ڈائمنگ جیئر پر بیٹھی ردا اور ملازمہ زائدہ کو ہدایات دے رہی تھیں۔ دونوں بھاگ بھاگ کر کھانے کی ڈشز لانا لاکر ٹیبل پر رکھ رہی تھیں۔ ٹیبل کھانوں سے بھر گئی تھی۔

”مما! کوئی چیز رہ گئی ہے تو وہ بھی بتادیں۔ قہیو اسٹار ہوٹل میں اتنا زبردست ناشتا نہیں ملتا۔ جو آپ نے آج گھر میں بنوایا ہے۔“ ردا نے ٹیبل کی طرف دیکھ کر کہا۔

”آج میری بہو کا اس گھر میں پہلا ناشتا ہے اور وہ بہت پر تکلف ہونا چاہیے۔“ خدیجہ نے مسکرا کر خوشی سے کہا۔

”بیگم صاحبہ! لیجیے۔۔۔ یہ بہاری ہوگئی۔ حلوا پوری بھی ہے، نان اور یہ بھی۔“ زائدہ نے بہاری کا ڈنگا رکھتے ہوئے کہا۔

”اگر شمیلہ بی بی کے گھر والے بھی ناشتالے کر آگئے تو ہم کہاں رہیں گے، ٹیبل تو بھر گئی ہے۔“ زائدہ مسکرا کر بولی۔

”میں نے انہیں منع کر دیا ہے۔۔۔۔۔ مسلمان ہے چارہ کہاں صبح صبح اتنی دور سے آئے گا۔“ خدیجہ مسکرا کر بولیں۔

”زائدہ۔۔۔۔۔ ایسا کرو، جاؤ فہام اور شمیلہ کو بلاؤ۔ ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ خدیجہ نے زائدہ سے کہا۔

”جی بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔“ زائدہ نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

شمیلہ تیار ہو رہی تھی اور فہام محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو فہام نے دروازہ کھولا۔ زائدہ مسکراتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”ناشتا تیار ہے۔ بیگم صاحبہ آپ دونوں کو بلا رہی ہیں۔“

”کیا سلمان بھائی میرا ناشتا لے کر آگئے ہیں؟“ شمیلہ نے جلدی سے پوچھا۔

”نہیں، انہیں تو بیگم صاحبہ نے آنے سے منع کر دیا تھا۔“ زائدہ نے بتایا۔

”کیا۔۔۔؟“ اس نے حیرت سے چلا کر فہام کی طرف دیکھا۔

”زائدہ۔۔۔۔۔ تم جاؤ، ہم آ رہے ہیں۔“ فہام نے جلدی سے زائدہ کو کہا اور دروازہ بند کر لیا۔

”دیکھا فہام۔۔۔۔۔ پہلے خالہ جان نے سلمان بھائی کو جیئر سے منع کر دیا اور اب ناشتالانے سے۔۔۔۔۔

یہ ایک رسم ہوئی ہے جس میں بھائی بہنوں کے لیے ناشتا لے کر آتے ہیں اور خالہ جان نے جان بوجھ کر انہیں منع کر کے میرے ادا مانوں اور خوشیوں کا خون کرتے۔۔۔۔۔

کی کوشش کی ہے۔ وہ میری کوئی خوشی پوری نہیں ہونے دے رہیں۔“ وہ ایک دم سسکی بھر کر بولی۔

”میں نے مما کو منع بھی کیا تھا کہ آپ ان لوگوں کے معاملات میں انٹرفیر نہ کریں۔“ خدیجہ نے سکڑتے ہوئے بڑبڑایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

شمیلہ کو غصہ آنے لگا اور اس نے اسی وقت فون پر ماں کا نمبر ملایا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور وہ بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں۔ موبائل پر مسلسل گھنٹی بج رہی تھی کافی دیر بعد انہوں نے موبائل کان سے لگایا تو

دوسری جانب شمیلہ روتے ہوئے بولی۔

”مما۔۔۔۔۔“ شمیلہ نے سسکی بھری۔

”شمیلہ۔۔۔۔۔ تمہیں۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟“ انہوں نے گہرا کر پوچھا۔

”بس آپ جلدی یہاں آئیں۔“ شمیلہ نے روتے ہوئے ماں سے کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ سب خیر تو ہے ناں؟“ ریحانہ نے گہراہٹ کے عالم میں چیخ کر پوچھا مگر شمیلہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”بیٹا رونا بند کرو اور مجھے بتاؤ۔ آخر بات کیا ہے؟“ ریحانہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

”مما! آپ ہر بات میں مجھے قصور وار ٹھہراتی ہیں لیکن رات کو عاصم نے میرے ساتھ اتنی بدتمیزی کی کہ آپ کو کیا بتاؤں۔“ شمیلہ نے ریحانہ کو سب بتایا تو وہ سنبھل گئیں۔

”یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ جس کا تم نے اتنا برا منایا۔“ دیور تو بھابیوں کے ساتھ بہت مذاق کرتے ہیں، کیا تم عاصم کے مزاج سے واقف نہیں؟“ ریحانہ۔۔۔۔۔ گہری سانس لے کر بولیں۔

”آپ ہمیشہ ان لوگوں کی ہی سائنڈ لیتی ہیں۔ کبھی میرا ساتھ نہیں دیا۔“ شمیلہ نے غصے سے کہا۔

”کیونکہ یہ ایسی بات نہیں تھی جسے تم ایٹو بتاتیں۔“ اور اب بتاؤں میں کیوں آؤں؟ اور فہام کہاں ہے؟“ ریحانہ نے غصے سے پوچھا۔

”فہام باہر ہیں اور آپ آکر خالہ جان کو خود ہی سمجھائیں کہ میری بھی کچھ خوشیاں اور ارمان ہیں۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ میری رسمیں بھی پوری ہوں۔ زندگی میں ایک بار ہی تو شادی ہوتی ہے انہوں نے نہ جیئر لینے دیا اور اب سلمان بھائی کو ناشتالانے سے بھی منع کر دیا۔ آخر وہ کیوں میری خوشیوں کی دشمن ہو رہی ہیں؟“ شمیلہ غصے سے شکایتی لہجے میں بولی۔

”شمیلہ۔۔۔۔۔ تمہارا دماغ ٹھیک تو ہے۔ سارے الزم آپا پر لگائے جا رہی ہو۔ سلمان رات بھر التیاں کرتا رہا۔ صبح ناشتالانے کے لیے تیار ہونے لگا مگر اس

کی طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ میں نے ہی آپا کو فون کیا تو انہوں نے منع کر دیا کہ خدا نخواستہ راستے میں اسے کچھ ہو گیا تو۔۔۔۔۔ منو شمیلہ تمہاری رسوں سے زیادہ اور خوشیوں سے زیادہ میرے لیے مسلمان کی جان اہم ہے۔ ابھی باہر جاؤ اور خاموشی سے ناشتا کرو۔ عاصم سے بھی معافی مانگو، خبردار تم نے آپا سے کوئی بدتمیزی کی۔۔۔۔۔ سنا تم نے۔“ انہوں نے غصے سے بیٹی کو ڈانٹا تو وہ کچھ شرمندہ ہوئی۔

”اچھا وہ تو ٹھیک ہے مگر معافی میں کیوں مانگوں؟“ شمیلہ نے آہستہ سے کہا۔

”میں کہتی ہوں۔۔۔۔۔ باہر جاؤ اور سب کے ساتھ مل بیٹھ کر ناشتا کرو۔“ ریحانہ نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو شمیلہ نے منہ بنا کر موبائل آف کر دیا۔

خدیجہ ڈائمنگ ٹیبل پر بیٹھی بہو، بیٹے کا انتظار کر رہی تھیں۔ ردا نے ٹی پاٹ لاکر ٹیبل پر رکھ کر فہام کمرے سے باہر نکل کر آیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔

”بیٹا۔۔۔۔۔ ناشتا تیار ہے۔ شمیلہ کہاں ہے؟“ خدیجہ نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”فہام بھائی۔۔۔۔۔ دیکھیں، ممما نے آپ لوگوں کے لیے کتنے زبردست ناشتے کا اہتمام کیا ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا ضرورت تھی۔۔۔۔۔ وہی کچھ رہنے دیتیں۔ جو مسلمان بھائی لے کر آتے۔“ فہام نے نظریں چراتے ہوئے بات کو گول کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا میں نے ہی مسلمان کو منع کیا ہے۔“ خدیجہ بولیں۔

”مما اس موقع پر بہنوں کو بھائیوں کا انتظار ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ان لوگوں کے معاملات میں نہ بولیں۔ آپ نے پھر وہی بات کی۔“ فہام سنجیدگی سے بولا۔

”ریحانہ نے بتایا کہ مسلمان کی رات سے بہت طبیعت خراب ہے تو کیسے میں اسے آنے کا کہتی۔ ناشتے سے زیادہ اس کی صحت اہم تھی۔“ خدیجہ گہری سانس

کھین دیتے کھین دلی

کی طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ میں نے ہی آپا کو فون کیا تو انہوں نے منع کر دیا کہ خدا نخواستہ راستے میں اسے کچھ ہو گیا تو۔۔۔۔۔ منو شمیلہ تمہاری رسوں سے زیادہ اور خوشیوں سے زیادہ میرے لیے مسلمان کی جان اہم ہے۔ ابھی باہر جاؤ اور خاموشی سے ناشتا کرو۔ عاصم سے بھی معافی مانگو، خبردار تم نے آپا سے کوئی بدتمیزی کی۔۔۔۔۔ سنا تم نے۔“ انہوں نے غصے سے بیٹی کو ڈانٹا تو وہ کچھ شرمندہ ہوئی۔

”اچھا وہ تو ٹھیک ہے مگر معافی میں کیوں مانگوں؟“ شمیلہ نے آہستہ سے کہا۔

”میں کہتی ہوں۔۔۔۔۔ باہر جاؤ اور سب کے ساتھ مل بیٹھ کر ناشتا کرو۔“ ریحانہ نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو شمیلہ نے منہ بنا کر موبائل آف کر دیا۔

خدیجہ ڈائمنگ ٹیبل پر بیٹھی بہو، بیٹے کا انتظار کر رہی تھیں۔ ردا نے ٹی پاٹ لاکر ٹیبل پر رکھ کر فہام کمرے سے باہر نکل کر آیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔

”بیٹا۔۔۔۔۔ ناشتا تیار ہے۔ شمیلہ کہاں ہے؟“ خدیجہ نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”فہام بھائی۔۔۔۔۔ دیکھیں، ممما نے آپ لوگوں کے لیے کتنے زبردست ناشتے کا اہتمام کیا ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا ضرورت تھی۔۔۔۔۔ وہی کچھ رہنے دیتیں۔ جو مسلمان بھائی لے کر آتے۔“ فہام نے نظریں چراتے ہوئے بات کو گول کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا میں نے ہی مسلمان کو منع کیا ہے۔“ خدیجہ بولیں۔

”مما اس موقع پر بہنوں کو بھائیوں کا انتظار ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ان لوگوں کے معاملات میں نہ بولیں۔ آپ نے پھر وہی بات کی۔“ فہام سنجیدگی سے بولا۔

”ریحانہ نے بتایا کہ مسلمان کی رات سے بہت طبیعت خراب ہے تو کیسے میں اسے آنے کا کہتی۔ ناشتے سے زیادہ اس کی صحت اہم تھی۔“ خدیجہ گہری سانس

کھین دیتے کھین دلی

کی طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ میں نے ہی آپا کو فون کیا تو انہوں نے منع کر دیا کہ خدا نخواستہ راستے میں اسے کچھ ہو گیا تو۔۔۔۔۔ منو شمیلہ تمہاری رسوں سے زیادہ اور خوشیوں سے زیادہ میرے لیے مسلمان کی جان اہم ہے۔ ابھی باہر جاؤ اور خاموشی سے ناشتا کرو۔ عاصم سے بھی معافی مانگو، خبردار تم نے آپا سے کوئی بدتمیزی کی۔۔۔۔۔ سنا تم نے۔“ انہوں نے غصے سے بیٹی کو ڈانٹا تو وہ کچھ شرمندہ ہوئی۔

”اچھا وہ تو ٹھیک ہے مگر معافی میں کیوں مانگوں؟“ شمیلہ نے آہستہ سے کہا۔

”میں کہتی ہوں۔۔۔۔۔ باہر جاؤ اور سب کے ساتھ مل بیٹھ کر ناشتا کرو۔“ ریحانہ نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو شمیلہ نے منہ بنا کر موبائل آف کر دیا۔

خدیجہ ڈائمنگ ٹیبل پر بیٹھی بہو، بیٹے کا انتظار کر رہی تھیں۔ ردا نے ٹی پاٹ لاکر ٹیبل پر رکھ کر فہام کمرے سے باہر نکل کر آیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی تھی۔

”بیٹا۔۔۔۔۔ ناشتا تیار ہے۔ شمیلہ کہاں ہے؟“ خدیجہ نے مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”فہام بھائی۔۔۔۔۔ دیکھیں، ممما نے آپ لوگوں کے لیے کتنے زبردست ناشتے کا اہتمام کیا ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا ضرورت تھی۔۔۔۔۔ وہی کچھ رہنے دیتیں۔ جو مسلمان بھائی لے کر آتے۔“ فہام نے نظریں چراتے ہوئے بات کو گول کرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا میں نے ہی مسلمان کو منع کیا ہے۔“ خدیجہ بولیں۔

”مما اس موقع پر بہنوں کو بھائیوں کا انتظار ہوتا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ ان لوگوں کے معاملات میں نہ بولیں۔ آپ نے پھر وہی بات کی۔“ فہام سنجیدگی سے بولا۔

”ریحانہ نے بتایا کہ مسلمان کی رات سے بہت طبیعت خراب ہے تو کیسے میں اسے آنے کا کہتی۔ ناشتے سے زیادہ اس کی صحت اہم تھی۔“ خدیجہ گہری سانس



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کے ٹیکل کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپڈیٹنگ
- ✧ سیریمون، ناول، سپید وانی
- ✧ عمران میریز، مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈفری نکلس، نکلس کو میس کتے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ایب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ سے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیر متعارف کرا میں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook



ہمیشہ ماں پر بھروسہ کیا آج وہ اس ماں سے سوال کرتے دکھا ہے۔۔۔ خدیجہ نے تم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ ”مما۔۔۔ مجھے اس وقت سمجھ میں ہی نہیں آیا۔“ وہ گھبرا کر ماں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”مسلمان بھائی کے نہ آتے سے حمیلہ رونے لگی تو۔۔۔“ فہام نے صاف گوئی سے کہا۔

”تو۔۔۔ تم ماں سے پوچھنے آگئے۔“ خدیجہ یک دم بات کاٹتے ہوئے پولیس تودہ بہت شرمندہ ہوا۔

”آئی ایم سوری۔۔۔“ فہام نے ان کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا تو انہوں نے گہری سانس لی۔

”بیٹا مرد کی آزمائش شادی کے بعد شروع ہو جاتی ہے۔ ایک طرف اس کے خون کے رشتے ہوتے ہیں تو دوسری طرف دل کے اردو نوں ہی بہت نازک ہوتے ہیں اور اپنا پورا حق لینا چاہتے ہیں لیکن اصل کام ان میں توازن رکھنا ہوتا ہے۔ جس میں بڑے بڑے ناکام ہو جاتے ہیں۔“ انہوں نے اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔

”زندگی ایک دم ہی بدل جائے گی میں نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔“ فہام نے تم آنکھوں سے کہا۔

”شادی کے بعد ہر ایک کی زندگی یونہی بدلتی ہے، تم ابھی سے گھبرا گئے۔“ انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

”مما! میں سب کو خوش دیکھنا اور خوش رکھنا چاہتا ہوں۔“ فہام نے پریشانی سے ماں کو دیکھ کر کہا۔

”تو پھر حمیلہ کی باتیں اس تک اور ہماری باتیں ہم تک رکھو۔ اس کی یا ہماری باتوں پر فوری رد عمل مت کرو۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جاؤ اب جا کر تم اور حمیلہ تیار ہو جاؤ اور ہاں اتنے اہتمام سے ناشتا بنایا گیا ہے تم دونوں سب کے ساتھ مل کر ناشتا کرو۔“ خدیجہ نے اس کی پریشانی چومتے ہوئے کہا تو فہام نے تم آنکھوں سے انہیں دیکھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

لے کر پولیس۔ فہام کچھ کہنے لگا کہ دروازہ کھلا اور حمیلہ ایک سادے سے سوٹ میں ملبوس کمرے سے باہر نکل آئی اور آکر آہستہ آواز میں سلام کر کے خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ روانے بھی پریشان ہو کر کبھی خدیجہ کی طرف دیکھا اور کبھی فہام کی طرف۔ فہام بھی شرمندہ سا کرسی پر بیٹھا تھا اور صرف جائے کا کپ پیا۔ خدیجہ بھی بہت خاموش تھیں اور ان کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

”بیٹا یہ بھی کھاؤ۔“ خدیجہ نے پیار سے حمیلہ سے کہا اور چیزیں آگے کیں مگر حمیلہ نے ان کے ہاتھ سے پکڑ کر رکھ دیں۔

”نہیں، مجھے بھوک نہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بی۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔“ خدیجہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اور وہاں سے چلی گئیں تو فہام پریشانی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔ وہ بہت شرمندہ ہو رہا تھا۔ ماں سے نظریں نہیں ملا سکا تو جلدی سے جائے لی کر وہاں سے چلا گیا۔ رو پریشان ہوتا ہوا سب کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

خدیجہ اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ آہ بھر کر دیواروں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”فہام کا لہجہ آج سے ہی بدلنے لگا ہے۔ میں سوچتی تھی ساری دنیا بدل جائے گی مگر میرا فہام کبھی نہیں بدلے گا۔“ خدیجہ نے آہ بھر کر سوچا۔ دروازہ کھلا اور فہام شرمندہ سا نظریں جھکائے کمرے میں داخل ہوا۔ انہوں نے ایک تک اسے دیکھا اور سر جھکا لیا۔ فہام نے ان کے قریب آکر ان کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگایا اور مسکایا بھرنے لگا۔

”مما آئی ایم سوری۔“ فہام تے روتے ہوئے کہا۔

”کس بات کی سوری؟“ خدیجہ آہ بھر کر پولیس۔

”میں نے آپ سے۔۔۔“ فہام شرمندہ ہو کر بولا۔

”ہاں۔۔۔ مجھے بھی دکھ ہوا ہے۔ جس فہام نے



ٹاؤن

# کہیں دیکھ کر جگہیں دل

قصہ حیات

چوتھا حصہ



محسن رضائی نے اپنی ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے بمبئی کو ٹریس آؤٹ کر لے مگر کسی طرح بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے اپنے خفیہ بریف کیس میں سے بمبئی کا موبائل نکال کر دیکھتا۔

اسے بار بار چھو کر اس کا لمس محسوس کرتا اور اس لمس سے احساس کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتا۔ شہر جانے کیسے اسے بمبئی سے شدید محبت محسوس ہونے لگی تھی۔ صرف ایک ملاقات کے بدلے میں اس نے اپنی



قیمتی جذبہ اس کے نام کر دیا تھا۔ اور وہ ملاقات بھی کتنی ادھوری ملاقات تھی۔۔۔۔۔ بھلا ایسی ملاقات میں کسی سے محبت ہو سکتی ہے؟ تو اس کے دل کی نادانی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر وہ کتنی بے وقوفی کر رہا تھا۔ ایک ہولے سے۔۔۔ اس کی یاد سے محبت کرتا چلا جا رہا تھا۔

طیبہ کا رشتہ اس کے دور کے رشتے داروں میں طے ہو گیا تھا۔ لڑکا سعودی عرب میں مقیم تھا۔ بی اسے پاس تھا اور کسی کنسرکشن کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ خالہ صاحبہ تو بے حد خوش تھیں کہ اچانک اتنا اچھا رشتہ آیا اور تمام معاملات طے بھی ہو گئے۔

☆☆☆

منگنی کی رسم کے بعد طیبہ، محسن کے پاس آ کر بہت روئی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

”تم میرا نصیب نہیں تھیں۔۔۔۔۔ جس کا نصیب تھیں وہ تمہیں مل گیا۔“ محسن نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اور جو مل کر بھی نہ ملے تو۔۔۔۔۔ اسے تم کیا کہو گے؟“ طیبہ نے روتے ہوئے پوچھا تو محسن رضا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔۔۔۔۔؟“ محسن نے چونک کر پوچھا۔

”تمہارا دل مجھے قبول نہیں کرتا۔۔۔۔۔ اور اب میرا دل کسی اور کو قبول نہیں کر رہا۔۔۔۔۔ یہ منگنی میں نے اماں کی بے بسی اور گھر کی غربت دیکھ کر کی ہے۔“ طیبہ نے آہ بھر کر کہا۔

”پلیز۔۔۔۔۔ تم اپنی سوچ کو بدل لو۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔“ محسن ہونٹ چبانے لگا۔

”ورنہ کیا ہوگا۔۔۔۔۔؟“ طیبہ نے سوال کیا۔

”ورنہ۔۔۔۔۔ زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔“

وہ آہستہ آواز میں بولا۔

”زندگی تو پہلے ہی مشکل ہو گئی ہے۔ اب مزید اور کیا ہوگی؟“ طیبہ نے جواب دیا۔

”تم یوں مجھے اذیت میں ڈال رہی ہو۔۔۔۔۔“ محسن نے آہ بھر کر کہا۔

”اور کاش تم میری اذیت کو سمجھ بھی سکتے۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”میں سب سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ مگر مجبور ہوں۔“ وہ بولا۔

”اور میں بے بس ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”تم بے بس نہیں ہو۔“ محسن نے غصے سے کہا۔

”اور۔۔۔۔۔ مجبور تو تم بھی نہیں۔۔۔۔۔“ وہ بھی غصے سے بولی۔

”پلیز۔۔۔۔۔ چلی جاؤ۔۔۔۔۔“ وہ اس کی طرف پشت کرتے ہوئے بولا۔

”جانے کے لیے ہی تو۔۔۔۔۔ آئی ہوں۔۔۔۔۔“ وہ آہ بھر کر بولی۔

”خدا حافظ؟“ محسن نے جلدی سے کہا۔

”میں بھی ہمیشہ کے لیے یہی کہنے آئی ہوں۔ اور طیبہ دوتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

کمرے کی لائٹ آف تھی اور تو قیر ایزی چیئر پر نیم دراز سگریٹ کے گہرے کش لگائے میں مصروف تھا۔ اس کی سوچیں ردا پر ہی اٹکی ہوئی تھیں، وہ تنہائی میں اپنے رب سے مجازی محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔

”یا اللہ! کسی انسان کے دل میں کسی دوسرے انسان کے لیے محبت اور نفرت صرف تو ہی ڈال رہے۔ کیا میں اتنا برا انسان ہوں۔۔۔۔۔ میری محبت اتنی ناقابل قبول کہ تو نے ردا کے دل میں اسے داخل ہی نہیں ہونے دیا۔ اس کا دل میری محبت کو قبول ہی نہیں کر رہا۔“ اسی سوچ میں کم اب وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور پھر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر باہر دیکھنے لگا۔

”چاند کو پانے کی تمنا میں ہم بے تاب تو رہے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم اس کے قابل ہیں۔“

یا نہیں۔ شاید میں بھی ردا کے قابل نہیں۔“ تو قیر نے جھپٹے چاند کی طرف دیکھ کر سوچا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا کہ نجمہ اس کے کمرے کی طرف آئیں۔ اندھیرا دیکھ کر انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ جلائی تو تو قیر بری طرح ہڑبڑا گیا۔ اور جلدی سے اپنے ہاتھ سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔

”کیا تم رورہے تھے؟“ نجمہ نے پریشان ہو کر اس کے قریب آ کر پوچھا۔

”ن۔۔۔۔۔ سن۔۔۔۔۔ نہیں۔“ تو قیر نے گھبرا کر کہا۔

”سچ، سچ بتاؤ کیا بات ہے؟“ نجمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”بس یونہی۔۔۔۔۔ سفس میں کام کا بوجھ ہے۔۔۔۔۔ بس اس کی تھکن ہے۔“ تو قیر نے بات مٹاتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! تم کا ڈاٹ اور ڈپریشن میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں، تمہارا چہرہ دیکھ کر بتا سکتی ہوں کہ اس وقت تمہارے اندر کیا ہے، بولو، کون ہے وہ؟“ نجمہ نے یک دم ہات کاٹتے ہوئے کہا۔

”وہ جو بھی تھی، اب نہیں ہے۔“ تو قیر نے اصل بات کا اقرار کیا۔

”تھیک ہے اگر وہ تمہاری دسترس میں نہیں تو اس کا ذکر کرنا بیکار ہے مگر زندگی اس کی وجہ سے نہ تو ختم ہوگی اور نہ ہی بے سکون۔۔۔۔۔“ نجمہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”مما۔۔۔۔۔ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟“ تو قیر حیرت سے بولا۔

”رشنا کے پیپر کے بعد اس کی سسرال والے اس کے نکاح کی بات کرنے آرہے ہیں۔ ہو سکتا ہے جلد ہی اس کی رخصتی کرنا پڑے۔ تمہارے ڈیدی چاہتے ہیں کہ رشنا کے ساتھ تمہاری شادی بھی کر دی جائے۔“ نجمہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ۔۔۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔“ تو قیر نے بری طرح چونک کر کہا۔

کھنکھناتے دل

”کیوں۔۔۔۔۔ ناممکن ہے۔۔۔۔۔ وہ جو تمہاری زندگی سے نکل چکی ہے کیا اس کے غم میں ساری زندگی گزارو گے؟“ نجمہ غصے سے بولیں۔

”میں ہائر اسٹڈیز کے لیے آسٹریلیا جا رہا ہوں۔“ تو قیر نے گویا انہیں اپنا فیصلہ سنایا۔

”یہ۔۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ نجمہ یک دم حیرت سے چلا تے ہوئے کہنے لگیں۔

”میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے، چند روز تک کال آجائے گی۔“ تو قیر ٹھوس لہجے میں بولا۔

”اور تم نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔“ نجمہ قدرے غصے سے بولیں۔

”آپ کو بتائے بغیر کیسے جاسکتا تھا ممما۔“ تو قیر ان کی غصے کے پیش نظر فوراً بولا۔

”تھیک ہے، جانا چاہتے ہو تو جاؤ مگر شادی کر کے۔“ انہوں نے بھی گویا اپنا فیصلہ سنایا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ممما! مجھے نہیں معلوم کہ میرا بیوچر کیا ہوگا اور مجھے وہاں ایڈجسٹ ہونے میں کتنے سال لگیں گے۔ میں شادی کر کے کسی اور کو خواہ نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ قدرے جھنجھلا کر بولا۔

”تو قیر تم نے مجھے بہت مشکل میں ڈال دیا ہے۔“ ان کے ماتھے پر شکنیں تھیں۔

”مما! جو باتیں اور فیصلے بعد میں اذیت کا باعث بنیں۔۔۔۔۔ ان کی وجہ سے وقتی طور پر مشکل میں پڑ جانا زیادہ بہتر ہے۔“ تو قیر تاسف سے بولا تو نجمہ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔

☆☆☆

خدیجہ کی ٹانگوں میں بہت درد تھا۔ ردا ان کے پاس بیڈ پر لیٹی ان کی ٹانگیں دبائے میں مصروف تھی۔ وہ بالکل خاموش چھت کو گھور رہی تھیں۔ ردا بار بار بار ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”مما! آپ کیوں اتنی خاموش رہنے لگی ہیں۔“



کیا فہام بھائی اور ہمیلہ بھابی کی وجہ سے؟" ردا ماں کی خاموشی سے کافی پریشان رہنے لگی تھی جیسی آج پوچھ بیٹھی۔

"نہیں....." انہوں نے فوراً ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"مما! کیا آپ کو لگتا ہے فہام بھائی بدل جائیں گے؟" ردا نے اُن کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" وہ یک دم چونک کر بولیں۔

"مما! اگر ایسا ہو گیا تو.....؟" ردا نے خدشے کا اظہار کیا تو خدیجہ نے پریشان ہو کر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس کے سر پر پیار کیا اور اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"نہیں بیٹا..... ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی دونوں نے چونک کر اس طرف دیکھا تو ہمیلہ ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوئی۔ جس میں سوپ کا پیالہ رکھا تھا۔

"خالہ جان آپ کی ٹانگوں میں بہت درد ہے، میں نے آپ کے لیے سوپ بنایا ہے۔" ہمیلہ نے مسکرا کر اُن کی سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو دونوں ماں بیٹی اسے دیکھنے لگیں۔

"بیٹا! تم نے کیوں تکلف کیا۔ ابھی تم ہی نوپلی دہن ہو، کام کیوں کرنے لگیں؟" وہ پیار بھرے لہجے میں اس سے بولیں۔

"خالہ جان! یہ کون سا بڑا کام میں نے کروایا..... ردا تم پیچھے ہٹو، میں خالہ جان کی ٹانگیں دباتی ہوں۔" ہمیلہ نے مسکرا کر ردا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں، نہیں بیٹا..... نئی نوپلی دہن سے اب میں ٹانگیں دیوانی اچھی نہیں لگتی۔" انہوں نے گھبرا کر اس کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے، آپ مجھے اپنی بیٹی نہیں

سمجھتیں۔" ہمیلہ نے مسکرا کر اُن کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ارے..... تم تو میری پیاری سی بیٹی بھی ہو اور بیو بھی۔" خدیجہ نے خوش ہو کر اس کی پیشانی چومنے ہوئے کہا تو ردا نے حیرت سے ہمیلہ کی طرف دیکھا اور پھر زبردستی مسکراتے لگی۔ خدیجہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

رشنا واش روم سے منہ دھو کر اپنے چہرے کو ٹاول سے صاف کرتے ہوئے کمرے میں آئی..... اور اپنے آپ کو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اچھی طرح دیکھ کر مسکراتے لگی۔ ابھی لوشن پکڑ کر وہ چہرے پر لگا رہی تھی کہ نجمہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"مما! آپ.....؟" رشنا نے مسکرا کر ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... تمہیں بتانے آئی ہوں کہ آج شام تمہاری سسرال والے آرہے ہیں۔" نجمہ نے مسکرا کر اس کے ہیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور وہ بھی تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس کرنے۔" نجمہ نے اسے آگاہ کیا۔

"کیا میری شادی.....؟ لیکن قرآن نے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔" وہ لوشن لگاتے ہوئے رک کر حیرت سے کہنے لگی۔

"وہ تمہیں سر پرانڈ دینا چاہ رہا ہوگا۔" ممّا مسکرا کر بولیں۔

"تھہریں..... میں ابھی اس سے پوچھتی ہوں..... یہ کیا ڈراما ہے۔" رشنا خفگی کے سے انداز میں بولی۔

"بیٹا! یہ ڈراما نہیں حقیقت ہے۔ تمہارے ڈاکو منشی..... تیار کرنے کے لیے نکاح ضروری ہے۔ اس میں خفگی کی کیا بات ہے۔" نجمہ نے موبائل اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

"مگر..... ممّا! اتنی جلدی، ابھی تو میرا گریجویٹیشن بھی کمپلیٹ نہیں ہوا، رزلٹ کا انتظار ہے اور....." رشنا حیرت سے بولی۔

"وہ بھی ہو جائے گا۔ اور بیٹا سال دو سال بعد بھی شادی تو کرنی ہے نا پھر ابھی کیوں نہیں۔" نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن آپ کو اکیلے چھوڑ کر کیسے جاؤں یا تو پھر آپ تو قیر بھائی کی بھی شادی کر دیں۔" رشنا نے ماں کے ساتھ لپٹ کر کہا۔

"وہ تو آسٹریلیا جانے کی تیاری کر رہا ہے۔" انہوں نے انکشاف کیا۔

"کیا..... آسٹریلیا..... مگر کیوں؟" وہ حیرت سے چونک کر بولی۔

"پڑھنے کے لیے۔" نجمہ نے کہا۔

"اور آپ نے اجازت دے دی۔" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"وہ فیصلہ کر چکا ہے۔" نجمہ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "یہ کیا بات ہوئی ہے، میں ڈیڈی سے بات کرتی ہوں، ہم دونوں چلے گئے تو آپ یہاں اکیلی رہ جائیں گی۔" رشنا خفگی سے بولی۔

"اللہ مالک ہے۔" نجمہ آہ بھر کر بولیں۔

"نہیں..... ممّا! ایسے نہیں چلے گا۔" رشنا تیزی سے بولی۔

"بس آپ انہیں روکیں۔"

"کوشش کر چکی ہوں۔" وہ ہمت ہار کر بولیں۔

"ٹھیک ہے پھر میں ہی کچھ کرتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

حاتم لاؤنج میں بیٹا لیب ٹاپ پر بڑی تھا اور ردا پاس بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ ٹیبل پر پڑا ردا کا موبائل بجتے لگا تو حاتم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

کھس دھب طے کھس دل

"ہیلو..... اوہ..... تم؟" ردا نے مسکرا کر کہا اور وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تو حاتم کو شک سا ہوا۔ ردا بات کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی حاتم بھی کچھ سوچتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے کے دروازے کے باہر جا کھڑا ہوا۔

"اوہ..... ریکی، اتنا بڑا سر پرانڈ..... لگتا ہے تم نے پسے پلان کر رکھا تھا۔" ردا مسکراتے ہوئے بولی۔

"نہیں یار، مجھے تو خود ابھی پتا چلا ہے اور فرار بھی اتنا گھٹا نکلا کہ مجھے کچھ بتایا تک نہیں۔" دوسری طرف سے رشنا تھی۔

"اچھا تو تم کب ہماری جان چھوڑ رہی ہو؟" ردا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بہت جلد....." رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رشنا تمہارے جانے کے بعد میں بہت اکیلی ہو جاؤں گی۔ تمہیں بہت مس کر دوں گی۔" ردا یک دم افسردگی سے بولی تو حاتم نے اس کی بات سن کر گہری سانس لی۔

"اوہ..... اچھا یہ رشنا سے بات کر رہی ہے، میں ردا کے بارے میں کیوں اتنا مشکوک ہو رہا ہوں اور ویسے بھی اب کئی روز سے کوئی ایسا سچ بھی نہیں آیا۔ مجھے اپنی بہن پر مکمل اعتبار کرنا چاہیے۔" حاتم نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا اور وہاں سے چلا گیا۔

"میرے جانے سے ممّا بھی بہت اکیلی ہو جائیں گی کیونکہ تو قیر بھائی بھی آسٹریلیا جا رہے ہیں۔" رشنا افسردگی سے بولی۔

"کیوں.....؟" ردا نے یک دم چونک کر پوچھا۔

"شاید ہارٹ اسٹنڈ کے لیے لیکن ردا آج کل وہ بہت زیادہ اپ سیٹ ہیں۔ ان کے چہرے پر عجیب سی اداسی اور ویرانی چھائی ہوئی ہے۔ نہ کسی سے بات کرتے ہیں بس ہر وقت سوچوں میں گم رہتے ہیں۔ نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے۔" رشنا بھائی



کے لیے واقعی پریشان تھی۔  
”تم نے ان سے کچھ پوچھا نہیں؟“ ردا ایک دم بوکھلا کر بولی۔

”نہیں۔۔۔ انہیں دیکھ کر میں بھی پریشان ہو جاتی ہوں پھر کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔“ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

”پلیز رشنا! حوصلہ کرو اور انہیں سمجھانے کی کوشش کرو۔۔۔۔۔۔ ہلکے میں تو کہتی ہوں، آسٹریلیا جانے سے پہلے ان کی زبردستی کسی سے شادی کرا دو۔“ ردا نے اپنی رائے دی۔

”یارا ہمارے ماموں کی بیٹی جو یہ ان میں بہت انٹریسڈ ہے مگر تو قیر بھائی مانیں جب ناں۔۔۔۔۔۔ نہ جانے کس کجنت سے دل لگا بیٹھے۔ جس نے ان کو نکھاس نہیں ڈالی۔۔۔۔۔۔ مگر یہ اس کے غم میں بری طرح بے تاب ہیں۔ ویس نکالا لے رہے ہیں اور جو ان کی حالت ہے۔ مجھے تو لگتا ہے اپنی جان کو ہی کوئی روگ نہ لگا بیٹھیں۔“ رشنا نے ایک آہ بھر کر تفصیل سے بتایا۔

”اللہ نہ کرے۔۔۔۔۔۔“ ردا کے منہ سے نادانستہ نکلا تو رشنا چونک پڑی۔

”تمہارے منہ سے یہ الفاظ سن کر مجھے تم پر پیار آنے لگا ہے کہ تم میرے بھائی سے میری طرح ہی پیار کرتی ہو۔ محبت کا رشتہ بھی کتنا عجیب ہوتا ہے۔ ایک سے محبت ہوتی ہے تو اس سے وابستہ سب رشتوں سے پیار ہونے لگتا ہے۔ میری وجہ سے تم تو قیر بھائی کو بھی چاہتے لگی ہو۔“ رشنا نے مسکرا کر کہا تو ردا بوکھلا گئی اور بہانہ بنا کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

فہام آفس سے لوٹا اور اپنے کمرے میں تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر نیم دراز چھت کو گھور رہا تھا۔ شمیم ٹرے میں چائے کے کپ اور پانی کا گلاس رکھ کر لائی اور مسکرا کر اس کے قریب ٹیبل پر رکھا۔

”ارے۔۔۔۔۔۔ تم کیوں چائے لائیں زائدہ کہاں

ہے؟“ فہام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
”اب آپ کے سب کام میں کیا کروں گی۔“ شمیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔۔؟“ وہ چونک کر بولا۔  
”بس مجھے آپ کے کام کر کے خوشی جو ہوتی ہے۔“ شمیم نے مسکرا کر محبت سے کہا۔

”آج ممّا کی طبیعت کیسی رہی۔۔۔۔۔۔ میں ان کے روم میں گیا تو وہ سو رہی تھیں۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آج میں سارا دن انہی کے پاس رہی ہوں۔ پہلے سوپ بنا کر دیا پھر ٹانگیں دہانی رہی۔“ شمیم نے مسکرا کر جلدی سے کہا۔

”رہی۔۔۔۔۔۔“ فہام خوش ہو کر بولا۔

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے بھلا؟“ شمیم چونک کر بولی۔

”میں بس یہی چاہتا ہوں کہ تم انہیں خوش رکھو اور ان کی خدمت کرو۔“ فہام نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ کہنے کی بات ہے۔۔۔۔۔۔ وہ میری خالہ بھی ہیں جناب اور مجھے ان سے بہت محبت ہے۔“ شمیم مصنوعی خفگی سے بولی۔

”بس پہلے روز جو بد مزگی ہوئی اس کی وجہ سے سب کے دل پریشان ہو گئے۔“ فہام نے گہری سانس لے کر پانی پیتے ہوئے کہا۔

”آئی ایم سوری۔۔۔۔۔۔ بس مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔۔۔۔۔۔“ شمیم منہ ہٹا کر افسردگی سے کہنے لگی۔

”اچھا ہے تم نے جلد ہی اپنی غلطی کو مان لیا۔“

فہام مسکراتے ہوئے بولا تو شمیم نے چونک کر اسے دیکھا۔ فہام کا موبائل بجنے لگا تو وہ بات کرتے ہوئے کھڑکی کے پاس چلا گیا۔

”غلطی۔۔۔۔۔۔؟“ شمیم نے منہ بناتے ہوئے سوچا۔ ”جس دن میں نے تمہیں پالیا تو پھر بتاؤں گی

کہ کون ٹھیک ہے اور کون غلطی پر۔“ شمیم نے طنزیہ انداز میں فہام کو دیکھ کر سوچا۔

☆☆☆

ردا تیار ہو کر اپنے کمرے سے باہر آئی تو شمیم ڈائج میں صوفے پر بیٹھی دیکھنے میں مصروف تھی۔ خدیجہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

”ممّا آپ کو پتا ہے رشنا کی شادی ہو رہی ہے اور مجھے اس کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا ہے۔“ ردا نے ماں کے قریب آ کر جلدی سے کہا۔

”ہاں تو چلی جاؤ بلکہ یوں کرتی ہوں، میں بھی چلتی ہوں۔ اس کی ممّا کو مبارک دے آئی ہوں۔۔۔۔۔۔“ آج طبیعت کچھ ٹھیک لگ رہی ہے۔“ خدیجہ نے کہا

”جی فہام فیکٹری جانے کے لیے تیار ہو کر کمرے سے نکلا تھا۔

”ارے واہ۔۔۔۔۔۔ آج تو میری سوئٹ ڈول بہت کیوٹ لگ رہی ہے۔“ فہام نے مسکرا کر ردا کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو شمیم نے دونوں کو اس طرح دیکھ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”فہام بھائی۔۔۔۔۔۔ رشنا کی شادی ہو رہی ہے۔ میں اس کی طرف جارہی ہوں۔ آج ہم دونوں کا شاپنگ کا ارادہ ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”رشنا کی شادی ہو رہی ہے، تم نے بتایا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔ چلو اس کی چوائس کے اچھے، اچھے کفٹنس لے لیتا۔ وہ ہمیں تمہاری طرح ہی عزیز ہے۔“ فہام نے مسکرا کر کہا اور اپنی جیب سے والٹ نکالا اور اس میں سے ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر ردا کو دینے لگا۔

”یہ رکھو اور اگر کم ہوں گے تو مجھے بتا دینا۔۔۔۔۔۔“

فہام نے مسکراتے ہوئے کہا تو شمیم نے گھور کر دونوں کو دیکھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔۔ نہیں، فہام بھائی میرے پاس پیسے ہیں۔“ ردا مسکراتے ہوئے بولی۔

کھنکھناتے ہوئے دل

”وہ تو ہیں لیکن یہ میری طرف سے۔۔۔۔۔۔ رکھو شاپنگ۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو ردا نے مسکراتے ہوئے انہیں اپنے بیگ میں رکھ لیا۔

”آؤ میں، تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ فہام نے جاتے ہوئے کہا۔

”نہیں، نہیں میں ممّا کے ساتھ جا رہی ہوں۔“ ردا جلدی سے بولی۔

”تو شمیم کو بھی ساتھ لے جاؤ۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے شمیم کی طرف دیکھ کر کہا تو شمیم نے پھر دونوں کو خفگی سے دیکھا۔

”ہاں، ہاں۔۔۔۔۔۔ شمیم آئی آپ بھی چلیں۔ بہت مزہ آئے گا۔“ ردا نے مسکرا کر شمیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں، تم اور خالہ جان جاؤ۔ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، سر میں درد ہے، میں پھر کبھی چلی جاؤں گی۔“ شمیم نے اس کے قریب آ کر زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟“ فہام نے پریشانی سے پوچھا۔

”سر میں درد ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا ابھی ٹیبلٹ لے کر ریسٹ کرتی ہوں۔“ شمیم نے منہ بنا کر کہا۔

”اوکے، اپنا خیال رکھنا اور اگر کوئی پراہم ہو تو فون کر دینا۔۔۔۔۔۔ اچھا بھئی خدا حافظ۔“ فہام نے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

خدیجہ، نجمہ کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ٹیبل پر چائے کے ساتھ بہت سے لوازمات رکھے تھے اور نجمہ بہت محبت سے چائیں اٹھا اٹھا کر ان کے آگے کر رہی تھیں مگر خدیجہ مسکرا مسکرا کر انکار کیے جا رہی تھیں۔

”میں کئی روز سے آپ کی طرف آنا چاہ رہی



یگانہ اول آپ تیروں یک تیروں کے مال محمود



جنوری 2013ء  
کی جگہاں

سب سے اچھے دوست

ایک حیرت انگیز اظہار کے حامل قبیلہ کا تذکرہ

اور آواز

عشق میں ڈوبے پہلو ان کی دلچسپ سرگزشت

سچی

امریکا میں آئے طوفان کی حقیقت کا پر لطف جائزہ

میں اچھے اچھے ہوں

عبرت بھری کج بیانی کہ اسے اپنوں نے ہی زخم دیا

دل کا درد

نکلی الف لیلہ، سراپ اور دنیا بھر

سے سچے واقعات دلچسپ روادیں

ہر شمارہ خاص شمارہ جسے آپ محفوظ رکھنا ضروری سمجھیں گے

آج ہی نزدیکی ایک اسٹال پر اپنا شمارہ مختص کرالیں

خاص شمارہ..... ہر شمارہ خاص شمارہ..... ہر شمارہ خاص شمارہ

ہوں۔ رشنا میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ سر میں درد ہونے لگا ہے۔ پتا نہیں ایک دم سے کیا ہونے لگا ہے۔" ردا نے کچھ پریشانی کے عالم میں اٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن ردا....." رشنا نے شدید حیرت سے کہا۔

"آئی ایم سوری..... پلیز۔" ردا نے معذرت کی۔

"اوکے....." رشنا نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلیں ماما....." ردا نے کہا اور خدیجہ کے ساتھ وہاں سے چلی آئی۔

☆☆☆

محسن کی رگ دپے میں ایک درد سا ٹھہر گیا تھا۔

طیبہ کی بے بسی، اس کی ناکام محبت کا قلع، اس کی برستی آنکھیں، اس کا ٹوٹا دل، اس کے کرجی کرجی ہوتے جذبات نے اس کے دل میں درد کی ایسی لہریں پیدا کر دی تھیں کہ وہ خود بھی بے بس ہو کر مایہ

بے آب کی طرح تڑپنے لگا..... طیبہ کی محبت نے اس کے دل کو اس درد سے آشنا کر دیا تھا۔ یہ محبت کتنا

گولائی ہے، کتنا دکھ دیتی ہے، کیسے کیسے تڑپاتی ہے، دل کو چھٹنی اور روح کو کچھ کے لگاتی ہے۔

"بیمنی کاش، تم مجھے نہ ملی ہو تیں..... اگر ملی تھیں تو یوں تم نہ ہوئی ہو تیں۔ میں تمہیں کہاں تلاش

کردوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب تم مجھے ملو تو مجھے پہچاننے سے انکار کر دو۔" کہیں تم بھی مجھے یونہی انکار

نہ کر دو جیسے آج میں نے طیبہ کو کیا ہے۔" اس کے دل میں دسو سے پیدا ہونے لگے۔

"ایسا نہیں ہوگا۔ میری محبت اتنی کمزور نہیں ہو سکتی۔" اس نے اپنے دل کو تسلی دی۔

"اگر وہ اس وقت ملے جب وہ کسی اور کی ہو چکی ہو تو پھر..... تم کیا کر دے گے؟" اس کے دل نے سوال کیا۔

"نہیں..... ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" وہ مضطرب

"وہ آسٹریلیا جا رہا ہے۔" نجمہ نے انہیں بتایا۔

"ارے..... تو آپ اسے شادی کر کے بھیج دیں،

وہاں جا کر اگر کسی عیم سے شادی کرنی تو پھر ساری زندگی اس کی شکل کو ہی ترسیں گی۔ میں تو کہتی ہوں اگر کوئی لڑکی

نظر میں ہے تو فوراً اس کی بھی شادی کرویں۔" خدیجہ نے انہیں اپنی طرف سے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"ارے..... میری تو لڑائی جیتی گھر میں موجود ہے مگر تو قیر شادی کے لیے ہی نہیں مان رہا، کہتا ہے

وہاں جا کر کیا حالات ہوں، وہ کیوں اسے بھی پریشان کرے۔" نجمہ نے ان کی بات پر بتایا۔

"ہاں، کہتا تو وہ ٹھیک ہے..... بچہ تو آپ کا کافی سمجھدار ہے۔" نجمہ نے کہا۔

"ہاں..... نہ جانے کس منحوس کی اس کو نظر لگ گئی ہے کہ وہ تو شادی کے لیے مان ہی نہیں رہا۔" نجمہ

آہ بھر کر بولیں تو ردا نے ایک دم چونک کر انہیں دیکھا۔

"اوہ..... تو یہ بات ہے۔" خدیجہ آہ بھر کر بولیں۔

"معنوم نہیں..... اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن جس نے بھی اس کے ساتھ برا کیا ہے میں اسے بددعا

دیتی ہوں کہ وہ بھی کبھی سکون سے نہ رہے۔" نجمہ کے یہ کہنے پر ردا ایک دم بوکھلا گئی اس کے چہرے پر

ایک دم پریشانی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

"آئی ایم سوری ردا تمہیں انتظار کرنا پڑا۔" رشنا تیار ہو کر آئی اور اس نے ردا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" ردا نے زبردستی مسکرا کر کہا۔

"اوہ..... آج تو آئی بھی آئی ہوئی ہیں۔" رشنا نے خدیجہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ

دونوں گئے ملے لگیں۔

"ہمیشہ خوش رہو۔ تمہاری مبارک دینے آئی ہوں۔ اچھا اب تم لوگ جاؤ، مجھے جانا ہوگا تو ذرا نیو

کو بلا لوں گی۔" خدیجہ بیٹی کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"نہیں ماما..... میں آپ کے ساتھ ہی چلتی

تھی کہ آپ اور رشنا کا شکریہ ادا کر کے آؤں۔ رشنا نے قہام کی شادی میں ردا کے ساتھ بہت کام کیا۔" انہوں نے نجمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ارے شکریہ کی کوئی بات نہیں..... دونوں بہنوں کی طرح ہیں۔" نجمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب ماشاء اللہ رشنا کی بھی شادی ہو رہی ہے۔ بہت مبارک ہو آپ کو۔" خدیجہ نے دل سے مبارک باد دی۔

"جی..... بہت شکریہ۔ بس جلدی میں رکھنا پڑی۔" نجمہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"آئی، رشنا کہا ہے؟ آج ہمارا شاپنگ کا پروگرام ہے۔" ردا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"واش روم میں ہے..... بس تیار ہو کر ابھی آتی ہے۔ وہ بھی ناراض ہو رہی تھی کہ میں اس کی اتنی جلدی شادی کیوں کر رہی ہوں لیکن ڈاکو میٹس کا

مسئلہ ہے، فراز بس ایک دیک کے لیے پاکستان آ رہا ہے۔" نجمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر تو واقعی آپ کو بہت جلدی میں تیاری کرنا پڑ رہی ہے۔" خدیجہ نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"ہاں، بس کر رہی ہوں۔ اللہ اس کا نصیب اچھا کرے..... اتنی دور چلی جائے گی میری بیٹی..... یہ سوچ کر دھکی ہو جاتی ہوں۔" نجمہ نے ایک دم

شعری آہ بھر کر کہا۔

"رشنا! شادی کے بعد انشاء اللہ کینیڈا چلی جائے گی پھر تو آپ بہت تنہا ہو جائیں گی۔" خدیجہ نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"ہاں، سوچا تھا کہ رشنا کے ساتھ تو قیر کی شادی کروں گی کہ رشنا کی کمی محسوس نہیں ہوگی مگر اب

تو قیر ہے کہ شادی کے لیے مان ہی نہیں رہا۔" نجمہ نے مایوسی سے کہا۔

"کیوں.....؟" خدیجہ ایک دم چونک کر پوچھنے لگیں۔



ہو کر اٹھا۔  
 ”ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ اس نے تم سے کوئی وعدہ تو نہیں کیا۔“ دل نے پھر سوال کیا۔  
 ”اے خدا! ایسا کچھ نہ کرنا۔۔۔۔۔ ورنہ میں مر جاؤں گا۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ادھر طیبہ اس کے چھن جانے پر رو رہی تھی۔ اور وہ کس لیے رو رہا تھا اس کے نہ ملنے پر۔۔۔۔۔ نہ چھتے پر۔۔۔۔۔ وہ تو شاید محبت کی متوقع ناکامی پر رو رہا تھا اس کے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر اس کے دل کی کسک میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔

☆☆☆

طیبہ شادی کے بعد سعودی عرب چلی گئی تھی۔ منقن کے بعد وہ بھی حسن رضا کے گھر نہیں آئی۔ حسن رضا نے ایم بی اے میں ٹاپ کیا تھا اور اس نے ہائر اسٹڈیز کے لیے انگلینڈ کا ویزا پلائی کیا ہوا تھا۔ اسے اسکا لرشپ پر باہر بھیجا جا رہا تھا اور اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ سمیرا نے بھی میٹرک کر لیا تھا اور اب وہ کانج جاتی تھی۔ حسن اور احسن نویں، دسویں میں تھے۔ حسن جہاں خوش تھا وہاں ہر وقت اسے یہی فکر کھائے جاتی تھی کہ بچوں کے پاس کس کو چھوڑے۔ دن رات اسی ٹینشن میں گزر رہے تھے۔ ابھی وہ سب کو ہاسٹل میں داخل کرانے کا سوچتا۔۔۔۔۔ تو کبھی باہر جا کر پڑھنے کا ارادہ ترک کر دیتا۔ مگر ایسا شہری مونیج روز روز نہیں ملتا۔ وہ اس بات سے بھی بخوبی واقف تھا کہ جب وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لوٹے گا تو اچھی نوکریوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور اس کے بہن بھائی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں گے مگر مسئلہ بچوں کی سرپرستی کا تھا۔ خالہ صابرہ ان کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھیں مگر کسی غیر کے سہارے وہ انہیں چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ کوئی سنبھل نظر نہیں آرہی تھی وہ رات رات بھر جاگتا رہتا۔۔۔۔۔ اور اسی سوچ میں گم رہتا۔

چھٹی کے دن وہ صبح سویرے فجر کی نماز کے لیے اٹھا تو اس کا موبائل بجتے لگا۔ اس نے حیرت سے موبائل دیکھا۔  
 ”اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ اس نے حیرت سے سوچا اور بات کرنے لگا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔“ وہ بے ساختہ بولا اور موبائل آف کر کے پریشانی سے سمیرا، حسن اور احسن کو اٹھایا۔  
 ”پچھو حلیمہ کے شو ہر فوٹ ہو گئے ہیں۔ جلدی اٹھو۔۔۔۔۔ ہم سب کو حیدر آباد جانا ہے۔“ حسن نے بہن بھائیوں کو جگایا تو وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور جلدی جلدی تیار ہونے لگے۔

کفن، دفن کے بعد حسن پچھو حلیمہ کے پاس بیٹھ کر تعزیت کرنے لگا۔ پچھو حلیمہ شوہر کی خدمت کر کے کافی کمزور اور یوڑھی ہو چکی تھیں۔ وہ ایک عرصے سے بیمار تھے۔

”پچھو آپ میرے ساتھ کراچی چلیں۔۔۔۔۔ اب یہاں کس کے سہارے بیٹھی رہیں گی۔“ حسن نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

”مگر عدت تو مجھے نہیں کرنا ہوگی۔“ پچھو حلیمہ جانے پر رضامند ہو گئیں مگر عدت کا مسئلہ تھا۔

”پچھو! مجبوری ہے، میں انگلینڈ پڑھنے جا رہا ہوں۔ گھر میں سمیرا، حسن اور احسن اکیلے ہیں۔ آپ ان کے پاس رہیں گی تو میں مطمئن ہو کر جاسکوں گا۔ آپ کراچی چل کر عدت پوری کر لیں۔ اس میں کوئی اعتراض والی بات نہیں۔“ حلیمہ سوچ میں پڑ گئیں۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ جیسا تم کہتے ہو۔۔۔۔۔ اب ایک تم ہی تو میرا آسرا ہو۔۔۔۔۔ سسرال میں کوئی ہے اور نہ میکے میں جو میرا سہارا بنے۔“ وہ روتے ہوئے بولیں۔

”آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔ میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی ماں سمجھا ہے۔ ہم چاروں آپ کے بچوں کی طرح ہیں، بس آپ چلنے کی تیاری کریں۔ اگر پچھو پازندہ ہوتے تو شاید میں بھی آپ کو ساتھ

چلنے کو نہ کہتا۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ اب نہ تو میں آپ کو اکیلا چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہم آپ کے بغیر رہ سکتے ہیں۔“ حسن نے انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ روئے لگیں اور اسے دعائیں دینے لگیں۔

پچھو حلیمہ کے گھر میں آنے سے اس کی بہت بڑی ٹینشن ختم ہو گئی تھی۔ اسے قدرت کی منصوبہ بندی پر رشک آنے لگا۔ وہ انسان کی سوچوں سے بالا فیصلے کرتا ہے۔

پچھو حلیمہ کے گھر میں آنے سے گھر کے کسی حد تک مکمل ہونے کا احساس نمایاں ہو گیا تھا۔ انہوں نے سمیرا کی ساری ذمے داریاں خود اٹھالی تھیں۔ محسن ان کی صحت کا خاص خیال رکھتا، ان کا میڈیکل چیک اپ بھی کروایا۔ اس نے پس انداز کی ہوئی رقم میں سے کچھ پچھو کو اخراجات کے لیے دی اور کچھ اپنے لیے رکھی۔

زندگی کیسے رخ بدلتی ہے، انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے، اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی قسمت کا ستارہ اسے کہاں سے کہاں لے جائے گا۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی انگلینڈ جانے کا نہیں سوچا تھا اور قدرت اسے کہاں پہنچانے والی تھی اور خود بخود اس کے راستے کی الجھنیں اور رکاوٹیں دور ہو رہی تھیں۔ وہ جہاز میں بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا اور حیرانی سے زمین و آسمان کے درمیان پرواز کرتے جہاز کی کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یسعی بہت یاد آ رہی تھی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اچانک وہ اس کے ساتھ نہیں سے آکر بیٹھ گئی تھی اور اس کے ساتھ سرگوشیاں کر رہی تھی۔ وہ اسپتال میں یسعی سے ملاقات اور باتوں کا ایک، ایک لمحہ یاد کر رہا تھا۔ اس کا مسکراتا، اسے تسلی دینا، اس کے لیے بھاگ دوڑ کرنا، اس کے بہن بھائیوں کو تسلی دینا، اسپتال کے ڈیوڑینا اور اس کی ہمت افزا باتیں۔

کھیں دیکھ۔۔۔۔۔ چلے کھیں دل

”پلیز۔۔۔۔۔ بی۔۔۔۔۔ اسٹرونگ اینڈ بریو۔ آپ اپنے بہن بھائیوں کے لیے جتنی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس ریکی امیڑنگ۔۔۔۔۔ آپ ہمت نہ ہاریں، جو دوسروں کے لیے زندہ رہتے ہیں اور ان کے لیے کوشش کرتے ہیں ان کو ہمیشہ اسٹرونگ ہونا چاہیے۔“ وہ اس کی باتوں کو بار بار دہراتا رہا۔ اس کی باتوں سے حوصلہ پاتا رہا۔ اپنی تم آنکھوں سے اس کو تازہ کرتا رہا۔

”کاش! تمہیں کبھی معلوم ہو سکے کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں، تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور تمہیں کتنا یاد کرتا ہوں۔۔۔۔۔ کاش میں کسی طرح تمہیں بتا سکتا۔۔۔۔۔“ وہ آہ بھر کر سوچنے لگا۔

وہ محبت کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ جو یک طرفہ ہوتی ہے۔ جس میں دوسرے کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ کوئی اس کے لیے کیسے جذبات رکھتا ہے۔ اسے کتنا چاہتا ہے اور وہ اپنی جلائی ہوئی آگ میں لمحہ بہ لمحہ خود ہی سلگتا رہتا ہے۔ خود ہی تڑپتا رہتا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔

”معلوم نہیں۔۔۔۔۔ ہم تم۔۔۔۔۔ بھی مل پائیں گے بھی یا۔۔۔۔۔ نہیں اگر پروردگار ملانے پر آئے تو کائنات کی کوئی قوت تمہیں مجھ سے ملنے پر روک نہیں سکتی۔ اے میرے رب میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتا۔۔۔۔۔ سوائے اپنی محبت کے۔۔۔۔۔ اپنی چاہت کے۔۔۔۔۔ میری محبت کو مجھ سے ملا دے۔“ اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر اس کی دعا کی سنجیدگی اور خلوص پر مہر ثبت کرنے لگے۔

☆☆☆

یعنی صحت یاب ہو کر اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہو گئی تھی اور جمال صاحب کے لیے یہ بات انتہائی خوشی کی تھی۔ اس کی صحت یابی کے سلسلے میں انہوں نے غریبوں میں کھانا تقسیم کیا۔ خیرات کی، دوست احباب کو پارٹی دی لیکن یسعی کے لیے بیماری



کا یہ عرصہ ایک خاص مقصد لیے ہوئے تھا۔ اس عرصے میں اس نے جتنا قدرت کے بارے میں سوچا تھا اتنا ہی انسان کی بے بسی اور محتاجی پر غور و خوض کیا تھا۔ اس کی سوچ کافی حد تک بدل چکی تھی۔ اس کے رویے میں بھی تبدیلی آگئی تھی۔ اس کے اندر کا ضدی پن، کھنڈرا پن اور سرکشی کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی خاص سفر سے واپس آئی ہو اور اس سفر کی ٹھن راہوں نے اس کی خاص تربیت کی ہو، اس کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں وہ ڈیڈی اور مہما کے ہزار بار سمجھانے کے باوجود بھی رونما نہیں ہو سکی تھیں۔ اب ایمن کو بھی اس سے کوئی شکایت نہیں رہی تھی۔ وہ بغیر کسی بحث و تکرار کے ایمن کی ہر بات مان لیتی۔ ایمن بھی اکثر اس کے رویے پر حیران ہوتی مگر اسے کسی بھی بات کا احساس نہ دلاتی۔

جمال نے یعنی کونسنے کالج کا ورثہ کر لیا تھا اور یعنی کالج پسند آیا تھا۔ اس نے وہاں خوشی، خوشی داخلہ لے لیا تھا۔ کلاس شروع ہونے میں کچھ روز باقی تھے اور اس کا دل ایک بار پھر گاؤں جانے کو چاہنے لگا تھا مگر جمال احمد اور ایمن نے اسے جانے نہ دیا کیونکہ پچھلی بار اسے وہاں بھیجنے سے جو کچھ ہوا تھا اس سے وہ ڈر گئے تھے۔

یعنی فارغ تھی اور ان دنوں اسے کتابیں پڑھنے کا جنون ہو گیا تھا۔ جمال احمد بھی کتابیں پڑھنے کے بہت شوقین تھے اور ان کی اسٹڈی میں ہر طرح کی اور ہر موضوع پر تحقیق شدہ کتب موجود تھیں۔ یعنی کا زیادہ تر وقت جمال کے اسٹڈی روم میں گزرتا۔ تمام ویلکی میگزینز بھی وہیں رکھے ہوتے تھے۔ وہ ایک روز یونہی میگزینز کو کھول کر دیکھنے لگی تھی دو ماہ قبل کے ایک میگزین کا سرورق دیکھ کر چونک گئی۔ اس کے ایک کونے میں ایک جانی پہچانی شخصیت کی تصویر چھپی تھی اور اس کا انٹرویو اندر کے صفحات میں

تھا۔ اس نے جلدی سے میگزین کھولا اور اس شخص کی مختلف تصویروں کے پوز دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ محسن رضا تھا۔ ایمن میں ناپ کرنے پر اس کا انٹرویو شائع ہوا تھا۔ یعنی کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ اس کا کوئی انتہائی قریبی دوست ہو۔ جس کی خوشی اس سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ اس نے جلدی سے انٹرویو پڑھا۔ ایک جگہ محسن نے اس کے کہے ہوئے الفاظ quote کیے تھے۔

”بی بریو اینڈ اسٹریٹنگ..... جو دوسروں کے لیے کوشش کرتے ہیں انہیں بہت اسٹریٹنگ ہونا چاہیے۔“ محسن نے اس کا بلا واسطہ انداز میں ایک مخلص دوست کے حوالے سے ذکر کیا تھا..... اور محسن نے التجا کی تھی کہ اگر اس کا کھویا ہوا دوست اس کا یہ انٹرویو پڑھے تو اس سے ضرور رابطہ کرے۔ یعنی اسے تقریباً بھول چکی تھی۔ اس نے اپنے ایک پرانے موبائل میں اس کا نمبر شاید save کیا تھا۔ اس نے موبائل دیکھا مگر شاید وہ خود ہی اسے delete کر چکی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی اور پھر میگزین کے آفس فون کر کے بہت مشکل سے محسن رضا کا نمبر لے لیا مگر بار بار فون کرنے پر اس کا موبائل آف ملتا۔

”اس کا موبائل کیوں آف ہے..... کہیں پھر تو کسی نے چھین نہیں لیا..... وہ اپنا موبائل کیسے آف کر سکتا ہے۔“ بھینا کوئی پرالیم ہوئی ہوگی۔ وہ ہزار باتیں سوچتی مگر اس کا دل بے چین ہونے لگا۔ محسن رضا سے بات کرنے کو ترپنے لگا۔ وہ سارا وقت اس کا نمبر ٹرائی کرتی رہتی مگر وہ نہ ملا۔ اس نے بڑی دقتوں سے انٹرویو کرنے والے صحافی کے ذریعے پتا کرایا تو معلوم ہوا کہ محسن رضا بڑھنے کے لیے انگلینڈ جا چکا ہے۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اسے خوشی بھی تھی محسن کو اس کی محنت کا صلہ..... مل رہا تھا مگر یہ افسوس تھا کہ وہ اسے اس کی کامیابی پر مبارکباد نہیں دے سکی تھی۔ اس کے بعد اس نے رفتہ رفتہ اس کا

خیال ذہن سے نکال دیا۔

یعنی اپنی پرانی فریڈز کے ساتھ آؤٹنگ پر نکلی تھی۔ ٹائٹا اور فضلہ اس کی اسکول فیلو تھیں۔ تینوں انتہائی خوب صورت اور ماڈ اسکاڈ لڑکیاں تھیں۔ ان سب میں یعنی سب سے زیادہ معمولی شکل، صورت اور اپنی سیاہ رنگت کی وجہ سے بد صورت دکھائی دیتی تھی مگر چاروں میں بہت اندر اسٹینڈنگ تھی۔ یعنی کئی ماہ گھر میں قید رہی تھی اور کہیں باہر نہیں نکل سکی تھی۔ گھر میں اس کی محنت یا پانی کی خوشی میں دی جانے والی پارٹی میں انہیں انوائٹ نہیں کر پائی تھی اب سب نے مل کر آؤٹنگ کا پروگرام..... بنالیا۔ ان کا پروگرام سارا دن گھومنے اور لچ وڈز بھی باہر کرنے کا تھا۔ یعنی ڈرائیونگ کر رہی تھی اور تینوں اس کے ساتھ بیٹھی خوب انجوائے کر رہی تھیں۔

”یار بہت بھوک لگی ہے..... پہلے کچ کر رہے ہیں۔“ ایتنا نہ کہا۔

”رائٹ..... میم۔“ یعنی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور چاروں ایک ریسٹورنٹ میں لچ کرنے چلی گئیں۔

کچ کے دوران ہی چار پارچ لڑکوں کا ایک ٹولا ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔ سب لڑکے شکل صورت اور وضع قطع سے امیر گھرانوں کے لگ رہے تھے، پانچوں ان سے اگلی ٹیبل پر بیٹھ گئے مگر ان کی نظریں یعنی اور اس کی دوستوں پر تھیں۔ وہ بگڑے ہوئے بد تہذیب رئیس زادے لگ رہے تھے اور انتہائی فضول قسم کی گفتگو کر رہے تھے۔

”یار..... ریسٹورنٹ کا ماحول کتنا خوب صورت اور رومینٹک ہے مگر ایک چنگاڈڑ نے اس کی ساری بیوی کو خراب کر دیا ہے۔ کم آن پار یہاں سے چلو.....“ ایک لڑکے نے قدرے اونچی آواز میں یعنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یعنی ٹوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے رکی اور اس نے اس لڑکے کی طرف

کھسک کر صدمہ کھسک دل

دیکھا۔ ٹائٹا اور فضلہ بھی اس کی بے ہودہ گفتگو سن کر حیران رہ گئیں۔

”اگر..... تم کہتے ہو تو چنگاڈڑ کو مار پھگاتے ہیں مگر اب ہم یہاں سے نکلیں جائیں گے۔“ دوسرے لڑکے نے جواب دیا۔

”اور اگر چنگاڈڑ نے تمہارے سینے کے ساتھ چمٹ کر تمہارا خون چوس لیا تو تم وہیں مر جاؤ گے۔“ پہلے لڑکے نے ہتے ہوئے کہا۔ یعنی کو انتہائی غصہ آیا اور کھانا وہیں چھوڑ کر وہ لڑکوں کی طرف گئی اور پہلے لڑکے کو ترائی سے زوردار پھنر لگایا۔ لڑکے بھونچکے رہ گئے۔ اس لڑکے نے بھی اس کو مارنے کی کوشش کی مگر یعنی نے ایک اور پھنر اسے لگایا۔

”اگر موسائی میں موو کرنے کے میگزین نہیں آتے تو گھر سے باہر مت نکلا کرو..... اور چنگاڈڑ تم کس کو کہہ رہے تھے؟“ یعنی نے اسے کالر سے پکڑ کر غصے سے پوچھا۔

”آپ کو تو نہیں.....“ وہ لڑکا اس کے تیور دیکھ کر ہکلائے لگا۔

”بس..... نکل گئی..... تمہاری ہوا..... دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ ابھی پولیس کو بلواتی ہوں۔“ یعنی نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

”میڈم..... پلیز چھوڑ دوں..... ریسٹورنٹ کا ماحول ڈسٹررب ہو رہا ہے۔ آئی ریکیوسٹ یو۔“ ہوٹل کے منیجر نے آکر اس درخواست کی۔

”اور آپ بھی ایسے بے ہودہ لوگوں کی لوز ٹاک خاموشی سے سنتے رہتے ہیں کوئی ایکشن نہیں لیتے۔“ یعنی نے منیجر کو ڈانٹا۔

”سوری..... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ منیجر نے کہا۔

”چلو..... اب ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے۔“ یعنی نے دوستوں سے کہا اور سب باہر نکل گئیں۔

”بس آج اتنا ہی کافی ہے۔ میرا موڈ خراب ہو گیا ہے پھر کبھی باہر چلیں گے۔ میں تم لوگوں کو



ڈراپ کر دیتی ہوں۔“ یعنی نے کہا تو سب خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

گھر آ کر وہ بہت مضطرب رہی اور سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہی۔ اسے بار بار ان لڑکوں کے کہے ہوئے جملے یاد آتے تو اس کی آنکھیں نم ہونے لگتیں۔

”یا اللہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا ہے۔ میں جہاں بھی جاتی ہوں لوگ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔“ وہ سسکنے لگی اور خدا سے ڈھیروں شکوے کرتی سوئی۔ اس نے خواب میں اپنے آپ کو گاؤں کی حویلی میں اماں بشیراں کے پاس دیکھا جو اس کے ماتھے کو محبت سے چوم رہی تھیں۔

”بیٹا..... رو کیوں رہی ہو؟ ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔“ اماں بشیراں کی بات پر وہ مسکرا دی اور اچانک اماں بشیراں کو دل کا دورہ پڑا اور وہ وہیں تڑپنے لگیں اور مر گئیں۔ یعنی یک دم گھبرا کر اٹھ گئی۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی فجر کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اذانیں شروع ہو گئی تھیں لاؤنج میں رکھے فون کی بیل بجنے لگی۔ بیلز مسلسل ہو رہی تھیں یعنی اٹھ کر لاؤنج میں گئی اور ریسیور کان سے لگایا۔

”ہیلو.....“ یعنی بہ مشکل بولی۔

”ہیلو..... یعنی بیٹا! جمال احمد کو اور امین کو بتا دو کہ اماں بشیراں فوت ہو گئی ہے۔ ظہر کے بعد جنازہ ہے۔ جلد گاؤں پہنچ جائیں اور تم بھی ضرور آنا۔ بشیراں مرتے ہوئے تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔ کہنے لگی۔ بیٹا کو کہنا..... رونا مت۔ ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔“ ماں جی نے کہہ کر فون بند کر دیا اور یعنی کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”یہ..... یہ سب کیا ہے؟“ مجھے کیا بتایا جا رہا ہے..... مجھ سے کون کون محبت کرتا ہے۔“ وہ سوچنے لگی اس نے ماں، باپ کو خبر سنائی مگر نہ خواب بتایا اور

نہ ہی اماں بشیراں کی خواہش..... وہ تو اپنے آپ میں کہیں گم ہو کر بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ زندگی کا ایک باب ختم ہونے پر اس کے اندر سوچ کا ایک نیا در کھلا تھا اور محبت کا ایک تیار نگ اس پر آشکار ہوا تھا۔

☆☆☆

رو اپنے کمرے میں پریشان کھڑکی کی طرف منہ کر کے کھڑی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ نم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

”یا خدا یا..... مجھے کس بات کی اتنی سزا مل رہی ہے۔ اگر میرا دل اس کی طرف مائل نہیں ہو رہا تو میں کیا کروں؟“ رونا نے سسکی بھر کر سوچتے ہوئے کہا۔

”خدا کرے وہ بھی بھی سکون سے نہ رہے۔“

نجمہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ ہونٹ بھیج کر سسکنے لگی اور کچھ سوچتے ہوئے تو قیر کا نمبر ملایا۔ پھر کال ڈراپ کر دی۔

”کیا کروں.....؟“ مجھے اس سے بات کرنی چاہیے یا نہیں۔“ رونا نے پریشانی سے سوچا اور پھر تو قیر کا نمبر ملایا۔

”روا..... آپ.....؟“ تو قیر نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔ مجھے آپ کی وجہ سے نہ جانے کیا کچھ سننے کو مل رہا ہے۔“ رونا نے سسکی بھر کر ایک دم شکایتی لہجے میں کہا۔

”لیکن..... میں نے تو آپ کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔“ تو قیر چونک کر بولا۔

”مگر سب یہ تو جانتے ہیں کہ آپ کس وجہ سے شادی نہیں کر رہے۔“ رونا نے نم آنکھوں سے آہ بھر کر کہا۔

”اب آپ کیا چاہتی ہیں؟“ تو قیر نے گہری سانس لے کر کہا۔

”آپ جویریہ سے شادی کر لیں۔“ رونا گہری سانس لے کر بولی۔

”یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ.....؟“ تو قیر نے

کھنکھناتے دل

کے لیے مجبور مت کریں۔“ رونا گہری سانس لے کر بولی اور موبائل آف کر دیا تو تو قیر پریشان ہو گیا۔

☆☆☆

حاتم اپنے آفس میں لیپ ٹاپ پر کچھ میلو چیک کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات تھے۔ اس کے موبائل پر بیج ٹون آئی۔ اس نے چونک کر بیج پڑھا اور اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ وہ لیپ ٹاپ وہیں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا ایک اور میسج آیا تو اس نے نمبر ری ڈائل کیا مگر اب کے نمبر آف ملا۔ فہام ایک فائل پکڑے اس کے کمرے میں آیا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں دیکھ کر چونکا۔

”کیا تم ابھی تک ان میسجز کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہو؟“ فہام نے حاتم کے قریب آ کر گہری سانس لے کر کہا۔

”کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ جو کوئی بھی ہے، مجھے کیوں میسج کر رہا ہے۔ آپ کو عاصم کو یا پھر کسی اور کو کیوں نہیں کرتا.....؟“ حاتم نے غصے سے کہا۔

”اس لیے کہ تم ایسوشل ہو اور جلدی غصے میں آ جاتے ہو۔ میں ایسی باتوں کو نوٹس نہیں کرتا اور عاصم lightly لیتا ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہے رونا اور تم میں دراڑ ڈال کر ہمارے گھر میں لڑائی جھگڑا ڈالنا چاہتا ہے۔“ فہام گہری سانس لے کر بولا۔

”کیا مطلب.....؟“ حاتم نے یک دم چونک کر کہا۔

”ہم سب اپنی بہن سے کتنی محبت کرتے ہیں۔

سارے خاندان کو معلوم ہے..... اس محبت سے کون..... کتنا جیلنس ہو رہا ہے، ہمیں کیا معلوم۔“

فہام نے گہری سانس لے کر کہا تو حاتم نے اسے چونک کر دیکھا۔

”حاتم! اپنے اندر یقین کو مضبوط کرو..... اپنے

افسردگی سے پوچھا۔

”آپ کی عما کی خواہش ہے۔“ رونا نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”اور آپ کی خواہش کیا ہے؟“ تو قیر نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

”آپ اپنی عما کی خواہش پوری کر دیں۔“ رونا آہ بھر کر بولی۔

”یہ جانے بغیر کہ میری خواہش کیا ہے..... میں آپ کی خواہش کیسے پوری کروں۔“ تو قیر آہ بھر کر بولا۔

”آپ کیوں الجھ رہے ہیں اور مجھے بھی الجھا رہے ہیں۔“ رونا نے جھنجھلا کر کہا۔

”جب ہم دونوں ہی الجھ گئے ہیں تو کیوں نہ ایک دوسرے کو سمجھا دیں۔ رونا اب بھی وقت ہے آپ اپنے دل کو.....“ تو قیر نے التجائی انداز میں کہا۔

”دل ہی تو نہیں مانتا۔“ رونا نے اس کی بات کانٹے ہوئے کہا۔

”میری کوئی غلطی..... خالی، خطا، گناہ کچھ تو بتائیں۔“ تو قیر نے قدرے جذباتی انداز میں کہا۔

”معلوم نہیں..... مگر میرا دل آپ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ تو میں کیا کروں؟“ رونا نے آہ بھر کر شکستہ لہجے میں کہا۔

”پلیز اپنے دل کو سمجھائیں۔“ تو قیر نے افسردگی سے زور دے کر کہا۔

”کیا آپ اپنے دل کو کسی اور محبت کے لیے فورس کر سکتے ہیں؟“ رونا گہری سانس لے کر بولی۔

”نہیں.....“ تو قیر آہ بھر کر بولا۔

”میں بھی نہیں کر سکتی۔“ رونا گہری سانس لے کر بولی۔

”کیا آپ کسی اور سے؟“ تو قیر نے چونک کر پوچھا۔

”بالکل بھی نہیں اور پلیز..... مجھے کسی بھی بات



رشتوں اور محبت پر اعتبار کرو۔۔۔ جب انسان میں یقین کمزور پڑتا ہے تو وہ مٹی کے ڈرے سے بھی ہلکا ہو جاتا ہے پھر کسی پر اعتبار نہیں رہتا۔ نہ اپنے آپ پر، نہ دوسروں پر۔“ فہام نے اس کے قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا تو اس نے گہری سانس لے کر اذکے کہا تو فہام مسکرا دیا۔

خدیجہ بہت پریشان صوفے پر بیٹھی تھیں اور عاصم بھی ان کے ہمراہ دوسرے صوفے پر بیٹھا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹی وی دیکھ رہا تھا مگر خدیجہ بار بار عاصم کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”عاصم بیٹا! کیوں اتنے خاموش رہتے ہو۔۔۔ بیٹا پہلے کی طرح بات چیت کیوں نہیں کرتے۔۔۔؟“ خدیجہ نے پریشانی سے پوچھا۔

”کوئی بات نہیں ماما، میں تو بس یونہی۔۔۔“ اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

اسی وقت فہام سلام کرتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا۔ وہ فیکٹری سے لوٹا تھا۔ اپنا بیگ سائڈ بیگل پر رکھ اس نے دونوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

”ماں، بیٹے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں۔“ خدیجہ گہری سانس لے کر بولیں تو عاصم خاموشی سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

”عاصم آج تم فیکٹری بھی نہیں آئے۔۔۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ فہام نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

”ہاں۔۔۔“ اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

”لیکن میں آبرو کر رہا ہوں کہ تم کچھ اپ سیٹ ہو۔۔۔ کیا بات ہے؟“ فہام نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔۔۔“ عاصم نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔ فہام اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔

”جو کچھ تمہارے دل میں ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ فہام نے اسے اپنے ساتھ لگاتے

ہوئے کہا۔ ”تمہاری اس خاموشی کی وجہ بھی مجھے معلوم ہے۔“ فہام نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ غم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا اور تسکین بھر کر اس کے ساتھ لیٹ کر روئے لگا۔

”ارے میری جان، کیوں رو رہے ہو۔۔۔ یاد میں نے تمہیں باپ کی feeling کے ساتھ پالا ہے۔ کوئی جو کچھ بھی کہے یا مانڈ کرے، ہمارا رشتہ ہمیشہ مضبوط ہی رہے گا۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے رہیں گے۔“ فہام نے اس کا ہاتھ چوم کر چپ کرواتے ہوئے کہا تو خدیجہ نے غم آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا اور زبردستی مسکرائے گئیں۔

”فہام بیٹا تم اس گھر اور میرے ان بچوں کے لیے ڈھال ہو، کبھی انہیں کمزور نہ ہونے دینا۔“ خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”ماما یہ آپ کیا بات کر رہی ہیں، آپ کے ذہن میں یہ سوچ بھی کیسے آئی، فہام تو صرف زندہ ہی آپ لوگوں کے لیے ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے ماں کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔۔۔ شملہ ایک دم اپنے کمرے سے باہر نکل تو اس نے فہام کو ماں اور بھائی کو اپنے ساتھ لگاتے دیکھ کر گہری سانس لی اور معنی خیز انداز میں آنکھیں گھمائے گئی۔

”آئی ایم سوری عاصم۔۔۔ تم میری وجہ سے ہرٹ ہوئے ہو، پلیز مجھے معاف کر دو۔“ شملہ نے عاصم کے قریب آکر شرمندگی سے کہا۔

”بھائی! آپ۔۔۔ میں تو آپ سے بالکل ناراض نہیں۔“ عاصم نے بوکھلا کر جواب دیا۔

”تو پھر جلدی سے مسکرا دو۔ تم مسکراتے ہوئے اچھے لگتے ہو۔“ شملہ مسکراتے ہوئے بولی تو عاصم بھی مسکرائے لگا۔ فہام نے مسکرا کر سب کو دیکھا۔

☆ ☆ ☆

رانا بھی رشنا کی شادی سے لونی تھی۔ جدید فیزانگ کے خوب صورت جوڑے میں میچنگ جیولری

اور میک اپ کے ساتھ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ تھکے تھکے انداز میں وہ صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔

”آج تو قیر نے شادی پر مجھے بالکل avoid کیا جیسے مجھے جانتا ہی نہ ہو۔“ رونا نے سوچا۔

”اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ میرے راستے میں نہیں آئے گا۔“ رونا نے سوچا۔

”وہ ہمیشہ مجھ سے بہت اچھے طریقے سے بات کرتا رہا ہے اور میں بھی اس کی عزت کرتی تھی۔ اس نے اجانگ محبت کا اظہار کیا تو اس سے ناراض کیوں ہونے لگی۔ شاید میرا دل اس کی محبت کو قبول نہیں کر رہا۔ نہ جانے کیوں۔۔۔ وہ اچھا ہے، ڈسینٹ ہے، ویل ایجوکیٹڈ ہے پھر بھی۔۔۔ میرا دل؟“ رونا نے اپنے آپ سے پوچھا وہ جھنجھلا کر اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی جیولری بتانے لگی۔ خدیجہ کمرے میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے داخل ہوئیں۔

”رشنا کی شادی ٹھیک سے ہو گئی بیٹا؟“ خدیجہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔ بہت اچھی۔۔۔ دو لہا بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔“ رونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اللہ رشنا کا نصیب اچھا کرے۔۔۔ بہت خواہش تھی کہ میں بھی شادی میں جاؤں مگر۔۔۔ اپنی طبیعت کی وجہ سے ہمت نہ کر پائی۔“

”ہاں۔۔۔ میں نے آئی کو بتا دیا تھا کہ آپ گھنٹوں کے درد کی وجہ سے نہیں آسکیں۔“ رونا نے جلدی سے کہا۔

”اچھا بیٹا اب تم آرام کرو۔“ وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

☆ ☆ ☆

فہام اپنے ویل فرنشڈ آفس میں چیئر پر بیٹھا موبائل پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ حاتم آفس میں داخل ہوا تو فہام نے اشارے سے اپنے سامنے چیئر پر بیٹھنے کو کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

کھیں حسب طبع کھیل دل

بات کرتے ہوئے فہام، حاتم کو بغور دیکھ رہا تھا۔

”اوکے۔۔۔ شہزاد صاحب۔۔۔ میں یہ ساری باتیں آپ سے میٹنگ میں کروں گا، تھینک یو۔“

فہام نے مسکرا کر بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

”حاتم میں اس بار بزنس نو رپرتھیں جرمی بھیج رہا ہوں۔“ فہام نے گہری سانس لے کر کہا۔

”مجھے۔۔۔ کیوں؟“ حاتم نے حیرت سے پوچھا۔

”میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی بزنس کا زیادہ سے زیادہ معلوم ہو۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”لیکن۔۔۔ میں؟“ حاتم پریشانی سے بولا۔

”میں اچھی طرح جانتا ہوں، تم کیوں اپ سیٹ ہو۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ روز کے لیے آؤٹ آف دی اسکرین ہو جاؤ، اپنی ساری توجہ بزنس کی طرف دو، وہاں تمہارا موبائل نمبر چینج ہوگا، جو صرف میرے پاس ہوگا۔ اس کے بعد کیا چوہنیشن بنے گی اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ فی الحال تم جانے کی تیاری کرو۔“

”اوکے۔۔۔“ حاتم نے گہری سانس لے کر کہا۔

”پرسکون ڈیمن کے ساتھ جاؤ۔ میں ہوں ناں تمہارے پیچھے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔۔۔ اور

سنو صرف بزنس ہی نہیں کرنا۔۔۔ وہاں گھومنا پھرنا بھی ہے، اوکے۔“ فہام نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو حاتم بھی مسکرائے لگا۔

☆☆☆

دیوانہ کے چہرے پر قدرے سنجیدگی چھائی تھی۔ وہ بہت دنوں بعد بہن کی طرف آئی تھیں اور انہیں دل ہی دل میں ڈر تھا کہ آج ضرور شملہ کی شکایتیں کریں گی کیونکہ بیٹی کی حرکتوں سے وہ خود بھی اچھی طرح واقف تھیں۔

”شملہ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ اسے ہر وقت میرے کھانے پینے اور دوا تیوں کی فکر رہتی

☆ ☆ ☆



ہے۔“ خدیجہ نے بہو کی طرف دیکھ کر تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”آپا..... میں نے تو اسے یہی سمجھا کر بھیجا ہے کہ مجھ سے زیادہ میری آپا کی عزت اور خدمت کرنا۔“ ریحانہ نے مسکرا کر شمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور ماشاء اللہ وہ ویسے ہی کر رہی ہے۔ میرا تو دل خوش ہو کر اسے بہت دعائیں دیتا ہے۔“ خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”آپا! جب بیٹی کی سسرال والے اس کی تعریف کرتے ہیں تو ماں باپ کا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے۔“ ریحانہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ریحانہ! کیا تم اس گھر کو شمیلہ کی سسرال سمجھ رہی ہو؟ بھئی یہ تو اس کا اپنا گھر ہے۔“ خدیجہ مصنوعی خشکی سے بولیں تو شمیلہ مسکرا دی۔ لاؤنج میں رکھا ٹیلیفون بچتے لگا تو وہ اٹھ کر فون سننے لگی۔

”خالہ جان آپ کا فون ہے۔۔۔ کوئی مسز احمد آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔“ شمیلہ نے واپس آ کر خدیجہ سے کہا۔

”اوہ..... ہاں، مجھے ان کے فون کا انتظار تھا۔ ریحانہ تم چائے پو..... میں ابھی آتی ہوں۔“ خدیجہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”بیٹا! شکر ہے کہ تم یہاں ایڈجسٹ ہو گئی ہو..... مجھے تمہاری بہت فکر تھی۔ میں کتنی خوش ہو رہی ہوں یہ جان کر کہ تم آپا کی اتنی خدمت کر رہی ہو۔“ ریحانہ نے مسکرا کر شمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تھام کو اپنی مٹھی میں کرنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔“ شمیلہ نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا تو ریحانہ نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

”تو..... کیا..... تم یہ سب کچھ دل سے نہیں کر رہیں۔“ ریحانہ نے یک دم گھبرا کر کہا تو اس کے چہرے پر طعنیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ خدیجہ فون بند کر

کے واپس آ چکی تھیں۔

”میں مسز احمد کو بھی بتا رہی تھی کہ میری بہو نکھوں میں ایک ہے۔ اس نے تو ایسا میرے دل میں گھر کر لیا ہے، کیا بتاؤں۔“ خدیجہ نے بہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ریحانہ گھبرا کر شمیلہ کی طرف دیکھنے لگیں اور ایک گہری سانس لے کر زبردستی مسکراتے لگیں۔ شمیلہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور ریحانہ فکر مندی سے اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

بیڈ پر ایک بیگ کھلا ہوا تھا تو قیر اپنی وارڈ روب کھول کر اس میں سے کپڑے نکال کر اس میں رکھ رہا تھا۔ سائڈ ٹیبل کی ورائز سے بھی۔ اپنی چیزیں نکال کر وہ اس میں رکھنے لگا جیسی نجمہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

”تو قیر یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ انہوں نے اسے چیزیں رکھتے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

”جانے کی تیاری.....“ تو قیر نے گہری سانس لے کر کہا۔

”کیا مطلب..... کب.....؟“ نجمہ نے ایک دم گھبرا کر پوچھا۔

”صبح.....“ تو قیر نے نم آنکھوں سے کہا۔

”اتنی جلدی..... ابھی تو رشنا کی شادی کو چار دن ہوئے ہیں اور تم بھی جا رہے ہو۔ میں گھر میں بالکل اکیلی کیا کروں گی؟“ نجمہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

”میں نے ڈیڈی سے بات کر لی ہے۔ وہ بہت جلد پاکستان آرہے ہیں آپ کے پاس..... پھر آپ اکیلی نہیں ہوں گی۔ ویسے بھی رشنا کی شادی اتنی جلدی میں رکھی گئی کہ وہ نہیں آ پائے۔“ تو قیر نے مسکرا کر ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”مگر..... تم تو نہیں ہو گے ناں۔“ نجمہ نے سسکی بھر کر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔



”ہاں..... اس کا ڈریس بہت اچھا ہے ناں۔“  
شمیلہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

”ڈریس نہیں..... میری ڈول زیادہ کیوٹ ہے۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔

”اب چلو بھی..... ویر ہو رہی ہے۔“ خدیجہ نے جلدی سے کہا تو سب باہر نکل گئے۔

☆☆☆

رداء، شمیلہ اور خدیجہ شادی ہال میں نئی چیمبرز پر بیٹھی ادھر ادھر لوگوں کو دیکھ رہی تھیں۔ فہام، خاور اور دوسرے دوستوں کے ساتھ بڑی تھا۔ خاور کی ٹیلی میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں آیا تھا اور شمیلہ کو اس بات پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ منہ پھلائے کبھی موبائل نکال کر چیک کرنے لگتی تو کبھی اسے آف کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ اس کا موڈ خاصا آف ہو رہا تھا۔

”یہ اچھی شادی ہے۔ جس میں میزبان مہمانوں کو ڈھنگ سے پوچھ بھی نہیں رہے۔ ہم لوگ جب سے آئے ہیں کوئی ایک بھی ہمارے پاس نہیں آیا۔“ شمیلہ نے شکایتی لہجے میں خدیجہ سے کہا۔

”بیٹا! شادی بیاہ میں ایسے ہی ہوتا ہے اور خاص طور پر لڑکی کی شادی پر گھر والوں کو کوئی ہوش نہیں ہوتا۔ ویسے بھی جب ہم آئے تو فوراً ہی بارات آگئی۔“ خدیجہ مسکرا کر بولیں تو رداء کا موبائل بجا اور وہ بات کرنے میں مصروف ہو گئی۔

”خاور کی ماما آپ کو پوچھ رہی ہیں۔ آئیں میں آپ کو ان سے ملواتا ہوں۔ رداء بڑی ہے اسے سہیل رہنے دیں۔“ فہام نے ان کے قریب آ کر کہا اور شمیلہ، خدیجہ کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

روحیل اپنی بوڑھی ماں جی کا ہاتھ پکڑے آہستہ آہستہ چلا ہوا رداء کے قریب والی ٹیبل کے پاس آیا۔ روحیل بلیک پیٹ کوٹ پہنے اپنی سفید رنگت، ٹھنڈے شیم کے ساتھ انتہائی پیڈڈ اور اسٹارٹ لگ رہا تھا۔

”بیٹا! میں سہیل بیٹھ جاتی ہوں۔ اب مجھ سے

مسکرائے گئے لیکن رداء کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

☆☆☆

رداء سفید گھیر دار فرماک، چوڑی دار پاچاسے ٹائٹ میک اپ اور جیولری کے ساتھ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آئی تو خدیجہ بھی بہت ڈیسٹ لگ رہی تھیں۔

”ماشاء اللہ..... میری بیٹی تو آج پری لگ رہی ہے۔“ خدیجہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو رداء شیم سے مسکرائی پھر یک دم سنجیدہ ہو گئی۔ شمیلہ بھی اپنے کمرے سے تیار ہو کر باہر نکلی اور لاؤنج میں آتے ہوئے۔ دونوں کی باتیں سننے لگی۔

”کیا بات ہے، تم چہرے سے کچھ ادا اس لگ رہی ہو۔“ خدیجہ نے چونک کر پوچھا۔

”نہیں..... ماما ایسی کوئی بات نہیں۔“ رداء نے بڑبڑا کر کہا تو شمیلہ معنی خیز انداز میں تجسس ہو کر آنکھیں گھمائے لگی۔

”تمہارے چہرے پر بھائی ادا سی مجھے کچھ اور ہی بتا رہی ہے، کیا بات ہے؟“ خدیجہ نے رداء کے قریب آ کر بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں..... ماما ایسی کوئی بات نہیں۔“ رداء زبردستی مسکراتے ہوئے بولی۔

”بھئی، آپ لوگ تیار ہیں نا؟“ فہام نے اندر آتے ہوئے جلدی سے پوچھا۔ وہ تیار ہو کر گاڑی نکالنے باہر گیا تھا۔

”واؤ..... آج تو میری سوئٹ ڈول فیری لگ رہی ہے۔“ فہام نے انتہائی خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر اس کی پیشانی چومنے لگا تو شمیلہ جلدی سے لاؤنج میں داخل ہو گئی۔

”بھئی..... آج تو سب بہت زبردست لگ رہے ہیں لیکن میری ڈول تو سب سے پیاری لگ رہی ہے۔“ فہام نے رداء کی طرف دیکھ کر کہا۔

کو بغور بڑھتی رہی اور اس کی آنکھیں غم ہونے لگیں۔

”تمہارا اور میرا کیسا رشتہ ہے۔ تمہارے ہونے سے میں irritate ہوتی تھی اور اب جانے سے کوئی ہو رہی ہوں۔“ رداء نے آہ بھر کر سوچا شاید میں نے اسے جھٹلا کر اس کا دل توڑا ہے۔ اس کی محبت کی ناقدری کی ہے لیکن میں نے تو اسے اپنے دل کی بات صاف، صاف بتائی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔ کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں اسے کسی قریب میں نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ وہ آہ بھر کر سوچنے لگی اور سارا دن مضطرب رہی۔ نہ اس سے ڈھنگ سے کھانا کھایا گیا۔ سارا وقت مضطرب اور بے چین رہی۔ رات کو سب کھانا کھانے لگے تو جب بھی وہ بہت خاموشی تھی۔

”رداء گڑیا..... کھانا کیوں نہیں کھا رہی؟ کیا کوئی پرابلم ہے؟“ فہام نے اس کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں..... نہیں۔“ رداء نے یک دم بوکھلا کر جواب دیا۔

”شاید گھر میں فارغ بیٹھ کر بور ہو رہی ہے۔“ شمیلہ نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بھئی! اب رزلٹ تک تو انتظار کرنا پڑے گا پھر یونیورسٹی میں ایڈمیشن کراؤں گا، ٹینشن کی بات ہے؟“ فہام نے مسکرا کر بڑی محبت سے کہا۔

”یار..... عاصم اسے گھماؤ، پھر اوٹ انجوائے کراؤ۔“ ہاں یاد آیا۔ میرے دوست خاور کی بہن کی کل شادی ہے آپ سب کو بھی جانا ہے۔“ فہام نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔

”نہیں..... میں نہیں۔“ رداء نے گھبرا کر کہا۔ ”لو..... ایکسکپسز..... ماما، شمیلہ، عاصم آپ سب کو جانا ہے۔ خاور میرا بہت نکلوتے فرینڈ ہے، ادا کے۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب

”آپ فکر نہیں کریں، میں جلد آ جاؤں گا.....“  
تو قیر نے آہستہ سے کہا۔

”تو قیر..... خدا کے لیے مت جاؤ۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔“ نجمہ نے غم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میرا جانا ہی بہتر ہے۔“ اس نے انہیں اپنے ساتھ لگا کر تقریباً روتے ہوئے کہا۔

”تم اس کی وجہ سے جارہے ہو ناں خدا کرے..... وہ کبھی خوش نہ رہے۔“ نجمہ غصے سے چلاتے ہوئے بولیں۔

”نہیں..... ماما، کوئی بد دعا نہیں دیں۔ جو لوگ قسمت میں نہ ہوں اس میں ان کا نہیں بلکہ قسمت کا قصور ہوتا ہے۔ کسی لڑکی کے لیے آپ ایسے مت کہیں کیا پتا اس کی بھی کوئی مجبوری ہو۔“ اس نے ماں کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تم..... تم اس سے اب بھی.....“ نجمہ نے غصے سے کہا۔

”ہاں..... بہت محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔“ تو قیر نے بات کاٹتے ہوئے زخمی مسکراہٹ سے کہا۔

☆☆☆

رداء ایک گہری فینڈ لے کر انھی تو اس نے اپنا موبائل آن کیا۔ اس میں مس کا لڑتھیں اور ساتھ ہی میسجز وہ ان باکس کھول کر پڑھنے لگی۔

”آج میں آسٹریلیا جا رہا ہوں..... تمہاری محبت کا زخم لیے اور شاید کبھی نہ آنے کے لیے..... اپنا بہت خیال رکھنا good bye forever“

رداء کے چہرے پر یک دم ادا سی چھانے لگی اور دل بھی مضطرب ہونے لگا۔ وہ تو قیر کا بیچ تھا اور کال بھی اسی کی تھیں۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی کوئی قیمتی چیز اس سے چھین گئی ہو۔ وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے بیچ



زیادہ چلا نہیں جاتا پھر سانس پھولنے لگی ہے۔" ماں جی نے خالی ٹیبل کو دیکھ کر قد رے کا بچہ ہوئے کہا۔  
 "ٹھیک ہے، آپ یہاں بیٹھیں۔۔۔۔۔ میں یاد رکھ کر دیکھ کر آتا ہوں۔" روہیل نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ ماں جی ٹیبل پر بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ رونا نے فون پر بات کرتے ہوئے قہقہہ لگایا، ماں جی نے اس کی طرف چونک کر دیکھا تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ رونا کو دیکھ کر نہ جانے انہیں کیوں عجیب سی خوشی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ انہیں بہت پیاری اور اچھی لگ رہی تھی۔ رونا نے موبائل پر بات ختم کی تو ماں جی نے اس کی طرف بغور دیکھا اور مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"بیٹا! آپ کی ٹیبل پر پانی کی بوتل ہے، مجھے اس میں سے ایک گلاس پانی تو دینا۔" ماں جی نے مسکراتے ہوئے رونا سے کہا تو رونا نے مسکراتے ہوئے گلاس میں پانی ڈال کر ان کے سامنے رکھا اور ان کے قریب کھڑی ہو گئی۔  
 "شکریہ۔۔۔۔۔ بیٹا اللہ آپ کو خوش رکھے۔ کیا نام ہے آپ کا؟" ماں جی نے پانی پی کر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"رونا۔۔۔۔۔" رونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 "ماشاء اللہ بہت پیارا نام ہے تمہاری طرح۔" ماں جی مسکراتے ہوئے بولیں۔  
 "آپ کو اور پانی چاہیے؟" رونا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں بیٹا۔۔۔۔۔" ماں جی مسکراتے ہوئے بولیں۔ رونا وہاں سے جانے لگی تو روہیل وہاں آ گیا۔  
 "آپ۔۔۔۔۔؟" روہیل نے انتہائی حیرت سے رونا کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹا! مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ ان سے پانی مانگا تو مجھے پانی دینے آئی تھیں۔" ماں جی جلدی سے بولیں۔  
 "آئی۔۔۔۔۔ ایم سوری، اچھو ٹیلی۔۔۔۔۔ ہم اس

ٹیلی فکشن میں پہلی بار آئے ہیں اور میں اپنے دوست کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا۔" روہیل نے جلدی سے کہا۔

"اور ہم بھی پہلی بار ہی آئے ہیں۔ آئیٹن۔۔۔۔۔ میں خاور بھائی کے فریڈ فہام کی سسٹر ہوں۔ اس لیے میں بھی کسی کو زیادہ نہیں جانتی۔" رونا نے مسکراتے ہوئے ہوئے جواب دیا۔

"آئی سی پلیز آپ تشریف رکھیں میں ماں جی کو ہی دیکھنے آیا تھا لیکن لگتا ہے ماں جی آپ کے ساتھ بہت comfortable ہیں۔ ماں جی میں یاد رکھ کے ساتھ بڑی ہوں۔" روہیل نے مسکراتے ہوئے ماں جی سے کہا اور ان سے اجازت لے کر وہاں سے چلا گیا۔

"بیٹا! اگر تم مائنڈ نہ کرو تو میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ، تم مجھے بہت اچھی لگ رہی ہو۔" ماں جی نے مسکرا کر رونا سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئی اور ماں جی بہت محبت بھرے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے باتیں کرنے لگیں۔

☆☆☆

کافی دیر بعد خدیجہ اور حمیلہ فہام کے ساتھ سب لوگوں سے ملاقات کر کے لوٹیں تو حمیلہ کے چہرے پر اب بھی ناگواری کے تاثرات تھے۔

"یہ لوگ کچھ زیادہ ہی بڑی ہیں۔ کسی نے ایک بار بھی ہمیں اسٹیج پر بیٹھنے کو نہیں کہا۔" حمیلہ نے شکوہ کر خدیجہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ دونوں چلتی ہوئی اپنی ٹیبل پر آئیں تو رونا کسی عورت کے پاس بیٹھ دیکھ کر چونکیں۔

"یہ میری ماما۔۔۔۔۔ اور بھابی ہیں۔" رونا نے ماں جی سے ان کا تعارف کر دیا۔

"آپ کی بیٹی بہت اچھی اور پیاری ہے۔" ماں جی نے خدیجہ کی طرف دیکھ کر کہا اتنے میں روہیل بھی ان کے پاس آ گیا۔

"یہ میرا بیٹا روہیل ہے۔" ماں جی نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا تو فہام نے بھی اس کے قریب آ کر ہاتھ ملایا۔

"میں یاد رکھ کا فرینڈ ہوں۔" روہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور میں فہام۔۔۔۔۔ یاد رکھ کے بڑے بھائی خاور کا فرینڈ۔" فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر تو حسن اتفاق کہیے کہ دونوں بھائیوں کے فرینڈ آپس میں مل رہے ہیں۔" روہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"nice to meet you" فہام نے مسکراتے ہوئے کہا تو روہیل نے بھی مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"اللہ آپ کی بیٹی کا نصیب اتنا ہی اچھا کرے۔ جتنی اچھی وہ خود ہے۔" ماں جی نے خدیجہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آمین۔۔۔۔۔" خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں تو حمیلہ نے بھی زبردستی مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور سب ایک دوسرے کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

رات کافی زیادہ گزر چکی تھی اور بہت دیر سے رخصتی ہوئی۔ لوگ بہت زیادہ تھک گئے تھے اور اکثریت کے چہروں پر تھکاوٹ اور ناگواری کے تاثرات تھے۔ ماں جی کا تھکاوٹ سے برا حال ہو رہا تھا مگر روہیل دوست کی محبت میں مجبور انہیں بار بار بیٹھنے کو کہہ رہا تھا۔ جیسے ہی رخصتی ہوئی وہ ماں جی کو لے کر فوراً گھر آ گیا۔ وہ بری طرح تھک چکی تھیں، روہیل انہیں ان کے کمرے میں لے گیا۔

"ناف شادی لے تو بہت ہی تھکا دیا ہے۔" ماں جی نے منہ بنا کر گھٹنوں کو ہاتھ سے سہلاتے ہوئے کہا۔

کھنکھناتے دل

"ماں جی۔۔۔۔۔ آپ گھر سے باہر نہیں جاتیں ناں۔۔۔۔۔ اسی لیے بہت تھک جاتی ہیں۔" روہیل نے مسکراتے ہوئے ان کے کندھے دباتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! یہ سانس کا مسئلہ کچھ پیچیدہ ہے دے تو کہیں جاؤں ناں؟" ماں جی نے منہ بنا کر افسردگی سے کہا۔

"روہیل بیٹا آج شادی پر مجھے وہ لڑکی بہت پسند آئی ہے۔" ماں جی نے ایک دم موڈ بدل کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اب وہ اپنے بستر پر آرام سے بیٹھ چکی تھیں۔

"کون سی لڑکی۔۔۔۔۔؟" روہیل نے چونک کر بھوئیں اچکاتے ہوئے پوچھا۔

"وہی جس نے مجھے پانی پلایا تھا۔ اور جس کی ٹیلی سے میں اور تم ملے تھے۔" ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا تو روہیل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔  
 "کیوں۔۔۔۔۔ اس میں کیا خاص بات تھی۔ مجھے تو وہ بس ایک عام سی لڑکی لگی تھی۔" روہیل نے بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔  
 "نہیں۔۔۔۔۔ وہ عام نہیں تھی۔ اس میں نہ جانے کیا بات ہے کہ وہ میرے دل میں ہی اتر گئی ہے۔ وہ اتنے پیار سے باتیں کر رہی تھی اور مسکرا رہی تھی کہ مجھے اس پر بہت پیار آیا۔" ماں جی نے مصنوعی حلقی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور یقیناً آپ نے اسے اپنی بہو بنانے کا سوچا ہوگا۔" روہیل نے مسکراتے ہوئے شرارتی لہجہ میں کہا۔  
 "جسمیں کیسے پتا چلا؟" ماں جی نے ایک دم خوش ہو کر کہا۔

"پتا کس کا ہوں؟ آپ کا اور آپ کیا سوچتی ہیں مجھے فوراً پتا چل جاتا ہے۔" روہیل نے ایک دم مسکرا کر کہا۔

"ویسے بیٹا تمہارا کیا خیال ہے، کیا میں غلط



سوچ رہی ہوں۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا کر ازادانہ انداز میں پوچھا۔  
”کچھ ایسا غلط بھی نہیں سوچا۔“ روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر میں بات چلاؤں۔“ ماں جی نے خوش ہو کر کہا۔

”آپ کی مرضی ہے لیکن یہ بات اچھی طرح کنفرم کر لیجئے گا کہ وہ واقعی ہی اچھی لڑکی ہے، آئی میں اس کا کسی کے ساتھ کوئی انفیئر نہ ہو، مجھے ایسی لڑکیاں ہرگز پسند نہیں۔“ روحیل نے مسکرا کر کہا۔

”فضول باتیں مت کرو، وہ دیکھنے سے ہی اچھی لڑکی لگی ہے۔“ ماں جی نے منہ بنا کر کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ آپ اپنی لڑکی کے بارے میں سوچیں، میں تو سونے جا رہا ہوں۔“ وہ ماں جی کو کنبل اوڑھا کر بیڈ کے نیچے درست کر کے کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

یعنی کا کالج میں پہلا دن تھا۔ جمال صاحب نے اس کا ایڈمیشن شہر کے سب سے بہترین اور مشہور کالج میں کروایا تھا۔ اس کالج میں ان کا اپنا بھی بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا کیونکہ وہ اس کے سب سے بڑے ڈونر تھے۔ یعنی تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل کے پاس آئی۔ جمال صاحب اور ایمن ناشتا کرتے ہیں مصروف تھے۔ جمال صاحب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

”آج میرے بیٹے کا کالج میں فرسٹ ڈے ہے۔ آئی وہ یو بیسٹ آف لک۔۔۔۔۔“ انہوں نے کھڑے ہو کر محبت سے اس کو اپنے ساتھ لگا کر چومتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو ڈیڈی۔۔۔۔۔ آپ ڈرائیور سے کہیں مجھے کالج ڈراپ کر دے۔“ یعنی نے بیک کندھے پر لٹکاتے ہوئے کہا۔

”ڈرائیور کیوں۔۔۔۔۔ میں اور تمہاری ماما خود تمہیں کالج ڈراپ کرنے جائیں گے۔ کیوں ایمن۔۔۔۔۔؟“ جمال صاحب نے بیوی سے پوچھا۔  
”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں کیوں نہیں۔ ہماری بیٹی کا آج کالج میں پہلا دن ہے۔“ ایمن نے بھی مسکرا کر یہی کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے محبت سے کہا۔

”ڈیڈی میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔ کالج ہی تو جانا ہے۔ یہ کون سی اہم بات ہے۔“ یعنی نے منہ بنا کر جواب دیا۔

”تمہارے لیے نہیں مگر ہمارے لیے یہ بہت اہم اور خوشی کی بات ہے۔“ جمال صاحب نے مسکرا کر کہا اور دونوں اس کو کالج ڈراپ کرنے چلے گئے۔ وہ کالج میں داخل ہوئی تو اس کے لیے سب کچھ بہت عجیب اور نیا تھا۔۔۔۔۔ وہ کلاس روم ڈھونڈتی ہوئی مطلوبہ روم میں داخل ہو گئی۔ وہ بہت اعتماد کے ساتھ دوسری روم میں ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ایک نقاب پوش لڑکی بیٹھی تھی جس کے ہاتھ

اور پاؤں اس قدر سفید تھے کہ یعنی نے ایک دم چونک کر اس کے سفید خوب صورت ہاتھوں کو بھرپور نظروں سے دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر لڑکوں کا ایک گروپ بیٹھا تھا جو بار بار اسے دیکھتے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ ابھی لیکچر شروع ہونے میں کچھ باقی تھا۔ اسٹوڈنٹس کلاس روم تلاش کرتے ادھر آ رہے تھے کیونکہ سب کا کالج میں

فرسٹ ڈے تھا۔ اس لیے چہروں پر خوشی بھی تھی اور آنکھوں میں حیرانی بھی کہ وہ ہر شے اور ہر چہرے کو بغور دیکھ رہے تھے۔ ایک انتہائی خوب صورت اسٹارٹ سرخ و سفید رنگت والا لڑکا اسٹائنش ڈریس پہنے اور برائڈڈ گلاسز لگائے کلاس روم میں داخل ہوا۔ لڑکوں کے گروپ نے ہاتھ ہلا کر اس کا استقبال کرتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”ہائے۔۔۔۔۔ آزر here come“

لوگوں نے اسے اپنی طرف بلایا۔ آزر نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور ان کے ہمراہ بیٹھ گیا۔ ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے اس کی نظر یعنی پر پڑ گئی۔ وہ قدرے طنزیہ مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھا۔

”یار۔۔۔۔۔ اتنا حسن تو آج تک میں نے پورے ورلڈ میں نہیں دیکھا۔ جو آج اس کلاس روم میں دیکھ رہا ہوں۔ پورا روم چمک رہا ہے۔ میری تو آنکھیں

بھر رہی ہیں۔“ آزر نے کہا۔

”یار۔۔۔۔۔ اتنا حسن تو آج تک میں نے پورے ورلڈ میں نہیں دیکھا۔ جو آج اس کلاس روم میں دیکھ رہا ہوں۔ پورا روم چمک رہا ہے۔ میری تو آنکھیں

بھر رہی ہیں۔“ آزر نے کہا۔

”کہاں ہے حسن؟“ اس کے ساتھی لڑکے نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

”یار تمہیں واقعی کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔۔۔۔۔ یا پھر تمہاری آنکھوں میں بھی اسے دیکھ کر سیاہی بھر گئی ہے۔“ آزر نے یعنی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ یعنی ان کی باتیں سنتی رہی مگر خاموشی سے اسے موبائل کے ساتھ بڑی رہی۔ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی بھی وہ سب باتیں سن رہی تھی۔

”آپ کا نام کیا ہے؟“ نقاب پوش لڑکی نے پوچھا۔

”یعنی جمال۔۔۔۔۔“ وہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

”میں حسنہ عابد ہوں۔۔۔۔۔“ اس نے اپنا تعارف کرایا مگر یعنی نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے موبائل کے ساتھ بدستور مصروف رہی۔

☆☆☆

ٹیل بچتے ہی پروفیسر راضیہ کلاس روم میں داخل ہوئیں تو سب اسٹوڈنٹس بہت ڈسپلن سے اپنی جیسز سے اٹھ کھڑے ہو گئے۔ ”Sitdown“ کہہ کر تعارف کا مرحلہ طے ہوا پھر وہ ابتدائی لیکچر دینا شروع ہوئیں تو یعنی بہت توجہ سے انہیں سنتی رہی اور اپنی نوٹ بک میں پوائنٹس لکھتی رہی۔ حسنہ بھی لکھتے ہوئے بار بار اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ بہت روانی سے

لکھ رہی تھی۔ اور اس کی ہینڈ رائٹنگ بہت خوب

کھیں حبیب طے کھیل دل

صورت تھی۔ لیکچر ختم ہوتے ہی سب اسٹوڈنٹس باہر جانا شروع ہو گئے۔ جیسے ہی یعنی باہر جانے کے لیے اپنی سیٹ سے اٹھی اور چند قدم چلی تو آزر نے جان بوجھ کر اپنی ٹانگ اس کے آگے کر دی۔ یعنی بے خیالی میں اس کے ساتھ ٹکراتے ہوئے گرنے لگی۔

”اوہ۔۔۔۔۔ سواری۔۔۔۔۔ اچانک لاسٹ آف ہونے سے کچھ دکھائی ہی نہیں دیا۔“ آزر نے مسکرا کر کہا تو سب لڑکے قہقہے لگانے لگے۔

”یعنی نے کھینچ کر اسے ایک زور سے تھپڑ لگایا۔

”اب لاسٹ آن ہوئی یا نہیں۔۔۔۔۔؟“ یعنی نے غصے سے کہا تو سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ آزر کو بھی ایسی توقع نہیں تھی۔

”یو۔۔۔۔۔“ وہ غصے سے چلا یا۔

”سٹ اپ۔۔۔۔۔ مسٹر۔۔۔۔۔“ اس نے اپنی ٹانگ لہرا کر اتنی تیزی کے ساتھ اس کے گھٹے پر باری کہ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گر۔ اس کے ساتھی لڑکے پریشان ہو گئے۔ یعنی اسے غصے سے گھورتی ہوئی کلاس روم سے باہر چلی گئی اور ہر طرف ایک افراتفری سی پھیل گئی، حسنہ بھی حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ آزر اٹھا اور بے انتہا بے عزتی محسوس کرتے ہوئے کلاس روم سے باہر نکل گیا۔

”آزر نے بھی توجہ کر دی۔۔۔۔۔ کیا ضرورت تھی خواہ مخواہ اسے اتنا tease کرنے کی۔“ اس کے دوست جواد نے کہا۔

”تم نے اسے پہلے کیوں نہ منع کیا۔ پہلے تو اس کے ساتھ قہقہے لگاتے رہے تھے۔ شکر کرو، تم بچ گئے ہو۔“ فرخ نے جواد سے کہا۔

”یار۔۔۔۔۔ ہم نے اسے خواہ مخواہ underestimate کیا۔۔۔۔۔ چلو اب آزر کو دیکھتے ہیں۔“ واصف نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ چلو۔“ اور سب لڑکے باہر نکل گئے۔

☆☆☆



”بیمنی“ جیسے، آج کالج میں پہلا دن کیسا گزرا؟“ جمال صاحب نے شام کو اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

”فائن۔“ اس نے اپنی نوٹ بک پر کچھ لکھتے ہوئے جواب دیا۔

”کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی؟“ جمال صاحب نے دوبارہ پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے لکھتے ہوئے جواب دیا۔

”اس کا مطلب ہے تمہیں کالج اچھا لگا ہے۔“ انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

”اٹس اوکے۔۔۔۔۔“ اس نے پھر بے پروائی سے جواب دیا۔

”اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے ضرور بتانا۔“ جمال صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ کیا آپ میرا کالج بدل دیں گے؟“ اس نے مستحق خیر انداز میں سوال کیا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ لیکن میں کالج کا ایک ڈوٹر ہوں اور مینجمنٹ میری ہر بات مانتی ہے۔“ جمال صاحب نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

”لیکن مجھے undue favour لینا پسند نہیں۔“ اس نے پورا اعتماد لہجے میں باپ کو جواب دیا۔

”I'm proud of you my dear“ کہ تمہاری ایسی سوچ ہے۔“ جمال صاحب نے مسکرا کر فخریہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا

اور وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔

بیمنی نوٹ بک پر کچھ لکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا موبائل بجنے لگا اس نے موبائل کان سے لگایا تو

دوسری جانب ایک لڑکے کی آواز تھی۔ ”بیمنی تے ہیلو کہا تو لڑکے نے فوراً موبائل آف کر دیا۔ وہ چونک کر موبائل کو دیکھنے لگی اور سوچ میں پڑ گئی مگر پھر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

آزاد کا غصہ اپنے عروج پر تھا۔ اسے کسی پل چھین نہیں آ رہا تھا۔ کبھی وہ بیٹھتا اور کبھی کھڑا ہوتا۔۔۔۔۔ کبھی کا چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس کے لگائے ہوئے پتھر کی جیلن وہ ابھی تک اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا اور غصے سے کھول رہا تھا۔

”شی۔۔۔۔۔؟“ وہ دانت کچکچا کر انتقامی انداز میں اپنے ہونٹ بھینچتا اور اپنی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے کبھی ان کا ہکا بناتا اور اسے دیوار پر مارتا۔

جواد اور اس کے دوسرے دوست مسلسل اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

”یار اب بھول بھی جاؤ۔“ جواد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بھولوں، اپنی اسلٹ؟ وہ تھپڑ یا پھر۔۔۔۔۔ اسے؟“ آزاد نے غصے سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”سب کچھ بعد میں سوچنا، پہلے اپنے مائنڈ کو ریلیکس کرو۔“ فرخ نے گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور اس کے گلاس کے ساتھ اپنا

گلاس جیسرز کر کے پیئے لگا۔ آزاد بھی آہستہ آہستہ ڈرنک کرنے لگا۔ ڈرنک ختم کرنے کے بعد وہ ایک دم ہاتھ ہونٹے لگا اور ”بیمنی“ اس کی آنکھوں کے سامنے

ایک چڑیل بن کر گھومتی لگی۔

”وہ۔۔۔۔۔ وہ چڑیل، بھتنی، ڈریکولا۔۔۔۔۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ وہ اسے نہ جانے کتنی

گالیاں دیتا رہا اور پھر یک دم جذباتی ہو کر دروازے کی طرف جانے لگا۔

”یار تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟“ جواد نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے روکنا چاہا۔

”اس کا مرڈر کرنے۔“ آزاد نے لڑکھڑاتے ہوئے کانپتی آواز کے ساتھ جواب دیا۔

”یہ کیا حماقت ہے؟“ فرخ غصے سے بولا۔

”حماقت نہیں انتقام۔۔۔۔۔ میں اسے زندہ نہیں



## لفظوں کے موتی

- ☆ کسی کو بھی معلوم نہیں اس کا اگلا شکار کون ہوگا۔
- ☆ جب آپ پہلا قدم اٹھالتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا بے شک کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔
- ☆ موت ایک بہت بڑے صبر کی مالک ہے اور وہ کبھی بے صبری نہیں ہوتی۔
- ☆ ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے۔ ذرا نا موافق بات کی سوئی چھبی، شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔
- ☆ یہ دنیا مکافات عمل کا نام ہے آج کسی کی راہ میں تم پتھر رکھو گے تو آنے والا وقت تمہاری راہ میں پہاڑ بن جائے گا۔
- ☆ خاموشی ایسے پردے کا نام ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے اور حماقت بھی ہو سکتی ہے۔
- ☆ وہ بات اکثر بہت اصول ہوتی ہے جس میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔
- ☆ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

مرسلہ: نوشین اقبال توشی، گاؤں بدرمرجان

چھوڑ کر ایک فیٹ کراپ پر لے کر رہ رہا تھا۔ کیونکہ اس کا باپ اپنی غیر موجودگی میں اس کے دادا کو اس کے پاس چھوڑ کر گیا تھا اور اس کا دادا اکبر علی کافی سخت مزاج انسان تھا۔ اور وہ آزر پر کافی سخت کرتا۔ بہت زیادہ روک ٹوک اور پوچھ گچھ سے آزر کو چڑھنے لگی تھی اور دادا سے جھگڑ کر اس نے ایک فلیٹ کرایے پر لے لیا۔ جہاں وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ بھرپور عیش اور مستیاں کرتا۔ رات گئے تک وہ

چھوڑوں گا۔“ وہ انہیں دھکا دے کر اپنی وارڈروب میں سے کچھ تلاش کرتے لگا۔ ایک خانے سے ریوالور نکال کر اس نے اسے پیٹ کی جیب میں ڈالنا چاہا۔ تو جواو نے آگے بڑھ کر اس سے ریوالور چھیننے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں ریوالور سے گولی ہل کر اس کے پاؤں میں لگ گئی۔ سب گھبرا گئے۔ آزر بڑی طرح تڑپنے لگا۔

”جلدی سے اسے اسپتال لے چلو۔“ فرخ نے کہا اور وہ دونوں اسے جلدی سے اٹھ کر فلیٹ سے باہر لے گئے۔

آزر اپنے ماں، باپ کا اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے اجتماعی خود سر، ضدی اور مغرور تھا۔ ماں ایک معمولی تعلیم یافتہ عورت تھی۔ اور باپ بھی معمولی بزنس سے ہیرا پھیریاں اور دو تمبر کام کر کے اب ایک امیر اور کامیاب بزنس مین بن چکا تھا۔ زندگی کی اچھی روایات اور اخلاقی قدروں کا لحاظ یا کسی قسم کا کوئی تصور بھی ان کے خاندان میں ناپید تھا۔ ماں، باپ کی اپنی دنیا تھی اور آزر کی دنیا میں ڈھل وینے کا حق اس نے کسی کو نہیں دیا تھا۔ نہ تو اس کی تربیت اخلاقی اقدار پر ہوئی تھی اور نہ ہی مذہبی..... ماں شیم اختر سے مسز شیمی عظیم بن کر تھتی اور ماڈرن ڈریسز، میک اپ اور جیولری پہنے یا تو پارلرز کے چکر لگاتی یا پھر ایسی پارٹیز میں جانی جہاں نو دولت خواتین اپنے ملبوسات اور زیورات کی بھرپور نمود و نمائش کرتیں۔

آزر کیا کرتا ہے، کہاں جاتا اور اس کی کیا سرگرمیاں ہیں۔ نہ ماں کو کچھ علم ہوتا اور نہ ہی باپ کو۔ باپ آئے روز بزنس ٹورز کے سلسلے میں بیرون ممالک کے چکر لگاتا رہتا اور آزر کو کھلے پیسے دے کر اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاتا۔ اب گزشتہ چھ ماہ سے اس کی ماں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ امریکا سیٹل ہو گئی تھی تاکہ وہ آزر کو بھی فیوچر میں امریکا ہی میں سیٹ کر دے۔ آزر ڈیفنس میں اپنا تین کنال کا بنگلا



دوستوں کے ساتھ گھومتا پھرتا رہتا۔ ان کے ساتھ ہونٹنگ کرتا، ڈرنک کرتا اور بھی بہت کچھ کرتا۔ وہ اپنی لائف کو اب خوب انجوائے کر رہا تھا۔ اس کے نزدیک کسی بھی انسان کی نہ تو کوئی عزت تھی اور نہ ہی کوئی احترام۔ جو چیز اسے پسند آتی وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرتا۔ چاہے اس کے لیے اسے کسی شخص کو قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑتا۔ اس کے اندر سرکشی کے ساتھ بے حسی اور فرعونیت کا عنصر نمایاں ہو رہا تھا۔ بدتمیز، بے باک اور بد لحاظ جوان۔ آذر ایک ایسی دلدل میں گھس رہا تھا، جس کا اسے نہ تو کوئی احساس تھا اور نہ ہی کوئی شعور۔ راہ چلتی لڑکیوں سے مذاق کرتا، ان سے بدتمیزی کرتا اس کے لیے بہت عام سا مشغلہ تھا۔ یعنی جمال کو چھیڑنا بھی اس کے لیے ایک عام سی بات تھی مگر اس کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ یہی جیسی معمولی شکل کی لڑکیوں کی ایک کرے گی۔ اس کے رد عمل نے اسے یوں محبوظ الحواس کر دیا کہ وہ اٹھتے بیٹھتے نہ صرف ہڈیاں بکنے لگا بلکہ۔۔۔ قدرے جنونی بھی ہو گیا تھا اور اب وہ اسپتال میں ایمر جنسی روم میں پڑا تھا۔ اس کے دوست پریشان حال اسپتال میں جمع تھے۔ اور اس کے آپریشن کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ ڈرتے ہوئے اس کے ماں باپ کو بھی انفارم نہیں کر رہے تھے کہ کہیں ان پر ہی کوئی الزام نہ آجائے۔

☆☆☆

یعنی کہنے میرا میں یہی کولڈ ڈرنک پی رہی تھی کہ حسنہ قدرے پریشان اس کے پاس بھاگتی ہوئی آئی۔ "یعنی کیا آپ کو معلوم ہوا کہ آذر اسپتال میں ایڈمٹ ہے۔" حسنہ نے گھبراتے ہوئے کہا۔ "کون آذر؟" "یعنی نے بے پروائی سے جیس کا پیکٹ کھولتے ہوئے جواب دیا۔ "وہی آذر جسے کل آپ نے تھپڑ مارا تھا۔" حسنہ نے بتایا۔

"لوہ۔۔۔۔۔ آئی سی۔۔۔۔۔ تو پھر؟" اس نے خیر انداز میں پوچھا۔ "وہ۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ حسد رک رک کر بولی۔ "آئی ایم شیور۔۔۔۔۔ وہ میرے تھپڑ سے اسپتال میں ایڈمٹ نہیں ہوا ہوگا۔ ضرور کوئی اور ہوا ہوگی۔" اس نے اسی بے پروائی سے جواب دیا۔ "نہیں، اس کے پاؤں میں گولی لگی ہے۔ حسنہ نے جلدی سے بتایا۔ "تو اب آپ کیا چاہتی ہیں کیا میں اسپتال کی خیریت پوچھنے جاؤں؟" "یعنی نے اس انداز سے سوال کیا کہ حسنہ شرمندہ ہو گئی۔ "میں تو یونہی بتا رہی تھی۔" حسنہ نے نظر اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔ "اچھا تو جیس کھاؤ۔" "یعنی نے جیس کا پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو حسنہ نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور بیٹھ گئی۔ "آپ کتنی عجیب لڑکی ہیں، میں نے آج تک آپ جیسی لڑکی نہیں دیکھی۔" حسنہ نے اس سے ہاتھ لیتے ہوئے کہا۔ "کیوں۔۔۔۔۔ کیا میرے سر پر سیٹنگ ہوئے ہیں یا دانت ڈرکولا کی طرح باہر ہیں۔ عجیب ہے مجھ میں؟" "یعنی نے پُر اعتماد لہجے میں پوچھا۔ "وہ۔۔۔۔۔ وہ آپ۔" حسنہ کچھ کہتے ہوئے رنگ بدلتی ہوئی کہتی تھی۔ "آپ نہیں تم، تم میں اعتماد کی بہت کمی ہے۔" "کہنا چاہتی ہو کھل کر کیوں نہیں کہتیں۔" "یعنی نے لہجے میں پوچھا۔ "ہاں۔۔۔۔۔ شاید۔" حسنہ نے گہری سانس کر جواب دیا۔ "میرا خیال ہے تم بہت خوب صورت ہو۔ میں کس شے کی کمی ہے، اپنے آپ کو کمرشل کا شوق مت بناؤ۔۔۔۔۔ جس کی خوب صورتی کو دیکھ کر لوہ

صرف خوش ہوں۔ متاثر نہ ہوں۔۔۔۔۔" اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے "یعنی نے ٹھوس لہجے میں اور متاثر کن الفاظ میں کہا تو حسنہ خاموش ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔ "کیوں۔۔۔۔۔ کیا ہوا۔ کیا تم میری باتوں سے ہرٹ ہو رہی ہو؟" "یعنی نے اس کی آنکھوں کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مخرومیاں انسان کو کبھی پُر اعتماد ہونے نہیں دیتیں۔" حسنہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔ "دیکھی مخرومیاں۔۔۔۔۔؟" "یعنی نے حیرت سے پوچھا۔ "چھوٹی چھوٹی نامکمل خواہشات بڑھتے بڑھتے ایسی مخرومیاں اور complexes بن جاتی ہیں جو کسی آسیب کی طرح انسان کے وجود کے ساتھ چسپی رہتی ہیں اور ہزار کوشش کے باوجود بھی۔۔۔ ان سے چھٹکارا نہیں ملتا۔۔۔۔۔ میں قرآن پاک کی حافظہ ہوں اور اللہ کی ذات پر مکمل یقین بھی رکھتی ہوں اور ایمان بھی۔ اس نے مجھے بہت عطا کیا ہے مگر بہت کچھ چھینا بھی ہے اس کی عطائیں مجھے اتنا خوش نہیں کرتیں جتنا کہ اس کا چھیننا مجھے دکھی کرتا ہے۔" حسنہ نے صاف گوئی سے اسے بتایا۔ "اس نے تم سے کیا چھینا ہے؟" "یعنی نے کولڈ ڈرنک ختم کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "میرے ماں، باپ اور دو بہن بھائی بچپن میں ایک حادثے کا شکار ہو گئے اور تب سے اب تک میں اپنے چچا اور چچی کے رحم و کرم پر ہوں۔ انہوں نے میری پرورش اور تربیت بہت اچھی کی ہے مگر وہ خوش، سکون، اعتبار اور اعتماد نہیں دیا جو شاید تمہارے والدین نے تمہیں دیا ہے۔" حسنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے اپنا نقاب چہرے سے ہٹا دیا۔ اسے صرف "یعنی دیکھ پارہی تھی۔ وہ ٹشو پیپر سے اپنے چہرے کو صاف کرنے لگی۔ "یعنی حیرت

کھین صوب طے کھیل دل

سے اس کے حسین چہرے کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ وہ اس قدر حسین تھی کہ اس کے چہرے پر سے نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں۔ حسنہ سسکیاں بھر رہی تھی اور "یعنی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آئی ایم سوری۔" "یعنی نے اپنا کالا سیاہ ہاتھ اس کے سفید سر میں ہاتھ پر رکھا۔ "بہت کوشش کرتی ہوں مگر ان مخرومیوں کو ختم نہیں کر سکتی۔" حسنہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے بتایا۔ "تمہاری اس خامی کو اب میں دور کروں گی۔" "یعنی نے بڑے اعتماد اور خلوص سے کہا تو حسنہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "یہ جیس ختم کرو، میں تمہارے لیے کولڈ ڈرنک لے کر آتی ہوں۔" "یعنی اپنی سیٹ سے اٹھی اور جلدی سے اس کے لیے ایک کولڈ ڈرنک لے کر آ گئی۔ "آپ نے کیوں تکلف کیا؟" حسنہ نے قدرے گھبرا کر کہا۔ "تم جب تک اپنی پرستش سے خوف ختم نہیں کرو گی، تب تک پُر اعتماد نہیں ہو سکتیں۔" "یعنی نے کہا۔ "تو کیا کروں؟" حسنہ نے چونک کر پوچھا۔ "کہو۔۔۔۔۔" "یعنی ایک نہیں دو کولڈ ڈرنکس لے کر آؤ اور اس کے ساتھ برگر بھی کیونکہ مجھے بھوک لگی ہے۔" "یعنی نے اتنے اعتماد سے کہا تو حسنہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ "that's good" "یعنی نے مسکرا کر کہا اور کولڈ ڈرنک اس کی جانب بڑھائی۔ "صرف یہ۔۔۔۔۔ برگر کہاں ہے؟" حسنہ نے جلدی سے کہا تو "یعنی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اپنی سیٹ سے اٹھی۔ "excellent" اب ایک نہیں دو برگر لاؤں گی۔ ایک تمہارے لیے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔" "دوسرا بھی میرے لیے۔" حسنہ جلدی سے اس



کی بات کاٹتے ہوئے بولی تو دونوں کھٹکھٹا کر ہنسنے لگیں۔  
☆☆☆  
آزاد کو ہوش آچکا تھا اور آپریشن کر کے اس کے پاؤں سے گولی نکال دی گئی تھی۔ اس کے دوست وہیں تھے۔ وہ سب اس کا دل بہلانے کو اس سے ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے مگر آزاد کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی تھی۔  
"یار تمہارا آپریشن بالکل ٹھیک ہو چکا ہے اور اب چند دنوں میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔۔۔۔۔ پھر اداس کیوں ہو رہے ہو؟" جواد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے پوچھا۔  
"کچھ نہیں۔۔۔۔۔" آزاد نے برا سامنہ بنا کر جواب دیا۔  
"اگر تم چاہتے ہو تو تمہارے پیرئش کو اتھارم کریں؟" فرخ نے پوچھا۔  
"نہیں، وہ کیا کریں گے سوائے بار بار مجھے کال کرنے کے۔" آزاد نے بیزاری سے جواب دیا۔  
"پھر تمہارے چہرے پر اتنی افسردگی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ کیا وہ یاد آ رہی ہے؟" اسامہ نے مذاق کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔  
"نٹ اپ۔۔۔۔۔" آزاد نے غصے سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تو سب خاموش ہو گئے اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔  
"آئی ایم سوری۔" آزاد قدرے توقف کے بعد بولا۔۔۔۔۔ مگر پھر بھی سب خاموش رہے۔  
"تم لوگ بار بار اس کا ذکر کر کے مجھے تاراج کرنے کی کوشش کرتے ہو اور مجھے اس سے اپنی انسٹل فیل ہوتی ہے۔" آزاد نے گہری سانس لیتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا۔  
"آئی ایم سوری یار۔۔۔۔۔ تم نے تو اس کو بہت سیرسلی لیا ہے۔ just leave it now۔"

"کاش میں بھی اس بات کو تمہاری طرح بہت لاکھنی لے سکتا۔" آزاد نے غصے سے جواب دیا۔  
"تم کب سے اتنے sensitive ہوئے گئے؟" جواد نے حیرت سے پوچھا۔  
"جب سے میری انسٹل ہوئی ہے میرے اندر اب آگ سی بھڑک رہی ہے۔" آزاد نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔  
"یار اب ہم تمہیں یہ مشورہ تو نہیں دیں گے کہ تم بھی جا کر اسے ایک پیچٹر لگا دو، اس لیے ایسی انتہائی باتیں سوچنے کا کیا فائدہ، پلیز کوئل ڈاؤن ناؤ۔" فرخ نے اپنی رائے دی۔  
"ہاں۔۔۔۔۔ یار اب تھوڑا بھی اس بات کو۔۔۔۔۔ کیوں سر پر سوار کر کے بیٹھے ہو۔ کبھی موقع ملا تو بدلہ لے لینا۔ be brave" جواد نے کہا جو اس کا سب سے قریبی دوست تھا۔  
"cheer up now" اسامہ نے کہا۔۔۔۔۔ تو آزاد نے زیر لب مسکرا کر سب دوستوں کی طرف دیکھا۔  
"یہ ہوئی نا بات۔۔۔۔۔" فرخ نے کہا اور سب مسکرا کر آزادی کی طرف دیکھنے لگے۔  
☆☆☆  
فہام پینٹ کوٹ میں ملبوس آفس جانے کے لیے تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو غدیجہ صوفے پر بیٹھی موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ ردا انتہائی خوشی میں کمرے سے بھاگتے ہوئے لاؤنج میں آئی۔  
"فہام بھائی! میں پاس ہو گئی اور میرا "A" گریڈ آیا ہے۔ میں ابھی ایف بی کیپیوٹر پر رزلٹ دیکھ کر آئی ہوں۔" ردا نے خوشی سے چلتے ہوئے کہا تو فہام نے خوشی سے اپنے دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے محبت سے چوما۔  
"مبارک ہو۔۔۔۔۔ واو۔۔۔۔۔ آج تو میری گڑ گریجوٹ ہو گئی۔" فہام نے خوشی سے کہا تو حمیلہ

فہام کا آفس بیگ لے کر کمرے سے باہر نکلی اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لگے دیکھ کر چوکی۔  
"فہام۔۔۔۔۔ آپ آفس سے لیٹ ہو رہے ہیں۔" حمیلہ نے بیگ پکڑاتے ہوئے کہا۔  
"بھئی۔۔۔۔۔ اب تو میں آفس نہیں جا رہا۔۔۔۔۔ میری گڑیا پاس ہوئی ہے۔ آج میں اسے خوب گھماؤں گا، پھراؤں گا۔۔۔۔۔ شاپنگ کراؤں گا اور رات کو ہم سب ڈنر کے لیے باہر جائیں گے۔" فہام نے ردا کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو حمیلہ کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔  
"رات کو تو ہم نے۔۔۔۔۔؟" حمیلہ نے آہستہ آواز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔  
"تمہارے سارے پروگرام کنسل۔۔۔۔۔ آج صرف ردا کی success celebrate ہوگی۔" فہام نے ایک دم اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو حمیلہ نے چونک کر اسے دیکھا اور گہری سانس لے کر ردا کی طرف دیکھنے لگی۔  
"ہاں۔۔۔۔۔ ہاں کیوں نہیں۔۔۔۔۔ ردا کی خوشی سے بڑے گریٹ ہیں کچھ عزیز نہیں۔" حمیلہ نے چونک کر اسے دیکھا اور جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔  
"that's good" فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
"مبارک ہو۔۔۔۔۔ خدا تمہیں ہمیشہ کامیابیاں دے۔۔۔۔۔ اور تمہیں بہت خوش رکھے" غدیجہ نے محبت سے نیلی کو چومتے ہوئے کہا۔  
"آمین۔۔۔۔۔" فہام نے جلدی سے کہا تو سب مسکرانے لگے۔  
☆☆☆  
ماں جی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔ ردا جیل آفس سے تھکا ہوا آیا اور ماں جی کے قریب خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا اور صوفے کی پشت کے ساتھ سر تکا دیا کیونکہ ماں جی

کھد کھد جلع کھد دل

آنکھیں بند کیے ورد پڑھنے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں تو وہ مسکرا، باتنا۔  
"السلام علیکم۔۔۔۔۔ ماں جی!" ردا جیل نے قدرے بلند آواز میں کہا۔  
"و علیکم السلام بیٹا!" ماں جی نے مسکرا کر اسے جواب دیا اور اس کے سر پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر دعائیں دینے لگیں۔  
"اللہ تمہیں لمبی زندگی، خوشیاں اور محبت دے۔" ماں جی نے ردا جیل کی طرف دیکھ کر کہا۔  
ردا جیل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔  
"بیٹا کھانا لاؤں؟" ماں جی نے ردا جیل کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
"نہیں۔۔۔۔۔ ابھی مجھے بھوک نہیں ہے، پہلے فریٹش ہو جاؤں پھر بعد میں کھاؤں گا۔" ردا جیل نے انگریزی لیتے ہوئے جواب دیا۔  
"بیٹا! آج میں نے یاد رکھی امی کو فون کیا تھا۔" ماں جی نے مسکراتے ہوئے ردا جیل سے کہا تو وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔  
"کیوں۔۔۔۔۔؟" ردا جیل نے یک دم چونک کر پوچھا۔  
"وہ اس لڑکی ردا کے لیے۔ نہیں یاد ہے ناں؟" ماں جی نے مسکرا کر کہا۔  
"ماں جی۔۔۔۔۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے، مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ردا جیل نے حیرت سے کہا۔  
"بیٹا! میں نے ان سے کہا ہے۔ کہ وہ تمہاری اور ردا کی بات چلائیں۔" ماں جی نے خوش ہو کر راز دارانہ انداز میں کہا تو وہ چونکا۔  
"ماں جی! آپ تو واقعی سیریس ہو گئی ہیں۔" ردا جیل نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
"ہاں۔۔۔۔۔ وہ لڑکی ایسی میرے دل میں ساکی ہے، وہ مجھے بھولتی ہی نہیں۔ دل چاہتا ہے کہ ابھی جا کر تمہارے رشتے کی بات کہی کر آؤں۔" ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ان کے چہرے پر خوشی



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ قلمیہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل ٹیک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پیسے سے موجود مواد کی چیلنگ اور اچھے پرنٹ کے
- ✧ ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی سب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے
- ✧ کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف
- ✧ سائٹوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیر پوائنٹ مارل کوئی پیر پوائنٹ
- ✧ عمران میریز از مظہر کلیم اور
- ✧ اینٹ صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈ فوری ٹیکس، لنکس، ویسے کمانے
- ✧ کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فوراً سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook



کے رنگ نمایاں ہونے لگے۔  
 ”اوہ..... ماں جی آپ تو حد کر رہی ہیں۔ بھلا اتنی جلدی اور وہ بھی لڑکی کو جانچے بغیر۔“ روحیل نے ہنستے ہوئے کہا۔  
 ”میرا دل کہتا ہے کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس لیے مجھے اس کے بارے میں کچھ جاننے کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھی امی کہہ رہی تھیں کہ وہ کل روا کی امی سے بات کریں گی۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا تو روحیل ایک گہری سانس لے کر ماں جی کی طرف دیکھتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔  
 ☆☆☆  
 ساری فیملی ایک چائیز ریٹورنٹ میں ڈنر کرنے میں مصروف تھی۔ روا خاص طور پر تیار ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ٹیبل پر کافی زیادہ کنفکس رکھے تھے اور وہ چہرے سے بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔  
 ”ہاں..... بھئی فہام بھائی کی گریجویٹ ڈولی! اب کیا ارادے ہیں؟“ عاصم نے مسکرا کر روا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”یہ تو فہام بھائی کو ہی پتا ہے کہ میرا گس یونیورسٹی میں ایڈمیشن کرانا ہے۔“ روا نے مسکراتے ہوئے فہام کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”ہاں..... میں کل ہی تمام یونیورسٹیز کے بارے میں انفارمیشن لیتا ہوں اور جس سبجیکٹ میں روا ماسٹر کرنا چاہے اس میں ایڈمیشن کرادوں گا۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”میں تو کہتی ہوں..... یہ I.T کا زمانہ ہے کوئی کمپیوٹر کورس کروادیں۔“ قمیلا نے منہ بنا کر بیڑاری سے کہا۔  
 ”نہیں، نہیں میری گڑیا ماسٹر کرے گی۔ یہ میری خواہش ہے اور روا کا خواب۔ اور اسے معمولی کورسز کرنے کی ضرورت نہیں اتنا تو وہ جانتی



ناولٹ

# کہیں دیکھ چکے ہیں دل

قصہ حیات

پانچواں حصہ



شمیلہ اپنا موبائل ہاتھ میں پکڑے قدروے  
 بوکھلائی ہوئی کھڑی تھی۔  
 ”آر یو اوکے... کیا ہوا تمہیں...؟“ فہام  
 نے قریب آ کر حیرت سے اس سے پوچھا۔  
 ”یہ ردا کے لیے کسی کا sms آیا ہے“  
 میرے سیل پر۔“ شمیلہ نے موبائل اسے دکھانے  
 ہوئے کہا۔ فہام بری طرح چونکا اور موبائل اس کے  
 ہاتھ سے لے کر بیچ پڑھنے لگا۔



”کیا ردا کا کسی کے ساتھ افہر ہے؟“ حمیلہ نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”اگر اس کا کسی کے ساتھ افہر ہوتا تو صبح تمہیں نہیں اسے آتا۔“ فہام قدرے ترش لہجہ میں بولا۔  
”پھر اس کا کیا مطلب ہے بھلا.....؟“ حمیلہ نے چونک کر پوچھا۔

”کوئی جان بوجھ کر ردا کا اینج خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور ایسے sms ہمیں پہلے بھی آتے رہے ہیں۔“ فہام نے سچ کو ڈیلیٹ کرتے ہوئے کہا۔

”مگر کوئی ایسا کیوں کر رہا ہے؟“ حمیلہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”اسی“ کیوں“ کا جواب تو نہیں مل رہا۔“ فہام گہری سانس لے کر بولا۔

”لیکن ہر بات کی کوئی نہ کوئی base تو ہوتی ہے ناں!“ حمیلہ نے معنی خیزی سے کہا۔

”کیا تم میری بہن پر شک کر رہی ہو؟“ فہام نے غلطی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”خبردار..... ایسا سوچنا بھی مت..... میں اپنی بہن کی عزت اور پاکدامنی کا خود سب سے بڑا گواہ ہوں اگر کوئی میرے سامنے آکر بھی ایسی بات کہے تو میں پھر بھی یقین نہیں کروں گا..... اور پلیز تم بھی اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا..... اگر میں نے ایسی دیسی کوئی بات سنی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ فہام نے اسے دیکھ کر انگلی کے اشارے سے دھمکی کے انداز میں کہا۔

☆☆☆

صبح فہام بیدار ہوا تو اس کی طبیعت بہت بے چین تھی وہ بہت خاموش تھا۔ حمیلہ سے بھی ٹھیک طرح سے بات نہیں کر رہا تھا وہ آفس کے لیے تیار ہو کر ماں کے کمرے میں آیا۔

”مما.....! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“ فہام

نے خدیجہ کے قریب بیٹھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔  
”ہاں ویسے تو ٹھیک ہوں بس رات کو ڈر سے لیٹ آنے کی وجہ سے طبیعت کچھ بوجھل سی ہو رہی ہے۔“ خدیجہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”مگر تم کچھ پریشان سے لگ رہے ہو۔“ خدیجہ نے فہام کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

”مما..... جس طرح کے سمیجز کوئی حاتم کو کرتا تھا ویسا ہی اب حمیلہ کو آیا ہے۔“ فہام نے قدرے توقف کے بعد کہا۔  
”کیا.....! وہ بری طرح گھبرا کر بولیں۔

”آپ ذرا سوچیں..... خاندان میں خاندان سے باہر کوئی ایسا شخص تو نہیں جو ردا کے خلاف ہو اور اس سے کوئی دشمنی کر رہا ہو۔“ فہام نے خدشہ ظاہر کیا۔  
”ردا کا دشمن.....! مطلب کون ہو سکتا ہے؟“ خدیجہ حیرت سے بولیں۔

”ہاں..... بات تو ناقابل یقین ہے کہ کوئی ردا کا بھی دشمن ہو سکتا ہے مگر ممایہ دنیا ہے، بہت سے لوگ دوستی کی آڑ میں بھی بہت دشمنی پال لیتے ہیں۔ انسان کسی کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ فہام نے گہری سانس لے کر کہا۔

”ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ ایسا کون ہو سکتا ہے؟ کیا پتا کسی کو ہمارے پورے گھر والوں سے ہی دشمنی ہو۔“ وہ کافی فکر مند ہو کر بولیں۔ ”ویسے اگر تم کہو تو میں ردا سے پوچھوں.....“ خدیجہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہرگز نہیں..... وہ بہت معصوم اور حساس ہے، کسی ایسی ویسی بات کا اس نے سنجیدگی سے اثر لے لیا تو بیمار پڑ جائے گی اور میں اسے نہ تو پریشان دیکھ سکتا ہوں اور نہ ہی بیمار..... پہلے میں بھی اس بات کو غیر اہم سمجھ رہا تھا لیکن اب مجھے لگ رہا ہے یہ ایک سیریس معاملہ بن جائے گا۔“ فہام بہت سنجیدہ تھا۔  
”یا اللہ خیر! یہ تو ہمیں کس مسئلے میں الجھا رہا

ہے؟“ خدیجہ پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔  
”مما.....! مسائل انسانوں کے لیے آزمائش ہوتے ہیں، ہمیں ہی انہیں سلجھانا ہوتا ہے۔ آپ فکر نہیں کریں۔“ فہام نے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہاں سے چلا گیا مگر خدیجہ کو سوچنے کے لیے بہت کچھ دے گیا۔

☆☆☆

رشتا کی شادی اور فوراً تو قیر کا آسٹریلیا جانا.....  
خبر کو کوئی پریشان کن صورت حال کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔ وہ بھی اتنے بڑے گھر میں تنہا رہی تھیں۔ امریکا میں دل نہ لگنے کے باعث وہ دونوں بچوں کے ساتھ اپنے ملک میں ہی مقیم تھیں جبکہ ان کے شوہر ظفر صاحب ہر چھ مہینے بعد چکر لگا لیتے تھے۔ وہاں سیٹ کیے گئے کاروبار سے وہ کافی مطمئن تھے واپس پاکستان آکر بسنا انہیں خاصا مشکل نظر آ رہا تھا اب جبکہ دونوں بچے بھی اپنے دیس میں نہیں تھے انہوں نے بیوی کی تنہائی کو سنجیدگی سے محسوس کیا اور ان کو مستقل امریکا بلانے پر اصرار کرنے لگے۔ ادھر رشتا نے بھی ماں کو سمجھایا اور وہ گھر بار پیک کر کے بحالت مجبوری امریکا جانے کو تیار ہو گئیں۔ جاتے جاتے بھی وہ اس لڑکی کو کوس رہی تھیں جس کی محبت میں پاگل ہو کر ان کے بیٹے نے دیس نکالا قبول کیا تھا۔ رشتا نے لاکھ چاہا کہ بھائی سے اگلو الے کہ وہ کون لڑکی تھی تاکہ وہ خود اس کے گھر جا کر اس سے التجا کر سکے مگر تو قیر نے بھی ہر صورت اس کا پردہ رکھا اور جاتے جاتے بھی کچھ نہ بتایا۔ رشتا کو ماں کی طرف سے اب اطمینان ہو گیا تھا کہ کم از کم وہ تنہا نہیں بلکہ پاپا کے پاس جا رہی ہیں۔

☆☆☆

حمیلہ کمرے کا دروازہ اچھی طرح بند کر کے صوفے پر بیٹھی تھی اور قدرے مشکوک انداز میں ماں کا ٹیبلٹ لے رہی تھی۔

”ہیلو..... ممایہ کیسی ہیں آپ؟“ حمیلہ نے مسکراتے ہوئے ان کی خیریت پوچھی۔  
”اللہ کا شکر ہے، ٹھیک ہوں۔“ ریحانہ نے گہری سانس لے کر کہا۔  
”مما! آپ کو ایک بہت اہم بات بتانی ہے۔“ حمیلہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور ماں کو ردا کے بارے میں ساری بات بتانے لگی۔

”مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ ردا ضرور کوئی گل بکھلائے گی، یہ جتنی لاڈلی بیٹیاں ہوتی ہیں اتنی ہی سر چڑھی بھی ہوتی ہیں۔ ماں، باپ کے لاڈ سے نا جائز فائدہ اٹھاتی ہیں۔“ حمیلہ طنزیہ انداز میں کہہ رہی تھی۔  
”حمیلہ! کیا فضول باتیں کر رہی ہو، ردا بالکل بھی ایسی نہیں۔“ ماں نے غلطی سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”سارے خاندان کو یہی خوش فہمی لے ڈوبے گی، آپ لوگوں کو تو اس دن پتا چلے گا ناں جب وہ کسی دن کسی کا ہاتھ پکڑ کر صوب کے سامنے کھڑی ہو جائے گی اور کہے گی یہ ہے میرا محبوب!“ حمیلہ منہ بنا کر طنزیہ بولی۔

”بکواس مت کرو۔“ انہوں نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو اسی لیے کوئی بات نہیں بتاتی کہ آپ نے میری کسی بات کا یقین نہیں کرنا ہوتا۔“ وہ غصے میں ماں سے بولی۔

”ہاں..... تو کیوں یقین کروں، کیا مجھے نظر نہیں آتا کہ ردا کیسی ہے۔ تمہارا یقین اور ایمان اتنا کمزور کیوں ہے کہ تم فوراً ہی ایسی باتوں پر اندھا دھند اعتماد کر لیتی ہو، تمہیں تو ردا کی ڈھال بننا چاہیے۔“ ریحانہ نے غصے سے اسے ہی ڈانٹا۔

”اس کا بھائی ہے ناں اس کی ڈھال..... اسے نہ میری ضرورت ہے اور نہ ہی مجھے اس کی۔“  
”تم کیوں..... ردا سے اتنا کینہ رکھتی ہو؟“



ریحانہ نے جھنجھلا کر کہا۔

”آپ جو اس سے محبت کرتی ہیں بس یہی کافی ہے۔“ حمید نے غصے سے کہا اور کھانک سے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

روحیل کی ماں جی کو ردا اس قدر پسند آگئی تھی کہ انہوں نے زیادہ انتظار نہ کیا اور جھٹ سے خاور کی ماں ثروت کے ذریعے خدیجہ بیگم کو پیغام بھجوادیا۔ وہ تو ردا کے رشتے کی بات سن کر کچھ پریشان ہوگئی تھیں ان کے خیال میں ابھی تو فہام کی شادی سے فارغ ہوئی تھیں ابھی ردا کی نہیں حاتم کی شادی کرنے کا ارادہ کر رہی تھیں مگر ثروت بہن نے کچھ اس انداز سے بات کی کہ خدیجہ بیگم بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئیں۔ اس روز بھی جب خاور کی والدہ کا فون آیا تو وہ متذبذب تھیں۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن ابھی تو ردا کا رزلٹ آیا ہے اور وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا سوچ رہی ہے۔“ خدیجہ نے ثروت بہن کے بار بار فون آنے پر پریشانی سے کہا۔

”بہن..... لڑکیاں جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں..... ایک نہ ایک دن ان کی شادی تو کرنی ہوتی ہے ناں اور روحیل اتنا اچھا لڑکا ہے کہ میں آپ کو کیا بتاؤں۔ کمپیوٹر انجینئر ہے اور ویسے بھی بہت اچھا اور سلیکھا ہوا شریف لڑکا ہے۔ گھر میں صرف ماں اور بیٹا ہیں اور آپ کو کیا چاہیے۔ آج کل ایسے رشتے بڑے نصیب سے ملتے ہیں۔“ انہوں نے کہا۔

”کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں بہن..... مگر اتنی جلدی.....؟“ خدیجہ نے پریشان ہو کر کہا۔

”جلدی یادیر کیا..... آپ بس اچھے رشتے کو دیکھیں..... یاور بھی اس کی بہت تعریف کر رہا تھا۔“ ثروت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں فہام سے بات کرتی ہوں، ردا کا ہر فیصلہ فہام کرتا ہے، وہ اس کے باپ کی جگہ

ہے۔“ خدیجہ گہری سانس لے کر بولیں۔

”ٹھیک ہے، میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گی۔“ ثروت نے خوش ہو کر کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

اسی لمحے فہام لاؤنج میں آیا تو ماں کو فون سیٹ کے قریب بیٹھا کر دیکھ کر ان کے قریب آ گیا۔

”کیا کسی کا فون آیا تھا، آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟“ اس نے ماں کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

”خاور کی امی کا فون تھا۔ ردا کے لیے ایک پروپوزل بتا رہی تھیں۔“ انہوں نے فہام کو بتایا۔

”کیا ردا کے لیے پروپوزل؟“ فہام نے انتہائی حیرت سے کہا۔

”نہیں..... نہیں ہم نے ابھی کوئی رشتہ نہیں کرنا۔ ابھی ردا کو بہت پڑھنا ہے۔“ فہام نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”وہ بتا رہی تھیں کہ لڑکا بہت اچھا ہے، یاور کا دوست ہے روحیل..... میرا خیال ہے یہ وہی لڑکا ہے جو اپنی ماں کے ساتھ ہماری ٹیبل پر بیٹھا تھا۔“ خدیجہ نے کچھ یاد کرتے ہوئے بیٹے کو بتایا۔

”ہاں..... لڑکا تو اچھا ہے مگر پھر بھی ماما.....“ فہام نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”تو کیا پھر..... میں انہیں انکار کر دوں؟“ خدیجہ نے حیرت سے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

”بیٹا..... آج کل اچھے رشتے ملنا بہت مشکل ہے کیا امیر کیا غریب..... شرافت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ بانی سب کچھ تو مل جاتا ہے مگر شرافت نہیں۔“

خدیجہ نے اس کی طرف بغور دیکھ کر سمجھاتے ہوئے کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں..... لیکن ردا ابھی بہت چھوٹی ہے۔ شادی کی بھاری ذمہ داری کیسے اٹھائے گی؟“

”بیٹا وقت انسان کو سب کچھ سکھا دیتا ہے، تم

بہن کی بن کر سوچ رہے ہو اور میں ماں۔“ خدیجہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

”پھر آپ کا کیا خیال ہے.....؟“ وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

”ہم سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کریں گے۔“ خدیجہ نے گہری سانس لے کر کہا اور ایک دم کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔

”ماما میں ابھی کچھ مصروف ہوں۔ پھر آپ سے بات کروں گا۔“ فہام کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

”بیٹا..... میں نے کچھ دن پہلے یاور کی امی سے رشتے کی بات کی تھی، آج پھر میں نے انہیں فون کیا تھا تو وہ کہہ رہی تھیں کہ لڑکی والوں نے سوچنے کے لیے ٹائم مانگا ہے۔“ ماں جی نے کھانا کھاتے ہوئے روحیل کو آج کی روداد سنائی۔

”ٹھیک ہے جو ان کی مرضی۔“ روحیل نے آہستہ سے کہا۔

”کیا تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا، میں اس رشتے سے انکار نہیں سنتا چاہتی۔“ ماں جی نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

”ماں جی..... آپ کیوں اتنا سوچ رہی ہیں، کیا پتا وہ انکار کر دیں تو۔“ روحیل نے جھنجھلا کر کہا۔

”بس وہ لڑکی میرے دل میں ایسے اتر گئی ہے کہ کیا بتاؤں۔ دل چاہتا ہے کہ اسے بہو بنا کر فوراً اپنے گھر لے آؤں۔“ ماں جی نے خوش ہو کر کہا۔

”یہ تو ان لوگوں کی مرضی ہے کہ وہ رشتہ کریں یا نہ کریں، ہم انہیں مجبور تو نہیں کر سکتے۔“ روحیل قدرے بے پروائی سے بولا۔

”کیوں بیٹا.....؟“ وہ فکر مند ہو گئیں۔

”ماں جی ہم ان کے پیچھے تو نہیں پڑ سکتے ناں..... اب آپ بار بار مت پوچھیے گا۔“ ماں جی حیرت اور فکر مندی کے ملے جلے تاثرات لیے بیٹے کو

دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

خدیجہ اپنے کمرے میں بیٹھ پر آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں لیکن ان کا ذہن مسلسل سوچوں میں گم تھا۔ وہ بار بار کروٹیں بدل رہی تھیں۔ بھی وہ بے تاب ہو کر اٹھ بیٹھتیں اور پریشان ہو کر سوچ میں پڑ جاتیں۔

”کون میری بیٹی کے پیچھے پڑ گیا ہے جو اس سے اتنی دشمنی کر رہا ہے۔“ اچانک ان کے سامنے زہرہ کا چہرہ گھومنے لگا جو ان کی دور کی سسرالی رشتے دار تھیں۔

”خدیجہ..... آج میں اپنے فرحان کے لیے تمہاری ردا کا ہاتھ مانگنے آئی ہوں۔“ زہرہ نہ جانے کہاں سے اتنے عرصے بعد اس روز وارد ہوئی تھیں۔

خدیجہ کو سب کچھ یاد آنے لگا تھا۔

”ک..... کیا ردا کے لیے؟“ انہوں نے بوکھلا کر کہا تھا۔

”ہاں، فرحان نے ردا کو جب سے دیکھا ہے تب سے اس کا دیوانہ ہو گیا ہے، کہتا ہے شادی کروں گا تو صرف ردا سے۔“ زہرہ نے مسکرا کر رازدارانہ انداز میں کہا۔

”نہیں..... نہیں..... ابھی تو ردا پڑھ رہی ہے۔“ خدیجہ نے بڑی ملائمت سے کہا، وہ زہرہ کا خیکھا مزاج جانتی تھیں۔

”پڑھائی کا شادی سے کیا تعلق بھی..... ماؤں کو لڑکیوں کی شادی کی فکر کرنی چاہیے..... پڑھائی کی نہیں، میرا فرحان اسے بہت خوش رکھے گا۔“ زہرہ نے اپنے دیدے بچاتے ہوئے کہا۔

”جب شادی کا وقت آئے گا تب دیکھی جائے گی۔ ابھی تو نہ میں نے اس کی شادی کا سوچا ہے اور نہ ہی اس کے بھائیوں نے۔“ خدیجہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

”خدیجہ..... تم میرے ہاں لڑکی نہ دینے کا بہانہ تو نہیں بنا رہیں؟“ زہرہ نے تک چڑھے پن



سے کہا۔

خدیجہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا  
انہیں زہرہ کا یوں رشتہ لے کر آنا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔  
”بھئی میرا فرحان پڑھا لکھا اور کماؤ ہے۔“

زہرہ نے ایک دم موڈ بدل کر نرمی سے کہا۔  
”فرحان..... رو اسے دگنی عمر کا ہے اور جو کام  
کا ج وہ کرتا ہے سارے خاندان کو پتا ہے۔ زہرہ اگر  
تم ذرا بھی سمجھدار ہو تیں تو ہمیں تو یہ رشتہ ہمارے گھر  
لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔“ خدیجہ نے کہا۔

”کیوں.....؟ کیا ہمارے پاس دولت نہیں۔  
ہم کسی طرح تم سے کم نہیں۔“ زہرہ نے اپنی سونے  
کی درجن بھر چوڑیوں کو کھٹکا کر دیکھتے ہوئے کہا۔  
”بس مجھے یہ رشتہ نہیں کرنا.....“ خدیجہ نے  
خفگی سے دیکھ کر ٹھوس لہجے میں کہا۔

”تم بڑا پچھتاؤ گی.....“ زہرہ غصے سے  
آنکھیں کھما کر بولیں۔  
”کیا تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟“ خدیجہ نے  
بھی غصے سے کہا۔

”زہرہ کی آج تک کسی نے اتنی بے عزتی نہیں  
کی ہے اور اس بے عزتی پر میں خاموش ہرگز نہیں  
رہوں گی۔“ وہ طنزیہ مسکراہٹ سے بولیں۔  
”ٹھیک ہے جو چاہو کرو۔“ خدیجہ نے بھی دو  
ٹوک انداز سے کہا۔

”تمہیں بڑا مان ہے نا اپنی بیٹوں کی محبت اور  
ان کی دولت پر..... سب اڑ نکل جائے گی۔“ زہرہ  
نے غصے سے کہا اور وہاں سے چلی گئیں اور خدیجہ  
صرف ہول کر رہ گئی تھیں۔ خدیجہ کو سب کچھ یاد تھا وہ  
ایک دم گھبرا کر انھیں ان کے چہرے پر پریشانی کے  
آثار تھے۔ بے خیالی میں انہوں نے اپنے چہرے پر  
ہاتھ پھیرا تو وہ پسینے سے تر تھا۔

”کہیں زہرہ اور اس کا بیٹا تو.....؟“ خدیجہ  
نے پریشانی سے سوچا اور اپنا چہرہ دوپٹے سے پونچھنے

لگیں۔ وہ گھبرائی ہوئی اپنے کمرے سے نکلیں تو فہام  
اور حمیدہ کو لاؤنج میں بیٹھا پایا۔

”مما! آپ لٹک تو ہیں.....؟“ فہام نے ماں  
پر نظر پڑتے ہی ان کی گھبراہٹ کا اندازہ لگا لیا تھا۔

”حمیدہ! تم ماما کے لیے جلدی ٹھکوزے لے آؤ۔ ان  
کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ فہام نے حمیدہ سے  
جان بوجھ کر کہا تو وہ ناگواری سے وہاں سے چلی گئی۔

”مما کیا بات ہے؟ آپ بہت گھبرائی ہوئی لگ  
رہی ہیں۔“ فہام نے ان کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر  
بٹھاتے ہوئے کہا تو خدیجہ اسے سب بتانے لگی تھیں۔  
”کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ حرکت زہرہ آنٹی  
اور فرحان کر سکتے ہیں؟ وہ حیرت زدہ تھا۔

”مجھے شک ہے بیٹا، یقین نہیں۔“ خدیجہ نے  
گہری سانس لے کر کہا۔

”کیا رشتے سے انکار پر کوئی اس حد تک گری  
ہوئی حرکت بھی کر سکتا ہے؟“ فہام نے گہری سانس  
لے کر کہا۔

”بیٹا..... آج کل کسی کا کوئی اعتبار نہیں.....  
لوگ اوپر سے کچھ نظر آتے ہیں اور اندر سے کچھ.....  
اور زہرہ تو پورے خاندان میں کینہ پرور عورت مشہور  
ہے۔“ خدیجہ فکر مندی سے بولیں۔

”فرحان کی رہنمائی اچھی ہے..... اگر یہ  
حرکت ان دونوں کی ہے تو میں فرحان کو چھوڑوں گا  
نہیں۔“ فہام نے نہایت غصے سے کہا۔

”بیٹا ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا۔“ ماں نے اس  
کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔  
”آپ بے فکر ہیں۔“

”بیٹا..... بہت سے لوگ تم لوگوں کی آپس  
میں محبت اور ترقی سے بہت جلتے ہیں۔“  
”اور جلتے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔“

فہام نے ماں کا جملہ مکمل کیا جو لاؤنج میں آتی حمیدہ  
کے کان میں بھی پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

زہرہ کی حالت اب کافی بہتر تھی اور وہ اپنے  
قلبت میں شقت ہو چکا تھا۔ چند دنوں کے آرام کے  
بعد اس نے کالج جانا بھی شروع کر دیا۔ جس روز وہ  
کالج گیا تو جاتے ہی اس کا سامنا یمنی سے ہوا۔ وہ  
اپنی گاڑی پارک کر کے بیگ اٹھائے اندر داخل  
ہو رہی تھی۔ آزر بھی اسٹک کے سہارے چلتا ہوا اندر  
داخل ہو رہا تھا۔ یمنی نے گاگنر گارگی تھیں، اس نے  
دور سے آزر کی طرف دیکھا اور اسے نظر انداز کرتے  
ہوئے آگے بڑھ گئی مگر اسے یوں جانتا دیکھ کر آزر کے  
چہرے کے تاثرات بدلنے لگے جو ادنیٰ جو اس کے  
ہمراہ چل رہا تھا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے  
زور سے دبا دیا اور اسے نارمل رہنے کا اشارہ کیا۔

یمنی کا ریڈور میں داخل ہوئی تو حمزہ اس کا  
انتظار کر رہی تھی۔ چند دنوں میں ہی حمزہ یمنی کے  
بہت قریب آگئی تھی اور دونوں میں بہت گہری دوستی  
ہو گئی تھی۔ یمنی کی وجہ سے حمزہ میں بھی بہت تبدیلی  
آئی تھی۔ وہ قدرے پراعتماد ہو گئی تھی۔ اب وہ یمنی  
کے سامنے نہ تو اپنی محرمیوں کا زیادہ ذکر کرتی اور نہ  
ہی کسی سے کوئی گلہ شکوہ۔

یمنی کا شمار کلاس کی ذہین ترین اسٹوڈنٹس میں  
ہوئے لگا تھا وہ ایسے ایسے سوال کرتی کہ اساتذہ بھی  
اس کی ذہانت کے قائل ہو گئے تھے اور بعض اوقات  
جواب دیتے ہوئے زچ ہونے لگتے۔ بہت جلد ہی  
یمنی کی ذہانت کا ہر طرف چرچا ہونے لگا اور وہ  
اسٹوڈنٹس میں بہت مقبول ہونے لگی تھی۔ آزر کو اس  
کے دوستوں نے یمنی کی بڑھتی ہوئی شہرت کے  
بارے میں کافی بڑھاچہ حاکر بتایا تھا اور وہ حیران ہو  
کر ان کی باتیں سنتا تھا۔

”لگتا ہے سب لوگوں کی آنکھوں پر پٹی بندھ  
گئی ہے۔ اس کالی چھوٹے میں انہیں ایسا کیا خاص  
دکھائی دینے لگا ہے۔“ آزر طنزیہ لہجے میں کہتا۔

”یار وہ بہت brilliant ہے اور  
character کی بھی بہت اسٹرڈنگ ہے۔“  
فرخ نے بے حد تحریفی لہجے میں کہا۔

”تم تو خواہ خواہ ہی لڑکیوں سے امپریس  
ہو جاتے ہو۔“ آزر نے اس پر طنز کرتے ہوئے کہا۔  
”یار صرف میں ہی نہیں کالج کے تمام ٹیچرز بھی  
اس سے بہت امپریس ہیں۔“ فرخ نے نیچے دل  
سے کہا۔ اب آزر خود اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا  
تھا۔ وہ جس باوقار انداز میں شرین بے نیازی سے  
ایک برقع پوش کے ہمراہ چل رہی تھی کہ آگے چلنے  
والے خود راستہ دیتے جا رہے تھے گویا وہ کہیں کی  
مہارانی ہو۔

”مگر اس کے ساتھ کون ہے؟“ آزر نے حمزہ  
کے گورے ہاتھوں کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”ارے حمزہ ہے؟ ہماری کلاس فیلو..... اس کی  
کلور فرینڈ..... دونوں میں آج کل بہت دوستی  
ہے۔“ جو ادنیٰ جو اسے بتایا۔

”اوہ چنگاؤ کے ساتھ سفید قاخہ..... کچھ فچ  
نہیں رہی۔“ حمزہ کے نقاب پوش چہرے پر اس کی  
آنکھیں مالتھے کا کچھ حصہ تو ضرور دکھتا اور پھر دونوں  
ہاتھ اس کی رنگت کی نشاندہی..... کرتے تھے۔ آزر  
نے تسخرانہ انداز میں کہا۔

”یار کسی کو اتنا humiliate مت کرو۔“  
جو ادنیٰ سے بولا۔  
”کیوں، تمہیں بھی اس سے محبت ہونے لگی  
ہے؟“ آزر نے عجیب انداز سے کہا تو جو ادنیٰ جھپک  
کر رہ گیا۔

”پلیز یار اب مجھے اتنا بھی underestimate  
نہ کرو۔“ دونوں اسے ڈسکس کرتے ہوئے کلاس روم  
میں داخل ہو گئے۔ یمنی اگلی صف میں سب سے آگے  
حمزہ کے ساتھ بیٹھی تھی جبکہ آزر تیسری صف میں جو ادنیٰ  
کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ پھر انہوں نے پھر شروع کرنے سے



پہلے کالج میں ہونے والے الیکشنز کے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی ان کے ڈیپارٹمنٹ کے امیدوار کے بارے میں پوچھا تو سارے اسٹوڈنٹس ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر بلند آواز میں یمنی جمال یمنی جمال کہنے لگے۔

"نہیں..... نہیں میم۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"کیوں..... مس یمنی؟" مسز نجیب نے پوچھا۔

"میم..... آئی ایم ناٹ انٹرسٹڈ۔" اس نے کھڑے ہو کر قطعیت سے کہا۔

"لیکن میرا خیال ہے آپ جیسی ڈین اور آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ کو ضرور آگے آنا چاہیے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

آزر کے گروپ کے لڑکے جو مسز نجیب اور یمنی کی گفتگو بغور سن رہے تھے بلند آواز سے آزر عظیم آزر عظیم کی صدا میں لگانے لگے۔

"میم! آزر عظیم ہمارا candidate ہوگا۔" جو ادنیٰ اپنی نشست سے کھڑے ہو کر کہا۔ مسز نجیب نے چونک کر جو ادنیٰ کی طرف دیکھا۔ آزر خود بھی حیران تھا۔

"کون..... آزر عظیم.....؟" مسز نجیب نے حیرت سے پوچھا تو اس لمحے آزر دوستوں کے اصرار پر کھڑا ہو گیا۔

"آئی سی..... آئی تھنک میں آپ کو بہت دنوں بعد کلاس میں دیکھ رہی ہوں۔" مسز نجیب نے اپنی عینک درست کر کے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیس میم..... I was sick" آزر نے آہستہ سے بتایا۔

"اوکے..... کیا آپ اپنی کلاس کو represent کرنا چاہتے ہیں؟" مسز نجیب نے پوچھا۔

"we want yumna, only yumna" پوری کلاس کے اسٹوڈنٹس نے یک زبان

ہو کر کہا تو آزر کو اپنی توجہ میں محسوس ہونے لگی اور وہ کھسکا کر خاموش بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر غصے اور شرمندگی کے تاثرات نمایاں ہو رہے تھے۔

"مس یمنی اب آپ کو اس الیکشن میں ضرور participate کرنا ہوگا۔ آپ ساری کلاس کی چوائس ہیں۔" مسز نجیب نے مسکرا کر کہا تو یمنی کھڑی ہو کر سب اسٹوڈنٹس کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی شستہ لہجے میں بولی۔

"Dear guys, I think Mr Aazar is very suitable candidate, so please choose him. I am least interested in election. thanks"

آزر اور اس کے دوستوں نے چونک کر یمنی کی طرف دیکھا جبکہ باقی کے کلاس فیلوز اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔

"we want only yumna"

ایک لڑکے نے آخری صف میں سے بلند آواز میں نعرہ لگایا اور سب نے اس کی تائید کی۔ کلاس میں کافی شور مچنے لگا۔ زیادہ اسٹوڈنٹس یمنی کی حمایت میں بول رہے تھے جبکہ چند آزر کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔

"please keep quiet" مسز نجیب نے دونوں ہاتھوں کو ہلا کر تدریس سے بلند آواز میں سب کو خاموش ہونے کو کہا۔

"میرا خیال ہے آپ دونوں ہی الیکشن کے لیے کھڑے ہو جائیں اور پھر ساتھ اسٹوڈنٹس اپنی اپنی پسند سے جس کو چاہے ووٹ دیں اس طرح اکثریت جس کو ملی وہی آپ کا نمائندہ ہوگا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" سب اسٹوڈنٹس خوش سے بولے جبکہ وہ دونوں بھی خاموش ہو گئے اور ٹیچر کی رائے کو مان لیا۔

☆☆☆

"یمنی بیٹے تمہاری اسٹنڈیز کیسی جارہی ہیں؟" رات کھانے کی میز پر جمال صاحب نے اس سے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" یمنی نے کھانا کھاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا تمہارے کالج میں الیکشن وغیرہ ہو رہے ہیں؟" رتم بھی اس میں participate کر رہی ہو؟ جمال صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں، وہ اسٹوڈنٹس نے مجھے nominate کر دیا ہے ورنہ مجھے اس سب میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔" اس نے ناگواری سے کہا۔

"کیوں نہیں بیٹا..... تمہیں ایسی ایکٹیوٹیوز میں ضرور حصہ لینا چاہیے۔" جمال صاحب نے کہا۔

"کیا ضرورت ہے ان فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کی۔ ویسے بھی لڑکیوں کو ان الیکشنز وغیرہ سے دور ہی رہنا چاہیے۔" ایمین نے خفگی سے کہا۔

"ایمین تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ آج کل لڑکیاں کس شعبے میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا نہیں منوا رہیں؟ اور میں بھی چاہتا ہوں میری بیٹی ہر جگہ نمایاں دکھائی دے۔" جمال صاحب نے کہا۔

"آپ نے تو اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے اور اب مزید خراب کر رہے ہیں۔" ایمین دبے دبے لہجے میں بولیں تو یمنی نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

"مجھے اپنی بیٹی پر فخر ہے۔" جمال صاحب نے بڑے فخریہ انداز میں یمنی کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ زبردست لب مسکرا دی۔

"جمال آپ بھی ناں....." ایمین دانت کچکچا کر بولیں۔

"تم خفا کیوں ہو رہی ہو..... مجھے یہ بتاؤ۔ کیا میری بیٹی نے کبھی تمہیں نیچا دکھایا ہے؟ کبھی ہماری محبت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ کیا ایسی بات ہے جو میں اسے ڈانٹوں۔" انہوں نے

حمایت کرتے ہوئے کہا تو ایمین غصے سے انہیں گھورتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

"ہاں..... بہت اڈناں کس بات پر ہیں اسے منع کروں؟" جمال صاحب نے پھر پوچھا۔

"نہیں کیا آپ نے کل کو اس کی شادی نہیں کرتی..... اسے دوسرے گھر نہیں بھیجتا..... ایک تو اس کے سارے شوق مردانہ ہیں، دوسرے اسے اپنی ہر بات منوانے کی عادت ہے کون سے سسرال والے لڑکیوں کے یوں ناز نخرے اٹھاتے ہیں۔ ہیرے جیسی لڑکیوں کو میں نے گرتے دیکھا ہے۔ مجھے تو ہر وقت یہی فکریں پریشان کرتی ہیں۔" ایمین نے کھل کر اپنے خدشات کا اظہار کیا تو یمنی نے خفگی سے ماں کی طرف دیکھا اور ڈانٹ ٹیبل سے اٹھ کر جانے لگی تو جمال صاحب نے اسے روکا۔

"یمنی بیٹے..... آپ کھانا ختم کریں۔ ایسے خدشات ہر ماں، باپ کو ہوتے ہیں۔ ایمین بھی ایک ماں ہے، تم ان کے جذبات کو سمجھو اور اسے اتنا سیریس مت لو۔"

"مگر ڈیڈی....." یمنی نے کچھ کہنا چاہا تو جمال صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"میں سمجھتا ہوں بیٹا تمہاری فیلنگو مگر تمہاری ماں بھی کسی حد تک ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر پھر بیوی سے مخاطب ہوئے۔

"اگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں اپنی بیٹی کو گھر میں قید کر کے عام لڑکیوں کی طرح اس کی تربیت کروں گا یا اس پر بے جا پابندیاں لگاؤں تو یہ ناممکن ہے۔ یہی سسرال کی ڈیمانڈز تو کون سے سسرال والے اپنی بہوؤں سے خوش ہوئے ہیں۔ اب تم اپنے کو ہی دیکھ لو بہت سکھڑ اور تعلیم یافتہ تھی ناں لیکن ماں جی کبھی تم سے مطمئن ہوئیں؟" جمال نے معنی خیزی سے کہا تو ایمین خاموش ہو گئیں۔ بات تو وہ درست کر رہے تھے۔

"اس لیے جو میں کر رہا ہوں، کرنے دو اور جو



یعنی کرنا چاہتی ہے ہمیں اسے فل سپورٹ کرنی چاہیے۔ ہماری ایک ہی تو بیٹی ہے، ہماری تو کل کائنات یہی ہے اور مجھے اپنی اس کائنات کو کھکشاؤں سے بھرنا ہے۔ جمال صاحب نے قدرے جذباتی انداز میں کہا تو ایمن خاموش ہو گئیں۔

”بیٹا! جو کام کرنے کا سوچو اسے بھرپور انداز سے کرنے کی کوشش کرو۔۔۔۔۔ اب جبکہ تم الیکشن میں حصہ لے رہی ہو تو یہ الیکشن تمہیں جیتنا ہے ہر صورت میں، تم اسٹوڈنٹس کی امید ہو، وہ تم پر اعتماد کر رہے ہیں ان کے اس بھروسے کو توڑنا نہیں۔ بی کو فیڈنٹ۔۔۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے پرنسپل نے فون کر کے تمہارے بارے میں بتایا تھا اور مجھے خوشی ہوئی تھی کہ تمہیں اسٹوڈنٹس نے نامزد کیا ہے۔“ جمال صاحب نے مسکرا کر کہا۔

”اوکے۔۔۔۔۔ ڈیڈی۔۔۔۔۔ لیکن آپ وعدہ کریں آپ انتظامیہ پر کسی قسم کا پریشر نہیں ڈالیں گے۔ مجھے میں سچویشن ہینڈل کرنے کی کئی پوزیشنل ہے مجھے اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے۔“ یعنی نے اپنا کھانا ختم کرتے ہوئے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”یقیناً۔۔۔۔۔ مائی ڈیر۔۔۔۔۔ میں بھی ہمیشہ اس بات کا قائل رہا ہوں کہ undue فیور سے انسان وقتی کامیابی تو حاصل کر لیتا ہے مگر اس کامیابی میں نہ تو عزت ہوتی ہے اور نہ ہی وقار۔“ جمال صاحب نے کہا تو یعنی مسکرائے لگی۔

☆☆☆

آزر کے سارے دوست اس کے فلیٹ میں جمع تھے اور صورت حال پر اپنی، اپنی رائے دے رہے تھے۔ آزر بظاہر ان کی باتیں سن رہا تھا مگر اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ وہ سگریٹ کے گہرے کش لگاتے ہوئے دیوار کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں یعنی کا چہرہ بار بار نمودار ہو رہا تھا۔

”یار آزر۔۔۔۔۔ اس الیکشن کو جیتنا تمہارے لیے

ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔۔۔۔۔ اسے جیت کر تم یعنی سے اپنی انسلٹ کا بدلہ بھی لے سکتے ہو۔“ فرخ نے مسکرا کر کہا مگر آزر نے کوئی جواب نہ دیا۔

”لیکن یعنی کو ہرانا آسان نہیں۔۔۔۔۔ اس کا بدلہ بہت بھاری ہے۔ ہمیں اسے ہرانے کے لیے خاص منصوبہ بندی کرنا ہوگی۔“ جواد نے اپنی رائے دی۔ آزر پھر خاموش رہا۔

”کیا مطلب؟“ اسامہ نے حیرت سے پوچھا۔

”تمام ایسے اقدامات جو آزر کی جیت کو یقینی بنائیں۔“ جواد نے جواب دیا۔

”یار تم کہاں گم ہو، ہم تمہاری جیت کے پروگرام بنا رہے ہیں اور تمہیں کچھ خبر ہی نہیں۔“ فرخ نے آزر کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔

”ک۔۔۔۔۔ کیا ہوا؟“ آزر نے چونک کر پوچھا۔

”واہ بھئی واہ۔۔۔۔۔ کمال بے خبری ہے۔ جناب تم الیکشن لڑنے جا رہے ہو اور تمہارا مقابلہ جس لیڈی ڈیانا سے ہے وہ انتہائی sharp minded اور vigilant ہے۔ مقابلہ بہت سخت ہے۔ تمہیں بھی اپنی بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ یوں سمجھو تمہارے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔“ فرخ نے اسے قدرے جوش دلاتے ہوئے کہا تو آزر نے چونک کر اسے دیکھا اور قدرے جذباتی انداز میں ادھ بی سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسلا اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے تھے۔

”یار بے چارے لڑکے کو کیوں جذباتی کر رہے ہو۔۔۔۔۔ الیکشن میں زندگی اور موت کا کیا سوال۔۔۔۔۔؟“ جواد نے فرخ کی طرف دیکھ کر خفگی سے کہا۔

”سمجھا کرو ناں یار۔۔۔۔۔ مخالف کوئی اور ہوتا تو شاید میں بھی اتنا جذباتی نہ ہوتا مگر یعنی جمال کو ہرا کر میرے یار نے اپنی انسلٹ کا بدلہ بھی تو لینا

ہے۔ قدرت اسے ایک شہری موبع دے رہی ہے تو اسے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔“ فرخ نے آزر کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ مجھے یہ الیکشن ہر صورت میں جیتنا ہے۔ چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔“ آزر نے قدرے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”یار تم لوگ کیوں اسے سیریس ایٹو بنا رہے ہو۔“ جواد نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں، میرے لیے یہ اب زندگی اور موت کا ہی مسئلہ ہے۔“ آزر نے انتہائی لہجے میں جواب دیا۔

”یار یہ تو تمام اسٹوڈنٹس کی چوائس ہوگی وہ تمہیں جیتیں یا یعنی کو۔۔۔۔۔ اور ان کی چوائس کو بدلانا نہیں جاسکتا۔“ جواد نے کہا۔

”چوائس۔۔۔۔۔؟“ آزر الفاظ چبا چبا کر بولا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہم کسی کو اس کی پسند اور نا پسند کے لیے مجبور تو نہیں کر سکتے۔“ جواد نے پھر جواب دیا۔

”پسند بدلی جاسکتی ہے اگر کسی کا ذہن بدل دیا جائے تو۔۔۔۔۔؟“ آزر نے معنی خیز انداز میں یوں کہا کہ سب چونک کر اسے دیکھنے لگے پھر آزر نے فرخ اور اسامہ کو اپنے قریب کر کے راز دارانہ انداز میں کچھ کہا تو تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکراتے لگے جواد کچھ فاصلے پر بیٹھا انہیں بغور دیکھ رہا تھا کیا ایک اس کے چہرے کے تاثرات غصے میں بدلنے لگے تھے۔

☆☆☆

الیکشن کمپین اپنے عروج پر تھی۔ یعنی، حمزہ اور اس کی پارٹی کے تمام ممبرز کافی جوش و خروش سے سرگرم عمل تھے۔ وہ بھرپور کنویںنگ کر رہے تھے۔ پورے کالج میں ہر طرف یعنی کے پوسٹرز دکھائی دیتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ یعنی بلا مقابلہ ہی یہ الیکشن جیت لے گی مگر الیکشن کے دن کا یا ہی پٹی ہوئی تھی۔ ہر طرف آزر کے پوسٹرز اور اس کی حمایت میں نعرے لگھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی یعنی کالج میں داخل ہوئی تو

حمزہ بھانٹتے ہوئے قدرے پریشان حالت میں اس کے پاس آئی اور جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک کونے میں لے گئی۔

”یار۔۔۔۔۔ آزر بہت دھاندلی کر رہا ہے۔“ حمزہ اسے بتاتے لگی۔ یعنی کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

”تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟“ یعنی نے جلدی سے پوچھا۔

”میرے پاس بہت authentic ثبوت ہے۔ تم کالج کی انتظامیہ کو انٹارم کرو، میں ثبوت پیش کروں گی۔“ حمزہ اس کے کان میں سرگوشی کر کے اسے بہت کچھ سمجھانے لگی۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ اور جیسے ہی تم مجھے فون کرو گی میں فوراً تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔“ یعنی نے حمزہ سے کہا اور دو تلوں وہاں سے چلی گئیں۔

☆☆☆

”دیکھو ایک ووٹ کی ہی تو بات ہے۔ تمہارے ایک ووٹ کے بدلے تمہیں ہزاروں روپے مل رہے ہیں پھر تم لوگوں کو کیا پرالیم ہے اور ویسے بھی ہم یہاں اس کالج میں کوئی ساری زندگی کے لیے تو نہیں ہیں ناں۔۔۔۔۔ یہ الیکشن تو ایک fun ہے۔ تم سب اسے انجوائے کرو۔“ یہ سب کہہ کر ان کی ایک ماڈ اسکاڈ کلاس فیلو سحرش نے اپنے بیگ کی زپ کھول کر لوٹوں کی گڈیاں انہیں دکھائیں اور کہنے لگی۔ ”آزر کو ووٹ دو۔۔۔۔۔ اور یہ ٹوٹ لو۔“ سحرش نے مسکرا کر کہا۔ گڈی دیکھ کر کئی لڑکیوں کی آنکھوں میں ہوس اور حرص کی چمک دکھائی دینے لگی۔ وہ کالج کے لان میں کونے میں جمع تھیں اور بڑی رازداری سے باتیں کر رہی تھیں۔

”ہاں۔۔۔۔۔ یار ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ اپنا قیمتی ووٹ یعنی کو دیں۔“ ایک لڑکی نے کہا اور سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔



”ہاں ٹھیک ہے، ہمیں ایک نہ ایک کو تو ووٹ دینا ہی ہے چلو ہم سب زر کو ہی ووٹ دیں گی۔“ سب نے یک زبان ہو کر کہا اور جیسے ہی سحرش ان میں روپے بانٹنے لگی تو مت، یعنی اور پرنسپل نے پیچھے سے آکر اس لڑکی سحرش کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ تمام لڑکیاں بھی گھبرا گئیں۔

”سحرش یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ آپ ابھی اور اسی وقت میرے آفس میں آئیں۔“ پرنسپل نے غصے سے اسے کہا تو وہ حیران رہ گئی کہ یہ لوگ کہاں سے آگئے۔

”اور آپ اسٹوڈنٹس سے مجھے یہ امید نہیں تھی کہ ایک کالج انٹیکوینی کو بھی آپ بزنس بنادیں گی۔ آپ سب کو شرم آنی چاہیے اور اب آپ سب سے دو ٹوٹ کارائٹ پھین لیا جائے گا۔ آپ میں سے کوئی لڑکی بھی ووٹ نہیں دے سکے گی۔“ پرنسپل نے سختی سے کہا اور وہاں سے چلے گئے۔

☆☆☆

آزر پرنسپل کے آفس میں پوری انتظامیہ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے شرمندگی سے سر جھکا رکھا تھا۔ ”مسٹر آزر ہم نے تمام انکوائری کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب آپ الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتے اور آپ کو الیکشن کے ساتھ ساتھ کالج سے بھی expel کیا جاتا ہے۔“ پرنسپل نے اپنا فیصلہ سنایا جبکہ آزر ہکا بکا دیکھتا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

☆☆☆

یعنی الیکشن جیت چکی تھی، وہ بہت خوش تھی۔ حجتہ اور اس کے تمام ساتھی اسٹوڈنٹس اس خوشی کو سیلبرٹ کرنے کے بہت پروگرام بنارہے تھے مگر یعنی کے لیے یہ کوئی زیادہ خوشی کی بات نہیں تھی اور نہ ہی وہ اسے سیلبرٹ کرنا چاہتی تھی مگر ساری کلاس اسے ٹریٹ دینے کے لیے فورس کر رہی تھی۔ پرنسپل

اور کالج کی تمام انتظامیہ نے بھی جمال صاحب کو نوٹوں پر خصوصی مبارک دی تھی۔ وہ خود بھی یعنی کی کامیابی پر بہت خوش تھے اور ایک فائینو اسٹار ہوٹل میں اس سلسلے میں ایک زبردست پارٹی کا پروگرام بنارہے تھے۔ انہوں نے جب یعنی سے اس کا ذکر کیا تو وہ ناراض ہونے لگی۔

”ڈیڈی، یہ کوئی اتنی بڑی achievement تو نہیں جسے اتنے بڑے پیمانے پر سیلبرٹ کیا جائے۔“ یعنی نے پاپ سے کہا۔

”بھئی جیمبر کے پریزیڈنٹ کی بیٹی نے کالج الیکشن میں کئی candidates کو ہرا کر کامیابی حاصل کی ہے تو کیا یہ کوئی معمولی بات ہے؟“ جمال صاحب نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

”کئی نہیں صرف ایک candidate آزر عظیم کو..... وہ جسے الیکشن سے پہلے ہی detain کر دیا گیا تھا اور ظاہر ہے اسٹوڈنٹس نے اس صورت میں صرف مجھے ہی choose کرنا تھا۔“ یعنی نے صاف گوئی سے بتایا۔

”کیا..... آزر عظیم کو کالج سے expel کر دیا گیا ہے؟“ جمال صاحب نے پوچھا۔

”ہاں..... لیکن ڈیڈی..... کالج مینجمنٹ نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اسے ایک موقع تو دینا چاہیے تھا۔ اس کی اسٹڈیز ختم ہو گئیں وہ یقیناً ڈپریشن میں چلا گیا ہوگا۔“ اس نے قدرے فکر مندی سے کہا۔

”پھر تم کیا چاہتی ہو؟“ انہوں نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے اسے ایک موقع ملنا چاہیے اور اگر پھر وہ ایسی کوئی حرکت کرتا ہے تو پھر اسے expel کرنا چاہیے۔“ یعنی نے جواب دیا۔

”کیا تمہاری اس کے ساتھ فرینڈ شپ ہے؟“

جمال صاحب نے پوچھا۔

”بالکل بھی نہیں..... اور ویسے بھی بات فرینڈ

شپ کی نہیں اصول کی ہے۔“ یعنی نے ٹھوس لہجے



میں کہا۔

”تمہارے خیال میں مجھے منجھٹ..... سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے؟“ جمال صاحب نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔  
”آپ بتائیں اگر تو آپ اس بات کو ٹھیک سمجھتے ہیں تو ضرور بات کیجیے ورنہ نہیں۔“ یعنی نے قطعیت سے کہا تو جمال صاحب اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئے۔

☆☆☆

ردا لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی چاکلیٹیں کھاتے ہوئے کارٹون میٹ درک دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے لمبے بالوں کی دو پٹیاں کر رہی تھیں۔ فہام آفس سے واپس آیا اور ردا کو کارٹونز دیکھتا پا کر مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔  
”ارے“ میں تمہارا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کرائے کا سوچ رہا ہوں اور تم ابھی تک کارٹونز کی دنیا سے ہی باہر نہیں نکلیں۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”فہام بھائی بہت دلچسپ کارٹون ہے..... آپ بھی دیکھیں ناں..... بہت مزہ آتا ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا تو فہام محبت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی اثنا میں ڈور بیل بجی ملازمہ نے جا کر دروازہ کھولا تو خادری امی کسی بڑی بی کے ساتھ آئی تھیں۔ زادہ ان دونوں کو لیے لاؤنج میں آئی تو فہام اور ردا انہیں دیکھ کر حیرت سے کھڑے ہو گئے۔  
”آنٹی! ارے آپ.....! دونوں ثروت آنٹی کو اچانک دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔

”ارے بیٹا تم اتنی اچھی لگیں کہ میں ثروت بہن کے ساتھ ملنے چلی آئی۔ جلدی میں فون بھی نہ کر پائی۔“ ثروت کے ہمراہ روخیل کی ماں جی تھیں جو کسی خاص غرض سے آئی تھیں۔ انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

”آئیں، آئیں۔ میں مما کو بلاتی ہوں۔“ ردا نے جلدی سے کہا۔  
”آپ لوگ تشریف رکھیے۔“ فہام نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو دونوں مسکراتے ہوئے بیٹھ گئیں۔ اتنے میں ردا ماں کو لیے لاؤنج میں آ گئی۔

”بیٹا زادہ سے کہو کہ وہ ابھی سی چائے بنالائے اور تم پہلے پانی پلا دو۔“ خدیجہ نے ردا کو ہدایت دی اور مسکرا کر مہمانوں کی طرف بڑھیں۔  
”ارے تکلف نہ کیجیے۔“ ماں جی نے مسکرا کر کہا اور ردا کو کی بات نہیں آئی کہہ کر پانی لینے چلی گئی۔  
”معذرت چاہتی ہوں کہ آپ کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہم لوگ آ گئے۔“ ثروت نے کھنکھارتے ہوئے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔

”اس میں ان کا نہیں میرا ہی قصور ہے۔ میں نے ہی انہیں مجبور کیا۔ دراصل آپ کی بچی میرے دل میں ایسی سمائی کہ کیا بتاؤں..... دل چاہتا ہے کہ فوراً اسے اپنی بہو بنا کر گھر لے آؤں۔“ ماں جی جلدی سے بولیں تو خدیجہ بیٹے کی طرف دیکھنے لگیں۔  
”آنٹی..... ہم آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہیں مگر ردا کو یونیورسٹی میں پڑھنے کا بہت شوق ہے اور ابھی تک ردا کی ایسی کوئی خواہش نہیں جو میں نے پوری نہ کی ہو۔“ فہام نے بڑی رسائیت سے ان سے کہا۔

”بیٹا..... کیا آپ محض اس کی تعلیم کی وجہ سے سوچ میں پڑے ہیں یا کوئی اور بات ہے؟“ ماں جی نے جلدی سے اس سے پوچھا۔

”جی ہاں..... خاور اور یاد نے بھی مجھ سے آپ کے بیٹے کے بارے میں بات کی تھی۔ دونوں نے اس کی بہت تعریف کی تھی خود مجھے بھی وہ اچھا لگا لیکن پہلے میں ردا کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں اگر آپ اس کی تعلیم مکمل ہونے تک انتظار کر سکتی ہیں

تو ٹھیک ہے۔“ فہام نے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”بیٹا میں نے خود ساری زندگی ٹیچنگ کی ہے اور تعلیم کو بہت اہمیت دیتی ہوں۔ ردا شادی کے بعد بھی پڑھ سکتی ہے۔ ہماری طرف سے اس پر ذرا سی بھی پابندی نہیں ہوگی۔ میں خود یونیورسٹی میں اس کا ایڈمیشن کرواؤں گی۔“ ماں جی نے ایک دم خوش ہو کر کہا۔

”ہیں..... شادی کے بعد لڑکی بہت سی گھریلو ذمے داریوں میں الجھ کر رہ جاتی ہے ایسے میں تعلیم جاری رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ تھوڑا انتظار کر لیں۔“ خدیجہ بیگم نے فہام کی طرف دیکھتے ہوئے ان سے کہا۔

”دراصل میں دل کی مریضہ ہوں، اب اس عمر میں اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی دیکھنے کی آس میں ایک، ایک پل گزار رہی ہوں، میری زندگی کا بھی کوئی بھروسہ نہیں اگر آپ میری بانی کریں تو.....“ ماں جی نے جذباتی انداز میں نم آنکھوں سے کہا تو خدیجہ فکر مندی سے بیٹے کو دیکھنے لگیں۔

”ٹھیک ہے..... میں اپنے دوسرے بیٹوں سے بھی مشورہ کر کے ایک دو روز تک آپ کو بتا دوں گی۔“ خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”تو کیا میں پر امید رہوں؟“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ صرف ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔

☆☆☆

اس روز خدیجہ بیگم کسی کام سے ہمیلہ کے کمرے میں جانے لگیں مگر دروازے پر پہنچ کر رک گئیں اندر سے ہمیلہ کے باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی وہ شاید فون پر کسی سے ردا کے بارے میں غلط سلط باتیں کر رہی تھی اور تمام میجر کی روداد کسی کو سنارہی تھی۔ وہ کچھ دیر کھڑی رہیں مگر زیادہ دیر نہ سن پائیں اور اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئیں۔ ان کی سانسیں تیز تیز چل

رہی تھیں۔ وہ شدید کرب کا شکار تھیں۔

خدیجہ، ہمیلہ کی باتیں سن کر شدید ڈپریشن میں آ گئی تھیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہمیلہ ان کی بیٹی کے لیے ایسے منفی جذبات دل میں رکھتی ہے وہ تو پورے خاندان میں ردا کی عزت برپا کرنے پر تکی تھی اور اس بات نے خدیجہ کو ایک اہم فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس روز انہوں نے فہام اور عاصم کو اپنے کمرے میں بلایا۔

”میں نے ایک فیصلہ کیا ہے اور تم لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ اس کے بارے میں تمہیں بتا دوں۔“ خدیجہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا تو دونوں نے چونک کر ماں کو دیکھا۔

”کیسا فیصلہ.....؟“ عاصم نے گھبرا کر پوچھا۔  
”میں نے ردا کی شادی فوری کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ انہوں نے حتمی انداز میں بتایا۔

”کیا..... رو کی شادی؟ یہ اچانک بیٹھے بٹھائے آپ کو کیا سوچھی ہے مما! عاصم نے انتہائی حیرت سے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

”مما! آپ کیا کہہ رہی ہیں، ردا تو ابھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے رہی ہے اور.....“ فہام نے بھی نہایت حیرت سے ماں کو دیکھ کر کہا۔

”بیٹا..... روخیل کا رشتہ بہت اچھا ہے اور میں اس رشتے کو انکار نہیں کرنا چاہتی۔“ انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

”کیا دنیا میں صرف یہی ایک رشتہ ہے..... اگر آپ نے اس سے انکار کر دیا تو کیا ردا کی کہیں اور شادی نہیں ہوگی؟“ عاصم نے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔  
”بیٹا ممکن ہے کہ اچھا لڑکا مل جائے لیکن روخیل کی ماں جی جتنی محبت اور چاہت سے یہ رشتہ مانگ رہی ہیں..... انہیں انکار کرنے کو میرا دل نہیں چاہ رہا..... اتنی عزت اور قدر کرنے والے لوگ بہت کم ملتے ہیں..... ناقدری، ہیرے جیسی لڑکیوں کو



جی کنکر بنادیتی ہے اس لیے میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔" خدیجہ نے ولدوز اعداز میں کہا۔

”کیا آپ نے روا سے پوچھا ہے؟“ عاصم نے حیرت سے پوچھا۔  
”میں اسے منالوں گی۔“ ہدیجہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

”اور حاتم بھائی...؟“ عاصم نے غصے سے کہا۔  
 ”اس کا بھی یہی فیصلہ ہو گا۔“ انہوں نے یقین سے کہا۔

”فہام بھائی کیا آپ ماما کے اس فیصلے کو صحیح سمجھتے ہیں؟“ عاصم نے بڑے بھائی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”جب ماما مجھ سے کچھ ڈسکس کیے بغیر کوئی فیصلہ کرتی ہیں تو اس کے پیچھے کوئی بہت مضبوط reason ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے بھی ان کا یہ فیصلہ منظور ہے۔“ فہام نے گہری سانس لے کر ماما کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ٹھیک ہے، جو آپ لوگوں کی مرضی..... میں  
 کیا کہہ سکتا ہوں۔“ عاصم نے کندھے اچکا کر کہا اور  
 اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

”مما! میں آپ سے بحث نہیں کروں گا لیکن مجھے اس فیصلے سے صرف یہ دکھ ہوگا کہ میں ردا کی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پوری نہیں کر سکا۔“ فہام نے ماں کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

”بیٹا..... ایک ماں کے لیے بیٹی کی عزت اس کی ناموس سب سے اہم ہوتی ہے نہ کہ صرف اس کی خواہشات.....“ خدیجہ بیگم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب.....؟ کیا آپ اس وجہ سے یہ فیصلہ کر رہی ہیں۔“ قہام نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ جب بات ایک زبان سے نکل کر دوسروں تک پہنچے لگے تو پھر بھڑکتی آگ کی طرح اس پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ لوگ معصوم بچیوں پر

ماہنامہ پاکیزہ 72 فروری 2013ء

کچھ اُچھالتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچتے کہ.....! ”خدیجہ نے تم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جملہ ادھر ادھر اچھوڑ دیا۔“

”کیا آپ نے کسی سے کوئی بات سنی ہے؟“  
فہام نے چونک کر پوچھا۔

ادھیں لیکن بات ٹککنے میں دیر بھی نہیں لگتی۔  
اس لیے پہلے ہی ہندو ہندو ضروری ہے۔ "خدیجہ  
بیگم نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ انہوں نے فوراً  
ثروت کا نمبر ملا یا اور ان سے بات کرنے لگیں۔

☆☆☆

روحیل آفس سے آکر لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا تھا کہ ماں جی پگن سے کھانا ترے میں رکھ کر آہستہ آہستہ لاؤنج میں چلی آئیں۔ روحیل جلدی سے اٹھا اور ان کے ہاتھ سے ٹرے پکڑنے لگا۔

”ماں جی آپ نے مجھے کیوں نہیں کہا.....؟“  
اس نے ٹرے ان سے لے کر میز پر دھک دی۔

”بیٹا..... ابھی تو تم آفس سے آئے ہو، بس منہ ہاتھ دھو کر جلدی سے آ جاؤ۔“ وہ جانے لگا تو لکھنؤ میں رکھے ٹیلی فون کی بیل بجنے لگی اس نے پڑھ کر جلدی سے فون اٹھا لیا۔

روئیل نے مسکراتے ہوئے کہا تو ماں جی ثروت کا نام سن کر چونکیں اور جدی سے روئیل کے پاس آگئیں۔

”میری بات کرواؤ۔۔۔“ ماں جی بے صبری سے بولیں تو روہیل نے مسکراتے ہوئے ریسیور انہیں تھما دیا اور خود اش روم چل گیا۔  
”میں آپ کے ہی فون کا انتظار کر رہی تھی۔“  
ماں جی نے جلدی سے کہا۔

”بہت مبارک ہو۔۔۔ ردا کے گھر والوں نے  
ہاں کر دی ہے۔“ ثروت نے مسکراتے ہوئے انہیں  
خوشخبری سنائی۔

ماہنامہ پاکیزہ 72 فروری 2013ء

”کیا واقعی.....؟ ماں جی نے انتہائی خوشی اور حیرت کا اظہار کیا۔

”جی ہاں..... ابھی ردا کی امی کا فون آیا تھا۔  
 اللہ نے آپ کی بہت بڑی خواہش پوری کر دی  
 ہے۔“ ثروت مسکراتے ہوئے بولیں۔

”بتد کا لاکھ لاکھ شکر ہے، میں تو ابھی شکر انے سے نفل پڑھوں گی۔ اب ہم رتم کرنے کب جائیں؟“ ماں جی نے بے صبری سے پوچھا۔

”جب آپ کا دل چاہے۔“ ثروت نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میں روحیل سے بات کر کے آپ کو بتاتی ہوں، آپ کے خلوص اور تعاون کا بہت بہت شکریہ۔“<sup>۴۴</sup> ماں جی نے خوش دلی کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کیا۔

”بیٹا..... بہت مبارک ہو، ردا کے گھر والوں نے تمہارا رشتہ قبول کر لیا ہے۔ میں ابھی فضیلت کو بتاتی ہوں۔“ ماں جی نے ریسیور رکھ کر وحیل کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی خوش ہو کر کہا۔

”جی کہ آپ کی خواہش پوری ہوگئی۔“ روحیل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”کیا..... تم خوش نہیں ہوئے؟“ ماں جی نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ کو خوش دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں  
ورنہ..... اتنی خوشی کی تو کوئی بات نہیں۔“ ریحیل نے  
قدوسے بے پروائی سے کہا۔

”روحیل... تمہیں خوش ہونا چاہیے، تمہیں  
بھرے جیسی لڑکی مل رہی ہے۔“ ماں جی نے قدرے  
حیرت سے کہا۔

”ہاں، دیکھیں مگر.....“ وہ معنی خیزی سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

زائدہ کچن میں برتن دھونے میں مصروف تھی

1

ماہنامہ پاکیزہ

### کھس دیب جے کھس دل

جبکہ حمید وہیں پھل کاٹ کاٹ کر کھار ہی تھی۔ زراہدہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر برتن دھونے میں مصروف ہو گئی۔

”خوابدہ تم بہت کام کرتی ہو، میں فہام سے کہہ رہی تھی کہ تمہارے ساتھ کوئی اور سیڈ بھی اریج کروے۔“ شمیلہ نے پھل کاٹتے ہوئے کہا۔

میں آرام سے سارا کام کر لیتی ہوں اور جب روائی بی  
فارغ ہوتی ہیں تو وہ بھی میری تھوڑی بہت مدد  
کرویتی ہیں۔ ”زابدہ نے رکھائی سے کہا۔

”ہونہہ۔۔۔ اس نے کیا کام کرنا ہے۔ اس کے تو ناز و نخرے ہی نہیں ختم ہوتے۔۔۔۔۔ اب تو ویسے بھی وہ یونیورسٹی جانے والی ہے۔“ حمیلہ نے نفرت سے منہ بنا کر کہا تو زاہدہ کو غصہ آنے لگا۔

”تمہیں..... وہ یونیورسٹی تو تمہیں جارہی ہے۔  
 انہیں تو سسرال بھیجنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔“ زاہدہ  
 نے گہری سانس لے کر کہا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو اور تم سے یہ بات کس نے  
 کہی؟“ شہیلہ انتہائی حیرت سے پھل وہیں چھوڑ کر  
 زائدہ کے قریب آتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”بیگم صاحبہ..... نے مجھے خود بتایا ہے کہ ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہے اور وہ بھی جلد از جلد روایتی بی بی کی شادی کا سوچ رہی ہیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو ضمیلہ کے چہرے پر خفگی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

”اچھا... مجھے اور قہام کو اس بات کی کوئی خیر نہیں۔“ عثمانیہ نے منہ پھلا کر کہا۔

”نہیں، نہیں..... قہام بھائی اس بات کو جانتے ہیں، اس وقت پیگم صاحبہ کے پاس ہی بیٹھے تھے۔“

جب وہ مجھے بتا رہی تھیں۔ ”زائدہ نے بتایا تو ہمشیلہ کو اس پر بہت غصہ آیا اور وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر کچن سے باہر چلی گئی۔ زائدہ نے برا سامانہ بنا کر اسے

ماہنامہ پاکیزہ 73 فروری 2013ء



دیکھا اور پھر برتن دھوئے لگی۔

☆☆☆

شمیلہ انتہائی جھنجلاہٹ میں اپنے کمرے میں پاؤں دھوئے آئی تھی، اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ زاپہ کی باتیں سن کر اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس نے موبائل لے کر ریحانہ کا نمبر ملایا اور غصے سے پہلو کہا۔

”شمیلہ! سب ٹھیک تو ہے ناں؟“ ریحانہ نے گہرا کر پوچھا۔

”مما! آپ ہر بات میں مجھے جھوٹا کہتی ہیں اور مجھے ہی کپڑا دھو کر دے دیتی ہیں لیکن اس گھر کے لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں یہ مجھے آج پتا چل گیا ہے۔“ اس نے رو ہنسی ہو کر ریحانہ سے کہا۔

”شمیلہ تم یہ کیا باتیں کر رہی ہو۔ کیا ہوا ہے؟“ ریحانہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”اس گھر میں میری حیثیت ایک ملازمہ جتنی بھی نہیں۔“ شمیلہ انتہائی غصے سے کہہ کر سسکیاں بھرنے لگی۔

”کیا اول فول بک رہی ہو؟“ ریحانہ نے خفگی سے کہا۔

”گھر میں ردا کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں اور مجھے کسی نے بتانا تک گوارا نہیں کیا۔ مجھے یہ بات ملازمہ نے بتائی ہے کہ خالہ جان نے یہ باتیں اس سے کی ہیں مگر مجھ سے نہیں۔“ شمیلہ خفگی سے بولی۔

”اچھا۔۔۔ ردا کا رشتہ طے ہو رہا ہے؟ آپ نے مجھ سے بھی ذکر نہیں کیا۔“ ریحانہ نے حیرت سے کہا۔

”دیکھا آپ نے۔۔۔ تاروی یہ اوقات ہے۔۔۔“ شمیلہ نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! اس میں ضرور کوئی بات ہوگی، وہ بتادیں گی تمہیں۔ تم گھر کی بہو ہو، تمہیں بتائے بغیر وہ کیسے رشتہ طے کر سکتی ہیں۔“ انہوں نے گہری سانس لے کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ہاں، آپ نے تو ہمیشہ ان کی ہی سائنڈلج ہے۔“ وہ غصے سے بڑبڑائی اور موبائل آف کر دیا۔

وہ شدید غصے کے عالم میں تھی کہ کمرے کا دروازہ کھولا اور فہام اندر داخل ہوا۔ شمیلہ کا موڈ آف دیکھ کر

چونکا اور اس کے پاس ہی آ بیٹھا۔

”تم ٹھیک تو ہوناں؟“ فہام نے شمیلہ کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کو اس سے کیا؟“ وہ نخوت سے بولی۔

”یہ تم کس لمحے میں بات کر رہی ہو؟“ فہام نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ میں تو پوچھی کہ رہی تھی۔“ شمیلہ ایک دم نارمل ہونے کی کوشش کرتی گئی۔

”چلو ماما کے پاس۔۔۔ ردا کا رشتہ آیا ہے، ماما سے رائے لینا چاہتی ہیں۔“ فہام نے ذرا الجھ سخت کر کے کہا۔

”مجھ سے کیوں۔۔۔“ شمیلہ نے بیزارگی ظاہر کر کے کہا۔

”تم اس گھر کی بہو ہو اگر ماما تمہیں اہمیت دے رہی ہیں تو تم۔۔۔ تم بھی ان کی عزت کرو، بحث مت کرو اور ہاں ان سے کوئی فضول باتیں کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس خاموشی سے سننا۔“ فہام نے بغور اسے دیکھ کر ہر لفظ چبا چبا کر خوشی لے لے کر کہا۔

شمیلہ صرف ماتھے پر بل ڈال کر رہ گئی، بولی کچھ نہیں اور اس کے ساتھ کمرے سے باہر چلی گئی۔

”خیریت تو ہے آج نیوز پیپر بڑے غور سے پڑھا جا رہا ہے۔“ فہام اپنے کمرے سے نکل کر آیا تو ردا کو بغور اخبار پڑھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”فہام بھائی میں یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے بارے میں ads پڑھ رہی ہوں۔ آپ تو میرے لیے ابھی تک کسی بھی یونیورسٹی کا بروشر نہیں لائے۔“ ردا نے معنوی خفگی سے کہا۔ فہام ایک دم خاموش ہو گیا۔

”فہام بھائی۔۔۔ مجھے اس یونیورسٹی

پر مقرر ملے گا۔“ وہ دیکھیں۔“ ردا نے بھائی کو اخبار دکھاتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک نظر اخبار کو دیکھا اور پھر بے دلی سے میز پر رکھ دیا۔

”کیا بات ہے، آپ خاموش کیوں ہیں؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔ اسی وقت خدیجہ نیگم وہاں آ گئیں۔ فہام نے ان کی۔۔۔ طرف دیکھا اور خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

”یہ فہام بھائی کو کیا ہوا۔۔۔ آج میرے ایڈمیشن میں کوئی انٹرسٹ ہی نہیں لے رہے۔“ ردا نے پریشانی سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اس لیے۔۔۔ کہ میں نے تمہاری شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سرگوشی کے سے انداز میں کہا۔

”میری شادی کا فیصلہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ ردا انتہائی حیرت زدہ ہو کے رو ہانے لے لے لے بولی۔

”روخیل کی ماں جی بہت محبت اور چاہت سے تمہارا رشتہ لائی ہیں، لڑکا بھی بہت اچھا ہے اور اچھے خاندانی لوگ ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ تمہاری شادی روخیل سے کر دوں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔

”تو کیا وہ اس لیے ہمارے گھر آئی تھیں؟“ ردا انتہائی حیرت سے بولی۔

”ہاں بیٹا۔“ خدیجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن میں ابھی شادی نہیں کروں گی، مجھے ابھی پڑھنا ہے۔“ ردا نے منمناتے ہوئے کہا۔

”روخیل کی ماں جی نے کہا ہے کہ تم شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہو۔“ خدیجہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”لیکن۔۔۔ ماما اتنی جلدی شادی۔۔۔ مجھ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔۔ پلیز آپ ابھی انہیں روک دیں ناں۔۔۔“ ردا نے منمناتے ہوئے کہا۔

”بیٹا۔۔۔ پروپوزل بہت اچھا ہے، میں نے تمہاری تعلیم کو وجہ بنا کر ٹالنا چاہا تھا مگر انہوں نے خود تمہیں پڑھانے کا کہہ کر مجھے لا جواب کر دیا ہے۔ تمہارے لیے ان کی اتنی محبت اور چاہت نے مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔“ ماں نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی۔

”مما! آپ نے اتنی جلدی فیصلہ کیوں کیا۔۔۔ میں آپ لوگوں کے بغیر کیسے رہ پاؤں گی۔۔۔“ ردا نے سسکی بھر کر کہا۔

”یہ بات میرے لیے بھی مشکل ہے لیکن ایک نہ ایک دن تو تمہیں اپنے گھر بھیجنا ہی ہے، کیوں نہ اس گھر سمجھوں جہاں تمہاری عزت اور قدر ہو۔“ خدیجہ نے مسکرا کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”بیٹا۔۔۔ تم بھی ان کی محبت اور چاہت کی قدر کرنا۔۔۔ جب محبت کا جواب وفا اور خلوص سے نہیں ملتا تو دل ٹوٹ جاتے ہیں، کسی کے دل کو مت توڑنا۔۔۔ خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔“ خدیجہ نے متا بھرے لہجے میں بیٹی کو دعا دی تو وہ ماں سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

☆☆☆

رات گہری ہو رہی تھی ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔ ردا اپنے کمرے میں صوفے پر کم صم بیٹھی تھی۔ اور اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔

”تو قیر نے مجھ سے کتنی بار محبت کا اظہار کیا مگر میرے دل نے اس کی محبت کو قبول نہیں کیا اور روخیل!۔۔۔“ ردا نے پریشانی سے سوچا اور اس کی آنکھوں کے سامنے روخیل کا چہرہ گھومنے لگا۔ ”وہ جس شخص سے صرف ایک بار ملاقات ہوئی ہے اسے میرے دل نے کیسے قبول کر لیا۔ شاید وہی میری قسمت میں لکھا ہے۔ اس لیے ماما نے بھی فوراً ہاں کہہ دی شاید یہی میرا نصیب ہے۔“ ردا انہی سوچوں میں گم تھی کہ



ہو رہی ہے مجھے اور آپ کو چھوڑ کر دیکھیں مہمان کی زیادتی کر رہی ہیں۔ عاصم نے مسکراتے ہوئے کہا تو حاتم نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔ حاتم نے فہام کی طرف دیکھا وہ بھی خاموش رہا۔

”حاتم بھئی..... آپ نے کچھ نہیں کہا۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ آکر احتجاج کریں گے تو میں آپ کا پورا ساتھ دوں گا مگر آپ تو یوں خاموش ہو گئے جیسے آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہو۔“ عاصم نے ہنستے ہوئے کہا۔

”نہیں، وہ..... میں اچانک سن کر چونک گیا ہوں۔“ حاتم نے بوکھلا کر جواب دیا۔

”یہ رواتے ہمارا پتا ہی کاٹ دیا ہے۔“ عاصم نے مسکرا کر بہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو روات مسکرا کر سر جھکائے وہاں سے چلی گئی۔ عاصم کا موبائل بجا اور وہ بھی بات کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

بڑھ کر حاتم کی بیٹائی چومتے ہوئے کہا۔

”مہمان یہ بڑی محنت کر کے آیا ہے۔ ماشاء اللہ بہت شاندار ڈیل کر کے آرہا ہے۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے ماں کو بتایا۔

”ماشاء اللہ..... اللہ نظر بد سے بچائے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے اسے گلے سے لگایا۔

”جدی سے فریش ہو کر آئیں، مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ باتیں بعد میں کریں گے۔“ عاصم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یارا تم لوگ کھاؤ، مجھے ابھی بھوک نہیں۔“ حاتم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور روات سے مخاطب ہوا۔

”تمہارے لیے میں بہت گفٹ لایا ہوں۔“ حاتم نے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اب وہ سارے اس کے جینز میں دے دیجیے گا۔“ عاصم نے مسکرا کر کہا تو حاتم چونک پڑا۔

”حاتم بھائی آپ کو پتا ہے اس کی شادی

رشنا نے ایک دم چونک کر پوچھا۔

”کچھ نہیں بس ایسے ہی۔۔۔ اچھا پھر بات کر دوں گی۔“ روات نے گھبرا کر کہا اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

رداء لڑکھ کے ہمراہ ڈاننگ ٹیبل سیٹ کرنے میں مصروف تھی جبھی خدیجہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

”بیٹا۔۔۔ فہام وغیرہ ابھی تک نہیں آئے۔ خدیجہ خیر کرے بہت دیر لگا دی۔“

”مہمان بھائی کا فون آیا ہے۔ وہ لوگ بس پہنچنے والے ہیں، انرپورٹ سے آتے ہوئے ناٹم لگتا ہے نا۔“ روات نے مسکراتے ہوئے کہا تو عاصم گنگناٹا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا اور ڈاننگ ٹیبل کو دیکھنے لگا۔

”واہ..... بھی آج ٹیبل بھری ہوئی ہے۔ کیا تمہارے کوئی خاص مہمان آرہے ہیں؟“ اس نے معنی خیز انداز میں روات سے پوچھا۔

”جی نہیں..... آپ کے بھائی..... حاتم کے لیے یہ اہتمام ہوا ہے۔“ روات اسے جڑ کر بولی۔

”کیا وہ کوئی میم، شیم لارہے ہیں؟“ عاصم نے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا۔

”ارے نہیں..... بیٹا! وہ اتنے دنوں بعد مگر آرہا ہے اس نے تو باہر ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا، میں نے اسی لیے یہ کھانے بنوائے ہیں انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مہمان! آپ جیسی گریٹ اینڈ لوگ مدد پوری دنیا میں نہیں ہوگی۔“ عاصم نے مسکرا کر ماں کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے محبت سے کہا اسی وقت فہام کی گاڑی کا بارن سنائی دیا۔

”وہ لوگ آگئے۔“ روات خوش ہو کر روات کی طرف ہوشی جیسی دوٹوں مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

”میرا بیٹا کتنا کنزرونگ رہا ہے۔“ خدیجہ نے

اس کا موبائل بجا۔

”رشنا کا فون اس وقت.....“ وہ نام پڑھ کر خود ہی بولی اور رشنا کا فون جلدی سے ریسیو کیا۔

”ہاں یار..... کیسی ہو اور رشنا کہاں غائب ہو کوئی خبر نہیں اور کس یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے رہی ہو تم نے بتایا ہی نہیں۔“ چھوٹے ہی اس نے ڈھیروں سوالات کیے۔

”کسی بھی یونیورسٹی میں نہیں۔“ روات نے آہستہ آواز میں اسے بتایا۔

”کیوں..... کیوں؟“ رشنا نے چونک کر پوچھا۔

”مہمان..... میری شادی کا پلان کر رہی ہیں۔“

روات نے ہیزی سے بتایا۔

”تمہاری..... شادی.....؟“ وہ حیرت سے چلائے ہوئے بولی۔

”یہ تو بہت بڑا سرپرائز ہے، تم نے تو کوئی ذکر ہی نہیں کیا تھا۔“ رشنا حیرت زدہ ہوتے ہوئے بولی۔

”مجھے تو خود سمجھ میں نہیں آرہا..... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ روات سہیلی کو تفصیل بتانے لگی اور وہ بہت متحسّس ہو کر سننے لگی۔

”اس کا مطلب ہے لڑکے سے زیادہ اس کی ماں کا دل تم پر آیا ہے۔ یارا اگر ماں کی محبت کو دیکھ کر شادی کرنی تھی تو میری مہمان بھی تمہیں بہت پسند کرتی تھیں..... اچھا اچھا..... مذاق کر رہی ہوں، اللہ تمہیں بہت خوش رکھے۔“ رشنا نے قہقہہ لگا کر کہا تو روات ایک دم بوکھلا گئی۔

”فضول باتیں مت کرو۔“ روات نے پریشان ہو کر کہا۔

”میں مہمان اور تو قیر بھائی کو بتاؤں گی تو وہ بھی بہت خوش ہوں گے۔“ رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... نہیں..... انہیں پلیز مت بتانا۔“ روات نے بوکھلا کر جلدی سے کہا۔

”کیوں..... تم کیوں چھپاتا چاہ رہی ہو؟“

ماہنامہ ہاسپی 2013 فروری

## ہاسپی



ماہنامہ ہاسپی 2013 فروری

### اپنا قیدی..... ایچ اقبال

قید حیات میں مقید مثلث کی بے بسی .. دن اور جہا کی رنجشیں .. فراق و وصال کی آذیتیں

سورق کی کہانیاں

پتلی کھانی..... کاشف زبیر

سب کچھ پالنے کے لیے بہت کچھ کھانا پڑتا ہے

دوسری کھانی..... سلیم فاروقی

حالیہ واقعات کے تاظر میں ایک طرح دار تحریر

گوراب..... اسحاق قادری

واقعات کے سچے گوراب میں گرفتار کرداروں کا آغاز وانی کا سلسلہ

لکار..... ظاہر جاوید مغل

محبت کی جلتی بجھتی شخص اور انتقام کے بھڑکتے شعلے کی سنسنی خیز تحریر



”مما! یہ سب کیا ہے؟ اتنا اچانک فیصلہ۔۔۔ اس کی وجہ کیا ہے؟“ حاتم نے حیرت سے ماں سے پوچھا۔  
”وجہ تم بھی جانتے ہو۔“ وہ گہری سانس لے کر بولیں۔

”کیا وہ بات اس حد تک پہنچ چکی ہے۔ فہام بھائی آپ نے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا۔“ حاتم نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”یہ مما کا فیصلہ ہے۔“ فہام نے گہری سانس لے کر کہا۔

”شاید۔۔۔ قدرت یہی چاہتی ہے۔ کبھی کبھی وہ ایسے حالات بنا دیتی ہے کہ انسان کو نہ چاہتے ہوئے بھی ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں اور ہم انسانوں کا فائدہ اس کی رضا کو ماننے میں ہی ہوتا ہے۔“ انہوں نے گہری سانس لے کر جواب دیا تو حاتم ہلکے ہلکے سانس لے کر خاموش ہو گیا اور اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔  
خدیجہ اور فہام فکر مندی سے اسے دیکھنے لگے۔

☆☆☆

ماں جی نے ردا کے لیے کافی شاپنگ کر لی تھی اور وہ اچھے اچھے کامدار سوٹ اور زیور نکال کر روچیل کو دکھانے لگیں۔

”روچیل۔۔۔ یہ دیکھو یہ میری شادی کا زیور ہے جو میں نے اپنی بہو کے لیے سنبھال کر رکھا تھا۔ ردا اسے پہن کر بہت خوب صورت لگے گی۔“ ماں جی نے انتہائی خوش ہو کر اسے زیور دکھاتے ہوئے کہا تو روچیل نے ایک نظر اسے دیکھا اور ایک گہری سانس لی۔

”ہاں، اچھا ہے۔“ اس نے زیور کو دیکھ کر ایک طرف رکھ دیا۔

”بیٹا! کیا بات ہے۔۔۔ تم مجھے اتنے خوش دکھائی نہیں دے رہے۔ جتنا کہ لڑکے اپنی شادی کی باتوں پر ہوتے ہیں۔“ ماں جی کے چہرے پر فکر

مندی تھی۔

”مما! جس طرح کی زندگی آپ نے پاپا کے ساتھ گزاری ہے۔ اس زندگی نے مجھے اندر سے خوفزدہ کر دیا ہے۔ آپ نے بھی تو پاپا کا ہر طرح سے ساتھ دیا اور آخر میں کیا ہوا طلاق۔۔۔! روچیل! گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔ ہماری زندگی بہت اچھی جا رہی تھی اگر وہ عورت ان کی زندگی میں نہ آئی۔“ ماں جی نے ماضی کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

”اور اس عورت کی وجہ سے انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔“ روچیل نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔  
”شاید میری قسمت میں یہی لکھا تھا بیٹا۔“ ماں جی غم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”پاپا۔۔۔ کسی اور میں انوالونہ ہوتے تو شاید آپ کی قسمت اچھی ہوتی۔“ اس کی بات پر ماں جی نے چونک کر اسے دیکھا۔

”اسی لیے مجھے اس رشتے کی وفاداری پر یقین نہیں، ایک کی محبت بدل جائے تو دوسرے کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ مجھے اس رشتے سے بہت خوف آتا ہے۔ نہ جانے ردا کیسی ہوگی۔“ روچیل نے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئیں۔

”بیٹا اپنے ذہن سے سارے خوف اور دوسرے نکال دو، ردا بہت اچھی لڑکی ہے، مجھے امید ہے تم دونوں بہت خوش رہو گے۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”معلوم نہیں۔“ روچیل نے ایک گہری سانس لی۔  
”فضول باتیں مت سوچو۔۔۔ اور خوشی کے جو لمحے ملیں انہیں انجوائے کرنا سیکھو۔“ ماں جی نے مصنوعی خفگی سے ڈانٹتے ہوئے کہا اور اسے سمجھانے لگیں۔

☆☆☆

مکئی کی رسم بہت سادگی سے ادا کی گئی تھی خدیجہ نے بیٹوں کو زیادہ ہنگامہ اور نمود و تمنا کش سے







## اقوال زریں

- 1۔ غصے سے بچو کیونکہ اس کی ابتدا دیوانگی اور انتہا بچھتاوا ہے۔
- حضرت علی کرم اللہ وجہہ
- 2۔ قرض سے بچے رہو اس لیے دن ہو تو ذلت و رسوائی کا سبب اور رات ہو تو غم کا سماں اور دنیا و آخرت میں واجب الادا ہے مرنے والے کو ادرا کرے۔
- 3۔ اچھا بولیں اور اچھا سوچیں کیونکہ بد گمانی اور بد بڑبائی دوا لیے عیب ہیں جو انسان کے ہر کمال کو زوال میں بدل دیتے ہیں۔
- راہیہ جمال، کراچی
- سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسے روچیل کافی سنبھلا ہوا لگا تھا اس لیے کہ وہ ہر بات بڑے آرام سے کرتا تھا اور رد کی بات کو بھی بغور سنتا تھا۔
- ☆☆☆
- رشتا، ردا کے کمرے میں اس کے بیڈ پر بیٹھی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ ردا اسے اپنی معنی کی المیہ دکھا رہی تھی۔ دونوں بہت خوشگوار موڈ میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔
- ”یار..... واہ، بڑا ہینڈسم مسیٹر مل رہا ہے تمہیں۔“ رشتا نے روچیل کی تصویر دیکھ کر تعریفی لہجے میں کہا۔
- ”کیا فہام بھائی سے بھی زیادہ ہینڈسم ہے؟“ ردا نے ہنستے ہوئے جان بوجھ کر پوچھا۔
- ”وہ اپنی جگہ..... یہ اپنی جگہ۔ میں دونوں کو کس نہیں کرنا چاہتی۔“ رشتا نے بھوئیں چڑھا کر کہا۔
- ”اور فرائز بھائی؟“ ردا نے ہنستے ہوئے پوچھا۔
- ”یار اسے تو دل میں زبردستی جگہ دینی پڑی ہے آخر وہ اب میرا شو ہر جو ہے۔“ رشتا نے قہقہہ لگا کر کہا تو ردا حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
- ”ارے ویسے ہی کہہ رہی ہوں۔ اچھا تم فراز

”اب قسمت نے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا ہے تو میرے خیال میں اگر ہم شادی سے پہلے ایک دوسرے کو اچھی طرح جان لیں تو اچھا ہوگا۔“ روچیل نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکراتے لگی مگر بولی کچھ نہیں۔

”آپ خاموش کیوں ہیں؟“ روچیل نے چونک کر پوچھا۔

”کیا کہوں؟“ ردا نے آہستہ آواز میں کہا۔

”ماں جی کو آپ کی باتیں بہت اچھی لگیں مگر آپ مجھ سے تو کوئی بات نہیں کر رہیں۔“ روچیل نے معنی خیز مسکراہٹ سے پوچھا۔

”آپ نے مجھ سے کوئی بات کی ہی نہیں تو میں کیا بات کروں۔“ ردا نے معصومیت سے جواب دیا۔

”اچھا تو باتیں بھی میں ہی شروع کروں۔“ ٹھیک ہے سمجھی یہ تو باتیں کہ اب تک زندگی کیسی گزری، سنا ہے کہ آپ کے بھائی آپ سے بہت محبت کرتے ہیں؟“ روچیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میرے فہام بھائی ابھی تک مجھے doll ہی کہتے ہیں۔ مجھ سے اتنی..... اتنی محبت کرتے ہیں کہ مانا نہیں سکتی۔ حاتم بھائی اور عاصم بھائی بھی بہت محبت کرتے ہیں۔“ ردا نے ایک دم خوش ہو کر بچوں کی طرح بتایا۔

”اور میری محبت کو آپ کس طرح ویلو کریں گی ان سے پہلے یا بعد میں؟“ روچیل نے موڑ بدل کر معنی خیز انداز میں پوچھا تو وہ سن سی رہ گئی۔

”میں بھی نہیں؟“

”بہت جلد سمجھ جائیں گی۔“ روچیل نے ہلکے سے کہا تو وہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔

”اچھا میں روز اسی وقت آپ کو فون کر لیا کروں اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو؟“

روچیل نے اس سے پوچھا تو وہ صرف ”جی ہاں۔“ کہہ گئی اور روچیل سے باقاعدہ گفتگو کا

پریشان ہونے لگیں۔

☆☆☆

”تم نے فکر کر لیا اور مجھے اس کا ایڈریس میں اپنے طور پر کارروائی کرتا ہوں۔ جیسے ہی خبر ملے گی تمہیں مطلع کر دوں گا۔ آج کل جان کر دوسروں کو تنگ کرنے کے لیے یا پھر کوئی وغیرہ لینے کے لیے لوگ ایسی گھٹیا حرکتیں کرتے ہیں مگر یہ بہت گھٹیا بات ہے۔“ حیدر، فہام کو سنبھالتا تھا۔ فہام نے اس صورت حال سے تنگ آ کر پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اپنے دوست حیدر علی سے رابطہ کیا اور ساری بات سے آگاہ کیا اور اب وہ کوئل دے رہا تھا۔

”ایسے لوگوں کو احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ بچوں پر کتنا بڑا بہتان باندھتے ہیں اور ان کی زندگی برباد کرتے ہیں۔“ فہام نے افسردگی سے کہا۔

”ہمارے معاشرے میں شعور اور احساس کی کمی ہی تو ہے۔ اگر دوسروں کی عزت کا کچھ لحاظ ہو تو کوئی بھی ایسا نہ کرے، یہ جہالت ہی تو ہے۔ بہر حال ہم نہ کرو۔ میں اپنی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں۔“ حیدر نے اسے اپنے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔

”تھینک یو یار۔“ فہام نے اس کا شکریہ ادا کیا اور قدرے مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆

ردا اپنے کمرے میں بیٹھی معنی کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چھائی اور کچھ سوچتے ہوئے اس کی مسکراہٹ اور ہنس ہنسنے لگی۔ اسی اثنا میں سائنڈ ٹیبل پر پڑا اسے موبائل بجنے لگا تو ردا نے بڑھ کر فون اٹھالیا۔

جانب روچیل تھا۔

”میں..... روچیل۔“ روچیل مسکرا کر بولا تو ردا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

”اوہ..... آپ! ردا شرم کر بولی۔

ٹھنڈی ہو گئی ہے تم ذرا گرم کرناؤ۔“ خدیجہ نے پوکھلا کر جلدی سے ردا کی طرف دیکھ کر کہا تو ردا نے ماں کی طرف حیرت سے دیکھا اور کپڑے سمیت لے کر وہاں سے چلی گئی۔

”زہرہ نے کیا کہا؟“ خدیجہ نے جلدی سے سرگوشی کے انداز میں زائدہ سے پوچھا۔

”بہت فضول باتیں کر رہی تھیں۔“ زائدہ منہ بنا کر بولی۔

”ک..... کیسی باتیں؟“ خدیجہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”انہوں نے ڈبا اٹھا کر زور سے پھینکا اور کہنے لگیں کہ.....“ زائدہ نے نظریں چراتے ہوئے ایک دم خدیجہ کی طرف دیکھا۔

”کیا..... کہا اس نے؟“ خدیجہ نے جلدی سے پوچھا۔

”بس ردا بی بی کو بدعائیں دینے لگیں۔ مجھے تو غصہ آ گیا اور میں ڈبا اٹھا کر چلی آئی۔“ زائدہ نے انہیں سب بتایا اور اسی وقت ردا چائے لے کر آئی۔

”ردا کے سامنے کوئی بات نہ کرنا۔“ خدیجہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ردا نے چائے لا کر ٹیبل پر رکھی اور ملازمہ کی طرف بخور دیکھنے لگی۔

”میں ذرا کچن دیکھ لوں۔“ زائدہ نے وہاں سے جاتے ہوئے کہا تو خدیجہ خاموشی سے چائے پینے لگیں۔

”مما، زہرہ آنٹی نے مٹھائی کیوں واپس کر دی؟“ ردا نے پریشانی سے پوچھا۔

”معلوم نہیں، اس کی مرضی تم کچھ مت سوچو۔“ خدیجہ نے ایک دم پوکھلا کر کہا تو ردا خاموش ہو گئی اور ٹیبل پر پڑے ہوئے ڈبے کو دیکھنے لگی۔

”تم زائدہ کے ساتھ کچن میں جاؤ اور اس کی مدد کرو۔ روچیل کے گھر میں ملازمہ نہیں سب کام تمہیں ہی کرنے ہیں۔ گھبرانا مت۔“ خدیجہ نے مسکرا کر کہا تو وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی مگر خدیجہ







# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ کتاب پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کی ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چینلنگ اور ایچے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ میریم کوثری، نور کوثری، بکیم، بکیم کوثری
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور
- ✧ ابن صفی کی قلم رنج
- ✧ ایڈ فوری لنکس، لنکس کو میسج مانی کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook [fb.com/paksociety](https://www.facebook.com/paksociety)



”انسٹ اس کی وجہ سے نہیں تمہاری انجی سے ہو رہی ہے۔ پہلی بار بھی تم نے جان بوجھ کر کے ساتھ بدتمیزی کی۔ یعنی کی جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی تو وہ یونہی ری ایکٹ کرتی۔ اس نے تمہیں کچھ نہیں کہا تھا پہل تم نے کی تھی اور پھر حوا ہوا اس کا ذمے دار تم اسے کیوں ٹھہرا رہے ہو۔ دوسری بار بھی تم نے اسے ہرانے کے لیے ہتھکنڈے استعمال کیے اس پر تم پکڑے گئے تو اس میں یحییٰ کا کیا قصور۔ ہر بار غلطی تم کرتے ہو۔ الزام اس بے چاری کو دیتے ہو۔“ جواد نے بھڑک کر دفاع کرنے کی کوشش کی تو آذر چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔

”ہاں، بتاؤ مجھے اس نے کہاں تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر وہ پورے کالج میں پاپولر اپنے اچھے رویے کی وجہ سے۔ وہ بہت اچھی، ذہنی اور گروڈ لڑکی ہے پیز اسے دیکھنے کا ایک بدلہ“ جواد نے اسے دلائل سے سمجھانے کی کوشش آذر خاموش ہو گیا۔

”پلیز آذر ہتھکنڈے دل سے سوچو اور اپنے مستقبل کی فکر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہ وقتی جوش تمہاری ساری زندگی کو تباہ کر دے اور تمہارے پاس سوائے پچھتاؤؤں کے کچھ باقی نہ رہے۔ دیکھو تمہارے دوست بھی ایسے میں تمہیں گئے۔“ جواد نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ آذر اس باتیں سن کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”پلیز اب کل سے کالج جانا شروع کر دو“ اپنے آپ کو بالکل بدل کر ایک مختلف انسان بننے کا جج آنا۔“ جواد نے اٹھتے ہوئے کہا اور کمرے باہر چلا گیا۔ آذر اس کی طرف خاموشی سے دیکھتا گیا۔ جواد کی باتوں نے کافی حد تک اس پر اثر تھا۔ وہ ساری رات ان کے بارے میں سوچتا رہا۔ (باقی آئندہ)

کالج جاسکتے ہو۔ کل تمہیں لیٹر مل جائے گا۔ مسز نجیب نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں انعام کروں۔“ جواد نے قدرے خوش ہو کر پرجوش انداز میں کہا تو آذر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”مجھے اب اس سے کوئی کنسرن نہیں۔ میں اب اس کالج میں کبھی نہیں جاؤں گا۔“ آذر نے غصے سے کہا۔

”یار پلیز اب غصے کو چھوڑو اور یوں جذباتی ہو کر اپنے فیصلے مت کرو۔ ان فیصلوں سے تم صرف اپنا نقصان ہی کرتے ہو۔ میں پہلے بھی تمہیں un fair means استعمال کرنے سے منع کرنا رہا مگر تم نے میری ایک نہیں سنی اور اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ خدا کے لیے اب تو عقل و ہوش سے کام لو اور نارمل انداز میں اپنی لائف گزارو۔ تم نے اپنا بہت وقت اور انرجی ضائع کی ہے اور ماں باپ کا پیسہ بھی۔“ جواد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں اور پیسہ میرے ماں باپ کا ضائع ہوا تمہارے ماں باپ کا نہیں جو تمہیں اتنی تکلیف ہو رہی ہے۔“ آذر نے ریوالور اپنی پینٹ کی جیب میں رکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

”یار۔۔۔ یار تم سمجھتے کیوں نہیں۔ ادھر بیٹھو میرے پاس اور پلیز سمجھنے کی کوشش کرو میں تمہارا دوست ہوں دشمن نہیں۔ تم ایک ٹیلنٹڈ انسان ہو۔ دل لگا کر پڑھائی کر کے تم بہت آگے جاسکتے ہو اور کسی بھی فیلڈ میں اپنا نام پیدا کر سکتے ہو۔ کیوں اپنا ٹیلنٹ ضائع کرنے پر تکتے ہو۔ تم بھی یحییٰ کی طرح۔۔۔“ جواد نے کچھ کہنا چاہا تو آذر غصے سے بھڑک اٹھا۔

”مت نام لو اس کا منحوس کسی چیز کی طرح میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے میری بار بار انسٹ ہو رہی ہے۔“ آذر نے غصے سے کہا۔



خاوت

# کہیں ویسے کہ جسے کہیں دل

قیصر حیات

جہنا حصہ

اگلے روز وہ کالج پہنچا تو سب سے پہلے وہ  
پریسل آفس میں گیا۔ پریسل کے چہرے پر قدرے  
خفگی کے تاثرات تھے مگر انہوں نے اپنے آپ کو  
تارل رکھتے ہوئے اسے بیٹھنے کو کہا اور اس کی جانب  
بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

”کالج میٹجمنٹ نے بہت سوچنے اور آپس میں  
ڈسکشن کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو ایک چانس دیا  
جائے اور ایک چانس کا مطلب ہے صرف ایک





جانس..... اب یہ آپ پر ہے کہ آپ اس جانس کو کیسے avail کرتے ہیں۔ زندگی انسان کو اس لیے نہیں ملتی کہ اسے تجربوں اور جانسز میں گزار دے بلکہ زندگی گزارنے کے لیے کسی حتمی ٹارگٹ کا ہونا ضروری ہے۔ والدین کے پیسے پر پیش کرنا بہت آسان ہے مگر کسی سوچا کہ اس طرح کی عیاشی کتنے دن ساتھ دے سکتی ہے؟ جو لوگ زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ سمجھ کر اسے گزارتے ہیں صرف وہی کامیاب ہوتے۔ آپ نے اپنے باپ کے پیسے سے کامیابی حاصل کرنا چاہی تو نتیجہ دیکھ لیا۔ دوسروں کے سہاروں پر چلنے والا انسان کبھی ایسا لڑکھڑا کر گرتا ہے کہ اس کے اپنے قدم بھی اس کا یو جھ نہیں اٹھاتے۔ آپ اپنے ذہن کو بدلیں۔ آپ کے مقابلے میں مس یمنی چیئرمین کے پریذیڈنٹ کی بیٹی ہیں جو اس کالج کے سب سے بڑے ڈونر بھی ہیں لیکن مس یمنی نے اپنے قادر سے کسی بھی قسم کا فیور لینے سے انکار کر دیا اور اس لڑکی میں اتنا پوٹینشل ہے کہ وہ ہر مشکل کا سامنا بہ آسانی کر سکتی ہے۔ وہ ایک لڑکی ہو کر اتنی پرعزم اور مضبوط ہے تو آپ مرد ہو کر اتنے کمزور کیوں..... بی اسٹرونگ۔ پرنسپل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اد کے سر..... آئندہ میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔“ آذر نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

”گڈ..... مجھے امید ہے کہ آپ ایک اچھے اور کو آپریٹو اسٹوڈنٹ ثابت ہوں گے۔“ پرنسپل نے اسے ہمت دلاتے ہوئے کہا۔

”آف کورس سر۔“ آذر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”گڈ لک۔“ پرنسپل نے مسکرا کر کہا۔

”تھینک یو ویری مچ سر۔“ آذر نے شکر یہ ادا کیا اور آفس سے باہر نکل آیا۔ جو آفس کے باہر کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”پرنسپل نے کیا کہا؟“ جواد نے بے صبری سے پوچھا۔

”وہی جو ایسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ آئندہ یہ نہیں کرنا۔ وہ نہیں کرنا۔“ وہ بے پردائی سے بولا۔

”ہاں یار..... اب تمہیں کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔ تم اپنا attitude چننے کر کے سب کے ساتھ اچھا پیش آنے کی کوشش کرو۔ بی فرینڈلی۔“ جواد نے کہا۔

”یمنی کے ساتھ بھی؟“ آذر نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”ہاں، اس کے ساتھ بھی۔ اس نے تمہارے ساتھ کیا برا کیا ہے بلکہ ہو سکے تو اس سے معافی مانگ لینا۔“ جواد نے کہا۔

”معافی.....؟“ آذر نے تعجب سے پوچھا۔

”ہاں..... معافی، کسی کی نظر کرم حاصل کرنے کا پہلا اسٹیپ ہے۔ انسان جب کسی کے سامنے سر ہڈ کرنا ہے تو پھر وہ اس کے دل میں پہلا قدم رکھتا ہے اور پھر اس پر عنایتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔“ جواد نے مسکرا کر کہا تو آذر نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

”یار..... پلیز۔“ جواد نے اس کے کندھے کو دباتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں کلاس روم کی طرف چالے گئے۔ حمزہ اور یمنی دوسری جانب سے باتیں کرتی ہوئی آ رہی تھیں۔ یمنی نے بلیو جینز کے ساتھ سفید پریچر کرتے پہن رکھا تھا اور اس میں اس کی سیاہ رنگت مزید سیاہ لگ رہی تھی۔ دونوں نے چونک کر آذر کی طرف دیکھا۔

”یمنی کو سوری بول دو۔“ جواد نے آذر کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ آذر نے غصے سے جواد کو گھورا اور خاموشی سے یمنی کی طرف دیکھتے ہوئے چلتا رہا۔

”یار، بول دو سوری۔“ جواد نے پھر کہا اور جیسے ہی وہ کلاس روم کے قریب پہنچے تو آذر نے یمنی کی طرف بغور دیکھا اور اپنے گلا مزے اتارتے ہوئے

بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

”آئی ایم سوری مس یمنی۔“ آذر نے جلدی سے کہا تو جواد مسکرا دیا۔ یمنی نے چونک کر اس کی طرف اور پھر حمزہ کی طرف دیکھا۔ آذر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تو یمنی نے کچھ سوچتے ہوئے مسکرا کر اس سے ہاتھ ملا لیا تو حمزہ اور جواد بھی مسکرا دیے۔

☆☆☆

روحیل اپنے کمرے میں صوفے پر نیم دراز موبائل پر باتیں کرنے میں مصروف تھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ماں جی اس کے کمرے میں آئیں تو روحیل نے ہڑبڑا کر موبائل آف کر دیا۔

”میں آپ کو بعد میں کال کرتا ہوں۔“ روحیل نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور ماں کی طرف دیکھ کر نظریں چرائے لگا۔

”کیا تم ردا سے بات کر رہے تھے؟“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جی ماں۔“ روحیل نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”کیسی لگی وہ؟“ ماں جی نے اس کے پاس بیٹھ کر رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

”ہاں، اچھی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھی نہیں بلکہ بہت اچھی ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”آپ کا انتخاب ہے نا، اسی لیے کہہ رہی ہیں۔“ روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور میرا انتخاب لا جواب ہے۔“ ماں جی خوش ہو کر بولیں۔ ”مجھے پوری امید ہے کہ ردا مجھے بھی مایوس نہیں کرے گی۔ وفا، سچائی اور خلوص نیت جن لڑکیوں میں ہوتی ہے وہ بہت اچھی طرح تمام رشتے نبھاتی ہیں۔“ ماں جی نے خوش ہو کر کہا۔

کھیں حبیب طے کھیں دل

”مما، آپ کی زندگی دیکھ کر تو میں بہت ہی مایوس ہو گیا تھا۔ میاں، بیوی کے رشتے پر میرا اعتبار ہی نہیں رہا تھا۔ میں شادی صرف آپ کی خواہش پوری کرنے کے لیے کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ مجھے اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں رہا تھا۔“ روحیل ماں کو دل کی بات بتا رہا تھا۔

”بیٹا دنیا کے ایک انسان کی قسمت کبھی دوسرے جیسی نہیں ہوتی۔ اس لیے مفروضوں پر یقین کر کے اپنی زندگی خراب نہیں کرنی چاہیے۔ ردا بہت اچھی لڑکی ہے اسے بھرپور محبت اور اعتبار دینا۔ اس کی محبت میں کسی اور کو شامل مت کرنا تو زندگی اچھی گزرے گی۔“ ماں جی نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ روحیل نے بھی دل سے دعا کی۔

”بیٹا دوستی سے لے کر شادی تک ہر رشتہ اعتبار اور خلوص سے چلتا ہے۔ ردا پر اپنے اعتبار کو کبھی کم نہ ہونے دینا اور وہ ہے ہی اتنی معصوم اور پیاری کے اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنے کو دل چاہتا ہے۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ماں جی، آپ کو تو بس ہر طرف روائی دکھائی دیتی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے ماں سے کہنے لگا۔

”کیا تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہوتا؟“ ماں جی نے ہستے ہوئے پوچھا۔

”ماں جی۔“ روحیل نے شرماتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”بس اسی طرح خوش رہو اور مسکراتے رہو۔“ ماں جی نے دعا یہ انداز میں کہا اور وہ دونوں مسکرائے گئے۔

☆☆☆

زاہدہ کچن میں لڑائی پر چائے کے ساتھ لوازمات رکھ رہی تھی۔ اس نے لڑائی بہت اہتمام



سے سجا رکھی تھی۔ شہیلہ بچن میں داخل ہوئی اور چونک کر زائدہ کی طرف دیکھنے لگی۔

”یہ کس کے لیے اتنے اہتمام سے چائے لے کر جا رہی ہو؟“ شہیلہ نے جان بوجھ کر پوچھا۔  
”روبا بی بی کی دوست کے لیے۔“ زائدہ نے آہستہ سے بتایا۔

”اتنا اہتمام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ شہیلہ نے مٹھائی کی پلیٹ سے گلاب جامن اٹھا کر کھاتے ہوئے کہا تو زائدہ نے خفگی سے اسے دیکھا اور بس منہ بنا کر رہ گئی۔

”زائدہ، تم ابھی تک چائے لے کر نہیں گئیں۔“ ردا کی دوست کیا کہے گی اتنی دیر سے بیٹھی ہے اور ابھی تک چائے پینے کو نہیں ملی۔“ خدیجہ نے بچن میں آکر زائدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ابھی جا رہی ہوں۔“ زائدہ نے ٹرائی لے کر جاتے ہوئے کہا تو شہیلہ کے چہرہ پر خفگی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

”چلو، بیٹا، تم بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی لو۔“ خدیجہ نے بہو کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

”مجھے کوئی شوق نہیں۔“ کباب میں ہڈی بننے کا۔ ویسے بھی اس گھر میں میری جو حیثیت ہے، میں اچھی طرح جانتی ہوں۔“ شہیلہ نے خفگی سے ناک چڑھا کر کہا۔

”یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟“ خدیجہ ایک دم چونک کر یو لیں۔

”کیا آپ کو کچھ بھی نہیں پتا۔“ فہام کی ذات سے لے کر اس گھر کی ہر شے پر تو آپ کا اور ردا کا قبضہ ہے، میں تو کہیں ہوں ہی نہیں۔“ شہیلہ نے نہایت درشتی سے کہا تو خدیجہ ہٹکا بٹکا اسے دیکھتی رہ گئیں۔

”تم اس گھر کی بڑی بہو ہو۔ سب کچھ تمہارا ہی

تو ہے۔“ وہ بری طرح بوکھلا کر رہ گئیں۔

”ہونہہ..... بہو صرف نام کی۔“ وہ طنزیہ مسکراہٹ سے ساس کو دیکھتے ہوئے بولی اور بچن سے چلی گئی اور خدیجہ پریشان پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

خدیجہ کالی بی بی ایک دم بہت ہائی ہو گیا تھا۔ وہ بیڈ پر بے سندھ کھٹی تھیں۔ تینوں بیٹے انتہائی پریشان حالت میں ان کے پاس بیٹھے تھے۔ شہیلہ ایک جانب خاموش کھڑی تھی جبکہ ردا ماں کے سر ہانے بیٹھی مسلسل خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔ فہام بی بی آپریشن پر خدیجہ کا بی بی چیک کر رہا تھا اور سب پریشانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”بی بی بہت زیادہ ہائی ہے۔“ فہام بی بی چیک کرنے کے بعد بڑبڑایا۔

”مما کو ابھی اسپتال لے جاتے ہیں۔ اتنا ہائی بی بی بہت خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔“ حاتم نے قدرے فکر مندی سے کہا۔

”عاصم، ایسویٹنس کو کال کرو۔“ فہام نے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی فہام بھائی۔“ عاصم نے جلدی سے کمرے سے جاتے ہوئے کہا۔

”مما، آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ تو بالکل ٹھیک تھیں۔“ ردا نے روتے ہوئے ماں کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا۔

”آج گھر میں کوئی ٹینشن کی بات تو نہیں ہوئی؟“ ممّا کا اتنا ہائی بی بی پہلے بھی نہیں ہوا۔“ فہام نے فکر مندی سے پوچھا تو شہیلہ نے آنکھیں جھما کر خاموشی سے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

”آج رشنا آئی تھی اور ممّا بہت زیادہ خوش تھیں۔ اس کے جانے کے بعد ایک دم ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور وہ سوتے کے لیے اپنے کمرے میں

آگئیں۔ بات تو کچھ بھی نہیں ہوئی۔“ ردا اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔ زائدہ کمرے میں ردا کا بچتا ہوا موبائل لے کر داخل ہوئی۔

”روبا بی بی، آپ کا فون بہت دیر سے بج رہا ہے۔“ ردا نے موبائل پر نمبر دیکھا اور بوکھلا کر جلدی سے کال ریجکٹ کر کے موبائل ہی آف کر دیا۔ حاتم اور فہام نے چونک کر اسے دیکھا مگر خاموش رہے۔

”ایسویٹنس آ رہی ہے۔“ عاصم نے جلدی سے آکر بتایا تو ردا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”ردا، پلیز ہمت کرو میری جان۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس ممّا کے لیے دعا کرو۔“ فہام نے محبت سے اسے چپ کرواتے ہوئے کہا تو شہیلہ ہونٹ سکڑ کر منہ بناتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

”خالہ جان ٹھیک ہو جائیں گی ردا۔ پلیز حوصلہ کرو۔“ شہیلہ نے بھی ہمدردی جتائی۔

☆☆☆

روحیل اپنے کمرے میں موبائل پکڑے قدرے خفگی سے چکر لگا رہا تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ردا کا نمبر ڈائل کیے جا رہا تھا۔

”ردا، میری کال کیوں نہیں لے رہی؟“ وہ خفگی سے بڑبڑایا اور پریشانی سے پھر اس کا نمبر ملانے لگا تو کافی ہیلز کے بعد ردا نے اس کی کال ریجکٹ کر دی۔

”ردا نے میری کال ریجکٹ کر دی..... میری کال۔“ روحیل نے ایک دم غصے سے چلاتے ہوئے کہا اور پیش میں آکر موبائل زور سے بیڈ پر پھینکا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

وہ ہمیشہ سے ہی بہت پوزیو رہا تھا۔ وہ ردا کے بارے میں بھی آہستہ آہستہ بہت پوزیو ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے خیال میں ردا کو ہمیشہ اس کی کال اینڈ کرنی چاہیے۔ چاہے حالات کچھ بھی ہوں۔ وہ اس کی فوراسی بے اعتنائی بھی برداشت نہیں کر سکتا

کھس صب طے کھس دل

تھا۔ اس لیے آپ سے باہر ہو رہا تھا۔  
☆☆☆

فراز چلا گیا تھا پر رشنا ابھی سسرال میں ہی تھی۔ نجمہ بیگم کے جانے سے وہ خود کو تنہا محسوس کر رہی تھی۔ کبھی کبھی ردا کے گھر چلی جاتی تھی۔ اس روز بھی وہ اداس لیٹی ہوئی تھی جبھی اس کا فون بجا۔ اس نے فون ریسیو کیا۔

”ہائے تو قیر بھائی، آپ..... کیسے ہیں؟“ رشنا نے قدرے پرجوش انداز میں کہا۔

”آئی ایم فائن، ابھی تم کہاں گم ہو۔ شادی کے بعد تم بہت بدل گئی ہو۔“ تو قیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”فراز عجیب دھانسو قسم کا بندہ ہے۔ جتنے دن رہا مجھے کسی سے بھی بات نہیں کرنے دیتا تھا۔ اب وہ چلا گیا ہے تو میں فری ہوں۔ اب ہم ہر روز بات کریں گے۔“ رشنا بھائی کی آواز سن کر بہت خوش ہوئی۔

”حیرت ہے تم فراز کے رعب میں آگئیں؟“ تو قیر نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔

”کیا کروں شوہر جو ہے اور وہ بھی نیا، نیا۔ اسے اپنے ناز غرے اٹھوانے کا بہت شوق ہے۔ میں بھی خاموش رہی کہ چلو چند دنوں کی بات ہے۔“ رشنا نے ہنستے ہوئے کہا تو تو قیر نے بے ساختہ تہقیر لگایا۔

”آج آپ بہت دنوں بعد یوں ہنس رہے ہیں۔“ رشنا نے خوش ہو کر پوچھا۔

”تم باتیں ہی ایسی کر رہی ہو اور سناؤ سب لوگ کیسے ہیں۔ آئی مین تمہاری فرینڈز وغیرہ؟“ تو قیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں، تو قیر بھائی آپ کو ایک نیوز بتانا تو میں بھول ہی گئی۔ پتا ہے ردا کی انگلیج منٹ ہو گئی ہے۔“ رشنا نے خوش ہو کر کہا۔ تو قیر کو ایک دم جھٹکا سا لگا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا دل بند ہو رہا ہو۔



”ردا..... کی..... انگریج..... مٹ..... ک.....  
کب؟..... کس کے ساتھ؟“ تو قیر نے بوکھلا کر رک  
رک کر پوچھا۔

”روحیل کے ساتھ۔ بہت پیئسم اور اسمارٹ  
لوکا ہے۔“ رشنا نے مسکرا کر کہا۔

”ک..... کون ہے وہ؟“ تو قیر نے آہ بھر کر  
پوچھا۔

”فہام بھائی کے فرینڈ کافرینڈ۔ روحیل کی  
باں جی نے ردا کو ایک شادی پر دیکھا اور بس فدا  
ہو گئیں اور ردا کو ہو بنا کر ہی چھین لیا۔“

”کیا..... ردا خوش ہے؟“ تو قیر نے تجسس  
ہو کر پوچھا۔

”ہاں..... بہت زیادہ۔“ رشنا نے مسکراتے  
ہوئے کہا تو قیر نے بغیر کچھ کہے فون رکھ دیا۔

”شاید کال ڈراپ ہو گئی۔“ رشنا ہیلو ہیلو کرتی  
رہ گئی۔

☆ ☆ ☆  
سب لوگ آئی سی یو کے باہر انتہائی پریشان  
کھڑے تھے۔ ردا فہام کے ساتھ گئی مسلسل رو رہی تھی۔

”پلیز ردا، اب خدا کے لیے رونا بند کرو اور اللہ  
سے دعا کرو۔ حالہ جان ٹھیک ہو جائیں گی۔“ شمیلہ  
نے ردا کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”بھابی، ماما کب سے آئی سی یو میں ہیں اور  
ڈاکٹر بھی کچھ نہیں بتا رہا۔“ ردا نے روتے ہوئے  
شمیلہ سے کہا۔

”پلیز فہام بھائی آپ اندر جا کر پتا کریں  
میری ماما.....“ ردا نے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا اور  
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”ماما کو کچھ نہیں ہوگا۔ حوصلہ رکھو۔“ اس نے  
محبت سے ردا کو اپنے ساتھ لگایا۔

”میں خود ماما کو دیکھ کر آتی ہوں۔“ وہ گھبرا کر اپنا  
آپ چھڑا کر آئی سی یو کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

”تم..... تم..... رکو میں دیکھتا ہوں۔“ فہام

نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔  
”تم لوگ ردا کا خیال رکھو۔ میں اندر جا کر ماما  
کو دیکھتا ہوں۔“ وہ آئی سی یو میں جانے لگا کہ ایک  
ڈاکٹر اندر سے باہر آیا۔

”ڈاکٹر صاحب، ہماری ماما کی طبیعت اب  
کیسی ہے؟“ فہام نے گھبرا کر پوچھا۔

”بھئی گس گاڈ، اب وہ بہت بہتر ہیں۔ شکر ہے  
کہ آپ انہیں ٹائم پر لے آئے اور ان کا پی پی کنٹرول  
ہو گیا ورنہ برین سرج بھی ہو سکتا تھا۔“ ڈاکٹر نے  
انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”کیا.....؟“ فہام نے گھبرا کر کہا۔  
”لیکن اب گھبرائے کی کوئی بات  
نہیں۔“ ڈاکٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا

اور واپس اندر چلا گیا۔  
”اللہ نے تمہاری دعائیں سن لی ہیں۔ ماما  
ٹھیک ہیں، عاصم تم، شمیلہ اور ردا کو گھر لے جاؤ۔ میں  
اور حاتم ماما کے پاس ہی ٹھہرتے ہیں۔“ فہام نے  
ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”نہیں..... میں نہیں جاؤں گی۔“ ردا اپنے  
آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

”تم بہت تھک گئی ہو گی۔ جاؤ گھر جا کر ریٹ  
کرو۔ شمیلہ اسے گھر لے جاؤ۔“ فہم نے محبت سے  
سمجھاتے ہوئے ردا سے کہا تو شمیلہ اس کا بازو دھام  
کر عاصم کے ہمراہ اسے وہاں سے لے کر چلی گئی۔

ردا سارا راستہ روتی رہی۔  
+ + +

رات کافی گزر چکی تھی۔ ردا انتہائی تھکی ہوئی  
اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ رونے سے اس کی  
آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور سوچن کی وجہ سے بہ  
مشکل کھل رہی تھیں۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند  
کر کے جلدی سے اپنا موبائل آن کیا اور روحیل کا  
نمبر ملانے لگی۔ بہت زیادہ ہیلز کے بعد بھی روحیل

نے اس کی کال انیڈ نہیں کی۔ ردا کے چہرے پر  
پریشانی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔  
”روحیل فون نہیں اٹھا رہے۔ شاید ناراض  
ہو گئے ہیں۔“ ردا گھبرا کر خود سے بولی۔

”روحیل، پلیز مجھ سے بات کریں۔ میں بہت  
پریشان ہو رہی ہوں۔“ اس نے میج لکھا اور وہ میج  
سینڈ کرنے کے بعد پھر روحیل کا نمبر ملانے لگی۔  
دوسری جانب روحیل بیڈ پر ٹیم دراز تھا۔ ردا کی کالز  
پر کالز آ رہی تھیں مگر وہ ایک نظر دیکھ کر رہ جاتا۔ اس  
کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات تھے۔ ہیلز کے  
بعد ردا کا میج آیا تو میج پڑھ کر اس نے ایک گہری  
سانس لی اور پھر موبائل فون رکھ دیا۔ دوبارہ ردا کی  
کال آئی تو روحیل نے اب کی بار اس کی کال۔

”ہیلو.....“ ردا قدرے ڈرے ہوئے دھیمے  
لہجے میں بولی۔  
”ردا آئندہ آپ نے میری کال ریجکٹ کی تو  
مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ روحیل نے قدرے غصے  
سے ڈالتے ہوئے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔

”کیا.....؟“ ردا بری طرح بوکھلائی۔ روحیل  
کی بات سن کر اسے ایک دم جھٹکا لگا تھا اور اس کی  
آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور روحیل اس کے  
سینے کی آواز سن کر چونکا۔

”کیا آپ رو رہی ہیں؟“ روحیل نے قدرے  
گھبرا کر پوچھا۔ جواب میں ردا نے سسکی بھری تو  
روحیل اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

”پلیز ردا..... اسٹاپ ویچنگ۔ میرا ہرگز یہ  
مطلب نہیں تھا۔ ایک نیلی میں آپ سے بہت محبت  
کرنے لگا ہوں اور اپنی محبت میں کسی بھی قسم کی  
بے اعتنائی اور انگوٹھ نہیں..... برداشت نہیں  
کر سکتا۔“ روحیل خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔

”میں نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔“ ردا نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔

”کیا آپ رو رہی ہیں؟“ روحیل نے قدرے  
گھبرا کر پوچھا۔ جواب میں ردا نے سسکی بھری تو  
روحیل اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

”پلیز ردا..... اسٹاپ ویچنگ۔ میرا ہرگز یہ  
مطلب نہیں تھا۔ ایک نیلی میں آپ سے بہت محبت  
کرنے لگا ہوں اور اپنی محبت میں کسی بھی قسم کی  
بے اعتنائی اور انگوٹھ نہیں..... برداشت نہیں  
کر سکتا۔“ روحیل خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔

”میں نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔“ ردا نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔

”کیا آپ رو رہی ہیں؟“ روحیل نے قدرے  
گھبرا کر پوچھا۔ جواب میں ردا نے سسکی بھری تو  
روحیل اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

”پلیز ردا..... اسٹاپ ویچنگ۔ میرا ہرگز یہ  
مطلب نہیں تھا۔ ایک نیلی میں آپ سے بہت محبت  
کرنے لگا ہوں اور اپنی محبت میں کسی بھی قسم کی  
بے اعتنائی اور انگوٹھ نہیں..... برداشت نہیں  
کر سکتا۔“ روحیل خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔

”میں نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔“ ردا نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔

”کیا آپ رو رہی ہیں؟“ روحیل نے قدرے  
گھبرا کر پوچھا۔ جواب میں ردا نے سسکی بھری تو  
روحیل اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

”پلیز ردا..... اسٹاپ ویچنگ۔ میرا ہرگز یہ  
مطلب نہیں تھا۔ ایک نیلی میں آپ سے بہت محبت  
کرنے لگا ہوں اور اپنی محبت میں کسی بھی قسم کی  
بے اعتنائی اور انگوٹھ نہیں..... برداشت نہیں  
کر سکتا۔“ روحیل خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔

”میں نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔“ ردا نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔

”کیا آپ رو رہی ہیں؟“ روحیل نے قدرے  
گھبرا کر پوچھا۔ جواب میں ردا نے سسکی بھری تو  
روحیل اور زیادہ پریشان ہو گیا۔

کھن دھب طے کھن دل

نہیں کی تھی۔ اس وقت ماما کی طبیعت بہت خراب تھی  
اور بھائی انہیں اسپتال لے کر جا رہے  
تھے۔ ردا نے سسکی بھر کر مصوبیت سے جواب دیا۔  
”کیا..... آئی سی یو میں ہیں؟“ روحیل نے ایک  
دم چونک کر پوچھا۔

”ہاں، وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہیں اور میں بھی  
ابھی اسپتال ہی سے آ رہی ہوں۔“ ردا نے سسکی  
بھرتے ہوئے بتایا۔

”اوہ..... آئی ایم سوری۔ میں نہیں جانتا تھا  
کہ آپ نے اس لیے کال ریجکٹ کی لیکن آپ مجھے  
میج تو کر سکتی تھیں۔“ روحیل نے شرمندہ ہو کر ڈرامہ  
لہجے میں کہا۔

”کیسے کرتی، اس وقت ہم سب بہت پریشان  
تھے۔“ ردا نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔  
”اب آئی سی یو میں ہیں؟“ روحیل نے پوچھا۔

”کچھ بہتر ہیں لیکن اسپتال میں ہی ہیں۔“ ردا  
نے رنجیدہ لہجے میں بتایا۔

”آئی ایم سوری، میں اچانک باہر  
ہو گیا۔ آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا؟“ اس نے رک  
رک کر پوچھا۔

”نہیں کیونکہ آپ اصل بات جانتے نہیں تھے  
ناں۔“

”ویش گڈ۔ آپ پوچھن کو بہت اچھی طرح سمجھ  
جاتی ہیں اور یہ آپ کا ٹپس پوائنٹ ہے۔“ روحیل نے  
مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکراتے لگی۔

”آپ پریشان ہیں؟“ روحیل سرگوشی میں  
بولا۔

”میں..... ماما کی وجہ سے بہت اپ سیٹ  
ہوں۔“ ردا کی آواز بھرا گئی۔

”آئی سی، آپ بہت تھکی ہوئی ہوں گی۔ اب  
آپ ریٹ کریں اور اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ آئی نو  
یو آر لگ پلیز ٹیک کیئر۔ میں صبح ہی اسپتال جاؤں

”میں نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔“ ردا نے آپ کی کال جان بوجھ کر تو ریجکٹ  
کی۔

”کیا آپ رو رہی ہیں؟“ روحیل نے قدرے  
گھبرا کر پوچھا۔ جواب میں ردا نے سسکی بھری تو  
روحیل اور زیادہ پریشان ہو گیا۔



کا۔“روحیل نے خوش دلی کے ساتھ اس سے کہا تو روانے بھی خدا حافظ کہہ کر قون بند کر دیا۔  
”روحیل میری محبت میں اتنے زیادہ ایسوشل اور پوزیٹو ہونے لگے ہیں، یقین نہیں آ رہا۔“ ردا نے حیرت سے سوچا اور ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلنے لگی اور وہ یونہی آنکھیں بند کر کے بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

خدیحہ کی طبیعت اب قدرے بہتر تھی مگر ابھی اسپتال میں ہی تھیں۔ تینوں بیٹے باری باری ان کی حار داری کرتے۔ اس وقت فہام انہیں سب کاٹ کر کھلا رہا تھا اور حاتم آہستہ آہستہ ان کا سر دوبارہ ہاتھ جھمی روحیل ہاتھ میں خوب صورت گلدستہ پکڑے اندر داخل ہوا۔

”اسلام علیکم آئی، اب آپ کیسی ہیں؟“ روحیل نے خدیجہ کے قریب ٹیبل پر گلدستہ رکھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہوں بیٹا۔ تم نے کیوں تکلیف کی؟“ خدیجہ ایک دم خوش ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

”تکلیف کیسی؟ ماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ورنہ وہ بھی میرے ساتھ آنے کو تیار تھیں۔“ روحیل نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

”ارے بیٹا، اب میں ٹھیک ہوں۔“  
”ہاں، ڈاکٹر نے ڈسچارج کر دیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر تک ہم گھر جا رہے ہیں۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

”تھینک گاڈ، آئی آپ صحت یاب ہو گئی ہیں۔“ روحیل نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں، اللہ کا شکر ہے۔ بی بی نارمل ہو گیا ورنہ ہم لوگ بہت اپ سیٹ تھے۔“ حاتم نے کہا۔  
”ہاں..... ردا بتا رہی تھی۔“ روحیل نے بے

ساختہ کہا تو دونوں بھائیوں نے اسے چونک کر دیکھا مگر خاموش رہے۔

”اب میں چلتا ہوں۔“ آنر کے لیے لیٹ ہو رہا ہوں۔“ روحیل نے مسکرا کر ریسٹ وائچ دیکھتے ہوئے کہا۔

”خوش رہو، آباد رہو۔“ خدیجہ اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے بولیں۔ وہ سب کو خدا حافظ کر کے چلا گیا۔

”روحیل بہت نائس ہے۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔  
”ہاں..... پر سنائی بھی بہت اچھی ہے۔“ حاتم نے تعریفی انداز میں کہا۔

”ہاں، مجھے بھی بہت اچھا لگا ہے۔ اس لیے انکار کرنے کو دل نہیں چاہا۔ اب اللہ ان دونوں کے نصیب اچھے کرے۔“ خدیجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”الہی آمین۔“ دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ کہا۔

”میں نے تو ردا کو ہی سمجھایا ہے کہ روحیل اور اس کی ماں کی محبتوں کی قدر کرے۔ پتا جب بہو سسرال اور شوہر کی محبت اور چاہت کی قدر نہیں کرتی تو دل کتنا ٹوٹتا ہے پتا نہیں سکتی۔“ خدیجہ نے غم آنکھوں سے کہا تو دونوں نے چونک کر ماں کو دیکھا۔

”کیا مطلب..... اور آپ اس بات پر اتنی سیریس کیوں ہو گئیں؟“ فہام نے چونک کر پوچھا۔

”بس یونہی بیٹا، آج کل ہر طرف ایسی کچھ ہو رہی ہے۔ ردا کو سمجھانا میرا ہی فرض ہے ناں اس لیے اسے سمجھاتی رہتی ہوں۔“ خدیجہ نے بات سنبھالتے ہوئے کہا اور زبردستی مسکراتے لگیں تو دونوں بیٹے بھی مسکراتے لگے۔

☆☆☆

توقیر اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھا ایک پرانی البم دیکھنے میں مصروف تھا اور اس البم میں رشنا کے

ساتھ ردا کی کچھ تصویریں بھی تھیں۔ ان تصویروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے توقیر کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”تمہاری اپنی کوئی چوائس نہیں تھی اور تم نے اریج میرج ہی کرتی تھی تو میرے بارے میں کیوں نہیں سوچا۔“ توقیر نے ایک سرد آہ بھر کر سوچا۔

”میرے دل میں آپ کے لیے..... محبت پیدا نہیں ہو رہی تو میں اپنے دل کو کیسے مجبور کروں۔“ توقیر کے کانوں میں ردا کے الفاظ گونجنے لگے۔

”ہاں، اگر میں تمہارے نصیب میں ہوتا تو تمہارا دل مجھے ضرور قبول کرتا۔“ وہ بہت دل گرفتہ ہو رہا تھا اس کا قون مسلسل بج رہا تھا مگر اسے شاید سنائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

خدیحہ اسپتال سے آچکی تھیں۔ تینوں بیٹے اور بیٹی ردا ماں کا ہر ممکن خیال کر رہے تھے۔ حمیلہ بھی فہام کی وجہ سے ساس کی خدمت کرنے پر مجبور تھی۔

”خالہ جان جوس لی لیں۔“ حمیلہ ان کے لیے تازہ پھلوں کا جوس نکال کر لائی تھی۔

”مما کچھ تو بتائیں کہ آپ نے کس بات کی اتنی ٹینشن لی کہ آپ کا بی بی اتنا شوٹ کر گیا اور آپ کو اسپتال جانا پڑا؟“ فہام جو ماں کی طبیعت کے باعث زیادہ تر گھر پر رہتا تھا آج ماں سے پوچھ بیٹھا۔ حمیلہ نے ایک دم گھبرا کر ساس کی طرف دیکھا۔

”یقیناً ردا کی ٹینشن لی ہوگی کہ وہ ان سے جدا ہونے والی ہے۔“ حمیلہ جلدی سے بولی تو وہ اسے ہٹا بکا دیکھتی رہ گئیں۔

”لیکن ابھی تو صرف ردا کی منگنی ہوئی ہے۔ وہ کیسے جدا ہو رہی ہے۔“ فہام نے چونک کر کہا۔

”رشتہ طے ہوتے ہی بیٹیاں پرانی ہو جاتی ہیں اور ماؤں کو اندر ہی اندر جدائی کی فکر لگنے لگتی ہے۔“ حمیلہ نے بڑے بوڑھوں کے انداز میں کہا تو خدیجہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

کھیں حسب جلیے کھیں دل

”مما کیا آپ نے واقعی اسی بات کی ٹینشن لی ہے؟“ فہام نے محبت سے پوچھا۔

”ہاں۔“ خدیجہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

”اس میں ٹینشن والی کیا بات ہے، اسے ایک نہ ایک دن تو اپنے گھر جانا ہے۔“ اس نے مسکرا کر محبت سے کہا۔

”ہاں۔“ انہوں نے آہ بھر کر سپاٹ لہجہ میں جواب دیا۔

”مما آپ ٹھیک طرح سے بات کیوں نہیں کر رہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ ٹینشن اب بھی آپ کے اندر ہے؟“ فہام نے حیرت سے پوچھا۔

”فہام آپ خالہ جان کو کیوں تنگ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے انہیں آرام کرنے کو کہا ہے۔“ حمیلہ جلدی سے یوں اور سائنڈ ٹیبل کی دروازے سے میڈیسنو نکالنے لگی۔

”خالہ جان، آپ یہ دوا کھالیں اور آرام کریں۔ فہام آپ بھی چلیں، خالہ جان کو سونے دیں۔“ حمیلہ نے خدیجہ کو دوا دیتے ہوئے کہا اور فہام کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

یعنی اور ڈر میں رفتہ رفتہ دوستی ہونے لگی تھی۔ آڈر نے اپنے آپ کو ایک دم بدل دیا تھا۔ اس میں یہ پہنچ دیکھ کر اس کے دوست بہت حیران تھے۔ فرخ اور اسامہ کو تو بالکل یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ اسے اس کا کوئی نیاروپ کہتے مگر جواد بہت کوئیڈنٹ تھا، اس کے خیال میں اس نے آڈر کا برین واش کیا تھا اور آڈر نے اس کی باتوں کا اثر لیا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے آپ کو بدلا تھا اور حسنہ کے خیال میں یہی کے اچھے رویے نے اسے بدلا تھا اور یہی کا خیال تھا کہ کالج میں اسے دوبارہ چائس ملا تھا اسی لیے اس نے اپنے آپ کو سدھارا تھا۔ جو بھی تھا سب اس تبدیلی پر خوش تھے۔ آڈر نے اپنے آپ کو بہت ریزرو کر لیا



تھا۔ وہ ہر اک سے نہ تو زیادہ باتیں کرتا اور نہ ہی کسی پر کنشس پاس کرتا۔ اپنی پڑھائی کے بارے میں بھی قدرے سیریس ہو گیا تھا۔ وہ یمنی اور حنہ سے اکثر اسٹڈیز کے بارے میں ڈسکشن کرتا۔ یمنی کو دیکھ کر اس کے چہرے پر فوراً مسکراہٹ سی پھیل جاتی اور حنہ اس کی اس مسکراہٹ کو کئی نام دیتی تو یمنی چونک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ جاتی۔

”یار، یہ تمہارا ذہن کیسی کیسی باتیں سوچتا ہے۔ ایک بات سے کتنی باتیں نکال لیتی ہو۔ تمہاری منگنی کیا ہوئی سب کی سنگتیاں کروانا چاہتی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے کزن ہار اسٹڈیز سے کب لوٹیں گے؟“

”ہاں اسٹڈیز تو مکمل ہو جائیں۔“ حنہ نے آنکھوں میں ڈھیروں خواب لے کر اسے بتایا۔

”یار، عمر کی کوئی تصویر تو دکھاؤ۔“ یمنی نے اس سے کہا تو اس نے جھٹ اپنے بیگ میں سے ایک چھوٹی سی الیم نکالی اور اسے دکھانے لگی۔ وہ بھی حنہ کی طرح بے حد خوب صورت اور اسارٹ تھا۔

”تم بہت لگی ہو، عمر بہت اسارٹ لڑکا ہے۔“ یمنی نے رشک بھرے لہجے میں اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... وہ تو میں ہوں۔ عمر واقعی بہت اچھا انسان ہے اور بہت محبت کرنے والا بھی۔ یمنی میری دعا ہے کہ خدا تمہیں بھی عمر جیسا سپینڈ دے۔ وہ اس قدر لونگ اور کیئرنگ ہے، کیا بتاؤں۔“ حنہ کی آنکھیں عمر کے ذکر سے چمکنے لگیں اور قدرے جذباتی ہو کر اس نے اپنا نقاب نیچے کر لیا۔ اس کے گال خوشی سے سرخ ہو رہے تھے۔ یمنی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”گلتا ہے تم عمر سے بے انتہا محبت کرتی ہو؟“ یمنی نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں..... ہاں، بہت زیادہ اور وہ ہے ہی محبت کے قابل۔“ حنہ نے لہجے میں ڈھیر سا

پیار سمویا۔

”کون..... کس قابل ہوتا ہے۔ یہ ہم کیسے decide کر سکتے ہیں؟“ یمنی نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

”جب کوئی اپنی ذات کی نفی کر کے کسی دوسرے کے لیے بہت کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خود اپنے آپ کو اس قابل بنادیتا ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ عمر نے کس کس موقع پر میرے لیے sacrifice کیا۔ اس نے ہمیشہ اپنی اچھی چیزیں مجھ سے شیئر کیں۔ ہر موقع پر میری طرفداری کی۔ تم ہی بتاؤ کیا میں اس شخص سے بے پناہ محبت نہ کروں؟“ حنہ نے قدرے جذباتی انداز میں اس سے پوچھا۔

”ہاں بھئی، وہ تمہاری پر خلوص محبت ڈیز رو کرتا ہے۔“ یمنی نے مسکرا کر جواب دیا اور دونوں باتیں کرتی ہوئی سیٹے میریا چلی گئیں۔ جہاں پر آذر اور جواد پہلے سے ہی موجود تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر آذر نے ہاتھ ہلایا تو یمنی مسکراتی ہوئی ان کی ٹیبل پر جائیٹھی۔ حنہ اکثر جواد اور آذر کے ساتھ بیٹھنے سے ہچکچاتی تھی۔ حنہ لڑکیوں کی ایک ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

”یار یمنی، یہ تمہاری دوست کو ہم سے کیا پردہ ہے؟ مجھے اور آذر کو دیکھتے ہی فوراً پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ اب ہم اتنے برسے بھی نہیں۔“ جواد نے منہ بنا کر کہا۔

”جواد جو بے لیے اچھا سمجھتا ہے وہ وہی کرتا ہے اور ہم کسی کو فوراً تو نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری مرضی سے act کرے۔ وہ تم لوگوں کے ساتھ بیٹھنا مناسب نہیں سمجھتی تو یقیناً اس کی کوئی وجہ ہوگی۔ ویسے بھی اس کا تعلق ایک انتہائی religious ٹیبل سے ہے۔“ یمنی نے کہا۔

”اگر وہ اتنی religious ہے تو پھر کو ایجوکیشن میں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟“ جواد نے

قدرے خفگی سے کہا۔

”اس کا..... میں ایڈمیشن اس نے اپنے منگیتری خواہش اور کوشش پر کیا ہے۔ اس نے حنہ کے گمراہیوں کو راضی کیا تھا۔“ یمنی نے بتایا۔

”منگیتری؟ جواد انتہائی حیرت سے بولا۔

”ہاں، وہ یو کے گیا ہوا ہے، ہائر اسٹڈیز کے لیے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔“ یمنی نے اپنی ہی لے میں بتایا تو جواد کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

”یار تمہیں کیوں اتنا دکھ ہو رہا ہے۔ کیا اس کی تمہارے ساتھ کوئی کمینٹ تھی؟“ آذر نے معنی خیز انداز میں پتے ہوئے کہا۔

”نہیں یار، مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے۔“ جواد نے سادگی سے بتایا۔

”ا..... و..... ا.....“ آذر نے قدرے ادنیٰ آواز میں شرارتی لہجے میں کہا تو وہ بھی ہنسنے لگی۔

”یہ ہنسنے کا نہیں رونے کا مقام ہے۔ میں جس بھی لڑکی کی طرف محبت سے ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ نکل آتا ہے۔ جواد نے بے چارگی کے ساتھ کہا۔

”واقعی یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے لیکن کیا کیا جائے شاید تمہاری قسمت میں ہی کوئی گڑبڑ ہے۔“ آذر بے ہتے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ان کاموں میں اتوار ہونے کے بجائے اپنی اسٹڈیز میں سیریس ہونا چاہیے۔“ یمنی نے اسے مشورہ دیا۔

”ہماری ساری قوم کے پاس دوسروں کے لیے بہت مفت مشورے ہیں لیکن کسی کے لیے کرنے کو کچھ نہیں۔“ جواد نے خفگی سے کہا اور وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔

”اوہ..... اس نے تو مانڈ ہی کر لیا۔“ یمنی نے قدرے پریشانی سے کہا۔

کھنکھن دھب طے کھن دل

”جائے دو، تھوڑی دیر بعد خود ہی آجائے گا۔“ آذر نے مسکرا کر کہا۔ ”کیا کھاؤ گی، میں تمہارے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔“ آذر اٹھتے ہوئے بولا۔

”کولڈ ڈرنکس کے ساتھ کچھ بھی۔“ یمنی نے جواب دیا۔

”کیا میری پسند چلے گی؟“ آذر نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”چلے گی۔“ یمنی نے بھی مسکرا کر آنکھیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا۔ آذر وہاں سے چلا گیا تو یمنی اٹھ کر حنہ کے پاس آئی۔ حنہ ایک لڑکی کے ساتھ مسکرا کر باتیں کر رہی تھی۔

”یمنی، ان سے ملو یہ کول رانا ہیں۔ اسٹیشن سے آئی ہیں۔ انہوں نے آج ہی ہمارا کالج جوائن کیا ہے۔“ حنہ نے کافی خوب صورت، قدرے صحت مند گول چہرے والی لڑکی سے تعارف کروایا جو بار بار آنکھیں جھپک رہی تھی۔

”ہیلو، آئی ایم یمنی جہاں۔“ یمنی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس سے مصافحہ کیا۔ کول نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ اتنی دیر میں آذر اس کے لیے کولڈ ڈرنکس، سینڈویچز اور فریج فرائز لے آیا اور اپنی ٹیبل پر رکھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یمنی کو حنہ سے باتیں کرتے دیکھ کر اس نے سیٹی بجائی تو یمنی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ یمنی نے اسے ہاتھ ہلا کر رکنے کا اشارہ کیا اور کول کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ آذر جھنجھلا تا ہوا اس کی جانب آیا۔

”یار میں کب سے انتظار کر رہا ہوں۔“ آذر نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

”آذر، یہ مس کول رانا ہیں، ہماری کلاس میں نیو ایڈمیشن۔“ یمنی نے آذر کا کول سے تعارف کروایا۔

”ہائے۔“ آذر نے قدرے روکھے لہجے میں کہا۔ کول نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور



”ڈیڈی..... آپ یہ تپ مٹ مت بھیجیں۔ میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔“ (یعنی نے گھبرا کر کہا۔)  
 ”کیا مطلب...؟ یہ کیا گھر رہی ہو۔ میں کئی ماہ سے اس پروجیکٹ پر کام کر رہا ہوں۔ کروڑوں کا پروجیکٹ کیسے میں خود اپنے ہاتھوں سے برباد کر دوں؟“ جمال احمد نے پریشانی سے کہا۔  
 ”ڈیڈی..... کیا آپ کے کسٹمر کا نام ایس سے شروع ہوتا ہے؟“ (یعنی نے پوچھا۔)

ہے۔ ”جمال احمد نے جواب دیا۔

”نہیں ڈیڈی، آپ investigate کروائیں۔ اس کا نام ایس سے شروع ہوتا ہے اور وہ ٹھیک آوی نہیں۔ وہ آپ کو بہت نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پلیز آپ اسے شپ نٹ مت بھیجیں۔“ یمنی نے فکر مندی سے کہا تو جمال صاحب گہری سوچ میں پڑ گئے۔

جمال احمد فیکٹری میں بہت زیادہ مصروف تھے۔ انہوں نے ایک بہت بڑی شپ منٹ جرنی بھیجی تھی۔ وہ دن رات مال تیار کروانے کی فکر میں تھے۔ انہیں کھانے کا ہوش تھا اور نہ بننے کا۔ یعنی کی بھی کئی روز سے باپ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آرڈر تیار کروا کر وہ رات کے تین بجے گھر آئے تو بہت زیادہ تھکے ہوئے تھے۔ یعنی گہری ٹینڈ سو رہی تھی۔ وہ بار بار ایک خواب دیکھ کر بڑبڑا رہی تھی پھر وہ ایک دم بڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی باپ کے کمرے میں گئی۔ وہ ابھی سوچ کر کے واش روم سے باہر نکلے تھے۔ ایمین گہری ٹینڈ سو رہی تھی۔ یعنی گھبرا کر جمال احمد کے ساتھ لگ کر بولی۔

”ڈیڈی... ڈیڈی“ یعنی نے گھبرا کر کہا۔  
 ”ہاں..... ہاں بولو بیٹا کیا بات ہے؟“ جمال

”نہیں..... کچھ خاص دکھائی نہیں دے، ہا۔“  
یعنی نے جان بوجھ کر اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے  
ہوئے انجان بننے کی ایکٹنگ کی۔  
”اس کا مطلب ہے مجھے تمہیں کسی آئی سرجن  
کے پاس لے کر جانا چاہیے جو تمہاری آنکھوں کا علاج  
کمرے اور تمہیں سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی آنکھوں  
میں صاف صاف کچھ دکھائی دینے لگے۔“ آذر نے  
مسکرا کر کہا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔ کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔“ یمنی نے اپنی رسٹ واپس دیکھتے ہوئے کہا اور بیگ کندھے پر ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

”اوہ یار..... پیتھس کی اس کلاس سے میری جان نکلتی ہے۔ مجھے یہ بہت مشکل سمجھ گئی ہے۔“ آذر نے ناگوار سی کہا۔

”کیا مطلب، تم کلاس میں نہیں جاؤ گے؟“  
 یمنی نے پوچھا۔

”نہیں، میرا موڈ نہیں۔“ اس نے منہ ہٹایا۔  
 ”کیا تم کلاس بنک کر رہے، اس ویری بیڈ۔  
 چلو اٹھو آئندہ بھی کلاس بنک کرنے کا سوچنا بھی نہیں  
 درنہ.....“ یمنی نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھتے  
 ہوئے کہا۔

”اور نہ کیا؟“  
”پھر میں تم سے کبھی بات نہیں ...“ اس نے  
جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

”نہیں... نہیں، تم ایسا کچھ مت کرنا۔ میں کلاس میں جا رہا ہوں۔“ آذر جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا تو بمبئی کھلکھلا کر ہنسنے لگی اور اس کے سفید دانت، کالے چہرے پر عجیب طرح سے نمایاں ہونے لگے۔ اس کی آنکھوں میں پھیلا سیاہ کاجل آنکھیں غم ہونے سے ارد گرد پھیننے لگا۔ آذر اس کی طرف دیکھا رہ گیا اور وہ دونوں مسکراتے ہوئے کینے ٹیر مارے باہر چلے گئے۔

مسکرا دی۔  
 ”اب چلیں۔“ آؤ رٹے منہ بنا کر بھنتی سے کہا  
 تو وہ اس کے ساتھ چل دی۔ ٹیبل پر اتنی زیادہ کھانے  
 کی چیزیں دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔  
 ”اتنی زیادہ چیزیں..... کیا میں یہ سب کھاؤں  
 گی؟“ بھنتی نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے  
 ہوئے کہا۔

”نہیں، میں بھی تمہارے ساتھ۔“ آذر نے مسکرا کر جواب دیا تو بیٹی بھی مسکرا دی اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگی۔ فرنج فرمائز کھاتے ہوئے آذر اس کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھ رہا ہوں۔

”نہ جانے کیوں، تم اب مجھے بہت اچھی لگنے لگی ہو۔ دل چاہتا ہے کہ تم ہر وقت میرے سامنے رہو اور میں تمہیں دیکھتا رہوں۔“ آذر نے محبت بھرے لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

”کیوں، کیا اب میرا کالارنگ تمہیں دکھائی نہیں دیتا؟“ یحییٰ نے مسکرا کر طنزیہ انداز میں پوچھا۔  
”کم آن یار ڈونٹ ریما سنڈی، پلیز فارگیٹ ایوری تھنگ۔“ آذر نے شرمندگی سے کہا۔  
”میں تو یونہی بات کر رہی تھی۔“ یحییٰ نے سنڈوچ کھاتے ہوئے جواب دیا۔

”سچ بتاؤں۔ اب مجھے نہ تم skinny لگتی ہو اور نہ ہی black۔“ آذر نے مسکرا کر جواب دیا۔  
 ”کیوں؟“ یعنی نے مسکرا کر سوال کیا۔  
 ”شاید میری آنکھوں کو اب تم صرف اچھی لگنے لگی ہو۔ جیسے مجنوں کو لیلیٰ بھی کالی دکھائی نہیں دیتی تھی۔“ آذر نے مسکرا کر کہا۔

”وہ دونوں تو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔“ یمنی نے سسنی خیر انداز میں کہا۔  
”کیا..... جہیں میری آنکھوں میں اپنے لیے کچھ دکھائی نہیں دیتا؟“ آؤر نے کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

## زندگی نام ہے

آخری صفحات پر احمد اقبال کی ایک پر فکر تحریر ہے۔ جب زندگی آزمائشوں سے نبرہ آ رہا ہو، کراگے بڑھی تو تمام آسائشیں بے معنی ہو کر رہ گئیں۔

## وارث

تاریخی صفحات پر اہم شخصیات کے وہ یادگار لحاظات جب تخت یا تختہ کی راسائی میں کسی کو خاک چائیں اور کسی کو فلک کی تائی کی نصیب ہوتی ہے ڈاکٹر ساجد امجد کے قلم کا چارو

## فصلنامه

چاہتوں کی چھاؤں سے نکل کر نفرتوں کی کڑی دھوپ میں جلتے  
 دودلوں کا قصہ..... **ظاہر جاوید مغل** کا دلفریب شاہکار

انوار صدیقی کے قلم سے کشکول کے سنسنی خیز واقعات اور ناصر ملک کے دلوں میں اچھل بچاتے سلسلے مسافر کے رنگین لمحات، مرزا امجد بیگ کے سنگین دماغ، محفل شعر و سخن اور آپ کے خط







خدیجہ لاؤنج میں ماں جی اور فضیلت کے ہمراہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں نزدیک ہی شہیلہ بھی بیٹھی تھی۔ زاہدہ ٹیبل پر چائے کے ساتھ مختلف لوازمات رکھ رہی تھی۔  
”رودا کہاں ہے؟“ خدیجہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں نے انہیں بتایا ہے بس وہ آرہی ہیں۔“  
زاہدہ نے جلدی سے جواب دیا۔ اسی لمحے رودا وہاں آگئی اور نزدیک چاکر ماں جی سے ملی۔ ماں جی نے انتہائی محبت سے اس کا سر، چہرہ اور ہاتھوں کو چوم کر صوفے پر بٹھایا۔ ماں جی کے چہرے پر انتہائی خوشی کے تاثرات تھے۔ وہ بار بار رودا کو اپنے ساتھ لگا رہی تھیں۔ شہیلہ زبردستی مسکرا کر مگر اندر سے حسرت بھری نگاہوں سے ماں جی اور رودا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فضیلت بھی رودا کو پیار کر رہی تھی۔

”بہن..... آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی اور میری بھی..... اس لیے میں چاہتی ہوں کہ جلد از جلد رودا کو بہو بنا کر اپنے گھر لے جاؤں۔ میں آج شادی کی تاریخ لے آئی ہوں۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا تو رودا شرما کر وہاں سے چلی گئی۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن میں اپنے بیٹوں سے مشورہ کیے بغیر کیسے تاریخ دے دوں۔“ خدیجہ نے ایک دم چونک کر کہا۔

”ہاں تو آپ ان سے مشورہ کر لیں۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا جی فہام لاؤنج میں داخل ہوا۔  
”بیجے..... فہام بیٹا تو آگیا ہے۔“ ماں جی نے مسکرا کر کہا تو فہام بھی مسکرا کر سب سے سلام دعا کرتے لگا اور ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”شہیلہ بیٹے! حاتم اور عاصم گھر میں ہیں تو انہیں بھی بلاؤ۔“ خدیجہ نے شہیلہ سے کہا۔  
”جی..... حالہ جان!“ وہ سباعت مندی سے اُستی ہوئی اٹھ گئی۔

”یار..... کیا وہ مان جائے گا کہ اس نے ہی یہ گھٹیا حرکت کی ہے؟“ فہام نے فکر مندی سے پوچھا۔  
”نہیں..... میں اسے اس کیس میں اریسٹ نہیں کروں گا۔“ کچھ ٹیلی اس کی انکوائری کرنے پر پتا چلا کہ وہ ایک ڈرگ مافیا کے ساتھ بھی کام کرتا ہے۔ اس جیسے کسی کیس میں انوالو کر کے اس سے سارا کچھ اگلاؤں گا، تم بے فکر رہو۔ تمہاری عزت میری عزت ہے یار..... فرسٹ ٹی.....“ حیدر اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

”تھینک یو وری مچ۔“ فہام نے خوش ہو کر کہا۔  
”یاروں کو تھینکس نہیں بولتے.....“ حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوکے..... سر۔“ فہام ہنسنے لگا۔  
”لیکن فی الحال تم اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا..... جب تک وہ اریسٹ نہ ہو جائے۔“ حیدر نے کہا۔

”اوکے.....“ فہام نے مسکرا کر جواب دیا۔  
”اب تم بالکل فکر نہ کرنا، تم لوگوں کو کوئی میسجز نہیں آئیں گے اور نہ ہی کوئی بلیک میل کر سکے گا۔“ حیدر نے وثوق سے کہا۔

”مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تم سے پہلے کوئی ٹیکسٹ کیوں نہیں کیا۔“ فہام نے ہچھتاوا ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”بات یہ ہے..... لوگ پولیس پر ٹرسٹ ہی نہیں کرتے، اس لیے بگ ٹریجڈی..... اوکے یار..... میں تھوڑا بڑی ہوں پھر بات ہوگی بائے۔“ حیدر نے موبائل آف کرتے ہوئے کہا۔

”شکر ہے یہ ٹینشن تو ختم ہوئی۔ اب مجھے مہما کو راضی کرنا چاہیے کہ وہ رودا کو یونیورسٹی میں پڑھنے دیں..... بعد میں اس کی شادی کریں۔ اب مجھے اس کی اسٹڈیز کے لیے اسٹینڈ لینا چاہیے۔“ فہام نے کچھ سوچا اور مطمئن ہو گیا۔

تلخ الفاظ استعمال کر چکی تھی۔ شہیلہ کے اس بدلے ہوئے روپ کو دیکھ کر رودا بری طرح چونکی تھی مگر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔  
خدیجہ بھی بے بسی سے شہیلہ کی طرف دیکھ رہی تھیں مگر فہام مسکرا کر بیوی کو دیکھ رہا تھا اور وہ اسی بات سے بہت خوش ہو رہی تھی کہ وہ فہام کے دل میں گھر کر رہی ہے۔

☆☆☆

ایک جو بیئر اسٹرنے مکمل انکوائری کے بعد حیدر کو فرحان کے بارے میں تمام رپورٹ لا کر دے دی۔ حیدر نے فائل کا مطالعہ بغور کیا اور پھر فہام کو فون ملایا۔ فہام اپنے آفس میں تھا۔ حیدر کی کال دیکھ کر اس نے جلدی سے اسٹینڈ کی۔

”حیدر! کیسے ہو یار.....؟“ فہام نے اس کا حال احوال پوچھا۔

”فائن..... تمہیں ایک گڈ نیوز سنا رہی تھی، تمہیں جس پر شک تھا وہی اصل مجرم ہے۔“ حیدر نے اسے بتایا۔

”رہائی..... کیا وہ پکڑا گیا ہے؟“ فہام چونک کر پوچھنے لگا۔

”نہیں..... اس نے بہت ہوشیاری سے یہ کام کیا ہے کہ کسی کو اس پر شک نہ ہو۔“ حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا..... مطلب؟“ فہام چونک کر بولا۔

”وہ ایک انٹریٹ کیفے کا مالک ہے اور اس میں کام کرنے والی مختلف لڑکیوں سے وہ میسجز کرواتا تھا۔ موبائل سرور کمپنیوں سے جب ان لڑکیوں کا ڈیٹا مانگا تو وہ سب مختلف علاقوں کی تھیں۔ پھر میں نے اپنے سپاہی اس کام پر لگائے، انہوں نے فرحان کو ٹریس آؤٹ کیا اور ان سب لڑکیوں کے نام اور ایڈریس نوٹ کیے گئے۔ میں بہت جلد اسے اریسٹ کر لوں گا۔“ حیدر نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا۔

پڑی پرانی چیز سے زیادہ نہیں رہتی۔“ فہام نے چابیاں انہیں واپس کرتے ہوئے کہا تو شہیلہ نے بھی ایک دم چونک کر شوہر کی طرف دیکھا اور جلدی سے موڈ بدل کر فہام کے ہاتھ سے چابیاں لے کر انہیں واپس کر دیں۔

”فہام بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں خالہ جان۔ اس گھر کی مالکن آپ ہیں اور آپ ہی رہیں گی۔ میں اس قابل کہاں کہ اتنی بڑی ذمے داری بھاسکوں۔“ شہیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو خدیجہ نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا۔

”مما، شہیلہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔“ فہام نے شہیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”خالہ جان! اللہ آپ کا سایہ ہمہ سر پر سلامت رکھے، آپ کو زندگی اور صحت دے، آپ ہی گھر کی ذمے داریوں کو نبھائیں۔“ شہیلہ نے مسکرا کر خدیجہ کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا تو خدیجہ نے بے یقینی سے بیوی کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔

”مما! آپ کی بہو کتنی سعادت مند ہے، مجھ سے زیادہ اسے آپ کا خیال ہے، اسے ان باتوں سے کوئی غرض نہیں۔ شہیلہ میں تم سے بہت خوش ہوں۔“ فہام نے اس کی طرف دیکھ کر تعریفی انداز میں کہا تو خدیجہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”میں ان کی بہو نہیں، ان کی بیٹی ہوں اور ماں کا خیال بیٹیاں ہی رکھتی ہیں۔“ شہیلہ نے خدیجہ کے ساتھ لگ کر ان کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے کہا تو خدیجہ نے پھر حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور زبردستی مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ فہام نے مسکرا کر دونوں کی طرف دیکھا۔ رودا حیرت سے بھی بھاوج اور بھی ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

اسے شہیلہ کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا جو شوہر کے سامنے انتہائی میٹھی زبان میں باتیں کر رہی تھی مگر اکثر رودا کے ساتھ سانس کے بارے میں کتنے



شش و پنج کا شکار تھے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ ٹھیک تھا یا نہیں..... مگر ایک بات کا انہیں پکا یقین تھا کہ یہی انہیں جب کبھی کسی بات سے روکتی تھی اس کے پیچھے ضرور کوئی اہم وجہ ہوتی تھی..... اور ایسا اس کے بچپن سے ہی ہوتا آ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ کھیل، کھیل میں ہی اچانک کوئی ایسی بات کہتی جو فوراً پوری ہو جاتی..... اور جمال صاحب گھنٹوں اس سے پوچھتے رہتے تھے کہ اس نے وہ بات کیوں کہی تھی..... یعنی کوئی اس بات کی کوئی خبر ہی نہیں ہوتی اور وہ مکمل لاعلمی کا اظہار کرتی۔ یعنی نے پانچ سال کی عمر سے ایسی باتیں کرنا شروع کی تھیں اور تب سے جمال صاحب اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہی کے ساتھ ضرور کوئی غیر معمولی ماورائی قوت تھی اور اس کا اظہار انہوں نے اپنے ایک روحانی بزرگ سے بھی کیا تھا۔ انہوں نے چونک کر جمال کی طرف دیکھا اور کہنے لگے۔

”ایسے بچے نصیب والوں کو ملتے ہیں کیونکہ انہیں خدا اپنی خاص عطاؤں سے نوازتا ہے، آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کے گھر ایسی بچی نے جنم لیا ہے، آپ اس کا بہت خیال رکھا کریں۔“ بزرگ نے کہا تو جمال صاحب نے چونک کر انہیں دیکھا۔ جمال صاحب کے لیے تو وہ پہلے ہی بہت بڑی نعمت تھی کیونکہ تین مردہ بچوں کے بعد وہی تو زندہ سلامت بچی تھی۔ بزرگ کے کہنے پر وہ کچھ اور زیادہ اس کا خیال رکھنے لگے۔ اس کا کہا کبھی نہیں مالتے تھے۔ ویسے بے جا ضد وہ بھی نہیں کرتی تھی۔

اس کے اندر بچپن سے ہی قناعت پسندی اور دوسروں کے لیے بہت زیادہ ہمدردی تھی۔ اکثر اپنی قیمتی چیزیں ملازموں کو دے دیتی تھی۔ جس پر ایمن بیگم اکثر اس سے ناراض بھی ہوتی تھیں مگر جمال صاحب نے ایمن کو کبھی اسے ڈانٹنے کا حق نہیں دیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنسو تو کیا ڈرا سی نمی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی عادات بچپن سے

ہیں۔“ خدیجہ نے جیسے ہارتے ہوئے کہا۔  
”مما جس وجہ سے آپ شادی میں جلدی کر رہی تھیں، اب وہ وجہ بھی نہیں رہے گی۔“ فہام نے ماں کی طرف بغور دیکھ کر کہا تو خدیجہ نے فہام کو چونک کر دیکھا۔

”کیا مطلب.....؟“ انہیں بات سمجھ نہ آئی۔  
”مما! فرحان کو بہت جلد پولیس اریسٹ کرے گی..... ہماری اس ساری پریشانی کا ذمہ دار وہی ہے۔ بہت ہی خبیث انسان ہے وہ۔“ فہام رانت نہیں کر پولا۔

”کیا واقعی..... فرحان نے ہی یہ سب کچھ کیا ہے؟“ خدیجہ نے انتہائی حیرت سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔  
”ہاں..... اور پولیس کے پاس اس کا ثبوت بھی ہے۔“ فہام نے ماں کو بتایا۔

”یقین نہیں آ رہا کہ اپنے ہی رشتے دار اتنی مری ہوئی حرکت بھی کر سکتے ہیں۔ میری معصوم بچی کے کردار پر حملہ کرتے ہوئے اسے ذرا بھی تو شرم نہ آئی۔“ خدیجہ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر پریشانی سے بولیں۔

”ول تو جانتا ہے کہ اسے جا کر وہ سبق سکھاؤں کہ ساری زندگی یاد رکھے لیکن صرف یہ سوچ کر خاموش رہ جاتا ہوں کہ جب بات کھلے گی تو اس میں ردا کا بھی ذکر آئے گا اور میری بہن کا نام کوئی غلط انداز سے لے نہیں بھی برداشت نہیں کر سکوں گا۔“ فہام نے دانت پیس کر کہا۔

”بس بیٹا! شاید یہی واقعہ ردا کی شادی کا باعث بنا تھا۔ اللہ کی حکمتیں وہی جانتا ہے۔“ خدیجہ نے بیٹے کو تسلی دی۔

☆☆☆

جمال صاحب نے شپ منٹ روک دی تھی..... ٹیکسری کے سب لوگ حیران بھی ہو رہے تھے اور پریشان بھی..... کروڑوں کا پروجیکٹ جمال صاحب نے بغیر کسی وجہ کے کیوں روک رکھا تھا۔ وہ خود بھی

”ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی..... لیکن اب ڈیٹ میری مرضی کی ہوگی، اس ماہ کی پچیس تاریخ کیسی رہے گی۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”ٹھیک ہے، جیسے آپ کی مرضی.....“ فہام نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”سب کو مبارک ہو۔“ ماں جی مسکراتے ہوئے بولیں تو سب مسکراتے گئے۔ حمید، انتہائی غصے میں اپنے کمرے میں آ گئی اور زور سے دروازہ بند کر کے انتہائی غصے میں ماں کو فون ملائے لگی مگر بہت زیادہ بیلز کے بعد بھی ریمانڈ نے فون نہیں اٹھایا۔

”اب ممما! بھی میرا فون نہیں اٹھا رہیں۔ ایک بار فون اٹھائیں تو میں انہیں اُن کی بہن کے کمرے میں بتاؤں، جو کہتی کچھ ہیں اور کرتی کچھ ہیں۔“ حمید تہایت غصے سے بڑ بڑائی۔ فون کا جواب نہ پا کر اس نے طیش میں آ کر موبائل اٹھا کر بیڈ پر پینک دیا

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں تھکے ہوئے انداز میں بیڈ پر بیٹھی تھیں اور آہستہ آہستہ اپنے پیروں کو بیڈ پر سیدھا کر رہی تھیں اور ساتھ ہی ورد سے کراہنے لگیں۔ فہام ماں کے کمرے میں آیا۔ انہیں دیکھ کر وہ جلدی سے آگے بڑھ کر رسی پر بیٹھ کر ان کے گھنٹوں کو دبانے لگا۔  
”بیٹا! بس کرو، یہ درد یوں دبانے سے کہاں کم ہوگا۔“ خدیجہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن کچھ تو آرام ملے گا ناں۔“ وہ گھٹنے دہاتے ہوئے بولا تو خدیجہ آہستہ سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

”مما! آپ ردا کی شادی میں کچھ زیادہ جلت نہیں کر رہیں؟“ فہام نے بالآخر ماں سے کہہ دیا، اس کا دل ردا کی اتنی جلدی شادی کو قبول نہیں کر رہا تھا۔  
”میں خود بھی نہیں چاہتی تھی لیکن شاید خدا کو یہی منظور ہے۔ اس نے حالات ہی ایسے بنا دیے

”روحیل کی ماں جی..... شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آئی ہیں۔“ خدیجہ نے فہام کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”کیا اتنی جلدی.....؟“ فہام نے ایک دم ہڑبڑا کر کہا اسی لمحے چھوٹے دونوں بھائی بھی وہاں آ گئے۔

”بیٹا..... آپ سب لوگ یہاں جمع ہیں، میں اس ماہ ردا کی اور روحیل کی شادی کرنا چاہ رہی ہوں، ڈیٹ آپ لوگ بتا دیجیے۔“ ماں جی نے سب کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا، وہ لوگ چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

”آئی..... کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کچھ وقت دے دیں، اصل میں میری خواہش ہے کہ ردا یونیورسٹی میں پڑھ لے۔“ فہام کے کہنے پر خدیجہ سمیت سب لوگوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

”بیٹا! اس بات پر تو بات ہو چکی ہے۔ ردا شادی کے بعد یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لے گی۔“ ماں نے یقین سے کہا۔

”بہن ہمیں تھوڑا سا تاخیر تو دیں..... شادی کی تیاری میں وقت بھی چاہیے۔“ خدیجہ ملتجیانہ انداز میں بولیں۔

”نہیں بھئی! میں جہیز تو بالکل نہیں لوں گی۔“ ماں جی نے غصے سے لہجے میں کہا۔

”شکریہ..... لیکن ردا ہماری اکلوتی بیٹی ہے، میں اسے خالی ہاتھ نہیں بھیج سکتی..... اپنے سارے ارمان پورے کر کے اسے رخصت کروں گی۔“ خدیجہ نے مسکراتے ہوئے انہیں کہا مگر حمید کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ اسے اپنی شادی کا وقت یاد آ گیا۔ اس نے گھور کر ساس کو دیکھا اور بہانے سے ٹرے میں برتن رکھ کر وہاں سے چلی گئی۔

”لیکن؟“ ماں جی نے کہا۔  
”پلیز..... ہمیں اس بات سے ضرور کہیں.....“ خدیجہ نے ایک دم بات کاٹتے ہوئے کہا۔



”آزر..... یار بہت عجیب سی پرابلم میں ہم پھنس گئے ہیں۔“ کول نے آنکھیں گھما کر معنی خیز انداز میں اس سے پوچھا۔

”کیسی پرابلم.....؟“ اس نے حیرت سے سوال کیا۔

”کوئی کسی کی طرف جب گہری نظروں سے دیکھتا ہے تو اس کے پیچھے کیا بات ہوتی ہے محبت یا دوستی؟“ کول نے مسکرا کر پوچھا۔

”ایک نظر دیکھا جائے تو دوستی..... بار بار دیکھا جائے تو محبت۔“ آزر نے کہا۔

سب نے مسکرا کر یمنی کی طرف دیکھا۔ آزر اسی کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔ یمنی ایک دم جھینپ گئی اور پہلی بار سب نے اسے کنفیوز ہوتے دیکھا۔

”یار یمنی..... تم کیوں اتنی کنفیوز ہو رہی ہو..... یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی راکٹ سیدھا تمہیں لگا ہو۔“ کول نے ہنستے ہوئے کہا تو آزر چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ اچانک راکٹ کہاں سے آگیا؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”راکٹ..... راکٹ..... راکٹ..... کہیں سے بھی آسکتا ہے۔“ کول نے قہقہہ لگا کر کہا تو وہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اچانک پروفیسر شبیر حسین کلاس روم میں داخل ہوئے تو سب لوگ اپنی اپنی چیز پر بیٹھ گئے مگر کول بار بار یمنی کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکراتی رہی۔ اسے مسکراتا دیکھ کر یمنی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

جمال صاحب اپنے آفس میں بیٹھے کسی سے فون پر بات کر رہے تھے اور ان کے چہرے کے تاثرات مسلسل بدل رہے تھے۔ بات ختم کر کے انہوں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور گہری سانس لیتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر دل ہی دل میں اللہ کا

☆☆☆

کول رانا جب سے کلاس میں آئی تھی۔ کلاس کی فضا کافی خوشگوار ہو گئی تھی۔ وہ لڑکے لڑکیوں سب کے ساتھ چھیڑ چھاؤ اور مذاق کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔ اس کے مذاق ہمیشہ برکت اور ہنسائی دینے والے ہوتے تھے۔ جن پر سب اکثر کھلکھلا کر ہنستے اور کوئی اس کی باتوں کو مانسٹ بھی نہیں کرتا۔ حسہ اور یمنی کے ساتھ اس کی دوستی روز بروز گہری ہوتی جا رہی تھی اور لڑکوں میں سب سے زیادہ وہ آزر سے متاثر تھی۔ آزر اسے قدرے مغرور لگتا جو یمنی کے علاوہ کم ہی کسی بڑی کو لفٹ کراتا تھا۔ وہ جتنا خوب صورت تھا۔ یمنی اس کے بالکل برعکس تھی۔ دونوں میں دوستی تھی یا محبت اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اکثر یمنی سے مذاق میں پوچھتی تو وہ ہنس کر ٹال دیتی۔

”یار یمنی یہ راکٹ تمہارے ارد گرد بہت منڈلاتا رہتا ہے۔ عقیدت میں تمہارا طواف کرتا ہے یا پھر محبت میں کوئی چکر پازیاں لگاتا ہے؟“ کول نے تھوڑے شوخ لہجے میں پوچھا۔

”کم آن یار..... تم کیسی باتیں کر رہی ہو، ہم سب فریڈز ہیں اور کچھ نہیں۔“ یمنی نے منہ بنا کر اسے ٹالنے کے انداز میں کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے، میں راکٹ سے خود ہی پوچھ لیتی ہوں۔ آج تو راکٹ دیسے بھی پھٹنے کے موڈ میں آیا ہے۔“ کول نے ہنس کر آزر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو ریڈ کلر کی شرٹ پہنے، بالوں کا خاص اسٹائل بنائے اور گلاسز لگائے کلاس روم میں داخل ہوا تھا۔ کول ہمیشہ مذاق میں آزر کو راکٹ کہہ کر بلاتی تھی اور اکثر آزر کے سامنے بھی وہ ایسا ہی تو اسے کچھ سمجھ میں نہ آتا مگر باقی سب ہنستے رہتے۔ کلاس شروع ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ آزر مسکراتا ہوا ان کے پاس آیا۔

hello guys! آزر نے مسکرا کر کہا۔

بہت بڑے پر ڈپر S لکھا دکھائی دیا اور کہیں سے آواز آئی کہ اس شخص کو سامان نہیں بھیجیں۔“ یمنی یہ کہہ کر خاموش ہو گئی اور وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

”ڈیڈی آپ کیا سوچ رہے ہیں؟“ یمنی نے ان کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اس شخص کے بارے میں جو ہمارا کسٹمر ہے، میں اس کے بارے میں پہلے ہی کچھ مشکوک تھا کیونکہ وہ جن ٹرمز اور کنڈیشنز پر ہمارے ساتھ بزنس کر رہا تھا وہ بہت unusual تھیں مگر اس کا نام بہت کنفیوز کر رہا تھا کیونکہ S نام کا کوئی بھی کسٹمر فی الحال ہماری بزنس لسٹ میں نہیں۔“ جمال صاحب قدرے تشویش سے بولے۔

”ڈیڈی آپ کسی سے اس شخص کے بارے میں انویسٹیکیشن کیوں نہیں کر دالیے؟“ یمنی نے رائے دی۔

”کس سے کراؤں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ بولے۔

”یہ کون سا مشکل کام ہے، کسی جرمین detective سے..... contact کریں آپ کو فوراً ساری انفارمیشن مل جائے گی۔“ یمنی نے کہا تو انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”لیس یو آر رائٹ..... تمہارا یہ پوائنٹ مجھے click کر رہا ہے۔ میں آج ہی کسی سے contact کرتا ہوں۔“ وہ مسکرا کر یوں بولے جیسے ان کے سر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔

”نیٹ پر آپ کو بہت سے detectives مل جائیں گے۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔“ یمنی نے مسکرا کر کہا۔

”no thanks dear, I don't wantedistrub you more“ انہوں نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے باہر چلے گئے اور یمنی اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

یہ بہت اچھی تھیں۔ اس کی سیاہ کالی رنگت کے باوجود اس میں خاص کشش تھی۔ جس کی وجہ سے لوگ اس کی طرف ضرور متوجہ ہوتے تھے۔ یہ جمال صاحب کا ہی کمال تھا کہ انہوں نے اس کی سیاہ رنگت کو اس کا پسلیکس نہیں بنے دیا تھا۔ اس میں اتنا اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ انتہائی خوب صورت لوگ بھی اس کے سامنے سر ہڈ کر دیتے تھے اور یہ بات اندر ہی اندر اسے تقویت بھی دیتی۔ جمال صاحب خوش تھے کہ ان کی بیٹی خوب صورت نہ سہی مگر ایک اچھی اور طاقتور انسان تھی۔ جسے زمانہ آسانی سے کبھی شکست نہیں دے سکے گا۔ یمنی کا ظاہر دباؤن ایک کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھا۔ انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ جھوٹ اور دھوکا بازی سے اسے کتنی نفرت تھی۔ آفس میں بیٹھے گھنٹوں وہ اس سوچ میں گم رہے کہ وہ اس پروجیکٹ کا کیا کریں۔ فیکٹری کا ایک، ایک ملازم انہیں آکر سمجھانے کی کوشش کرتا کہ تیار مال کو یوں روکے رکھنا بہت بڑی حماقت ہے۔ وہ خاموشی سے سب کچھ سنتے رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ فیکٹری میں جب ان کے بارے میں چرچا گویاں ہونے لگیں تو انہوں نے یمنی سے تفصیل سے بات جاننے کی کوشش کی۔ ایک رات یمنی اپنے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی کچھ نوٹس تیار کرنے میں مصروف تھی۔ جب وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئے اور اس کے قریب بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ باتیں کرتے ہوئے وہ ایک دم رکے اور چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

”یمنی بیٹے آپ نے وہ کیا خواب دیکھا تھا۔ میری شپ جسٹ کے بارے میں؟“ انہوں نے اچانک سوال کیا۔

”ڈیڈی میں نے آپ کو فیکٹری میں آپ کے بہت زیادہ سامان کے ساتھ دیکھا اور پھر دیکھا کہ اچانک آپ کے سامان کو آگ لگ گئی ہے اور ایک



”اش امیزنگ..... گریڈ پا کی وجہ سے تم نے گھر چھوڑ دیا۔“ یمنی نے شدید حیرت کا اظہار کیا۔

”ہاں..... میں اپنی لائف میں کسی کی بھی اسٹر فیرنس برداشت نہیں کر سکتا۔“

”جائے وہ تمہاری وائف ہی کیوں نہ ہو؟“ یمنی نے مسکرا کر پوچھا۔

”لیس آف کورس.....“ اس نے قطعیت سے جواب دیا۔

”پھر تو تم بھی بہت ریچڈ سپنڈ ہو گے۔“ یمنی نے ٹرن لیتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... مگر میں بدل بھی سکتا ہوں اگر اس میں اتنی پمپنٹیل ہوئی تو۔“ وہ اس کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیا مطلب.....؟“ اس نے جان بوجھ کر پوچھا۔

”اب تمہاری وجہ سے میں کالج میں بھی تو چینج ہو گیا ہوں ناں اگر وہ بھی تم جیسی ہوئی تو ہاسل ہے۔“ آذر نے مسکرا کر کہا تو یمنی بھی مسکرائے گی۔

”یمنی..... یو آر ویری ٹائس پرسن۔ تم میں بہت زیادہ گٹس ہیں۔“ آذر نے کہا۔

”رہی..... مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔“ یمنی نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”مذاق نہیں کر رہا..... ایش ٹرو..... بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔“ آذر نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

”اوکے..... اگر تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔“ اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”تم میرا گھر دیکھنا چاہو گی؟“

”کہاں ڈیفنس میں؟“ یمنی نے پوچھا۔

”ہاں..... اگر تم چاہو تو؟“ آذر نے کہا۔

”اوکے.....“ یمنی نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اپنی رسٹ وایج دیکھ کر کہا۔ ”ہائی داوے، تم

”ویری فاسٹ..... میرے ماما پاپا دونوں ہی اپنی اپنی دنیا میں بڑی رہتے ہیں، میرے لیے ان کے پاس بہت تھوڑا ٹائم ہوتا ہے۔ اور جو ٹائم ہم اکٹھے spend کرتے ہیں، وہ زیادہ تر ایک دوسرے کو criticise کرنے میں ہی گزر جاتا ہے۔

I am sick of them and never like to be with them!“

آذر نے ناگواری سے کہا۔

”یہ کتنا عجیب relationship ہے کہ تم اپنے parents کے بارے میں ایسی باتیں کر رہے ہو۔“ یمنی نے حیرت سے کہا۔

”تمہارے اور میرے parents میں بہت فرق ہے۔“ آذر نے عجیب انداز میں کہا۔

”کیسا فرق.....؟“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”بہت سی باتوں کا اور میں ابھی انہیں ڈسکس نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ ناگواری سے بولا۔

”ناو کے، اپنا موڈ مت آف کرو۔“ یمنی نے کہا تو آذر زبردستی مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”اب بتاؤ..... کہاں جانے کا موڈ ہے؟“ یمنی نے پوچھا۔

”مجھے میرے فلیٹ ڈراپ کر دو۔“ وہ بیزاری سے بولا۔

”ایک بات بتاؤ..... کیا تم شروع سے ہی فلیٹ میں رہتے ہو؟ آئی مین..... اپنے پیرنٹس کے ساتھ بھی؟“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں..... ڈیفنس میں ہمارا گھر ہے۔ مگر ماما پاپا آج کل امریکا گئے ہوئے ہیں تو گاؤں سے گریڈ پا کو میرے پاس چھوڑ گئے اور وہ اتنے سخت انسان ہیں، ہر بات میں مجھ سے الجھنے لگے تھے۔

میں انکس و ہیں چھوڑ کر فلیٹ میں شفٹ ہو گیا۔“ آذر نے لگاؤ سے حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔

”ایک بات بتاؤ..... کیا تم شروع سے ہی فلیٹ میں رہتے ہو؟ آئی مین..... اپنے پیرنٹس کے ساتھ بھی؟“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں..... ڈیفنس میں ہمارا گھر ہے۔ مگر ماما پاپا آج کل امریکا گئے ہوئے ہیں تو گاؤں سے گریڈ پا کو میرے پاس چھوڑ گئے اور وہ اتنے سخت انسان ہیں، ہر بات میں مجھ سے الجھنے لگے تھے۔

میں انکس و ہیں چھوڑ کر فلیٹ میں شفٹ ہو گیا۔“ آذر نے لگاؤ سے حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔

”ایک بات بتاؤ..... کیا تم شروع سے ہی فلیٹ میں رہتے ہو؟ آئی مین..... اپنے پیرنٹس کے ساتھ بھی؟“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

اپنی بہت بڑی نعمت سے مجھے نوازا ہے۔“ ان کی آنکھوں کے سامنے یمنی کا چہرہ گھومنے لگا۔

”سر آپ کو اس کی بہت مبارک ہو، اب میں جاؤں؟“ قدا حسین نے جانے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... اور Mr.maxon کو mail send کر دیں کہ اب ہم ان کے ساتھ کوئی بزنس deal نہیں کریں گے۔“ جمال صاحب نے گہرے سانس لیتے ہوئے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”راستہ سر۔“ وہ کہہ کر آفس سے باہر چلا گیا اور جمال صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

انہوں نے فوراً یمنی کا نمبر ملایا..... وہ کار ڈرائیو کر رہی تھی اور اس کے ساتھ آذر تھا۔

”ہیلو یمنی بیٹی..... تم کہاں ہو، تمہیں ایک گور نیوز سنائی ہے۔ Mr.maxon کے بارے میں انفارمیشن ملی ہے اور تمہارا خواب بالکل سچ ہے۔“ جمال صاحب نے خوش ہو کر بتایا۔

”اوہ..... بریلی ڈیڈی؟“ وہ حیرت سے چلاتے ہوئے بولی۔

”یس مائی ڈیئر..... اینڈ تھینکس ا لٹ..... میں بہت بڑے نقصان سے بچ گیا۔“ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

”یوسٹ بی تھینک فل ٹو گاؤ۔“ یمنی نے مسکرا کر کہا۔

”لیس آف کورس بیٹا۔“ وہ مسکرا کر بولے۔

یمنی بھی مسکرائے گی اور خدا حافظ کہہ کر اس کے موبائل آف کر دیا۔

آذر ان کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔

”کیا تم اپنے ڈیڈ سے بہت ایچڈ ہو؟“ آذر نے پوچھا۔

”ہاں..... کیا تم اپنے ڈیڈ سے نہیں؟“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ اس نے

”ہاں..... میں اللہ کا بہت شکر گزار ہوں۔ اس نے مجھ پر بہت کرم کیا ہے۔“ جمال صاحب نے ٹھکرانہ لہجے میں کہا۔

”اور یہ بھی صرف آپ کی نیک نیتی اور غریبوں سے رحمہ لی کی وجہ سے ہے کہ وہ آپ کو آنے والے خطرات سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا ہے۔ وہ بہت مہربان ہے جو اپنے بندوں کی ہر موقع پر مدد کرتا ہے۔“ میجر قدا حسین نے کہا۔

”ہاں..... یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ اس نے

شکرا د کرتے گئے۔

”یا اللہ حیرالاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو نے مجھے اتنے بڑے نقصان سے بچالیا۔“ اسی لمحے ان کے اسٹنٹ میجر قدا حسین آفس میں داخل ہوئے۔

”سر آپ نے مجھے بلایا؟“ قدا حسین نے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... Mr.maxon کے بارے میں latest انفارمیشن ملی ہیں وہ یہ کہ وہ ہمارے ایک رائیول (رقیب) جان اسمتھ کے behalf پر ہم سے یہ شپ منٹ منگوا رہا تھا اور مسٹر اسمتھ کے ساتھ ہمارے بزنس ٹرمز ماضی میں کیے رہے ہیں یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس شخص نے ہمیں پہلے بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور اب maxon کے ذریعے اس نے جس consignment کے سلسلے میں deal کرنے کی کوشش کی تھی اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتا..... تو یقین مانو ہمیں اتنا بھاری نقصان ہوتا کہ شاید یہ فیکٹری ہی بند کرنی پڑ جاتی۔“ جمال صاحب نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے آفس کے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”سر آپ اللہ کا کروڑوں شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو اتنے بڑے نقصان سے بچالیا ہے۔“ میجر نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں..... میں اللہ کا بہت شکر گزار ہوں۔ اس نے مجھ پر بہت کرم کیا ہے۔“ جمال صاحب نے ٹھکرانہ لہجے میں کہا۔

”اور یہ بھی صرف آپ کی نیک نیتی اور غریبوں سے رحمہ لی کی وجہ سے ہے کہ وہ آپ کو آنے والے خطرات سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا ہے۔ وہ بہت مہربان ہے جو اپنے بندوں کی ہر موقع پر مدد کرتا ہے۔“ میجر قدا حسین نے کہا۔

”ہاں..... یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ اس نے

”ہاں..... میں اللہ کا بہت شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو اتنے بڑے نقصان سے بچالیا ہے۔“ میجر نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں..... یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ اس نے

”ہاں..... میں اللہ کا بہت شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو اتنے بڑے نقصان سے بچالیا ہے۔“ میجر نے خوش ہو کر کہا۔



مجھے اپنا گھر کیوں دکھانا چاہتے ہو؟“ یعنی نے حیرت سے پوچھا۔

”بس..... یونہی..... دل چاہ رہا ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اسے راستہ بتانے لگا اور وہ ان راستوں پر گاڑی چلاتے ہوئے ایک بہت عالیشان اور خوب صورت کوٹھی کے سامنے آ کر کی۔

”کیا یہ تمہارا گھر ہے؟“ یعنی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... تم نیچے اترؤ میں تمہیں لیے چلتا ہوں۔“ آزر نے کہا تو یعنی گاڑی سے نکل کر اس کے ہمراہ گھر کے اندر داخل ہو گئی۔ ایک موٹا سا، بڑی بڑی مونچھوں والا چوکیدار گیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس نے جلدی سے آزر کو سلام کیا مگر آزر نے اس کے سلام کا کوئی جواب نہیں دیا۔

”واو ابا کہاں ہیں؟“ آزر نے چوکیدار سے پوچھا۔

”وہ تو گاؤں چلے گئے۔“ چوکیدار نے جواب دیا۔ ”کب؟“

”پچھلے ہفتے..... گاؤں میں کوئی بیمار ہو گیا تھا۔ فون آیا تو فوراً چلے گئے۔ شاید واپس آ جائیں اور شاید نہ آئیں۔“ چوکیدار بہت سی باتیں کرنے کے موڈ میں تھا مگر آزر اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یعنی کے ہمراہ پورچ کی طرف جانے لگا.....

پورچ کے دونوں اطراف میں انتہائی وسیع، سرسبز و شاداب، خوب صورت لان تھا۔ کوٹھی کی اندرونی اور بیرونی آرائش قابل دید تھی۔ ماربل ٹائلز اور انتہائی خوب صورت وڈورک سے ہی مکیں کی امارت کا پتا چل رہا تھا۔ یعنی کا اپنا گھر بھی بہت خوب صورت تھا اور دو کنبال پر محیط پُر آسائش گھر ڈیفنس میں تھا..... مگر اس کے ڈیڈی پیسے کے زیاں کو ناپسند کرتے تھے..... پیسہ انسان کی ضرورت کے لیے

ایک نعمت ہے مگر بے جا خرچ کرنا اور وہ بھی نمونہ نمائش کے لیے کہ جن کے بغیر بھی انسان کا گزارہ ہو سکتا ہو انہیں اچھا نہیں لگتا تھا۔ ایمن کی طبیعت میں بھی زیادہ نمود و نمائش نہیں تھی اور یعنی کو تو ویسے ہی ان چیزوں سے کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ اس نے اپنے لیے بھی بے تحاشا چیزیں نہیں خریدی تھیں۔ اسے ان آرائشی چیزوں سے کیسے دلچسپی ہو سکتی تھی مگر وہ آزر کے گھر کو بغور دیکھ رہی تھی۔ ہر، ہر چیز..... عام اور معمولی شے سے لے کر بڑی تک سب امپورٹڈ تھیں۔ ڈیکوریشن پیسز، کرٹز، کارپس اور کرٹل کے vases اور ان میں لگے فلاورز اور سیلینس تک سب امپورٹڈ تھے اور ان سب میں taste اور میچنگ کا زبردست خیال رکھا گیا تھا۔

”دیری بیوٹی فل ہوم..... کیا تمہاری ممانے اسے ڈیکورین کیا ہے؟“ یعنی نے پہلی بار کسی گھر سے اتنا مرعوب ہوتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں..... ممانے کا taste کہاں..... یہ تو انٹیریئر والوں کا کمال ہے۔ پاپانے پانچ کروڑ میں یہ گھر ڈیکورین کر دیا ہے۔“ آزر نے بتایا۔

”ریٹلی..... اس امیزنگ یار..... میرے ڈیڈی تو کبھی ایسے پیسہ ضائع نہیں کریں۔“ یعنی نے ہونٹ سکڑتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ آزر نے چونک کر پوچھا۔ ”he is very contended (قناعت پسند) man“ یعنی نے جواب دیا۔

”اور میرے پیرنٹس تو ہر سال گھر کا انٹیریئر چھین کر لاتے ہیں۔“

”کیوں.....؟“ یعنی نے تعجب بھرے لہجے میں پوچھا۔

”اپنے کپلیکمز چھپانے کے لیے۔“ آزر نے صاف گوئی سے اسے بتایا۔

”کیسے کپلیکمز.....؟“ یعنی نے حیرت سے



”کیا دیکھ رہی ہو.....؟“ آزر نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر مسکرا کر پوچھا۔  
”اول..... کچھ نہیں.....“ وہ ایک دم ہڑبڑا کر بولی۔

”تمہیں کیسا گا میرا روم.....؟“ آزر نے ارد گرد دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”اس اوکے؟“ وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔  
”کیا مطلب..... تمہیں اچھا نہیں لگا.....؟“ آزر نے حیرت سے پوچھا۔

”یہاں مجھے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔“  
”یہی ہے ہونٹ سکڑتے ہوئے کہا۔“  
”کیسا احساس.....؟“ آزر نے چونک کر پوچھا۔

”آئی ڈونٹ نو..... ہٹ اٹ از ناٹ.....  
پلیز نٹ.....“ یہی نے صاف گوئی سے بتایا۔  
اچانک یہی نے موبائل بجنے لگا۔ اس نے جلدی بے موبائل کان سے لگایا تو دوسری جانب ایمن تھی۔  
”بیٹا! تم کہاں ہو، کافی دیر ہو گئی ہے، تم ابھی تک گھر نہیں آئیں؟“ ایمن نے فکر مندی سے کہا۔  
”مما! آئی ایم جسٹ کمنگ.....“ یہی نے بات کر کے موبائل آف کر کے آزر کی طرف دیکھا۔  
”آزر آئی ایم گوٹنگ..... مما ویٹ کر رہی ہیں۔“ یہی جلدی سے مڑنے لگی۔

”سنو.....“ آزر نے اسے پیچھے سے آواز دی تو یہی نے اسے مڑ کر دیکھا۔ وہ محبت پاش نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔  
”کیا تم میرے اس گھر میں آنا پسند کرو گی؟“ آزر نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”کیا مطلب.....؟“ یہی نے حیرت سے پوچھا۔  
”تم میرے دل میں تو سما ہی چکی ہو گی میرے گھر میں بھی؟“ آزر آگے بڑھا اور اس کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر ایک جذب کے عالم میں

پوچھا۔  
”اجی! اپنی کلاس کو چھپانے کے..... دونوں نے غربت سے امارت کا جو سفر کیا ہے مگر نہ ان کے چہروں سے دھبے مٹ سکے نہ ان کی پرسنالٹی سے ماضی کی پرچھائیاں..... دونوں ابھی تک un groomed لگتے ہیں۔“ آزر نے نہایت۔  
”تیزی سے کہا تو یہی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے عجیب سی حیرت تھی۔  
”کیا ہوا..... تم اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟“ آزر نے مستحضرانہ انداز میں پوچھا۔

”آزر..... are you sadist؟“ یہی نے حیرت سے بے ساختہ نکلا۔  
”وہاٹ..... sadist؟“ آزر کے ماتھے پر ہل پڑے۔

”ہاں تم ہر کسی کو ناپسند کرتے ہو..... ہر شخص سے خائف ہو۔ اینڈ آئی ایم شیور..... تم دوسروں کو مار چ رہی کرتے ہو گے۔“ یہی نے صاف گوئی سے کہا تو آزر نے بغور اس کی طرف دیکھا اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ اسے غصہ آئے لگا مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے موڈ پر قابو پا کر زبردستی مسکرا کر اسے دیکھا۔

”لیکن..... تمہارے معاملے میں تو میں sadist نہیں..... آؤ میں تمہیں اپنا کمراد دکھاتا ہوں.....“ وہ میٹر حیاں پھلانگتا ہوا اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ انتہائی بڑا اور قد رے رومینک بیڈ روم تھا جس میں اسٹائلش فرنیچر کے ساتھ کمرے کی ہر چیز اسپینسیو اور میچنگ کی تھی۔ تمام دیواریں پر آزر کی بڑی بڑی اسٹائلش تصویریں آویزاں تھیں۔ خوب صورت ویلوٹ کے دیوار پردوں کے نیچے میٹ کے خوب صورت پرچڈ پردے لٹک رہے تھے۔ کمرے میں عجیب طرح کی خاموشی اور گہرا سکوت تھا۔ یہی نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔



کہنے لگا۔

”یہ... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ اس نے اپنا آپ چھڑا کر مڑنا چاہا۔

”کیا تمہیں یقین نہیں آرہا... سنو... میرے دل کی دھڑکنوں میں اپنا نام۔“ آزر نے اسے زبردستی اپنے سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ بری طرح گھبرا گئی۔ آزار اتنا چانک اس کے ساتھ سب کچھ کر رہا تھا کہ اسے سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

”let me go now“ اس نے اپنے آپ کو اس سے چھڑاتے ہوئے کہا مگر اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

”اوکے جاؤ... مگر میری محبت کے احساس کے ساتھ جانا۔ آئی لو یو سوچ... یعنی... اتنی محبت شاید ہی کوئی تم سے کرتا ہو۔“ آزر نے محبت بھرے لہجے اور مست آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ یعنی نے اسے یک ٹک دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ تیز تیز چلتے ہوئے میڑھیاں اترتے ہوئے باہر نکل گئی۔ وہ بھی پیچھے پیچھے چلتا باہر تک آیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر یعنی نے گہری سانس لی۔ اس کی سانس بری طرح اٹھل پٹھل ہو رہی تھی۔ وہ بہت بولڈ اور کونفیڈنٹ تھی مگر محبت کا یہ احساس اسے پہلی بار کسی نے دلایا تھا۔ اس کی لڑکوں سے بھی دوستیاں رہی تھیں مگر ایک حد تک مگر آزر نے کیسے خود بخود لپٹس کر اس کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ تو کسی لڑکے کی ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتی تھی اور اس نے آزر کو کتنی آزادی دے دی کہ اس نے نہ صرف کھل کر اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا بلکہ اسے اپنے ساتھ بھی لگایا اور یعنی نے اسے سب کچھ کرنے دیا۔ کیا واقعی وہ بھی اس سے محبت کرنے لگی تھی۔

اس کا جسم ابھی تک کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر کچھ دیر کے لیے رکھے اور اپنے آپ کو تارل کرتے ہوئے گاڑی اشارت کر کے

وہاں سے نکل گئی۔ اسے ابھی تک اپنے آزر کے گلن اور پرفیوم کی خوشبو آرہی تھی۔ کندھوں پر اس کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

وہ گھر پہنچی تو شام ڈھلنے کو تھی۔ ایمن اور صاحب نے پریشانی سے اسے چونک کر دیکھا۔ ”بیٹا! سب ٹھیک تو ہے، تم کچھ بدحواس رہی ہو؟“ جمال صاحب نے اس کے گھر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آئی ایم فائن ڈیڈی...“ وہ بہ مشکل ”ضرور کوئی سنگٹل توڑا ہوگا...“ ایمن طنزیہ کہا۔

”نہیں، میری طبیعت ٹھیک نہیں... میں کمرے میں جا رہی ہوں۔“ وہ جلدی سے وہاں جاتے ہوئے بولی۔

”بیٹا... کیا ہوا؟ میں ابھی ڈاکٹر کو فون ہوں۔“ جمال صاحب نے فکر مندی سے کہا۔ ”نہیں ڈیڈی... آئی نیڈ ریسٹ... جلدی سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اسے دیکھتے رہ گئے۔

☆☆☆

وہ رات بھر ٹھیک طرح سے نہ سو سکی تھی۔ کمرے میں بدل رہی تھی۔ آزر کی محبت بھری سرگرمی اور لمس کا احساس اس کی روح تک میں اتر چکا تھا۔ احساس دلقریب بھی تھا اور عجیب بھی۔ اسے بھی دے رہا تھا اور مضطرب بھی کر رہا تھا۔ وہ اٹھتی پھر بیٹھتی... کمرے میں چکر لگاتی... عجیب بے چینی اس کے رگ و پے میں سما گئی تھی۔ آواز کچھ ہوا تھا وہ کوئی خواب تو نہیں تھا۔

”نہیں... آزر واقعی مجھ سے محبت کرتے ہیں، اس کی آنکھیں جھوٹ نہیں بول سکتیں، آزر نے کہے ہوئے الفاظ آئی لو یو سوچ... سرگوشیوں صورت میں بار بار اس کے کانوں میں گونج رہے



شمیلہ نے گھبرا کر کہا۔  
”اوہ..... یہ تو بہت برا ہوا..... میں تمہیں اسی لیے منع کرتی تھی۔“ وہ ایک دم پریشان ہو کر بولیں۔  
”اب نصیحتیں کر کے مجھے اور پریشان مت کریں۔“ شمیلہ نے غصے سے کہا اور موبائل آف کر دیا۔

☆☆☆

ردا روتی ہوئی شمیلہ کے کمرے سے باہر نکل رہی تھی تو سامنے سے فہام آ رہا تھا۔ اسے روتے دیکھ کر وہ بری طرح گھبرا گیا۔

”ردا تم..... تم رو کیوں رہی ہو..... کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟“ فہام نے پریشان ہو کر پوچھا تو ردانے

جانی۔ آزر محبت کا جواب محبت سے نہ پا کر رنج ہونے لگا تھا اور بالآخر اسے موقع مل گیا کہ جب وہ کوئی بدالعت نہ کر سکی اور اس نے آزر کی محبت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ آزر کے لیے یہ بہت بڑی فتح تھی۔ وہ بے حد خوش تھا۔

☆☆☆

جب سے شمیلہ نے ساس سے سنا تھا کہ اپنی حیثیت کے مطابق وہ روا کو جیڑ ضرور دیں گی اس کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی، اس وقت بھی وہ ماں سے دل کے پھولے پھوڑ رہی تھی جیڑی روا کسی کام سے بھاوج کے کمرے میں آئی مگر یہ باتیں اس کے کان میں پڑیں تو وہ وہیں رک گئیں۔

”میری شادی پر تو خالہ جان نے جیڑ لینے سے انکار کر دیا اور اب اپنی بیٹی کی دفعہ اپنے ارمان پورے کرنے کو کہہ رہی ہیں۔ کتنی منافق، چالاک اور مکار عورت ہے آپ کی بہن۔“ شمیلہ غصے سے بولی تو ردا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے شدید طیش آ گیا۔

”شمیلہ بھابی..... آپ میری ماما کے بارے میں کیسی باتیں کر رہی ہیں؟“ ردانے کمرے میں داخل ہو کر غصے سے چلا تے ہوئے کہا۔

”میں..... وہ..... وہ؟“ شمیلہ بری طرح بکھلا گئی تھی اور اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

”میری ماما نے آپ کے ساتھ کیا برا کیا جو آپ یوں بڑا ردا سسکی بھر کر بولی تو شمیلہ خاموشی سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگی ردا روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

”بہت برا ہوا۔ خدا جانے اب کیا فساد برپا ہوگا۔“ شمیلہ پریشانی کے عالم میں سر پر ہاتھ مار کر ردا روتی تو رینحانہ کا فون آنے لگا۔

”شمیلہ..... تم نے فون کیوں بند کر دیا؟“ وہ پوچھنے لگیں۔

”مما ردا نے میری ساری باتیں سن لی ہیں۔“

کہو..... میری محبت کے جواب میں کچھ تو کہو۔“ آزر نے قدرے جذباتی لہجہ میں کہا تو وہ موبائل سینک طرف دیکھتے ہوئے اپنی ہمت یکجا کرنے لگی۔ مگر آزر اسے نظر آ رہا ہو۔

”پلیز..... یعنی میں کچھ سننا چاہتا ہوں۔“ آزر بولا۔

”کیا.....؟“ یعنی نے پوچھا۔

”تمہارے دل کی آواز..... کیا اس تک میری آواز پہنچی ہے یا نہیں؟“ آزر نے ولگیر لہجے میں پوچھا۔  
”یعنی سوچ میں پڑ گئی اور پھر یک دم کچھ کہنے والا تھی کہ آزر بول اٹھا۔

”ٹھیک ہے اگر تم کچھ نہیں کہہ سکتیں تو میرے موبائل بند کرنے لگا ہوں۔“ آزر نے مصنوعی خفگی دکھائی۔ وہ صرف یعنی کو آزار دہا تھا۔

”نہیں..... میں..... وہ.....“ یعنی رک رک کر بولی۔

”ہاں..... کہو، کیا کہنا چاہتی ہو؟“ وہ نرم لہجے میں بولا۔

”آئی لو یو ٹو۔“ وہ سرگوشیاں انداز میں بول اٹھی۔  
”جھینکس، جھینکس..... میں یہی سننا چاہتی

تھا۔“ آزر جلدی سے خوش ہو کر بولا۔ اور کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

”میں جیت گیا..... آئی ایم دی ونر۔“

انتہائی خوش ہو کر پرجوش انداز میں کہہ رہا تھا۔ بیٹا مسکرا رہی تھی۔ آزر اس سے خوش ولی سے بانٹ کر رہا تھا اور اس کی باتیں سنتے ہوئے یعنی کے چہرے کے تاثرات مسلسل بدل رہے تھے۔ گوکہ محبت کا یہ اظہار اچانک نہیں ہوا تھا۔ گزشتہ کئی ماہ سے اشاروں، کنایوں میں آزر اپنے دل کا پیغام اس تک پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی مستقل نظر انداز کیے جا رہی تھی۔ اس کی فریڈ بھی اسے یہ احساس دلاتی رہی کہ آزر اس سے محبت کرنے لگا ہے مگر وہ ان کی باتوں کو بھی

تھے۔ اسے ایک دم آزر سے شدید محبت محسوس ہونے لگی۔ اس کے اندر اس کی طلب بڑھنے لگی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ آزر سے بات کرے..... وہ بار بار موبائل کی طرف ہاتھ بڑھاتی مگر پھر رک جاتی۔

اچانک اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے چونک کر دیکھا۔ آزر کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس کا دل یوں بے قابو ہو کر دھڑکنے لگا جیسے پہلی بار آزر سے بات کرنے جا رہی ہو..... وہ کبھی اتنی بدحواس اور زور نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کاپچے ہاتھوں سے ہٹن دبا دیا اور آہستہ آواز میں ہیلو کہا۔

”کیا کر رہی ہو..... ابھی تک سوئی نہیں؟“

آزر نے سرگوشی میں پوچھا۔

”نہیں..... سونے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”مگر نیند نہیں آ رہی تھی؟“ یعنی میری حالت بھی تمہارے جیسی ہو رہی ہے۔ نہ جاتے کیا ہوتا ہے اس

محبت میں..... انسان کو کتنا دیوانہ بنا دیتی ہے اور بے چین بھی..... سچ مجھے تو کسی پل چین نہیں آ رہا..... کیا

سحر ہے تم میں..... میرا سب کچھ جھین کر لے گئی ہو، دل بھی نیند بھی سکون بھی اور قرار بھی۔“ وہ مدھوش

آواز میں بول رہا تھا اور یعنی ہونٹ و انتوں تلے دبا کر اس کی باتیں سن رہی تھی مگر اس کی آنکھیں انجالی

خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بہت بے ترتیب ہو رہی تھیں مگر آزر کی باتیں اس کے

اندروں اتر رہی تھیں جیسے برستی پھوار تپتی ریت میں جذب ہوتی ہے اور ہلکی ہلکی ہوا اس منظر کو مزید

خوشگوار بناتی ہو۔ یعنی مسکرا رہی تھی۔ خوش ہو رہی تھی مگر ظاہر آ خاموش تھی۔

”تم کچھ بولتی کیوں نہیں..... کیا تم مجھ سے

ناراض ہو؟“ آزر نے پوچھا تو یعنی نے ایک دم گھبرا کر موبائل کی طرف دیکھا۔

”بولو یعنی..... بولو..... پلیز کچھ تو

**WELCOME BOOK SHOP**  
SOLE DISTRIBUTOR of U.A.E  
P.O.Box 27869 Karama, Dubai Tel: 04-3961016  
Fax: 04-3961015 Mobile: 050-6245817  
E-mail: welbooks@emirates.net.ae

**WELCOME BOOK PORT**  
Publisher, Exporter, Distributor  
All kinds of Magazines, General Books and Educational Books

Main Urdu Bazar, Karachi Pakistan  
Tel: (02-21) 32633151, 32633581 Fax: (02-21) 32633056  
Email: welbooks@hotmail.com  
Website: www.welbooks.com



نہ آنکھوں سے اسے دیکھا اور سسکیاں بھرنے لگیں۔  
 ”ارے میری جان، کچھ تو بتاؤ، کیا ہوا ہے.....  
 کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟“ فہام نے پھر پوچھا۔  
 ”نہیں.....“ ردا نے نم آنکھوں سے بھائی کی  
 طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔  
 ”تو پھر تمہاری آنکھوں میں یہ آنسو کیوں  
 ہیں؟“ فہام نے اس کے قریب آکر اس کا چہرہ ادنچا  
 کرتے ہوئے پوچھا۔ اتنے میں حمیلہ اپنے کمرے  
 سے باہر نکل۔ فہام اور ردا کو باتیں کرتے دیکھ کر وہ  
 بری طرح گھبرا گئی۔  
 ”فہام.....! کیچھ نیلی اس کی شادی ہو رہی ہے  
 ناں؟“ حمیلہ نے جلدی سے ان کے قریب آکر ردا  
 کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔  
 ”اسی وجہ سے یہ کچھ اب سیٹ ہے۔“ اس نے  
 کہا تو ردا نے چونک کر بھانج کی طرف دیکھا۔  
 ”ارے..... میری گڑیا..... یہ دن تو تمہاری  
 زندگی میں آتا ہی تھا۔ اس میں ردا کی کیا بات  
 ہے۔“ فہام نے بڑے پیار سے ان کو اپنے ساتھ  
 لگاتے ہوئے کہا تو ردا ہکا بکا دونوں کو دیکھنے لگی۔  
 ☆☆☆  
 وہ دونوں ڈھیر ساری شائیک کر کے ابھی  
 لوٹے تھے۔ روحیل نے جھکے ہوئے انداز میں  
 شائیک بیگز لاؤنج میں رکھے اور قدرے ہانپتا ہوا  
 وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔  
 ”کیا تم ابھی سے تھکنے لگے ہو.....؟ ابھی تو  
 جنہیں بہت زیادہ کام کرنا ہے۔“ ماں جی نے  
 مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں ماں جی..... میں بہت زیادہ تھک گیا  
 ہوں۔ اب مجھ سے یہ سب کام اور نہیں ہوگا۔“ روحیل  
 نے پریشان ہو کر دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔  
 ”لیکن میں حیران ہوں، آپ بالکل نہیں  
 تھکیں۔“ روحیل نے ماں جی کے مسکراتے ہوئے

چہرے کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔  
 ”بیٹا! جب انسان دل کی خوشی سے کوئی کام  
 کرتا ہے تو وہ خوشی ہی اسے تھکنے نہیں دیتی۔“ ماں جی  
 نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے  
 ہوئے کہا۔  
 ”اور آپ کی خوشی کا اندازہ میں آپ کو شائیک  
 کرتے دیکھ کر لگا رہا تھا۔“  
 ”بیٹا..... اتنے عرصے بعد ہمیں خوشی مل رہی  
 ہے تو ہم اسے کیوں نہ انجوائے کریں۔ اچھا یہ بتاؤ  
 کہ تم نے ردا کو رونا کی میں کیا دینا ہے، تم نے کچھ تو  
 سوچا ہوگا۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔  
 ”آپ کا ہیرے جیسا بیٹا اسے مل رہا ہے اسے  
 اور کیا چاہیے۔“ روحیل نے آنکھیں گھما کر شرارتی  
 لہجے میں کہا۔  
 ”ہیرا تو وہ خود ہے، بس تم اس کی قدر کرنا اور  
 ہاں میں نے تو اپنی بہو کے لیے گولڈ کی رنگ خریدی  
 ہے۔“ ماں جی نے اپنے بیگ میں سے ایک ڈبچا  
 نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔  
 ”واؤ..... ایکسیلنٹ..... بہت اچھی ہے۔“  
 روحیل رنگ دیکھ کر تعریفی لہجے میں کہنے لگا۔  
 ”نہیں..... یہ تب اچھی لگے گی۔ جب ردا  
 اسے پہنے گی۔“ ماں جی نے مسکرا کر محبت سے کہا۔  
 ”ماں جی..... آپ ردا سے یوں محبت کرنے  
 لگی ہیں۔ جیسے وہ آپ کی سگی بیٹی ہو۔“ روحیل نے  
 ماں کا ہاتھ پکڑ کر بغور دیکھتے ہوئے کہا اور پھر دونوں  
 مسکرانے لگے۔

☆☆☆

ردا لاؤنج میں بہت اداس اور خاموش بیٹھی  
 تھی۔ خدیجہ اپنے کمرے سے باہر آئیں اور اس کی  
 طرف بغور دیکھ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔  
 ”بیٹا..... کیا بات ہے، جب سے تمہاری  
 شادی کی ڈیٹ فکس ہوئی ہے تم اداس لگ رہی ہو؟“

خدیجہ نے راز دارانہ انداز میں پوچھا۔  
 ”کچھ نہیں۔“ وہ گہری سانس لے کر بولی اسی  
 وقت حمیلہ کچن سے نکل کر باہر آئی اور دونوں کو باتیں  
 کرتے دیکھ کر بری طرح گھبرا گئی۔  
 ”کہیں ردا خالہ جان کو سب کچھ نہ بتا دے۔“  
 اس کے دل کو دھڑکا ہوا۔ وہ جلدی سے گھبرا کر ان  
 کی طرف آئی اور ردا کے پاس بیٹھ گئی۔  
 ”خالہ جان! ہم نے ردا کی شائیک کب  
 شروع کرنی ہے؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو  
 ردا نے چونک کر اسے دیکھا۔  
 ”بس بیٹا! بہت جلد..... میری طبیعت کچھ ٹھیک  
 نہیں..... اب بھی میں اپنی میڈیسنز لینے آئی تھی۔  
 یہیں رکھ کر کہیں بھول گئی ہوں۔“ خدیجہ نے بتایا تو  
 حمیلہ جلدی سے اٹھ کر میڈیسنز ڈھونڈنے لگی۔  
 ”یہ یہاں پڑی ہیں۔“ اس نے سائنڈ ٹیبل  
 سے میڈیسنز اٹھا کر انہیں دیتے ہوئے کہا اور وہ  
 اپنے کمرے میں چلی گئیں۔  
 ”ردا آئی ایم سو سو ری..... اس دن غلطی سے  
 میرے منہ سے بہت غلط باتیں نکلیں..... پلیز..... تم  
 خالہ جان اور فہام کو کچھ نہ بتانا۔ ورنہ فہام مجھ سے  
 بہت ناراض ہوں گے۔“ حمیلہ، ردا کے پاس بیٹھتے  
 ہوئے اس سے معافی مانگ رہی تھی۔  
 ”آپ ماما کے بارے میں ایسا کیوں سوچتی  
 ہیں؟“ اس نے نم آنکھوں سے پوچھا۔  
 ”ردا میری بھی بہت خواہش تھی کہ اچھا جھیر  
 لیتی..... اپنی پسند کی چیزیں لیتی..... لیکن خالہ جان  
 نے مجھے کچھ بھی نہیں لینے دیا اور جنہیں وہ سب کچھ دینا  
 چاہ رہی ہیں۔ اب وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں اگر تم  
 میری جگہ ہو تیں تو تم کیا سوچتیں۔ بس خالہ جان کے  
 اس رویے سے مجھے غصہ آ گیا۔“ حمیلہ نے جلدی  
 سے آنکھیں آنسوؤں سے بھر کر کہا۔ ردا نے چونک کر  
 دیکھا اور اسے روتا دیکھ کر اس کا دل نرم پڑنے لگا۔

کھنکھناتے دھبے جیسے کھنکھناتے دل  
 ”پلیز..... آپ مت روئیں.....“ ردا جلدی  
 سے بولی۔

”جو کچھ ہوا..... پلیز اسے بھول جاؤ اور کسی کو  
 کچھ مت بتانا۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی  
 ہوں۔“ حمیلہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی کے  
 انداز میں کہا۔

”نہیں..... نہیں پلیز آپ ایسے مت کریں،  
 میں، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔“ ردا گھبرا کر بولی۔  
 ”تھینک یو..... ویری بچ.....“ حمیلہ نے  
 آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا تو ردا بھی مسکرا کر  
 اسے دیکھنے لگی۔

”لیکن اب میں اپنے سارے ارمان تم پر  
 پورے کر دوں گی۔ تمہارے لیے اپنی پسند کی چیزیں  
 خرید دوں گی۔“ حمیلہ نے اسے چومتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

رشالان میں جیسے پریشانی ردا کی شادی کا کارڈ  
 دیکھ کر مسکرائی اور ٹیبل پر سے اپنا موبائل اٹھا کر اس کا  
 نمبر ملانے لگی۔ کافی میلز کے بعد ردا نے فون اٹھایا۔

”یار..... مجھے ابھی تمہاری شادی کا کارڈ ملا  
 ہے۔ تم تو خوب چونکا رہی ہو، پہلے اچانک مٹکائی کر لی  
 اور اب شادی بھی.....“ رشالان مسکراتے ہوئے بولی۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں..... روحیل کی ماں جی کو  
 ہی جلدی ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔  
 ”جنہیں اور روحیل کو تو بالکل جلدی نہیں  
 ناں!“ رشالان مذاق کرتے ہوئے کہا۔

”یار..... میں تو پڑھنا چاہتی تھی..... رشالان  
 بتاؤں..... مجھے شادی سے بہت خوف آتا ہے۔“ ردا  
 نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیسا خوف؟“ رشالان چونک کر پوچھنے لگی۔

”یار..... ذہنی داریوں سے..... سنا ہے  
 سپیڈ کے کام ٹائم پر نہ کیے جائیں تو وہ ناراض  
 ہوتے ہیں۔“ ردا نے مصوویت سے کہا۔



# پاک سوسائٹی فاٹ کام کی پیشکش

## یہ علامہ پاک سوسائٹی فاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر پریو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان برؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک کن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیرنٹ کوانٹی ٹیٹو ایڈیٹو
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورمٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

## WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook [fb.com/paksociety](https://www.facebook.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety](https://twitter.com/paksociety)

”ہاں..... اور مار پٹائی بھی کرتے ہیں۔“ رشنا بھر پور قہقہہ لگا کر بولی۔

”ریسلی.....؟ کیا فراز بھائی بھی تم سے ناراض ہوتے تھے۔“ ردا ایک دم گھبرا کر بولی۔

”ہاں..... بالکل۔“ رشنا مسکراتے ہوئے بولی تو ردا پریشانی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

”ارے یار..... ایسا کچھ نہیں ہوتا..... مذاق کر رہی ہوں۔ فراز مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہوئے مگر روجیل بھائی کا پتا نہیں۔“ رشنا نے کہا۔

”وہ بھی بہت اچھے ہیں۔“ ردا شرما کر بولی۔

”اچھا جی.....“ رشنا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تم مہندی کی رسم سے ایک دن پہلے ہی میری طرف آ جانا۔“ ردا نے جلدی سے کہا۔

”یار..... آؤ جاؤں مگر ماما آج کل بہت اپ سیٹ ہیں۔ میں مسلسل ان سے رابطے میں رہتی ہوں۔ ان کا دھیان بٹاتی ہوں، ان سے باتیں کرتی ہوں۔“ رشنا نے اتنا ہی کہا۔

”کیوں.....؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔

”تو قیر بھائی کو ہارٹ ایک ہوا تھا..... وہ اسپتال میں ایڈمٹ رہے اس وجہ سے۔“ رشنا نے فکر مندی سے بتایا۔

”ہارٹ ایک..... کب.....؟“ ردا نے یک دم گھبرا کر پوچھا۔

”اس روز تو اچھی خاصی باتیں کر رہے تھے۔ بہت ہنس رہے تھے، میں تمہاری منگنی کا بتا رہی تھی۔ بہت خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے پھر کئی روز بعد ماما کا فون آیا انہوں نے بتایا کہ تو قیر بھائی کو ہارٹ ایک ہو گیا ہے۔“ رشنا..... اپنی ہی لے میں بولے گئی اور ردا پر کچھ طاری ہونے لگی۔

”رشنا مجھے ماما بلارہی ہیں۔ میں تمہیں بعد میں کال کرتی ہوں۔“ ردا ایک دم گھبرا کر بولی تو رشنا نے اچھا کہہ کر فون بند کر دیا۔ رشنا سے بات کر کے وہ سوبائیل

آف کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”آئی ایم شیور..... تو قیر میری وجہ سے بیمار ہوا ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو اس کی ذمے داری میں ہوں گی۔ نہیں، نہیں میں نے کبھی ایسا نہیں چاہا تھا۔

یا اللہ تو قیر کو ٹھیک کر دے، ردا نے سسکی بھری اور گڑ گڑا کر دعا کرنے لگی تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور زاہدہ اندر داخل ہوئی۔ ردا نے جلدی سے اپنے آسرو صاف کیے۔

”ردا بی بی..... آپ رو کیوں رہی ہیں۔“ زاہدہ نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا میکا چھوڑنے کا دل نہیں چاہ رہا۔ ایسا ہی ہوتا ہے لیکن پھر بھی سب کچھ چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔“ زاہدہ نے اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔ ”انٹھیں..... باہر آپ کو قہام بھائی بلارہے ہیں۔“ زاہدہ نے اپنی چادر سے نم آنکھوں کو رگڑتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ ردا گھبرا کر بولی۔

”خود ہی چل کر پوچھ لیجیے۔“ زاہدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

شمیلہ اور قہام شاپنگ کر کے لوٹے تھے۔ لاؤنج میں ہر طرف شاپنگ بیگز پڑے تھے۔ ردا اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے زاہدہ کے ہمراہ لاؤنج میں آئی۔

”آؤ میری گڑیا..... دیکھو تمہارے لیے کچھ لایا ہوں۔“ قہام نے مسکراتے ہوئے ردا کی طرف دیکھ کر کہا تو ردا نے نم آنکھوں سے قہام کی طرف دیکھا اور یک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے ہوئے قہام کے گلے لگ گئی۔

”قہام بھائی مجھے شادی نہیں کرنی۔“ ردا رو رہی تھی۔ سب ایک دم چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

(باقی آئندہ)



ناولٹ

# کہیں ویں چلے کہیں دل

قیصر حیات

جمہوریہ

ساتواں حصہ



”ک..... کیوں شادی نہیں کرتی؟“ فہام  
 نے گھبرا کر اس کی طرف دکھ کر پوچھا۔  
 ”فہام بھائی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ اس  
 نے سسکی بھر کر کہا۔  
 ”کیسا ڈر...؟“ فہام چونک کر پوچھنے لگا۔  
 ”فہام بھائی..... میں آپ لوگوں کے بغیر کبھی  
 رہ سکوں گی، پلیز ابھی مجھے اپنے آپ سے جدا نہ  
 کریں۔“ روانے مصومت سے کہا اور ماں کے



انداز میں جملے کو ادھر اچھوڑا۔

”کہ..... کا کیا مطلب؟“ یحییٰ نے حیرت سے پوچھا۔

”کہ.....“ کا مطلب سے شہ رات کو چھین اور نہ دن کو قرار..... دیکھو تو راکٹ کی کیسے ہوائنگی ہوئی ہے، اس کا رنگ روپ آج کل ادھر دکھائی دے رہا ہے۔“ کوئل نے یحییٰ کی طرف دیکھ کر آنکھیں گھما کر کہا تو حسنہ نے زور سے تہقہہ لگایا۔ حسنہ کبھی کبھار ہنستی تھی اور اس کی ہنسی کی آواز اتنی خوب صورت اور کھنک دار ہوتی تھی کہ ارد گرد کے لوگ بھی چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگتے مگر نقاب میں چھپی حسینہ اور اس کی ہنسی کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ تینوں باتیں کرتی ہوئی کلاس روم کی طرف جارہی تھیں کہ جواد تیزی سے ان کی طرف بھاگتا ہوا آیا اور قد رے گھبرائے ہوئے لہجے میں انہیں بتانے لگا۔

”آزر کا ایکسٹنٹ ہو گیا ہے۔“

”ک..... ک..... کیسے؟“ سب سے پہلے یحییٰ نے ایک دم گھبرا کر پوچھا۔

”رومانس کی کراس ٹرین کے ساتھ۔“ جواد نے ہنس کر کہا تو سب ہنسنے لگے۔ یحییٰ انتہائی شرمندہ ہو گئی اور منہ بنا کر کلاس روم کی طرف چلی گئی۔ آزر کلاس میں پہلے ہی موجود تھا۔ یحییٰ کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ وہ خاموشی سے اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

”کیوں..... کیا ہوا؟“ موڈ کچھ آف لگ رہا ہے۔“ آزر نے اس کے قریب آ کر پوچھا اور اسی لمحے جواد، حسنہ اور کوئل کلاس روم میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔

”اب دیکھو مریض کی اینڈنٹ پہلے ہی پہنچ چکی ہے۔“ جواد نے آنکھیں معنی خیز انداز میں گھما کر ہنستے ہوئے کہا۔

”کون مریض.....؟“ آزر نے حیرت سے پوچھا۔

جھٹلائی رہتی تھی اب ہر بات پر زرب لب مسکرا دیتی۔ سب فریڈز یحییٰ میں ایک خاص تبدیلی محسوس کر رہے تھے اور وہ یہ تھی کہ یحییٰ اپنا بہت خیال رکھنے لگی تھی۔ جو پہلے بھی کبھی صرف بالوں کی کنگ کرانے یا پارلر جایا کرتی تھی اب ہر ہفتے پارلر جانے لگی تھی۔ فیشنل اور پلج کروانے کے علاوہ اپنے چہرے کی رنگت کے نکھار کے لیے کریٹیں بھی استعمال کرنے لگی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک خاص جسم کی کشش پیدا ہونے لگی تھی۔ یہ آزر کی محبت کا اثر تھا یا پھر اپنا بہت خیال کرنے کا نتیجہ..... لیکن جو بھی تھا اس مثبت تبدیلی سے اس کی ماں بہت خوش تھی جو پہلے اسے پارلر جانے کے لیے اصرار کرتی نہ تھی تھی اور یحییٰ ان کی بات کو کوئی توجہ نہیں دیتی تھی۔ اب خود بخود پارلر جانے لگی تو انہوں نے سکون کی سانس لی تھی۔ پارلر کے علاوہ وہ ہر دوسرے دن مختلف بوتیکس میں جاتی اور اپنے لیے اچھے اچھے ڈریسز خریدتی اور جب وہ کوئی نیا ڈریس پہن کر آزر کے سامنے آتی تو وہ مسکرا کر سرگوشی کے انداز میں کہتا۔

”آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ اور اس ایک جملے کو سن کر اس کے اندر ایسی خوشی بھر جاتی جو اسے مزید اچھا بننے کی ترغیب دیتی۔ یحییٰ اور آزر کی محبت کے چرچے ہر طرف پھیلنے لگے تھے۔

”میں تو سوچتی تھی..... دنیا کے سب سے اسٹرونک love birds میں اور عمر ہیں مگر تمہیں اور آزر کو دیکھ کر لگتا ہے کہ نہیں تم دونوں زیادہ strong birds ہو۔“ حسنہ نے مسکرا کر یحییٰ سے کہا۔

”نہیں یار..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ یحییٰ نے جھٹلانے کی کوشش کی۔

”یہ، یہ تم میری طرف دیکھ کر بات کرو..... صبح جب تم دونوں کالج آتے ہو تو تم دونوں کے چہروں پر صاف لکھا ہوتا ہے کہ.....؟“ کوئل نے معنی خیز

میں پوری تفصیل موجود ہے۔ تم نے کب اور کس، کس وقت اس نمبر پر میسج بھیجے اور اس فائل اور اس شیپ ریکارڈر میں ان لڑکیوں کے بیانات تک موجود ہیں۔ اب تمہیں جیل جانے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔“ حیدر نے سب کچھ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

”تم مجھ سے دشمنی مول لے رہے ہو۔“ فرحان نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

”دشمنی میں لے رہا ہوں کہ تم نے لی ہے گھنیا انسان، تمہارے ان میسج کی وجہ سے ان لوگوں پر کیا گزری جن سے تم نے بلا وجہ کی دشمنی کی، اب تمہارا ایسا کیس بنایا جائے گا کہ جیل جا کر ہی تمہاری عقل ٹھکانے آئے گی۔“ وہ شدید غصے میں تھا۔

”جیل.....؟“ فرحان گھبرا کر بولا۔

”ہاں، جیل..... بہت جلد کورٹ تمہیں سزا دے کر جیل بھیج دے گی، اب تم اس پیپر پر سائن کرو۔“ حیدر نے غصے سے کہا اور اس کے سامنے ایک پیپر کیا۔

”آفسر! تم میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے..... میں سائن نہیں کروں گا۔“ فرحان نے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”سائن کرتے ہو کہ نہیں ورنہ لے جاؤ اسے اور لاک اپ میں بند کر دو۔“ اس نے غصے سے اس کی گردن دبوچتے ہوئے کہا تو فرحان نے ڈر کر سائن کر دیے۔

☆☆☆

یحییٰ اور آزر میں انڈر اسٹینڈنگ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ رات رات بھر ایک دوسرے کے ساتھ موبائل پر باتیں کرتے رہتے اور صبح سویرے ہی کالج پہنچ جاتے۔ کالج میں بھی دونوں اکثر اکٹھے پھرتے رہتے۔ کوئل، حسنہ، جواد اور دوسرے دوست ان کا مذاق اڑاتے..... مگر وہ کسی کی بات مانڈ نہ کرتے۔ یحییٰ جو پہلے کوئل کی باتوں کو

ساتھ لگ کر روئے لگی۔

”بیٹا اب یہ بچکنا چھوڑو..... اور آئندہ ایسی بات نہیں کرنا۔“ خدیجہ بیگم نے تم آنکھوں سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

”آج کل لوگ سیدھی بات کا بھی الٹا مطلب لے لیتے ہیں۔“ وہ سرد آہ بھر کر بولیں تو حمید نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

”میری گڑیا..... اپنے تمام ڈر، خوف یہاں

چھوڑ کر جاؤ، تمہارے یہ آنسو، تمہارے اس بھائی کے خون سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔“ فہام نے روا کی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو حمید نے ایک دم خفگی سے شوہر کی طرف دیکھا۔

”smile please..... میری گڑیا.....“

صرف ہنسی مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہے، اب میں ان خوب صورت آنکھوں میں کبھی آنسو نہ دیکھوں۔“ فہام نے بہن کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے لگی۔

”شاہاں..... اب ادھر بیٹھو، دیکھو میں نے اور حمید نے تمہارے لیے کتنی شاپنگ کی ہے جو پسند نہ آئے بتا دینا۔“ فہام نے ہنستے ہوئے کہا۔ حمید نے ہونٹ سکود کر زبردستی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اسے شاپنگ دکھانے لگی۔

☆☆☆

فرحان انتہائی بری حالت میں حیدر کے سامنے کھڑا تھا۔ مار پیٹ کی وجہ سے فرحان سے ٹھیک طرح سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔

”کیا تم اب بھی اعتراف جرم نہیں کرتے؟“ حیدر نے فرحان کے سر کے بالوں کو کھینچتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... میں نے کچھ نہیں کیا۔“ فرحان چلاتے ہوئے بولا۔

”اس موبائل میں وہ تمام میسج موجود ہیں جو تم نے ان لڑکیوں کی مدد سے اس نمبر پر بھیجے اور اس پیپر



”تم اور کون.....؟“ جواد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”کیوں..... میں..... مجھے کیا ہوا؟“ اس نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے چونک کر پوچھا۔

”ہمیں کیا معلوم..... یعنی کچھ تاریخ بھی کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔“ جواد نے مسکرا کر یمنی کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا..... کیا میں نے کب کچھ کہا ہے؟“ یمنی نے مصنوعی حلقی سے پوچھا۔

”حسنہ اور کوئل ذرا جانا..... سب کچھ..... آزر بے چارے کو تو نہ آج کل اپنی کچھ خبر ہے اور نہ ہی ارد گرد کی۔ صرف یمنی ہی ہے جو بے چاری اس کا خیال رکھتی ہے۔“ جواد جان بوجھ کر ادھر ادھر کی بات کہنے لگا۔

”کم آن یار..... فضول باتیں مت کرو..... کوئی ڈھنگ کی بات ہے تو بتاؤ..... ورنہ جاؤ۔“ آزر نے خشکی بجاتے ہوئے جواد سے کہا۔

”یار کیا کلاس روم سے باہر چلا جاؤں؟“ جواد نے محسوس ہی شکل بنا کر کہا۔

”ہیلو ایوری باڈی، کیسے ہو سب؟“ فرخ اور اسامہ نے ان سب کو کھڑے دیکھتے ہوئے ان کے پاس آکر کہا۔

”فائن!“ آزر نے روکے انداز میں جواب دیا۔ تینوں لڑکیاں منہ بنا کر اپنی اپنی چیز پر بیٹھ گئیں کیونکہ کوئی بھی فرخ اور اسامہ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں ایک دم فضول باتیں کرنا شروع کر دیتے تھے۔ فرخ بہت دنوں بعد کالج آیا تھا اور اس کی absence میں اسامہ کی دوستی ایک اور لڑکے یاسر سے ہو گئی تھی اس لیے اس کا ملنا آزر سے بہت کم ہو گیا تھا۔ جواد بھی ان کے پاس چلا گیا۔

”یار سنا ہے آج کل لنگی کے چکروں میں مجنوں بنے پھرتے ہو۔“ فرخ نے آنکھ دبا کر معنی خیر انداز

میں یمنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”شٹ اپ، ہم کلاس روم میں کھڑے ہیں۔“ آزر خشکی سے بولا۔

”دس از یو، یار تمہاری ethics تو واقعی بدل گئی ہیں۔ ویسے یہ بہت حیرانی کی بات ہے کہ کل سے نفرت، محبت میں بدل چکی ہے۔“ فرخ نے شوخ لہجہ میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ آزر کو غصہ آ گیا اور وہ اپنی سیٹ پر چلا گیا۔ ویسے بھی کلاس میں ٹیکہ کھانے کا ٹائم ہو رہا تھا۔ فرخ اور اسامہ بھی کندھے اچکا کر اپنی نشستوں پر چلے گئے۔

☆☆☆

یمنی گھر پہنچی تو دیکھا اماں جی گاؤں سے آئی ہوئی ہیں اور اسی کا انتظار کر رہی ہیں۔ یمنی انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اماں جی بار بار محبت سے اسے چومتی رہیں۔

”اماں جی آپ اتنے دنوں بعد کیوں آئی ہیں؟“ یمنی نے شکایتی لہجہ میں پوچھا۔

”بیٹا بس گاؤں میں اتنے کام ہوتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔ زمینوں کے ساتھ حرا رعوں اور ان کے تمام مسئلوں کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ بینک میں آج بہت ضروری کام تھا تو آنا پڑا۔ دل بہت اداس ہو رہا تھا۔ سوچا تم سے بھی ملتی جاؤں۔“ اماں جی نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”اماں جی، سب لوگ وہاں ٹھیک ہیں نا؟“ اماں بھیراں مجھے بہت یاد آتی ہیں۔ بہت پیار کرنے والی تھیں۔“ یمنی نے بھیراں کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں، بس وقت، وقت کی بات ہوتی ہے۔ جب قضا کا وقت آجائے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ بھیراں واقعی بہت اچھی، جنتی عورت تھی۔“ اماں جی نے جواب دیا۔

”جنتی عورت کیسے؟“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”جو کبھی کسی کا برائہ سوچے وہ جس کا دل اللہ کے بندوں کے لیے محبت سے بھرا ہوا..... اور وہ محبت کسی غرض کے لیے نہ کرے تو وہ انسان جنتی ہی ہوتا ہے۔“ یمنی نے اماں جی سے مسکرا کر جواب دیا۔

”اماں جی محبت میں بھلا کیسی غرض ہو سکتی ہے۔ محبت تو صرف محبت ہوتی ہے۔“ یمنی نے حیرت سے دہرایا۔

”تم بھی بہت سیدھی ہو۔ جنتی غرضیں اور لالچ محبت میں شامل ہوتی ہیں کسی اور شے میں نہیں۔“ اماں جی نے سنجیدگی سے کہا۔

”نہیں اماں جی، انسان دل میں غرض یا لالچ رکھ کر کیسے محبت کر سکتا ہے۔ محبت کرنے سے تو ویسے ہی دل کی ساری رنجشیں اور نفرتیں ختم ہو جاتی ہیں۔“ وہ زریب مسکرا کر بولی۔

”خدا کرے تم جیسا سوچتی ہو، ویسا ہی ہو مگر بیٹا ہم نے دیکھا دیکھی ہے۔ یہاں لوگوں نے چروں پر کیسے کیسے نقاب چڑھا رکھے ہیں تمہیں کیا خبر؟“ اماں جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”بھئی آپ لوگ کب تک باتیں کرتے رہیں گی۔ کھانا تیار ہے۔ چلیں کھانا کھا لیجیے۔“ ایمین نے آکر کہا۔

”مما، مجھے تو بھوک نہیں۔“ یمنی نے برا سامہ دیا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔ اماں جی نے تمہارے لیے کھانا نہیں کھایا اور تم ہو کہ.....“ ایمین نے خشکی سے کہا۔

”کیا واقعی؟“ اماں جی کیا آپ کھانے پر میرا انتظار کر رہی تھیں؟“ یمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں اور نہیں تو کیا۔ ایمین کئی بار بلائے آئی مگر میں نے کہا میں اتنے دنوں بعد آئی ہوں۔ جمال اور یمنی کے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گی۔“ اماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کھینک صوب طے کھیں دل

”مگر ڈیڑی تو ابھی تک نہیں آئے۔“ یمنی نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ ابھی پہنچنے ہی والے ہیں۔ ان کا فون آیا تھا۔“ ایمین نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے، اماں جی میں آپ کو ناراض نہیں کر سکتی چلیں۔“ یمنی نے کہا اور اماں جی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ایمین کے ہمراہ وسیع و عریض خوب صورت ڈائننگ روم میں داخل ہوئیں تو ٹیبل انواع و اقسام کے کھانوں سے پوری طرح سجی ہوئی تھی۔

”واہ، ممما، لگتا ہے آج تو ساس کی بڑی خدمت ہونے جا رہی ہے۔ آپ نے خوب کوکنگ کی ہے۔“ یمنی نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں، اماں جی کبھی کبھار تو ہمارے پاس آتی ہیں اور ویسے بھی یہ سب کچھ تمہیں بھی سکھائی ہوں۔ تم بھی اپنی ساس کی یونہی خدمت خاطر کرنا۔“ ایمین نے مسکرا کر کہا۔

”کیا..... کیا میری ساس؟“ یمنی نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”ہاں کیوں نہیں، کیا ہم نے تمہاری شادی نہیں کر لی۔“ اماں جی بھی مسکرا کر بولیں۔

”یہ کس کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں؟“ جمال صاحب نے پیچھے سے آکر کہا تو یمنی ایک دم بوکھلا گئی۔

”آؤ جمال بیٹے، کیا حال ہے؟ ہم سب تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔“ اماں جی نے محبت سے بیٹے کی پیشانی چوم کر انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”کیسی ہیں اماں جی؟ میں بھی آپ کو بہت مہم کر رہا تھا اور گاؤں آنے کا سوچ رہا تھا۔ اچھا ہوا آپ خود ہی آ گئیں۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”اب باتیں بس کریں اور کھانا شروع کر لیں۔“ ایمین نے مصنوعی حلقی سے کہا۔

”ہاں، ہاں چلیں۔“ جمال صاحب نے کہا اور



سب بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھانے کے دوران بیٹی کے موبائل پر آذر کا فون آنے لگا اور وہ ایکسکیوز می کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

”جمال اور ایمن میں نے تم دونوں سے ایک ضروری بات بھی کرنی ہے۔ جمال بیٹا تمہارے ابا کے دوست ڈپٹی کلکٹر خیر اللہ کا بیٹا میرے پاس آیا تھا۔ اس کا بیٹا امریکا میں ڈاکٹر ہے۔ یعنی بیٹی کے لیے وہ رشتے کی بات کرنے آیا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟“ اماں جی نے جمال صاحب سے پوچھا۔

”کیا..... یعنی کارشتہ؟“ انہوں نے نوالہ منہ میں لے جاتے ہوئے رک کر حیرت سے کہا۔

”ہاں بیٹا، خاندان بہت اچھا ہے اور وہ برائی دوستی کی خاطر یہ رشتہ کرنا چاہتا ہے۔ ویسے بھی جو لوگ خود چل کر عزت و قدر کے ساتھ رشتہ مانگتے آئیں تو ان کے بارے میں ضرور سوچنا چاہیے۔“ اماں جی نے کہا۔

”لیکن..... اماں جی یعنی ابھی بہت چھوٹی ہے۔ ابھی تو اس نے کالج میں ایڈمیشن لیا ہے۔ میں کم از کم اتنی جلدی اس کی شادی کے لیے رضامند نہیں ہو سکتا۔“ انہوں نے غصے سے جواب دیا۔

”بیٹا شادی کی بات کون کر رہا ہے۔ ابھی تو رشتہ دیکھنے کا مرحلہ ہے۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو دیکھیں، پرکھیں شادی تو تب ہی ہوگی جب لڑکا، لڑکی کے ساتھ گھروالے بھی راضی ہوں گے۔“ اماں جی نے انہیں سمجھانا چاہا۔

”میرا خیال ہے اماں جی ٹھیک کہتی ہیں۔ دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں اور ویسے بھی لڑکی کی شادی جلد ہی ہو جائے تو اچھا ہوتا ہے۔“ ایمن نے بھی اپنی رائے دی تو جمال صاحب بھی سوچ میں پڑ گئے۔

”ٹھیک ہے، میں پہلے یعنی سے بات کروں گا پھر اس کے بعد آپ کو کچھ بتاؤں گا۔“ جمال صاحب

نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”ابھی یعنی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ پہلے خود دیکھ لو اور سلی کر لو۔ اگر رشتہ پسند آتا ہے تو پھر یعنی سے بات کرنا۔“ اماں جی نے کہا۔

”اور اگر اس نے بعد میں ری جیکٹ کر دیا تو زیادہ بے عزتی کی بات ہوگی۔ اس لیے اس سے پہلے پوچھنا زیادہ ضروری ہے۔“ جمال صاحب نے رائے دی تو دونوں خاموش ہو گئیں۔

”ٹھیک ہے تم اس کی مرضی معلوم کر کے مجھے بتا دینا پھر میں ان لوگوں سے بات کر لوں گی۔“ اماں جی نے نشوونما سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئے۔

☆☆☆

یعنی رات کو آذر سے موبائل پر باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ جب جمال صاحب اس کے کمرے میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو یعنی کسی سے ہنس کر فون پر باتیں کر رہی تھی۔

”بہنہ ہوئے تو تم خود ہی ہو۔ میری محبت کو الزام مت دو۔“ وہ قہقہہ لگا کر بولی تو جمال صاحب کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ انہوں نے چونک کر یعنی کی طرف دیکھا۔

”کیا..... کیا..... کیا کہا؟ میں تمہیں ایکسپلاٹ کر رہی ہوں۔ جناب محبت میں exploitation نہیں چلتی اور میں نے تم سے بہت pure محبت کی ہے، اتنی pure

شاید romantic legends نے بھی نہیں کی ہوگی۔ ہاں ثبوت دے سکتی ہوں۔ تمہاری خاطر میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں اگر تمہیں چاہیے تو“

یعنی نے پھر پھر پور قہقہہ لگا کر کہا تو جمال صاحب کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے انتہائی بے یقینی سے یعنی کی طرف دیکھا جو بیڈ پر اوٹھ سے منہ لٹکی موبائل کا

سے لگاتے ہاتھیں کرنے میں مصروف تھی۔ وہ باتیں کرنے میں اتنی خوشی کہ اسے ذرا سی آہٹ کا بھی احساس نہ ہوا۔ انہوں نے کچھ سوچا اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا اور پھر جھل قدم اٹھاتے ہوئے لاؤنج میں آ گئے۔ ایمن صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں ایمن نے چونک کر شوہر کی طرف دیکھا۔

”کیا بات ہے، کیا یعنی نے انکار کر دیا ہے؟“ ایمن نے بے صبری سے پوچھا۔

”نہیں۔“ انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔

”کیا مطلب..... پھر آپ کے چہرے پر اتنی اداسی کیوں چھائی ہوئی ہے؟“ ایمن نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ انہوں نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”پھر کیا بات ہے۔ اس کے پاس جانے سے پہلے یوں اداس نہیں تھے۔ اب کیا ہو گیا ہے؟“ ایمن نے کرپڑنے کی کوشش کی۔

”کچھ نہیں۔“ جمال صاحب نے کہا۔

”کیا آپ نے اس سے بات کی؟“ ایمن نے پھر پوچھا۔

”میرا خیال ہے، اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔“ جمال صاحب نے کہا۔

”آپ کیوں مجھے الجھا رہے ہیں۔ کھل کر بتائیے ناں آخر بات کیا ہے؟“ ایمن نے قدرے غکرمندی سے پوچھا۔

”میرا خیال ہے اسے ابھی ڈسٹرب نہ کیا جائے تو بہتر ہے، میں کل اماں جی کو فون کر کے منع کر دوں گا۔“ جمال صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا تو ایمن انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

رات کے تین بج رہے تھے اور یعنی ابھی تک

کھین جب طے کھین دل

آذر سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ باتیں کرتے ہوئے وہ جھانپاں لینے لگی۔

”یہ کیا تمہیں ابھی سے نیند آنے لگی۔ ابھی تو آدمی رات باقی ہے۔“

”ہاں، معلوم نہیں کیوں اتنی نیند آنے لگی ہے۔“ یعنی نے کہا۔

”اس کا مطلب ہے تمہارا دل آہستہ آہستہ میری محبت سے بھرنے لگا ہے۔“ آذر نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

”ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ نیند بھی تو ایک major factor ہے ناں اور آج میں کالج سے گھر آ کر بالکل بھی نہیں سوئی۔ میری گریڈ

مدر گاؤں سے آئی تھیں۔ ان سے باتیں کرتی رہی۔“ یعنی نے پھر جھانپاں لی۔

”اچھا اب تم سو جاؤ۔ تمہیں واقعی بہت نیند آرہی ہے۔ کل کالج میں ملیں گے، اوکے لو پو

ڈارلنگ اینڈ فیک کیئر۔“ آذر نے محبت سے کہا اور یعنی نے مسکراتے ہوئے موبائل آف کر دیا اور جلد ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ اس نے خواب

میں آذر کو دیکھا جو اس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ یعنی آگے بھاگتی چلی جا رہی ہے اور ہار ہار سے

مڑ مڑ دیکھتے ہوئے ڈرتی ہے اور پھر تیزی سے بھاگنے لگتی ہے۔ آذر اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے

کہ کہیں سے جتنا اچانک نمودار ہوتی ہے اور آذر، جتنے کا گلا دبا دیتا ہے۔ یعنی پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے تو

جتنے کی آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی دیکھ کر وہ زور زور سے چلانے لگتی ہے۔ آذر، جتنے کو چھوڑ کر اس کی طرف نکلتا

ہے تو جتنے پیچھے گر جاتی ہے اور تڑپ تڑپ کر مرنے لگتی ہے۔ یعنی بلند آواز سے رونے لگتی ہے۔ خواب دیکھ کر اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ نہیں،

نہیں کہہ کر چلاتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور بیڈ پر بیٹھی بری طرح ہانپنے لگی۔ اس کا چہرہ اور جسم پسینے سے شرابور



ہور ہے تھے۔ اس نے پریشانی سے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے اور پھر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

”آذر کے بارے میں یہ مجھے کیسا خواب آیا ہے اور حتمہ کہاں سے آگئی؟“ اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ کر سوچا۔ ”یہ میرا کوئی وہم ہے۔ یہ خواب حقیقت نہیں ہو سکتا۔“ اس نے اپنے دل کو تسلی دی اور سائنڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گھاس میں پانی اٹھیل کر پیا کچھ دیر بعد وہ دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ جونہی اسے گہری نیند آنے لگی وہ پھر وہی خواب دیکھنے لگی۔ بالکل پہلے جیسا۔ اس میں ڈراما بھی فرق نہیں تھا۔ وہ پھر ایک دم گھبرا کر اٹھ گئی اور پریشانی سے سوچنے لگی۔

”ایک خواب کبھی پہلے یوں ری ہیٹ نہیں ہوا۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ آذر، حتمہ اور میں ایک ہی خواب بار بار کیوں آ رہا ہے۔ اس خواب کا کیا مطلب ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ یہ خواب کوئی حقیقت تو نہیں..... نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ آذر تو مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور اس کا حتمہ سے کیا تعلق۔ دونوں نے تو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ ڈھنگ سے بات تک نہیں کی۔ وہ حتمہ کو کیسے مار سکتا ہے۔ یہ خواب بالکل جھوٹ ہے۔“ اس نے پھر جھٹلایا اور سونے کی کوشش کی مگر پھر اسے نیند نہیں آئی۔ وہ مضطرب سی کروٹیں بدلنے لگی اور سونے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔ صبح کو وہ قدرے دیر سے بیدار ہوئی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ ملازمہ اسے اٹھانے آئی تب اسے پتا چلا کہ دن کتنا گزر چکا ہے۔

”بیمنی بی بی، آج آپ کالج بھی نہیں گئیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تیمم صاحب پریشان ہو رہی ہیں۔“ ملازمہ نے کہا۔

”اوہ، ہاں آج میرے سر میں بہت درد ہے۔ وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ میں ابھی آرہی ہوں۔“ اس

نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا۔ ملازمہ کمرے سے باہر چلی گئی اور اسی لمحے اس کا موبائل بجنے لگا۔ دوسری جانب آذر تھا اور وہ قدرے پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

”بیمنی یار، کہاں ہو تم۔ آج کالج کیوں نہیں آئیں۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ آذر نے پریشانی سے پوچھا۔

”سر میں بہت درد ہے۔“ اس نے منہ بنا کر سر کو دباتے ہوئے کہا۔

”کیوں..... درد کیوں ہونے لگا؟“ آذر نے فکر مندی سے پوچھا۔

”معلوم نہیں شاید رات کو دیر سے سوئی تھی اس لیے۔ حتمہ کہاں ہے؟“ نادانستہ اس کے منہ سے نکلا۔

”مجھے کیا معلوم۔ اپنی فرینڈز کے ساتھ کہیں ہوگی۔“ آذر نے جواب دیا۔

”کیا وہ آج کالج آئی ہے؟“ بیمنی نے پوچھا۔

”ہاں، شاید..... میں نے غور نہیں کیا مگر تم مجھ سے اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟“ آذر نے چونک کر پوچھا۔

”جیس، میں تو یونہی پوچھ رہی ہوں۔“ بیمنی نے بوکھلا کر جواب دیا۔

”اچھا، یہ بتاؤ تم کالج ٹائم کے بعد مجھ سے ملے آ رہی ہو کہ نہیں؟“ آذر نے پوچھا۔

”نہیں، آج میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ریٹ کرنا چاہتی ہوں۔“ بیمنی نے جواب دیا۔

”لیکن میں تمہیں دیکھے بغیر ریٹ نہیں کر سکتا۔“ آذر نے جواب دیا۔

”کیوں؟“ بیمنی نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”میرا خیال ہے محبت کرنے والوں کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی چاہیے۔“ آذر نے مسکرا کر جواب دیا۔

”ٹھیک ہے میں شام میں آؤں گی مگر تم کہاں

لو گے؟“ بیمنی نے پوچھا۔

”اپنے فلیٹ میں۔“ آذر نے جواب دیا۔

”اوکے سی یو۔“ بیمنی نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ بیمنی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے ڈیڈ۔ عظیم احمد کی کال آگئی۔ وہ اسے امریکا آنے پر اصرار کر رہے تھے جبکہ آذر ان سے بڑی بے دلی سے بات کر رہا تھا وہ انہیں مسلسل انکار کر رہا تھا جیسی اس کی مام نے فون لے لیا۔

”آذر بیٹا، میری جان ہم تمہارے بغیر بہت اداں ہیں۔ تم جلدی سے یہاں آ جاؤ۔ میں تمہارے ابو کے دوست کی بیٹی سے تمہاری شادی کا سوچ رہی ہوں۔ بڑی ہی خوب صورت اور پیاری لڑکی ہے۔ امریکا میں ہی ملتی بڑی ہے۔ وہ تمہیں ضرور پسند آئے گی۔“ اس کی مام نے اسے لڑکی کا لالچ دیا تو اس نے انہیں کوئی جواب دیے بغیر ہی فون بند کر دیا اور غصے سے ہنسنے لگا۔

”مجھے وہاں بلانے کے لیے لڑکی کا ڈراما کر رہی ہیں۔“

تھوڑی دیر بعد بیمنی اس کے فلیٹ کے دروازے پر تھی۔ آذر نے تیل بجتے ہی دروازہ کھولا اور ایک سو دم اپنا موڑ مچ کرنے لگا۔

”بیمنی، فائر کمنگ۔ میں سوچ رہا تھا شاید تم نہ آؤ۔“ آذر مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”آئی ایم ویری کیسڈ پرسن۔“ بیمنی نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔“ آذر نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں، تم نے بہت insist کیا تھا اس لیے تم سے ملنے آئی ورنہ۔“ بیمنی نے صوفے کی پشت

کھسک دیکھ کر طے کھیل دل سے ٹپک لگاتے ہوئے کہا۔

”بیمنی، اس بار مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو۔“ آذر نے مسکرا کر کہا۔

”what do you mean؟“ کیا تمہیں میری محبت پر یقین نہیں؟“ بیمنی نے چونک کر پوچھا۔

”ہے اور بہت زیادہ۔ شاید اپنے آپ سے بھی زیادہ۔“ یہ کہتے ہوئے وہ فریج کی طرف بڑھا اور اس کے لیے جوس نکالنے لگا، دو گلاس میں جوس ڈال کر ایک گلاس بیمنی کی جانب بڑھایا اور محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگا۔

”آئی ٹھنک اب ہمیں ایک دوسرے کو یقین دہانی کی اسٹج سے باہر نکلتا چاہیے۔ ہماری محبت اتنی کمزور نہیں ہونی چاہیے کہ ایک دوسرے کو بار بار یقین دلائیں۔“ بیمنی نے جوس کا گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

”سوری، اب دوبارہ نہیں پوچھوں گا۔ آئی فرسٹ یو ٹو ج۔“ آذر نے مسکرا کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو بیمنی بھی مسکرا دی۔

”آج تمہارے سب فرینڈز کہاں ہیں؟ یہاں کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔“ بیمنی نے ارد گرد دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”تمہارے آنے سے پہلے سب کو بھیج دیا ہے۔“ آذر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ بیمنی نے حیرت سے پوچھا۔

”آج میں تم سے اپنے دل کی بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ آذر نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”کیسی باتیں؟“ بیمنی نے چونک کر پوچھا اور جوس پی کر گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

”وہ ساری باتیں جو بھی مسیحا کہیں تمہیں اور مجھے بہت پریشان کرتی تھیں ان میں سے اب بھی کچھ ایسی ہیں جو مجھے ڈسٹرب رکھتی ہیں۔ میں وہ سب تم سے شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی بھی مجھے لگتا ہے



میں نارمل انسان نہیں ہوں اور فرینڈز مجھے ایسٹوٹیل بلیک میل کرتے رہے۔ کوئی ویسے ایکسپلائٹ کرنا چاہتا ہے اور کوئی محبت کے نام پر مجھ سے ٹرک کھینے کی کوشش کرتا ہے۔“ آذر نے قدرے جذباتی ہو کر اپنی آنکھوں کو نم کرتے ہوئے کہا تو یحییٰ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آذر اس سے کیا کہنا چاہ رہا تھا اور وہ کیوں پریشان ہو رہا تھا۔

”آئی ایم ویری مج ڈسٹرب صرف تم ہی مجھے اس اسٹریس سے نکال سکتی ہو۔“ آذر نے قدرے جذباتی ہو کر کہا۔

”کیسے..... آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا؟“ یحییٰ نے جھنجھلا کر کہا۔

”کوئل مجھے ایکسپلائٹ کرنا چاہ رہی ہے اور تمہارے خلاف میں... میں تمہیں کیا کچھ بتاؤں۔ جو کچھ کرنے کی وہ کوشش کر رہی ہے۔ یہ دیکھو وہ مجھے کتنی کالز کرتی ہے۔“ اس نے اپنا موبائل فون اسے دکھایا۔ جس میں کوئل کی بے شمار کالز تھیں۔

”کیا کوئل میرے خلاف..... تمہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اوہ کی گاڈ۔ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کوئل ایسا کیوں کر رہی ہے۔ وہ تو ہم سب کی بہت اچھی دوست ہے۔“ یحییٰ نے جھنجھلا کر بے یقینی سے پوچھا۔

”کوئل مجھ سے محبت کرتی ہے اور وہ تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔“ آذر نے پریشانی سے کہا۔

”کوئل..... آئی ڈونٹ بلیو۔“ یحییٰ نے پریشانی سے کہا۔

”کیا تمہیں مجھ پر ٹرسٹ نہیں ہے؟“ آذر نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آئی ٹرسٹ یو..... لیکن..... کوئل.....؟“ یحییٰ نے پریشانی سے بڑبڑائی۔

”مجھ پر ایسا یقین رکھو جس میں لیکن کی گنجائش نہ ہو۔ تم بتاؤ میں کیا کروں۔ میں نے کوئل کو کوئی یار snub کیا ہے۔“ آذر نے قدرے بے بسی سے کہا۔

”مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کوئل ایسا کیوں کر رہی ہے جبکہ وہ سب کچھ جانتی بھی ہے اور میری اس کے ساتھ فرینڈ شپ بھی بہت اچھی ہے۔“ یحییٰ کے چہرے پر انتہائی جھنجھلاہٹ کے تاثرات تھے۔

”یہی تو پریشانی کی بات ہے۔ کوئل جو دکھائی دیتی ہے اصل میں ہے نہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ہم دونوں کو مزید ایکسپلائٹ کرے ہمیں کچھ فیصلہ کرنا چاہیے۔“ آذر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”کیسا فیصلہ؟“ یحییٰ نے چونک کر پوچھا۔

”ہم دونوں کو کوئل کا پائیکاٹ کرنا چاہیے تاکہ اسے یہ احساس ہو کہ ہمیں اس کی سب باتوں کی خبر ہے۔“ آذر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”پائیکاٹ؟“ یحییٰ نے حیرت سے پوچھا۔

”تم اس سے بات چیت اور ہر طرح کی فرینڈ شپ ختم کر دو۔ اگر تم مجھ سے واقعی بہت محبت کرتی ہو تو تمہیں یہ کرنا ہوگا۔“ آذر نے اپنا فیصلہ سنایا تو یحییٰ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہے وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

”کیا سوچ رہی ہو؟“ آذر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت غیر یقینی سی صورت حال ہے اور تمہارے کیا کپیکیس ہیں جن کی وجہ سے لوگ تمہیں ایکسپلائٹ کرتے ہیں۔ کیا کوئل بھی کچھ ایسا ہی کر رہی ہے؟“ یحییٰ نے چونک کر پوچھا تو آذر ایک دم بوکھلا گیا۔

”میری محبت ہی میرا سب سے بڑا کپیکیس ہے۔ جس کی وجہ سے میں ہمیشہ ایکسپلائٹ ہوتا آیا ہوں اور شاید اسی وجہ سے کوئل بھی اس سے ناکام

اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے۔“ آذر نے کہا۔

”میں کچھ سمجھی نہیں؟“ یحییٰ نے حیرت سے پوچھا۔ آذر کچھ کہنے لگا تو اسی لمحے یحییٰ کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے کان سے لگایا تو دوسری جانب جمال آ رہے تھے۔

”یہی بیٹے، تم کہاں ہو؟ تمہاری ماں بتا رہی تھیں کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں مگر تم گھر سے باہر ہو۔ تمہیں ریسٹ کرنا چاہیے، ویسے بھی میں نے ڈاکٹر سے ٹائم لیا ہے تاکہ تمہارا اچھی طرح چیک اپ کرواؤں۔“ جمال صاحب نے نرمی سے کہا۔

”نہیں ڈیڈی، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آئی ایم فائن۔“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”میں کچھ نہیں سننا چاہتا مگر پہنچو۔ میں ابھی آپس سے آ رہا ہوں۔“ انہوں نے حکمانہ لہجے میں کہا اور موبائل آف کر دیا۔

”مجھے ڈیڈی کے ساتھ جانا ہے میں پھر تم سے بات کروں گی۔“ یحییٰ نے باہر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

”اور میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے اس پر اچھی طرح سوچنا اور پھر فیصلہ کرنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔“ آذر نے کہا تو یحییٰ نے ایک ٹک بغور اس کی جانب دیکھا اور وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

اگلے روز وہ کالج پہنچی تو حمنہ اور کوئل شدت سے اس کی منتظر تھیں۔ اس کے چہرے پر قدرے سنجیدگی کے تاثرات تھے۔

”یار یحییٰ، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم بیمار کیا ہو گئے کہ یہ گلستان ہی ویران ہو گیا۔ سچ تمہارے بغیر تو ہر شے بہت ادھوری اور ویران لگی۔ یہاں تک کہ راکٹ بھی ٹھس ہو گیا۔“ کوئل نے ہنستے ہوئے کہا تو یحییٰ نے بغور اس کی جانب دیکھا اور گہری سانس لی مگر کوئی جواب نہیں دیا۔

کھنکھناتے صلب طبع کھنکھناتے دل

”کیا بات ہے یحییٰ، تم اتنی خاموش کیوں ہو۔ کیا تمہاری طبیعت ابھی تک خراب ہے؟“ حمنہ نے نرم لہجے میں سنجیدگی سے پوچھا۔

”نہیں، میں سوچ رہی ہوں انسان کس طرح دوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔ اپنے چہرے پر نہ جانے اور کتنے چہرے سجا کر پھرتا ہے۔“ یحییٰ نے کوئل کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں کہا۔

”یار یہ تم کس کے بارے میں کہہ رہی ہو اور اتنی سنجیدہ گفتگو کا کیا مطلب ہے؟“ کوئل نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا تمہیں واقعی اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی یا پھر بننے کی کوشش کر رہی ہو؟“ یحییٰ نے قدرے خطئی سے کہا اور دونوں کو وہیں چھوڑ کر تیز چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ دونوں حیران پریشان اسے دیکھتی رہ گئیں۔

”یہ یحییٰ کو کیا ہو گیا ہے۔ اس نے پہلے تو کبھی ایسی بات نہیں کی اور اس کا موڈ بھی آف لگ رہا ہے۔“ حمنہ نے پریشانی سے کہا۔

”اور یار وہ کچھ عجیب سے ٹیزنگ وے میں بات کر رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے کچھ کہہ رہی ہو..... معلوم نہیں اسے کیا ہو گیا ہے؟“ کوئل نے حیرانی سے کہا۔

دونوں باتیں کرتی ہوئی کلاس روم کی طرف چلی گئیں۔ یحییٰ اپنی سیٹ پر پہنچی تھی مگر اس نے حمنہ اور کوئل کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ سارا وقت یونہی ہوتا رہا۔ یحییٰ انہیں جہاں بھی بیٹھے دیکھتی وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی اور ان کو سامنے سے آنا دیکھ کر راستہ بدل لیتی۔ انہیں یحییٰ کی کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی اور یحییٰ انہیں کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہ سارا وقت آذر اور جواد کے ساتھ رہی۔ آذر ساری چوہلیشن کو آیز رو کر رہا تھا اور اندر ہی اندر اسے خوشی ہو رہی تھی کہ یحییٰ نے فوراً اس کی بات مانی ہے۔ جواد موبائل



پر باتیں کرتا ہوا ایک طرف چلا گیا تو آؤرنے بیٹنی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”مجھے اب یقین آ گیا ہے کہ تم میری محبت میں سب کچھ کر سکتی ہو۔“ آؤرنے فاتحانہ انداز میں مسکرا کر کہا تو بیٹنی بھی مسکرائے گی۔

سارا دن اسی طرح گزر گیا۔ حسہ کو اس بات کی بہت زیادہ پریشانی تھی کہ بیٹنی نے اچانک اپنا رویہ کیوں بدلا ہے۔ گھر آ کر بیٹنی کھانا کھانے کے بعد گہری نیند سو گئی۔ حسہ اسے مسلسل فون کرتی رہی تھی مگر اس کا موبائل آف مل رہا تھا۔ شام کو جب اس نے موبائل آن کیا تو فوراً ہی حسہ کی کال آنے لگی۔

”یار بیٹنی، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم کیوں ایسے لی ہو کر رہی ہو؟“ حسہ نے جذباتی انداز میں قدرے خفگی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

”نہیں، میں تمہیں پوچھے بغیر نہیں چھوڑوں گی۔ کوئل از ویری ٹاکس پرسن مگر تمہاری باتوں میں اس کے لیے آج بہت خطر تھا۔ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی نے تمہیں اس کے بارے میں کچھ غلط کہا ہے۔“ حسہ نے خفگی سے کہا۔

”ہاں یوں ہی سمجھ لو۔“ بیٹنی نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

”اور تم نے کسی دوسرے کی بات پر یقین کر لیا۔ اپنی فریڈ زپر تمہیں کوئی یقین نہیں رہا۔ تمہیں جس نے بھی جو کچھ کہا ہے غلط کہا ہے۔ سب کو اس ہے۔“ حسہ غصے سے بولی۔

”آؤرنے جوٹ نہیں بول سکتا۔“ بیٹنی اسے سب کچھ بتانے لگی۔ اس کی باتیں سن کر حسہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔

☆☆☆

گھر کے لان میں ہی فہام نے ردا اور روئیل

کی مشترکہ مہندی کا فنکشن ارنج کیا تھا اور پھولوں سے ایسا زبردست اسٹیج تیار کر دیا تھا کہ ہر کوئی دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ سجادہ کی خوب تعریفیں کر رہا تھا۔ ردا یلو لہنگا پہنے پہلے پھولوں سے لدی اسٹیج پر بیٹنی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ رشنا بھی نئی سنوری پیش پیش تھی۔ خاندان کی سب لڑکیاں اور رشتے دار خواتین سب خوش ہو کر ردا کو مہندی لگا رہی تھیں۔ ہمیلہ کا مدار لہنگا اور زیورات پہنے ایک کونے میں کھڑی تھی وہ عجیب نظروں سے ردا کو دیکھ رہی تھی۔ روئیل بھی اب اس کے ساتھ اسٹیج پر آ بیٹھا تھا۔ وہ بہت خوب صورت لگ رہے تھے اور ہمیلہ بار بار انہیں دیکھنے جا رہی تھی۔

”بیٹا، آؤ تم بھی مہندی لگاؤ ناں!“ خدیجہ نے ہمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ زبردستی مسکراتے ہوئے ردا کے پاس بیٹھ گئی اور سامنے بڑے بڑے تھال میں .... جس میں مہندی، مٹھائی، تیل اور موم بتیاں تھیں سے مہندی لے کر وہ ردا کے پاس بیٹھ کر اسے لگانے لگی مگر جان بوجھ کر تھال کو نیچے سے ہاتھ مار کر گرادیا۔ تھال الٹا تو اس میں بھی موم بتیاں بھی نیچے گر گئیں اور ایک دم ردا کے دوپٹے میں آگ لگ گئی۔ یہ اتنا اچانک ہوا کہ پاس کھڑے سب لوگ گھبرا گئے۔ فہام نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے جلنے ہوئے دوپٹے کو اپنے ہاتھوں سے مسلا اور آگ بجھا دی۔ سب ہنگامہ دیکھتے رہ گئے۔ فہام کے دونوں ہاتھ آگ کی وجہ سے سرخ ہو گئے تھے۔ ردا ایک دم گھبرا کر اس کے دونوں ہاتھوں کو چوم کر رونے لگی۔

”ارے میری جان میرے ہوتے ہوئے تم کیوں گھبرا رہی ہو۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے ردا کو اپنے ساتھ لگا کر کہا۔ ”مجھے کچھ نہیں ہوا۔ تم کہو تو ابھی تم پر جان بھی وار دوں۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر پیاد کرنے لگا۔

گھبرا کر فہام کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو روئیل نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

”اللہ خیر کرے، کیسی بد شکونی ہو گئی ہے۔“ خدیجہ پریشانی سے بڑبڑائیں۔

”ارے کچھ نہیں ہوتا بیٹا۔ رسم پوری کرو۔ ہم کافی لیٹ ہو رہے ہیں۔“ ماں جی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدیجہ کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ ماں جی، خدیجہ کو سمجھاتی رہیں کہ فکر نہ کریں اور اسے بد شکونی نہ سمجھیں۔ انہوں نے زبردستی مسکرا کر انہیں دیکھا مگر ان کا دل اندر ہی اندر پریشان ہو رہا تھا۔

☆☆☆

توقیر رشنا کی مودی دیکھ رہا تھا۔ ایک سین میں ردا، رشنا کے پاس بیٹھی مسکرا رہی تھی اور مسکراتے ہوئے ردا نے قہقہہ لگایا۔ توقیر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی اور پھر ایک دم آنکھوں میں نمی سی حیرنے لگی۔ وہ ردا کا چہرہ still کر کے دیکھنے لگا۔ مجھڑے میں توقیر کے لیے پھل رکھ کر لائیں تو توقیر نے جلدی سے ریموٹ اٹھا کر سین چنچ کیا۔

”مسودی دیکھ کر پرانی یادیں پھر سے تازہ ہو جاتی ہیں۔“ نجمہ نے اس کے پاس بیٹھ کر مودی دیکھتے ہوئے کہا تو رشنا اور ردا پھر اسکرین پر آ گئیں۔ ”ردا کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ بڑی خواہش تھی کہ میں اسے اپنی بہو بنا لیتی مگر توقیر تم نے اس کے لیے بھی ہاں نہیں کی۔“ نجمہ نے آہ بھر کر کہا تو توقیر نے ایک دم چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

”خدا جانے کون تھی وہ جس کے لیے تم نے ردا جیسی لڑکی کو بھی انکار کر دیا۔“ نجمہ نے افسردگی سے کہا تو توقیر نے آہ بھر کر ماں کو دیکھا مگر خاموش رہا۔ ”وہ بڑا ہی خوش نصیب شخص ہو گا جسے ردا ملے گی۔ اتنی اچھی، سلیبی ہوئی، مصوم اور پیاری لڑکی۔“ نجمہ نے سیب کاٹتے ہوئے مسکرا کر کہا تو

کھنکھناتے ہوئے دل

توقیر نے گھبرا کر پہلو بدلا اور مودی آف کر دی۔ ”مودی کیوں بند کر دی؟“ نجمہ نے چونک کر پوچھا۔

”میں سونے کے لیے جا رہا ہوں۔“ توقیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ میں ذرا پگن دیکھ لوں اور سنو اپلی میڈلسز یاد سے کھا لیتا۔“ نجمہ نے کہا۔ ”جی اچھا۔“ توقیر آہستہ آواز میں بولا۔

”تم نے میرے دل میں پھر آگ لگا دی ہے۔ بہت کوشش کرتا ہوں تمہیں بھلانے کی مگر تم اتنا ہی زیادہ یاد آتی ہو۔ کیا کروں؟“ توقیر نے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے کہا اور اپنے موبائل پر رشنا کا نمبر ملائے لگا۔

”رشنا سے ہی تمہاری خیریت پوچھتا ہوں۔“ توقیر نے نمبر ملائے ہوئے سوچا مگر اس کا نمبر آف جا رہا تھا۔ اس نے مایوس ہو کر موبائل رکھ دیا۔

☆☆☆

رشنا، ردا کے ہاتھ پر کون مہندی لگا رہی تھی۔ ”یار آج تمہارے فہام بھائی بڑے ہیرو بنے ہوئے تھے۔ کیا کمال کی ایکٹنگ کی۔“ رشنا نے مسکراتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

”وہ ایکٹنگ نہیں تھی وہ سچ میں مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں۔“ ردا منہ بنا کر مصنوعی خفگی سے بولی۔ ”اوہ، مجھے یاد ہی نہیں رہا مگر سے آنے پہلے ماما کی کال آرہی تھی۔“ رشنا نے ایک دم مہندی چھوڑ کر بیگ میں سے موبائل نکال کر کہا۔ ”میں نے موبائل فون آف کر دیا کہیں وہ فون ہی نہ کر رہی ہوں۔“ رشنا نے موبائل آن کرتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔ ”مما آج کل تو قیر بھائی کے پاس آ سٹریلیا گئی ہوئی ہیں اور ہر روز آن لائن ہو کر میں ان دونوں سے بات کرتی ہوں۔“ رشنا نے کہا۔



”اب تو قیر بھائی کیسے ہیں؟“ ردا نے ایک دم پوچھا۔  
”ٹھیک ہیں بے چارے۔۔۔ جس کے غم میں  
دل کو روگ لگائے بیٹھے ہیں ان محترمہ کو خبر ہی نہیں۔“  
رشنا نے عجیب انداز میں کہا تو ردا نے ایک دم گھبرا کر  
اسے دیکھا۔

”یار، یہ محبت بھی عجیب جذبہ ہے جو اندر ہی  
اندر انسان کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ پہلے تو میں یقین نہیں  
کرتی تھی مگر اب تو قیر بھائی کی حالت دیکھ کر یقین  
آ گیا ہے۔“ رشنا نے افسردگی سے کہا۔  
”کیا انہوں نے تم سے کچھ کہا ہے؟“ ردا نے  
حیرت سے پوچھا۔

”یہی تو براہم ہے، نہ وہ کچھ بتاتے ہیں اور نہ  
ہی اپنا دل کھولتے ہیں۔“ رشنا آہ بھر کر بولی تو رشنا  
کے موبائل پر کال آنے لگی۔  
”ردا! دیکھنا تو کس کی کال آرہی ہے؟“ رشنا  
نے ردا کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”کوئی نمبر ہے، شاید بیٹ کا۔“ ردا نے نمبر  
دیکھتے ہوئے کہا۔

”مما ہوں گی۔۔۔ تم بات کرلو، انہیں اپنی  
شادی کا بتاؤ، وہ بہت خوش ہوں گی۔“ رشنا نے  
مسکراتے ہوئے کہا۔  
”ہیں۔۔۔؟“ ردا نے بوکھلا کر کہا۔

”ہاں۔۔۔ میں اب یہ ڈیزائن نہیں چھوڑنا  
چاہتی ورنہ خراب ہو جائے گا۔“ رشنا جلدی سے بولی  
تو ردا نے گہری سانس لے کر موبائل کان سے لگایا۔  
”ہیلو۔۔۔ ک۔۔۔ کون۔۔۔؟“ ردا نے رک  
رک کر بولی۔

”میں تو قیر ہوں۔۔۔ ارے، کیا آپ ردا ہیں تو  
پلیز فون بند مت کیجیے گا۔ آج میں آپ کو بہت  
شدت سے یاد کر رہا تھا اور خدا نے میرے دل کی سن  
لی اور آپ سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔“ تو قیر  
جلدی سے بولا تو ردا گھبرا گئی۔

”جی۔۔۔۔۔“ ردا نے گھبرا کر رشنا کی طرف دیکھ  
کر بے مشکل تھوک نگتے ہوئے کہا۔  
”آپ کو ایجنٹ بہت مبارک ہو۔“ تو قیر نے  
گہری سانس لے کر کہا۔ ”کیا آپ خوش ہیں؟“  
تو قیر نے افسردگی سے پوچھا۔  
”جی۔۔۔۔۔“ ردا گھبرا کر بولی۔

”اللہ آپ کو ہمیشہ بہت خوش رکھے۔ آپ  
میرے نصیب میں نہیں تھیں، اس لیے نہیں ملیں مگر دعا  
کیجیے کہ جو آپ کے نصیب میں ہے وہ آپ کو اتنی  
خوشیاں دے کہ آپ کا نصیب بھی چمکنے لگے اور  
زندگی بھی۔“ تو قیر نے آہ بھر کر غم آنکھوں کے ساتھ  
کہا تو ردا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

”لیکن میں نے اپنے آپ سے عہد کر لیا ہے  
کہ میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گا۔“ تو قیر سسکی  
بھر کر بولا۔  
”دک۔۔۔۔۔ ک۔۔۔۔۔ کیوں۔۔۔۔۔؟“ ردا نے بری  
طرح گھبرا کر پوچھا۔

”محبت آپ سے اور شادی کسی اور سے۔۔۔  
یہ آپ سے وفا تو نہیں ہوئی ناں۔۔۔؟“ تو قیر زخمی  
مسکراہٹ سے بولا تو ردا کے منہ سے ایک دم ہلکی سی  
جھنجھکی نکلی۔۔۔۔۔ اور وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر واش روم کی طرف  
بھاگی اور دروازہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے  
لگی تو رشنا پریشان سی اس کے پیچھے بھاگی۔

”ردا۔۔۔۔۔ ردا کیا بات ہے۔۔۔؟ دروازہ  
کھولو؟“ رشنا نے دروازہ بجاتے ہوئے کہا۔  
ردا تین کے سامنے کھڑی ہو کر رونے لگی اور  
اپنے ہاتھوں سے مہندی مل مل کر دھوئے لگی۔

”میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گا، محبت آپ  
سے اور شادی کسی اور سے۔۔۔۔۔ یہ آپ سے وفا تو  
نہیں ہوئی ناں۔۔۔۔۔؟“ ردا کے کانوں میں تو قیر کے  
الفاظ گونجنے لگے اور وہ سسکیاں بھرنے لگی۔  
”مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے، میں نے کیا

گناہ کیا ہے؟“ ردا سکتے ہوئے خود کلامی کر رہی تھی۔  
”وہ شادی نہ کر کے مجھے سزا دینا چاہ رہا ہے۔۔۔  
بلنداً تو نے مجھے کس اذیت میں ڈال دیا ہے۔“ ردا  
محبت کی طرف دیکھ کر بڑبڑائی۔

”اذیت میں تو وہ بھی ہے جو ساری زندگی کے  
لیے شیاس لے رہا ہے۔“ ردا کے اندر سے آواز آئی  
تو وہ ہونٹ سمیٹ کر سسکی بھرنے لگی۔ دروازہ بجنے کی  
آواز پر ردا نے گھبرا کر زور زور سے اپنے چہرے پر  
پانی کے چھینٹے مارنے شروع کیے۔

رشنا پریشان واش روم کا دروازہ بجا رہی تھی کہ  
فہام ایک فائل پکڑے کمرے میں آیا۔  
”ردا کہاں ہے اور آپ دروازہ کیوں بجا رہی  
ہیں؟“ فہام نے رشنا کو دروازہ بجاتے دیکھ کر  
پریشانی سے پوچھا۔

”ردا روٹی ہوئی واش روم میں گئی تھی، کافی  
دیر ہو گئی ہے دروازہ نہیں کھول رہی۔“ رشنا پریشانی  
سے بولی۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟“ فہام نے پریشانی سے پوچھا۔  
”معلوم نہیں۔۔۔۔۔؟“ رشنا نے کہا تو فہام گھبرا  
کر زور زور سے دروازہ بجاتے لگا۔

”ردا۔۔۔۔۔ ردا۔۔۔۔۔ دروازہ کھولو، نہیں تو میں  
دروازہ توڑ دوں گا۔“ فہام نے کہا تو ردا بھائی کی  
آواز سن کر گھبرا گئی اور اس نے جلدی سے چہرے پر  
پانی کے چھینٹے مار کر دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھیں  
رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔ میری جان۔۔۔۔۔ تم کیوں رو رہی  
تھیں؟“ فہام نے تندرے پریشان ہو کر پوچھا۔  
”دک۔۔۔۔۔ کچھ نہیں۔“ ردا نے سسکی بھر کر لٹی  
میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”سمجھ گیا۔۔۔۔۔ ہم سے جدائی کا دکھ ہے، دل تو  
ہمارے بھی تڑپ رہے ہیں مگر۔۔۔۔۔“ فہام نے آبدیدہ  
ہو کر کہا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر سسکی بھرنے لگا تو

رشنا نے بہت حیرت سے دونوں کو دیکھا۔  
”ڈیڈی نے جو پراپرٹی چھوڑی ہے، اس میں  
سے تین ایکڑ زمین میں نے تمہارے نام کر دی ہے،  
یہ اس کی فائل ہے، سنجال کر رکھ لو۔ یہ تمہاری امانت  
ہے۔“ فہام نے اپنی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے  
فائل اسے دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں فہام بھائی، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“ ردا  
نے جذباتی ہو کر اس کے ساتھ گلے لگ کر پھوٹ  
پھوٹ کر رونے ہوئے کہا۔

”میری جان یہ تمہارا حق ہے، میں اپنے پاس  
سے کچھ نہیں دے رہا۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”اسے اپنے پاس رکھیے۔“ ردا نے کہا۔

”ٹھیک ہے، فی الحال رکھتا ہوں مگر بعد میں  
ضرور لے جانا۔۔۔۔۔ اور میری چندا خوش خوش پیا کھر  
جاؤ، یوں رو کر نہیں۔۔۔۔۔“ فہام نے اس کے سر کو  
چومتے ہوئے محبت سے کہا تو ردا پھر رونے لگی۔

”بس۔۔۔۔۔ اب اور نہیں۔۔۔۔۔ پلیز اسے رونے  
مت دیجیے گا۔“ فہام نے آنسو صاف کرتے ہوئے  
رشنا کی طرف دیکھ کر کہا۔

”جی۔۔۔۔۔“ رشنا نے غم آنکھوں سے اثبات میں  
سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”خوش رہو۔۔۔۔۔ آبا رہو۔“ فہام نے مسکراتے  
ہوئے ردا سے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

”ردا۔۔۔۔۔ مجھے سچ بتاؤ، کس کا فون تھا، کیا  
مما کا ہی فون تھا لیکن انہوں نے تم سے ایسا کیا کہا کہ  
تم روتے ہوئے واش روم میں چلی گئیں۔“ رشنا نے  
اس کا ہاتھ پکڑ کر پریشانی سے پوچھا۔

”مجھ سے کچھ مت پوچھو؟“ ردا نے غم آنکھوں  
سے اسے دیکھ کر کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ آخر بات کیا ہے؟ ٹھیک ہے  
مما سے پوچھتی ہوں۔“ رشنا نے موبائل پکڑ کر  
نمبر ملاتے ہوئے کہا مگر ردا نے موبائل اس کے ہاتھ



”کون سی بات.....؟“ تو قیر بالکل غائب

داغی سے بات کر رہا تھا۔

”میں یہاں چند دنوں کے لیے صرف تمہاری خاطر آئی ہوں اور تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر جانا بھی نہیں چاہتی۔ تمہارے ڈیڈی کے دوست کی بیٹی مجھے بہت پسند آئی ہے، میں چاہتی ہوں کہ....“ نجمہ نے بات کرتے ہوئے کہا۔

”مما.....! پلیز اس ٹاپک پر بات مت کریں۔“ تو قیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”کیوں..... نہ کروں... کیوں ہم سب کو اذیت دے رہے ہو؟“ نجمہ نے خفگی سے کہا۔

”میں کس کو اذیت دوں گا، میں تو خود ایسی اذیت میں ہوں جس کا اندازہ آپ کو کبھی نہیں ہو سکتا۔“ تو قیر نے درشتی سے کہا۔

”جو بات سب کو اذیت دے رہی ہو تو اس کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“ نجمہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”یہ ممکن نہیں۔“ وہ فوراً بولا۔

”خدا کے لیے رحم کرو مجھ پر۔“ نجمہ نے غصے سے چلاتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ تو قیر نے گھبرا کر ماں کے ہاتھ پکڑ کر اپنی غم آنکھوں سے لگا لیے۔

”پلیز..... میری اذیت کو اور مت بڑھائیں، اس وقت میں بہت ٹوٹ رہا ہوں، کیا آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں گی؟“ تو قیر نے اداس لہجے میں کہا۔

”کیا.....؟“ انہوں نے چونک کر پوچھا۔

”آج کے بعد آپ میری شادی کا ذکر نہیں کریں گی، جب میں وہی طور پر سیٹ ہو جاؤں گا خود آپ کو بتا دوں گا۔۔۔ ابھی میں بہت اپ سیٹ ہوں... پلیز، ممما..... بس میرے لیے دعا کریں۔“

تو قیر نے التجائیہ انداز میں کہا تو بیٹی کی اس کیفیت پر وہ کڑھ کر رہ گئیں۔

سے جھین لیا۔

”تمہیں..... میری قسم..... آٹنی سے کچھ مت پوچھنا..... ورنہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، بس میں ہی جذباتی ہو گئی..... اس میں کسی کا کیا تصور.....؟“ ردائے رشنا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو یہ بات ہے۔“ رشنا نے ہاتھ کھینچ کر کہا تو ردائے اپنی آنکھوں کو صاف کرنے لگی۔

”یہ کیا..... تم نے مہندی کیوں دھو ڈالی... لاؤ اب میں دوبارہ لگاتی ہوں۔ اب تو ذرا سن نہیں بلکہ پوری لگانی پڑے گی۔“ رشنا نے چونک کر اس کے ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... مجھے نہیں لگانی.....“ ردائے آہ بھر کر کہا۔

”یہ تو شگون ہوتا ہے۔“ رشنا خفگی سے بولی۔

”مجھے کچھ نہیں کرنا.....“ ردائے سسکی بھر کر کہا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

ردائے فون پر بات ختم کر کے وہ بہت اداس ہو گیا تھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں، نجمہ قدرے چھنجلائی ہوئی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

”نہ جانے آج رشنا کہاں چلی گئی ہے، فون کرتی ہوں تو وہ آف ملتا ہے۔“ آن لائن بھی نہیں، مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔“ نجمہ خفگی سے بولیں۔

”کیا بات ہے بیٹا..... تم اتنے خاموش کیوں ہو؟“ نجمہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کچھ نہیں.....“ تو قیر نے آہستہ سے کہا۔

”خدا کے لیے مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کھاؤ، جانتے ہو تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میرا دل کتنا کٹنا ہے۔“ نجمہ اس کی طرف بغور دیکھ کر بولیں۔ ”کیوں...“

”ضد کر رہے ہو؟“ نجمہ نے افسردگی سے کہا۔

”کیسی ضد۔؟“ تو قیر نے چونک کر پوچھا۔

”میری بات نہ ماننے کی ضد.....!“



☆☆☆

روحیل مہندی کے فنکشن سے خوش خوش گھر پہنچا تھا وہ اپنے کمرے میں لیٹا روا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا پھر اس نے وقت کا اندازہ کیے بغیر روا کو فون ملا لیا۔ جواباً اس کی نیند بھری آواز کانوں میں پڑتے ہی اسے وقت کا اندازہ ہوا۔

”کیا آپ سو رہی تھیں؟“ روحیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... بس سر میں درد تھا؟“ روا نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ روحیل نے چونک کر پوچھا۔

”یونہی.....“ روا نے آہ بھر کر بولا۔

”کیا آپ خوش نہیں..... آواز سے بہت اداس لگ رہی ہیں۔“ روحیل نے حیرت سے پوچھا۔

”بس شاید تھکن ہو گئی ہے۔“ روا نے بیزاری سے کہا۔

”کیا آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں؟“ روحیل نے مصنوعی حقہ سے کہا۔

”نہیں..... نہیں تو؟“ روا گھبرا کر بولی۔

”پھر بتائیں کیا بات ہے؟“ روحیل نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”ک..... کچھ بھی تو نہیں۔“ روا نے یک دم بوکھلا کر کہا۔

”اس کا مطلب ہے، آپ مجھ پر ٹرسٹ نہیں کرتیں۔“ روحیل نے کہا۔

”میں نے کہا ناں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ روا پریشان ہو کر بولی۔

”پھر آپ کی آواز اور لہجہ اداس کیوں ہے؟“ روحیل بضد تھا۔

”کیا اس موقع پر لڑکیوں کو اداس نہیں ہونا چاہیے۔“ روا نے اسی سے سوال کر ڈالا۔

”ہیلز اپنے آپ کو سنبھالیں..... آپ

نے تو مجھے بھی پریشان کر دیا ہے، میں نے بہت اچھے موڈ میں آپ کو فون کیا تھا، ٹھیک ہے اگر آپ کا موڈ نہیں تو گڈ ٹائٹ.....“ روحیل نے حقہ سے کہا اور فون بند کر دیا..... روا بہت پریشان ہو گئی اور ہیلو، ہیلو کرتی رہ گئی۔

”کیا ہوا.....؟“ تم تو سونے لیٹ گئی تھیں؟“

رشانے واش روم سے آکر روا کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔

”روحیل کا فون تھا، ناراض ہو گیا ہے۔“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”کیوں.....؟“ رشانے چونک کر کہا۔

”اداسی کی وجہ پوچھ رہا تھا..... اب میں اسے کیا بتاتی کہ؟“ روا نے ہونٹ سکونڈ کر پریشانی سے کہا۔

”بھی تم نے puppet دیکھا ہے۔“ رشانے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ہاں.....“ روا حیرت سے بولی۔

”شادی کے بعد عورت مرد کے ہاتھوں puppet بن کر رہ جاتی ہے، اس کا کھانا،

پینا، ہنسنا، بولنا، ہر بات کا فیصلہ مرد کرتا ہے۔ عورت کی اپنی ساری فیلنگز اور ذاتی لائف ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کا سوسائڈ خوش تو وہ بھی خوش..... ہسپیڈ ناراض تو وہ بھی پریشان..... جانتی ہوناں میں کتنے قہقہے لگایا کرتی تھی مگر فراز کو میری یہ عادت سخت ناپسند تھی۔ جب تک وہ یہاں رہا میں قہقہے لگاتا ہی بھول گئی۔ جب میں کوئی اچھا ذریعہ پس پھن کر آتی اور اسے اچھا نہیں لگتا تو مجھے وہ فوراً چھینج کرنا پڑتا..... ہر ہر بات میں فراز کو فالو کرنا پڑتا۔“ رشانے اپنی ازدواجی زندگی کے تجربات شیر کر رہی تھی۔

”کیا شادی کے بعد لائف اتنی ٹف ہو جاتی ہے.....؟“ روا نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

”ضروری نہیں کہ ہر ایک کے ساتھ میرے جیسا ہو لیکن تم ذہنی طور پر تیار رہنا..... کیونکہ روحیل مجھے کافی پوزیو اور غصے والا لگتا ہے۔ اس کے



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ علامہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ یہ ایم کوئی مارل کوئی، کمپیوٹر کوئی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریجن
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریجن
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



کھیل صیب طے کھیل دل

نے عامم کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔  
 ”کیوں قہام بھائی! پارلر میں تو بہت نام لگتا ہے، میں اتنی دیر کیوں.....؟“ عامم نے چونک کر پوچھا۔  
 ”میں جو کہہ رہا ہوں، وہی کرو۔“ قہام نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو ہمیلہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔  
 ”اوکے.....“ عامم نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔  
 ”اس کا مطلب ہے کچھ گڑبڑ ہے۔“ ہمیلہ نے آنکھیں گھماتے ہوئے سوچا۔ عامم وہاں سے چلا گیا اتنے میں خدیجہ کمرے سے نکل کر آئیں۔  
 ”قہام بیٹا! عامم کہاں ہے؟ میں نے اسے ایک کام کہا تھا۔“ خدیجہ نے قہام کی طرف دیکھ کر پوچھا۔  
 ”مما..... اوہ ردا کے ساتھ پارلر جا رہا ہے۔“ ردا کو ڈرائیور کے ساتھ بیچ دیتے۔ رشنا تو ویسے بھی اس کے ساتھ ہوگی۔“  
 ”نہیں..... یہ حیدر کی انٹرکشن تھی کہ اپنی طرف سے پوری کینٹر کی جائے، کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔“ قہام نے کہا۔  
 ”کیا کوئی خطرہ ہے؟“ خدیجہ یکدم گھبرا کر بولیں۔  
 ”نہیں..... نہیں پریشان مت ہوں۔“ قہام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔  
 ”حیدر سول کپڑوں میں پولیس بھی بھیج دے گا۔“ قہام نے کہا۔  
 ”اس کا مطلب ہے، واقعی کوئی مسئلہ ہے۔“ خدیجہ نے گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ بھرتے ہوئے کہا اور انتہائی پریشان ہونے لگیں۔  
 ”ارے نہیں..... ممما! ایسی کوئی بات نہیں، پلیز آپ فکر نہ کریں۔“ اس نے ماں کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔  
 ”اللہ خیر کرے۔“ وہ پریشان ہو کر دعائیہ لہجے میں بولیں تو ہمیلہ نے آنکھیں گھما کر دونوں کو دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیلی۔ اور وہ

attitude سے گھبرانہ جانا۔ جو وہ کہے بس وہی کرتا۔“ رشنا زخمی مسکراہٹ لیوں پر سجا کے بولی۔  
 ”لیکن ہمیلہ بھائی پر تو قہام بھائی نے کبھی کچھ Impose نہیں کیا لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں رہیں۔“ ردا نے بتایا۔  
 ”پھر تو وہ بہت ہی لگی ہیں مگر ایسی عورتیں بڑی ہاشمیری ہوتی ہیں جو اپنی اچھی سسرال اور ایسے شوہر کی قدر نہیں کرتیں۔“ رشنا ایک گہری سانس لے کر بولی۔  
 ”ہاں، ان کو تو نہ جانے کس کس سے شکایتیں ہیں۔“ ردا نے کہا۔  
 ”اپنا اپنا نصیب ہوتا ہے، تم پریشان مت ہو۔“ اور ردا حیل کو سوری کا بیج کر دو۔ اس کا موڈ ٹھیک ہو جائے گا اور اب تم سو جاؤ، پہلے ہی بہت رو تگی ہو۔“ رشنا نے محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ بھرتے ہوئے کہا۔  
 ”تھیک ہو..... رشنا۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ رشنا شادی تک کے لیے اس کے پاس رکھنے آئی ہوئی تھی۔

☆☆☆

قہام لاؤنج میں کھڑا موبائل پر بات کر رہا تھا۔ عامم اس کے پاس سے گزر کر باہر جانے لگا۔  
 ”اوکے حیدر..... تھینک یو ویری ریج فار یور کنسرن..... میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔“ قہام نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔  
 ”عامم! بات سنو۔“ قہام نے موبائل آف کر کے جلدی سے عامم کو بلایا تو ہمیلہ ایک بڑی ٹرسے میں پھول لیے لاؤنج میں رکھی ڈائننگ ٹیبل کے نزدیک آئی۔  
 ”میں..... قہام بھائی!“ عامم نے قریب آ کر کہا۔  
 ”ردا کو پارلر لے کر جانا ہے۔ ڈرائیور کے ساتھ تم چلے جاؤ اور جب تک ردا پارلر میں رہے گی تم ڈرائیور کے ساتھ وہیں گاڑی میں رہو گے۔“ قہام



کر بولیں۔  
 ”آپا..... ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی لگ رہی ہے، اللہ ان کو نظر بد سے بچائے۔“ فضیلت بھی مسکراتے ہوئے بولی۔  
 ”فضیلت ایہ ان دونوں کا صدقہ ہے، صبح کسی کو دے دیتا۔“ ماں جی نے دونوں کے سر سے پیسے وار کر فضیلت کو دیتے ہوئے کہا اور سب مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆

روحیل کا کمر بہت خوب صورت انداز میں پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ ردا دلہن بنی بیڈ پر بیٹھی تھی اور روحیل اس کے سامنے بیٹھا محبت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
 ”بھی سوچا نہ تھا کہ آپ یوں اچانک میری زندگی میں شامل ہو کر میری ہم سفر بنیں گی..... لیکن آپ کو دیکھ کر اب احساس ہو رہا ہے کہ زندگی کا یہ سفر آپ کے ہمراہ بڑی خوب صورتی سے کئے گا۔“ روحیل نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا تو ردا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا محبت سے ہاتھ پکڑ کر سائڈ فیل کی دراز سے گولڈ کےنگن نکال کر ردا کو پہنائے۔

”محبت کا یہ شہ کیسا رہا؟“ روحیل نے بڑے پیار سے اس سے پوچھا۔  
 ”بہت اچھا ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا آپ بھی expect کر رہی تھیں۔“ روحیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔  
 ”میں تجھے سے زیادہ آپ کی محبت expect کرتی ہوں۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے بولی۔

”اور محبت بھی وہ جو دل سے ہو۔“ روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی الماری میں سے ایک

تہارا انتظار کر رہا ہے۔“ حاتم نے شرارتی انداز میں کہا تو سب مسکراتے لگے اور اسے اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ اسٹیج پر روحیل کے پہلو میں وہ شرمیلی لجائی بیٹھی تھی۔ تمام رسوم کے بعد بھائیوں نے بہت محبت سے اسے روتے ہوئے رخصت کیا۔ ان کی محبت دیکھ کر ہر آنکھ اشکبار تھی اور سب ردا کی قسمت پر رشک بھی کر رہے تھے۔

☆☆☆

ماں جی بے انتہا چاؤ سے اسے بیاہ کر لے گئی تھیں مگر کے دروازے پر کھڑے ہو کر تیل ڈال کر اور پیسے وار کر انہوں نے بہو کا استقبال کیا تھا اور بہت محبت سے اسے چومتے ہوئے اندر لاؤنج میں لا کر صوفے پر بٹھایا۔ لاؤنج کے درود یوار پھولوں سے سجے تھے۔ اسے صوفے پر بٹھا کر ماں جی دونوں کو مٹھائی کھلانے لگیں اور پھر اپنے پرس میں سے انگوٹھی نکال کر اسے پہنائی۔

”خدا نے تمہاری صورت میں میری بہت بڑی خواہش پوری کی ہے۔ تم میری بہو بھی ہو اور بیٹی بھی..... خدا کرے تمہارا آنا ہم سب کے لیے مبارک ہو..... بیٹا میں اور روحیل تمہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کریں گے..... لیکن اگر کہیں کوتاہی ہو جائے تو اس سے اپنا دل بردا نہ کرنا..... اپنا غصہ ظاہر کر دینا مگر مجھ سے کچھ ہرگز نہ چھپانا، میں بھی تمہاری ماں ہوں اور تم بھی مجھے اپنی ماں ہی سمجھنا۔“ ماں جی نے محبت سے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے پیار سے سمجھایا۔

”ارے ماما.....! میرا پتا تو آپ بالکل ہی... صاف کر رہی ہیں۔“ روحیل مسکراتے ہوئے بولا تو ردا مضحکہ خیز کر کے مسکراتے لگی۔

”بیٹا..... ابھی سے جیلس نہ ہو..... ویسے مہرئی بہو ہے ہی اتنی پیاری کہ تمہارا جیلس ہونا جائز ہے۔“ ماں جی مسکراتے ہوئے روحیل کی طرف دیکھ

کر دیا ہے؟“ ردا نے غم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بیٹا! اس کے بارے میں کچھ نہ کہوں تو بہتر ہے لیکن یہ یاد رکھنا..... ایسی لڑکیوں کے لیے بھی دل سے دعائیں نہیں نکلتیں اور جس انسان کی زندگی دعاؤں سے خالی رہے وہ دنیا سے کچھ لے کر نہیں جاتا اور میں چاہتی ہوں تمہارا دامن سب کی دعاؤں سے بھرا رہے۔“ خدیجہ نے سسکی بھر کر اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے تینوں بھائی کمرے میں داخل ہوئے تینوں پیٹ کوٹ میں ملبوس بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں مختلف کٹنس تھے۔

”روحیل اور تمہارے لیے میری طرف سے گاڑی.....“ فہام نے ردا کو گاڑی کی چابی دیتے ہوئے کہا۔

”یہ میری طرف سے ڈائمنڈ کا سیٹ.....“ حاتم نے مسکراتے ہوئے ردا کو سیٹ دیا..... اور عامم نے اسے گولڈ کےنگن پہنائے اور سب نے مسکرا کر اسے گلے لگایا۔

”میں کیسے آپ لوگوں کے بغیر رہ پاؤں گی؟“ ردا نے غم آنکھوں سے سب کی طرف دیکھ کر کہا اور رونے لگی۔

”تم وہاں بہت خوش رہو گی اور روحیل تمہیں روز ہم سے ملانے کے لیے بھی لائے گا تو پھر ادای کس بات کی؟“ فہام نے جلدی سے بہن کو گلے لگاتے ہوئے کہا

”کیا واقعی ایسا ہوگا؟“ ردا نے معصومیت سے پوچھا۔

”ہاں..... روحیل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے.....“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور اب تم نے بالکل نہیں رونا..... چلو ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ اسٹیج پر چلو..... تمہارا دولہا

مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔  
 ☆☆☆

ردا دلہن بنی اور زیورات سے لدی پھندی انہجائی خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ ڈریسنگ روم میں بیٹھی تھی۔ رشنا اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ خدیجہ ہلکا کامدار سوٹ پہنے اور لائٹ میک اپ کیے وہاں آئینہ اور دلہن بنی بیٹی کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے اس کی پیشانی کو چوما۔

”سدا خوش رہو اور سہاگن رہو..... خدا میرے حصے کی زندگی اور خوشیاں بھی تمہیں نصیب کرے، آمین“ خدیجہ نے دعا دیتے ہوئے کہا تو ردا کی آنکھیں غم ہونے لگیں۔

”ارے آنٹی..... اتنی محنت سے میک اپ کرایا ہے، وہ تو خراب نہ کریں۔“ رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا تو خدیجہ زبردستی مسکرا کر ردا کی طرف دیکھنے لگیں۔ رشنا کے موبائل پر فون آنے لگا اور وہ کان سے لگا کر وہاں سے چلی گئی۔

”بیٹا..... آج تم میکے سے سسرال جا رہی ہو، وہ گھر نہ تو اتنا بڑا ہے اور نہ ہی اس میں زیادہ آسائشیں ہیں مگر وہاں روحیل اور اس کی ماں کی محبت ضرور ہوگی۔ تم ان کی محبت کی قدر کرنا اور اونچے نیچے حالات میں ان کی عزت کا بھرم رکھنا۔ تم ہمیلہ جیسی بہو نہ بننا جو اپنی چالاکیوں اور مکاریوں سے ہم جیسی سیدھی سادی ماؤں کو بے بس اور مجبور کر دیتی ہیں اور ایسی مائیں، بیٹوں کا گھر سنانے کی خاطر سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہتی ہیں۔“ خدیجہ نے آہ بھر کر کہا۔

”ماما! آپ نے اس سے پہلے تو کبھی یہ باتیں نہیں بتائیں۔“ ردا نے چونک کر ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آج بتا رہی ہوں ناں؟“  
 ”کیا ہمیلہ بھابی نے آپ کو اتنا مجبور



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کے ٹیکل کیا ہے

### ہم خاص کیوں ٹیٹیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، تارمل کوالٹی، گیمبل کوالٹی
- ✧ عمران میریٹ از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook [fb.com/paksociety](https://www.facebook.com/paksociety)



یوں اداس ہو رہی ہیں۔" اس نے شکایتی لہجے میں کہا تو خدیجہ نے ایک دم ہڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا۔  
"تن..... نہیں..... ایسی بات نہیں۔" خدیجہ گھبرا کر بولیں۔  
"مما! اس طرح تو نہیں چلے گا ناں۔۔۔۔۔۔  
آپ حمیلہ کو ردا کی طرح سمجھیں۔" لہام جلدی سے بولا۔

"میں نے تو کبھی دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔"  
خدیجہ گہری سانس لے کر بولیں۔  
"تو پھر یہ اداسی اور مایوسی کی باتیں کیوں.....؟" حاتم نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
"اب ہم حاتم بھائی کی دلہن لانے کی بھی تیاری کرتے ہیں تاکہ گھر میں اور زیادہ رونق ہو جائے۔" حمیلہ جلدی سے بولی تو سب نے سیک دم چونک کر حمیلہ کو دیکھا۔  
"ارے بھی مجھے تو معاف رکھیں..... میرا دل حال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔" حاتم نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر عاصم بھائی کے بارے میں سوچ لیتے ہیں۔" حمیلہ نے مسکرا کر عاصم کی طرف دیکھ کر کہا۔  
"بھائی..... یہ آج آپ کو کیا سوچ رہی ہے۔" عاصم نے حیرت سے پوچھا۔  
"بھئی میں تم لوگوں کی بڑی بھائی ہوں، اب میں نے ہی تم لوگوں کے بارے میں سوچنا ہے، کیوں لہام؟" حمیلہ نے مسکراتے ہوئے لہام سے پوچھا۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں، بھئی تمہیں پورا اختیار ہے کہ ان کے بارے میں کچھ سوچو....." لہام نے جلدی سے کہا تو خدیجہ اس کی طرف دیکھنے لگیں اور حمیلہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

(باقی آئندہ)

گفت پیک کمال کر اس کے پاس آیا۔  
"اے کھولے....." روجیل نے محبت سے اسے دیتے ہوئے کہا۔ ردا نے اسے آہستہ آہستہ کھولا تو اس میں سے ایک ڈیکوریشن ٹیس نکلا۔ جس میں کرشل کا ہارٹ تھا۔ ردا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"یہ ہارٹ میں آپ کو اپنے دل کے تمام نازک جذبات اور شدید محبت کے ساتھ سوپ رہا ہوں۔ میرے پاس میرے دل سے بڑھ کر قیمتی شے اور کوئی نہیں اور میں وہی آپ کو دے رہا ہوں۔" روجیل نے مسکراتے ہوئے اسے وہ ہارٹ دیتے ہوئے کہا۔

"اور میں آپ کے اس دل کو اپنے دل میں سنبھال کر رکھوں گی۔" ردا نے مسکرا کر محبت سے ڈیکوریشن ٹیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ روجیل مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور ردا بھی مسکراتے لگی۔

☆☆☆

سب لوگ بہت اداس لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ خدیجہ کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔

"مما! آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ ردا ہا عزت اور بخیریت اس گھر سے رخصت ہوئی ہے۔" لہام نے ماں کے کندھے پر اپنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔  
"لیکن میرے گھر کو تو وہ بہت اداس کر گئی ہے۔" خدیجہ نے سسکی بھر کر کہا۔

"لیکن ممما! آپ کی ایک بیٹی گئی ہے، دوسری بیٹی تو آپ کے پاس ہی ہے ناں۔"  
"حمیلہ..... ممما کو ردا کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دیتا۔" لہام نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے حمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"خالہ جان کو تو میں نے ہمیشہ اپنی ماما ہی سمجھا ہے۔" حمیلہ نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔  
"شاید خالہ جان مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھتیں جو





ناولٹ

# کہیں ویں چلے کہیں دل

قیصر حیات

آٹھواں حصہ



ماں جی، بیٹا، بہو کے ساتھ ڈانٹنگ ٹیبل پر  
ناشتا کرنے میں مصروف تھیں۔ ماں جی بہت محبت  
سے ردا کی طرف دیکھ رہی تھیں اور چیزیں اٹھا اٹھا کر  
اس کے آگے کر رہی تھیں۔  
”بہو کی خوشی میں ماں جی نے مجھے بھد دیا  
ہے، ایک بار بھی کچھ نہیں پوچھ رہیں۔“ روہی نے  
مسکرا کر ردا کی طرف دیکھ کر شکایتی لہجے میں کہا۔  
”ہاں..... بیٹا یہ تو ہے، اپنی، اپنی اہمیت کی



بات ہوتی ہے اور میری بہو اب میرے لیے تم سے بھی زیادہ اہم ہے۔" ماں جی نے مسکرا کر جواب دیا۔  
 "ماں جی.....!" روحیل نے مصنوعی غفلت سے کہا تو تینوں مسکرانے لگے۔

"بیٹا..... ابھی تم دونوں ردا کی مہمانی کے گھر چلے جاؤ، ویسے کے بعد یہ بھی ایک رسم ہوتی ہے اور میں نے ردا کی مہمانی سے وعدہ کیا تھا کہ صبح تم دونوں کو بھیج دوں گی۔" ماں جی نے روحیل کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 "نہیں..... مہمانی..... مجھے یوں جانا پسند نہیں۔" روحیل نے غفلت سے منہ بنا کر کہا۔

"بیٹا..... ان کی خوشی کی خاطر تم آج چلے جاؤ اور گل میں، فضیلت اور عبید کے ساتھ تمہیں لینے آ جاؤں گی۔" ماں جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔  
 "تو کیا مجھے رہنا بھی پڑے گا اور آپ گھر میں اکیلی.....؟ نہیں، نہیں..... میں نہیں جاؤں گا، یہ کہاں ہوتا ہے ماں جی؟" روحیل نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"فضیلت میرے پاس ہی ہوگی..... اور تمہیں ہر حال میں جانا ہوگا۔ یہ میرا حکم ہے۔" ماں جی نے ٹھوس لہجے میں کہا تو ردا خاموشی سے دونوں کی باتیں سنتی رہی۔

"اگر نہ گیا تو.....؟" روحیل نے منہ بنا کر کہا۔  
 "پھر میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی۔" ماں جی نے سخت لہجے میں کہا۔

"افوہ..... ماں جی۔" روحیل نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"بیٹا! ان رسوں میں بھی محبت ہوتی ہے، تم جاؤ اور دیکھنا وہاں تم کتنا انجوائے کرو گے۔" ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا تو روحیل بھوس چڑھانے لگا۔  
 ماں جی اور ردا اسے دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

بنی داماد کے آنے سے وہ سب گھر والے بہت

خوش تھے۔ سب لوگ کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ ردا نے فینسی سوٹ کے ساتھ جیولری پہن رکھی تھی اور ہلکے میک اپ میں بھی وہ بڑی خوب صورت لگ رہی تھی۔ سب لوگ کھانا کھاتے ہوئے ایک دوسرے سے مذاق کر رہے تھے۔ روحیل نے بار بار مسکراتے ہوئے ردا کو دیکھا تو حمیلہ معنی خیز انداز میں آنکھیں گھما کر انہیں دیکھنے لگی اور اس کے چہرے پر غفلت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

"میرے ساتھ تو بہت برا ہوا ہے۔ ردا میرے گھر گیا گئی ہے، میری ماں جی نے تو مجھے بھلا ہی دیا ہے۔ انہیں تو یاد بھی نہیں کہ ان کا کوئی بیٹا بھی ہے۔ بس ہر وقت بہو یاد رہتی ہے۔" روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا تو ردا مسکرانے لگی۔

"ردا خوش قسمت ہے مجھے آپ کی ماں جی جیسی ساس ملی ہیں۔" خدیجہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو حمیلہ نے چونک کر سب کو دیکھا۔

"ہم نے ہمیشہ ردا کو ایک سوئٹ ڈول کی طرح ٹریٹ کیا ہے اور میری بہن نے بھی کبھی ہمیں مایوس نہیں کیا..... اس جیسی پیاری بہن شاید ہی دنیا میں کوئی ہو۔" فہام نے مسکراتے ہوئے روحیل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور اس کا پلس پوائنٹ یہ ہے کہ اس نے ہماری محبت کو کبھی ایکسپلائٹ نہیں کیا۔ she is very humble and down to earth" عاصم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے، ارے یہ کیا آپ سب میری اتنی تعریفیں کیوں کر رہے ہیں۔" ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری گڑیا ہے ہی تعریف کے قابل۔" فہام نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب مسکراتے لگے۔

"حمیلہ..... اچھا سا قبوہ تو پلاؤ، ہم لوگ ہر لان میں بیٹھتے ہیں۔ آؤ بھی روحیل؟" فہم نے

حمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا پھر روحیل سے بولا۔  
 "ہاں بھائی آپ لوگ چلیں میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔" روحیل بولا۔ جب وہ واش روم سے باہر نکلا تو حمیلہ قبوے کی ٹرے پکڑے باہر ہی جا رہی تھی۔  
 "آپ لوگ لگی ہیں، جنہیں ردا ملی ورنہ ہماری ردا کے پروپوزلز بھی بہت تھے اور چاہئے والے بھی بہت! معنی خیز انداز میں حمیلہ نے اس سے کہا تو روحیل چونک پڑا۔

"کیا مطلب.....؟" روحیل نے ایک دم مڑ کر حمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا تو اسی وقت ردا مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔

"ارے، آپ کہاں رہ گئے بھائی بلا رہے ہیں۔" ردا نے مسکراتے ہوئے روحیل کی طرف دیکھ کر کہا تو حمیلہ معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

روحیل نے چونک کر ردا کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ روحیل لان کی طرف چلا گیا تو ردا بھی پیچھے پیچھے چلی گئی۔  
 سب لوگ لان میں بیٹھے کافی دیر باتیں کرتے رہے اور قبوہ پیتے رہے مگر روحیل ڈراچپ چپ رہا۔

☆☆☆

کافی دیر بعد وہ لوگ اندر آئے، روحیل سلیپنگ ڈریس پہن کر واش روم سے باہر نکلا۔ ردا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اسٹول پر بیٹھی جیولری اتار کر اپنا میک اپ صاف کر رہی تھی..... روحیل کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ آکر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ ردا نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں سے اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے، آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں، کھانا کھانے کے دوران تو آپ اچھے موڈ میں تھے اور اب.....؟" ردا نے سب کچھ چھوڑ کر اس کے

کھنکھن دھب حلے کھنکھن دل

قریب آ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔  
 "کچھ نہیں..... بس یونہی....." روحیل نے گہری سانس لے کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "یونہی..... کیا مطلب.....؟" ردا نے چونک کر پوچھا۔

"سب لوگ تم سے کتنی محبت کرتے ہیں، سوچتا ہوں..... میں تم سے اتنی محبت کر پاؤں گا یا نہیں۔" روحیل نے اپنی شرٹ کے بازو فولڈ کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی.....؟ آپ اپنی محبت کا comparison کسی اور سے مت کریں۔" میرے لیے آپ کی محبت اور دل جیسی نہیں۔" ردا نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب.....؟" روحیل نے چونک کر پوچھا۔  
 "آپ کی محبت سب سے ڈفرنٹ اور منفرد ہے۔" ردا مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا مجھ جیسی محبت..... زندگی میں آپ سے کسی اور نے کی ہے؟" روحیل معنی خیز انداز میں پوچھنے لگا۔

"کیا مطلب.....؟" ردا نے ایک دم چونک کر پوچھا۔

"آئی مین کہ سب لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں، یہاں تک کہ اجنبی لوگ بھی..... اب ممانے بھی تو آپ کو پہلی ملاقات میں پسند کر لیا۔ آئی مین..... میرے علاوہ شاید کوئی اور بھی آپ کی زندگی میں آیا ہوگا۔" روحیل نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ردا نے ایک دم بوکھلا کر حیرت سے کہا۔

"بائس نیچرل..... ہر لڑکی کی زندگی میں شادی سے پہلے کوئی نہ کوئی مرد ضرور ہوتا ہے۔ جسے وہ پسند کرتی ہے۔" روحیل نے اس کی طرف بخور دیکھ کر کہا۔

"نہیں..... میری زندگی میں آنے والے پہلے



مرد صرف آپ ہیں اگر میں کسی کو پسند کرتی تو اس سے ضرور شادی کرتی کیونکہ میرے بھائیوں اور ماما نے کبھی..... مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔“ روائے کہا۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ روحیل نے چونک کر اسے دیکھا اور گہری سانس لی۔

”لیکن..... آپ کے ذہن میں یہ سب کیوں آیا؟“ روائے قدرے روہانسی ہو کر پوچھا۔

”یونہی..... آپ کے گرد اتنی زیادہ محبتوں کو دیکھ کر ویسے اگر آپ نے مانڈ کیا ہے تو سوری۔“ روحیل نے ایک دم موڈ بدل کر مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ روائے مسکرا کر کہا۔

☆☆☆

فضیلت لاؤنج میں موجود بکھری چیزوں کو سمیٹ رہی تھی۔ ٹیبل پر پڑا ماں جی کا موبائل بجنے لگا۔

”آیا! روحیل کا فون آرہا ہے۔“ فضیلت نے ماں جی کو آواز دیتے ہوئے کہا تو ماں جی جلدی سے لاؤنج میں آئیں۔

”روحیل بیٹا! خیریت تو ہے۔“ ماں جی نے موبائل کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

”ماں جی میں بہت بور ہو رہا ہوں۔ آپ کب ہمیں لینے آئیں گی؟“ روحیل نے منہ بنا کر جھنجھلا تے ہوئے پوچھا۔

”کیوں بور ہو رہے ہو..... بیٹا ہم لوگ شام کو آئیں گے۔“ ماں جی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”کیا..... شام کو.....؟ نہیں، نہیں آپ ابھی آئیں۔ میں بہت بور ہو رہا ہوں، ورنہ میں خود آ جاتا ہوں۔“ روحیل نے خفگی سے کہا۔

”خبردار جو تم آئے..... کیا ایک دن بھی تم اپنی سسرال میں نہیں رہ سکتے۔ ردا کہاں ہے اس کے ساتھ

باتیں کرو۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”وہ اپنی ماما کے ساتھ بڑی ہے۔“ روحیل نے بتایا۔

”تو اس کے بھائیوں کے ساتھ کپ شپ کرلو، وہ لوگ کیا کہیں گے۔ عجیب بد تہذیب داماد ہے۔ بیٹا جہاں جاتے ہیں، وہاں کے طور طریقوں کے مطابق ٹائم گزارتے ہیں۔“ ماں جی اسے محبت سے سمجھانے لگیں۔

☆☆☆

کول، یعنی کو بار بار فون کر رہی تھی مگر یعنی جان بوجھ کر اس کی کال نہیں اٹینڈ کر رہی تھی۔ اس نے کئی بار یعنی کو فون کیا، رسپانس نہ ملنے پر اس نے حسد کو فون کیا۔

”حسد ڈیر! کیسی ہو یا.....؟ میں یعنی کو اتنی بار کال کر رہی ہوں مگر وہ میری کال نہیں لے رہی.....“ کول نے اس سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ بڑی ہوگی.....“ حسد نے آہستہ آواز میں بہانہ بتاتے ہوئے کہا۔

”راکٹ کے ساتھ..... یا یہ راکٹ بھی کیا چیز ہے..... یعنی جیسی sensible لڑکی کا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔“ کول نے ہنستے ہوئے کہا۔

”محبت بھی ایسے ہی پاگل کر کے رکھ دیتی ہے۔ کول..... کیا تمہیں کسی سے کبھی محبت نہیں ہوئی؟“ حسد نے جان بوجھ کر اسے کریدنا چاہا۔

”یار..... میں تو باز آئی اس اسٹوڈنٹ ایکٹیویٹی سے..... پہلے اسٹڈینٹ کمیٹی کروں گی پھر سوچوں گی محبت کے بارے میں..... اگر ٹائم ملا تو۔“ کول نے ہنستے ہوئے کہا تو حسد کے چہرے پر حیرت کے تاثرات نمودار ہوئے۔

”آؤر تمہیں کیسا لگتا ہے؟“ اچانک حسد نے سوال کیا۔

”کون..... راکٹ.....؟ ایک دم اسٹوڈنٹ یار..... اب پلیز یہ مت کہنا کہ کول کیا تم اس سے محبت کرتی ہو..... انیور..... ایور..... یا مجھے اس نے

کبھی ہلک نہیں کیا اور ویسے بھی وہ یعنی کے ساتھ کھینچ ہے مجھے کیا ضرورت ہے دونوں کے درمیان آنے کی۔“ کول اپنی ہی لے میں قدم رے بے پروائی سے بولی تو حسد چونکی گویا اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا ہو۔

”اپنی دین..... میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ میں آج رات پشاور جا رہی ہوں۔ ڈیڈی کی پوسٹنگ آگئی ہے اور انہیں وہاں فوراً چارج لینا ہے ویسے بھی کل سے کالج میں بھی چھٹیاں ہو رہی ہیں تو ماما نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا ہے۔ آئی ایم ناٹ شیور ایگزامز کہاں سے دوں گی..... لیکن ہم سب جا رہے ہیں، یعنی کو میرا سلام دینا..... اس دن اس کا موڈ کچھ آف لگ رہا تھا۔ یا..... اسے کلیئر کرنا..... آئی ایم ویری فیئر پرسن..... اوکے فیک کیئر.....“ کول نے مسکراتے ہوئے فون بند کیا تو حسد سوچ میں پڑ گئی۔

”کول جھوٹ نہیں بولتی۔“ وہ بہت تھوڑے ٹائم کے لیے ان کے پاس آگئی تھی مگر اس نے اپنی اچھی باتوں اور عادتوں سے سب کے دل موہ لیے تھے۔ تمام کلاس فیلوز اور فیچرز بھی اسے پسند کرتے تھے۔ وہ لائق اسٹوڈنٹ ہونے کے علاوہ بہت خوش مزاج بھی تھی۔

”کول نے کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ وہ یعنی کو ڈانچ نہیں کر سکتی اور آؤر کے ساتھ بھی کبھی اسے اتنا فریج ہوتے نہیں دیکھا پھر آؤر نے کیوں کول کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی۔“ حسد کا دماغ سوچ سوچ کر تھک گیا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے کام کرتے، پڑھتے ہوئے اس کا ذہن انہی باتوں میں الجھا رہتا..... اور وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

☆☆☆

کول کا تعلق انتہائی بااثر فیملی سے تھا۔ اس کے

کھیل حسب طے کھیل دل

قاور آرمی میں جنرل تھے ایک چھاؤنی آئی جی پولیس اور ایک فیسٹر جبکہ ایک ماموں بھی سول سرونٹ تھے۔ اس کے سب کزنز ایجوکیٹڈ اور انتہائی اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے نانا کی اپنی فیکٹری تھی..... اور وہ شہر کے کامیاب بزنس مین سمجھے جاتے تھے۔ کلاس کے اکثر اسٹوڈنٹس اس کے بیک گراؤنڈ سے متاثر تھے اور اس کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں بہت باتیں ہوتی رہتی تھیں مگر کول کو اس بات کا ذرا سا احساس برتری نہ تھا۔ وہ بہت نارمل رہتی اور ہر ایک سے اچھی طرح بات چیت کرتی۔ ان کا کالج شہر کا مہنگا ترین کالج تھا۔ اس لیے اس میں پڑھنے والے نسب اسٹوڈنٹس زیادہ تر اچھی فیملیز سے آتے تھے۔

حسد کو اس کے جانے کا بہت افسوس ہو رہا تھا مگر اس سے زیادہ یہ افسوس تھا کہ آؤر نے اس پر الزام لگایا تھا اور کول اس الزام سے بالکل بے خبر تھی..... اور جاتے ہوئے یعنی نے بھی اس سے بات نہیں کی تھی۔

☆☆☆

کالج میں اینول ایگزامز سے پہلے اسٹوڈنٹس کو پریپ لیو دے دی گئی تھی اور سب پڑھائی کرنے میں مصروف تھے۔ اس لیے ایک دوسرے سے ملاقات بھی کم ہو رہی تھی..... حسد کو کچھ نوٹس کی ضرورت تھی تو وہ یعنی کے گھر آئی۔ وہ کچھ بھیج بھیجی تھی اور آنکھوں میں شکوہ بھی تھا۔ وہ نوٹس لے کر جانے لگی تو یعنی اس کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

”تم کچھ خفا خفا ہی لگ رہی ہو، کیا بات ہے، طبیعت خراب ہے یا مجھ سے ناراض ہو۔؟“ یعنی نے جان بوجھ کر پوچھا۔

”تم سے ناراض ہوں۔“ حسد نے صاف گوئی سے بتایا۔

”کیوں.....؟“ یعنی نے چونک کر پوچھا۔

”تم نے کول کے ساتھ اچھا نہیں کیا..... وہ

سہ ماہہ پاکیزہ 61 مئی 2013



اب ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلی گئی ہے اور جانے سے پہلے وہ تمہیں فون کرتی رہی، تم نے اس کی کال ہی نہیں لی۔“ حسہ نے نفی سے جواب دیا۔

”میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے مجھے ڈانچ کیا۔“ یعنی غصے سے بولی۔

”یہ جھوٹ ہے، اس نے جاتے ہوئے بھی صاف گوئی سے مجھے بتایا کہ اس کا آزر کے ساتھ کوئی افیر نہیں تھا۔“ حسہ نے بتایا۔

”کیا تم نے اسے ساری بات بتادی۔ جو آزر نے مجھے بتائی تھی؟“ یعنی نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ میں نے indirectly پوچھا تھا مگر اس نے صاف انکار کر دیا اور میرا خیال ہے کوئل ٹھیک کہتی ہے۔“ حسہ نے حتیٰ لہجے میں کہا۔

”تمہارا خیال ہے آزر نے جھوٹ بولا؟“ یعنی نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ حسہ نے قطعیّت سے جواب دیا۔

”آزر مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔۔۔ میں اس پر اپنے آپ سے بھی زیادہ ٹرسٹ کرتی ہوں۔“

یعنی نے محبت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

”تم اس کی محبت میں اندھی ہو رہی ہو۔ یعنی اپنی آنکھیں کھولو آزر اتنا reliable بھی نہیں۔ کیا تم وہ دن بھول چکی ہو جب آزر تم سے misbehave کرتا تھا۔“ حسہ نے اسے یاد دلایا۔

”اور وہ اس کے لیے مجھ سے کئی بار معافی بھی مانگ چکا ہے۔“ یعنی نے کہا۔

”تم آزر پر ٹرسٹ کر سکتی ہو۔۔۔ میں نہیں۔“ حسہ نے جواب دیا۔

”اس لیے کہ تم کوئل پر زیادہ ٹرسٹ کرتی ہو۔“ یعنی نے کہا۔

”ہاں اور کیا۔۔۔“ حسہ نے جواب دیا۔

”اگر میں تمہاری بات پر یقین کر بھی لوں تو ایک

لحے کے لیے یہ سوچو کہ آزر کو کوئل پر اتنا بڑا الزام لگانے کی کیا ضرورت تھی؟“ یعنی نے پوچھا۔

”اب اس بات کی حقیقت کیا ہے اور آزر ایسا کیوں کر رہا ہے۔ میں نہیں جانتی مگر یہی اس نے ہم فرینڈز میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اگر آج

اس نے کوئل کے ساتھ کیا ہے کل کو وہ تمہارے ساتھ اور میرے ساتھ بھی ایسا کچھ کر سکتا ہے۔ کیا تم اس کی

محبت میں مجھے بھی چھوڑ دو گی۔۔۔؟“ آنکھیں کھولو۔۔۔

اور اس پر اتنا زیادہ ٹرسٹ مت کرو، مجھے تو آزر پر شدید غصہ آ رہا ہے۔“ وہ غصے سے دانت کچکا کر بولی

تو یعنی کو ایک دم اپنا خواب یاد آ گیا۔

”آزر۔۔۔ حسہ۔۔۔ اور وہ۔۔۔“ وہ حسہ کی طرف بغور دیکھنے لگی جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

”اب میں چلتی ہوں لیکن پھر بھی تمہیں کہوں گی کہ آزر پر اتنا اعتبار مت کرو۔۔۔“ حسہ نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ یعنی اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

”جمال احمد، رشتہ بہت اچھا ہے۔ خاندانی لوگ آج کل کہاں ملتے ہیں اور ہم کئی پشتوں سے

انہیں جانتے ہیں۔ کیا تم نے یعنی کو سمجھایا نہیں؟“ اماں جی نے بیٹے کی طرف بغور

دیکھتے ہوئے پوچھا جو اس روز خود گاؤں چلے گئے تھے کہ اماں جی سے مل کر انہیں منع کر دیں گے۔

”نہیں۔۔۔ میں نے یعنی سے اس سلسلے میں بات ہی نہیں کی۔“ انہوں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو۔ پہلے یعنی سے بات کیے بغیر رشتے کی بات نہیں چلائی اور اب اس سے بات کیے بغیر ہی رشتے کے لیے منع کر رہے ہو۔ آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے؟“ اماں جی نے نفی سے پوچھا۔

”اماں جی، شاید وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ میں نے اسے باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ ایسے میں

اس سے بات کرنا فضول ہے۔“ جمال احمد نے صاف گوئی سے بتایا تو اماں جی نے چونک کر ان کی

طرف دیکھا۔

”کیا یہی کسی اور کو پسند کرتی ہے؟“ اماں جی حیرت سے بڑبڑائیں۔

”ہاں اور اس صورت حال میں لڑکی کے سامنے کسی بادشاہ کا بھی رشتہ رکھا جائے تو وہ کبھی نہیں

کرے گی کیونکہ اس کے دل میں تو کوئی اور ہے اور میں یعنی پر کسی قسم کی زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔ یہ زندگی

اس کی ہے اور اس کو کیسے گزارنا ہے یہ بھی اس کا ہی فیصلہ ہونا چاہیے۔“ جمال احمد نے کہا۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ بچے اتنے سمجھدار کب سے ہونے لگے کہ جو فیصلے کریں گے وہ ٹھیک

ہوں گے۔ بیٹا بچے جذباتی ہوتے ہیں۔ ان کے پاس والدین کا تجربہ نہیں ہوتا۔ تم بہت بڑی غلطی

کر رہے ہو جو یعنی پر اتنا اعتبار کر کے اسے کھلی چھٹی دے رہے ہو۔“ اماں جی خفگی سے بولیں۔

”اماں جی، یعنی بہت سمجھدار ہے۔ وہ کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کرے گی۔“ جمال احمد نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”محبت بہت امدھی ہوتی ہے، بڑے بڑوں کی عقلمندی پر دوسے ڈال دیتی ہے اور تم اتنا اس پر

اعتبار مت کرو۔ وہ ابھی بچی ہے اور اسے بچی ہی سمجھو۔“ اماں جی نے جمال احمد کو سمجھایا تو وہ خاموش

ہو گئے اور گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

”بیٹا میں تو کہتی ہوں کہ تم ایک بار اس لڑکے سے ملاقات کرو جسے وہ چاہتی ہے، اس کا خاندان

کیسا ہے اور وہ خود کیسا ہے پھر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرو۔ آج کل کے لڑکے لڑکیوں کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ محبت کسی سے کرتے ہیں اور شادی کسی اور سے یہ نہ ہو کہ وہ ہماری بچی کا بھی وقت بردہ کر رہا ہو۔“ اماں جی نے انہیں سمجھایا۔

کھنکھن دھب طے کھنکھن دل

”ٹھیک ہے، میں اس سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ جمال احمد نے جواب دیا۔

”اور میں بھی ابھی اس رشتے سے انکار نہیں کرتی۔ تمہارے جواب کے بعد پھر میں انہیں کوئی

جواب دوں گی۔“ اماں جی نے کہا تو جمال احمد خاموش ہو گئے۔

☆☆☆

یعنی نے ایگزامز کی تیاری کرنے کے لیے آزر سے بات چیت کافی کم کر دی تھی۔ رات بھر وہ زیادہ

تراپنی اسٹڈیز میں بڑی رہتی۔ آزر کو یوں لگتا تھا جیسے یعنی اس سے ناراض ہو گئی ہو۔ وہ جب بھی اس سے

بات کرتا تو یعنی ادھر ادھر کی سرسری سے باتیں کر کے ختم کر دیتی اور آزر کو بہت نفیسی محسوس ہوتی۔ اسے

ند جانے کیوں یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ یعنی اس سے دور جا رہی ہے۔ یعنی کے اس رویے کی وجہ سے وہ

قدرے aggressive ہونے لگا تھا۔ اسے یہ شک سا ہونے لگا کہ کوئل کی وجہ سے یعنی اس پر اعتبار

نہیں کر رہی اگرچہ یعنی نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ صرف اسے کوئل کے جاتے کے بارے میں بتایا تھا اور وہ خاموش ہو گیا تھا۔

رات گہری ہو رہی تھی اور آزر کا پڑھنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹا یعنی کے بارے میں

مسئل سوچ رہا تھا۔ ایک دم ایک ابا ل سا اٹھا اور اس نے یعنی کا نمبر ملا یا۔ وہ پڑھنے میں مصروف تھی۔

”کیا کر رہی ہو؟“ میں تمہیں کتنا مس کر رہا ہوں۔ تمہیں شاید اس کا اندازہ نہیں۔“ آزر نے

قدرے جذباتی ہو کر کہا۔

”آزر پلیز ایگزامز ہونے والے ہیں مجھے اسٹڈی کرنے دو۔“ یعنی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”ایگزامز، ایگزامز۔۔۔ تم نے کیا پڑھائی کو سر پر سوار کر لیا ہے۔ زندگی میں اسٹڈی ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔“ آزر نے نفی سے کہا۔



”لیکن میرے لیے یہ سب کچھ ہے۔“ یعنی نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

”میں آبرو کو رہا ہوں تمہارا رویہ کچھ بدل رہا ہے۔“ آزر نے کریدنا چاہا۔

”نہیں یا ایسی کوئی بات نہیں۔ ایگزامز کے بعد میں تم سے بات کروں گی۔“ یعنی نے کہا۔

”نہیں، مجھے آج اور ابھی تم سے باتیں کرنی ہیں۔ بہت زیادہ باتیں۔“ آزر ضد کرنے لگا۔

”آزر پلیز آج نہیں۔ مجھے ٹیوشن مکمل کرنے ہیں۔“ یعنی نے کہا۔

”نہیں۔۔۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو آج میں کوئی انکار نہیں سنوں گا۔“ آزر نے اتنے ٹھوس لہجے میں کہا تو یعنی خاموش ہو گئی۔

”اوکے، کیا کہنا چاہتے ہو؟“ یعنی نے کچھ سوچتے ہوئے گہری سانس لے کر پوچھا۔

”مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہو اور شاید اسی لیے مجھے avoid بھی کر رہی ہو؟“ آزر نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔“ یعنی نے جواب دیا۔

”یعنی مجھے صاف، صاف بتاؤ۔ مجھ نے تمہیں میرے بارے میں کیا کہا ہے؟“ آزر نے کہا۔

”مجھ نے۔۔۔؟“ یعنی نے چونک کر انہجائی حیرت سے پوچھا۔

”لیس آف کورس۔ مجھ تمہاری بیسٹ فرینڈ ہے اور تم دونوں ضرور میرے بارے میں ڈسکس کرتی ہو گی۔ آئی ایم شیور مجھ نے تم سے ایسا ضرور کچھ کہا ہے کہ تمہارے attitude میں اتنا پہنچ آ گیا ہے۔“ آزر نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”یعنی مجھے فرینکلی بتاؤ، بات کیا ہے۔ تمہیں میری محبت کی قسم۔“ آزر نے جد جاتی لہجے میں کہا۔

”مجھ کا خیال ہے کہ کوئل نے ایسا کچھ نہیں

کیا۔ وہ کوئل پر بہت ٹرسٹ کرتی ہے۔“ یعنی نے صاف گوئی سے اسے بتایا۔

”اور تم۔۔۔ کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں کیا میں نے جو کچھ تمہیں بتایا وہ سب جھوٹ ہے؟“ آزر نے انتہائی غصے سے چلا کر کہا۔

”معلوم نہیں، حقیقت کیا ہے۔“ یعنی نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

”تمہارے خیال میں، میں جھوٹ بول رہا ہوں اور کوئل پر الزام لگا رہا ہوں۔ مجھے کیا ضرورت ہے یہ سب کرنے کی۔ میں اتنا گھٹیا اور نصیبت انسان نہیں۔“ آزر چیخ چیخ کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگا اور یعنی خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔

”اگر تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا تو میں تمہیں ٹھوس ثبوت دے سکتا ہوں پھر تمہیں یقین آ جائے گا کہ کون سچا ہے۔“ آزر نے کہا۔

”کیسے ثبوت؟“ یعنی نے چونک کر پوچھا۔

”وہ ثبوت جنہیں دیکھ کر تمہیں خود بہ خود یقین آ جائے گا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ کل تم میرے ڈینٹس والے گھر میں آنا تو میں تمہیں سب کچھ دکھاؤں گا۔ کوئل کیا کچھ کرتی رہی ہے اور اس نے مجھے کس کس طرح ٹرسٹ کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ثبوت بھی دوں گا جو اس نے تمہارے بارے میں میرے دل میں نفرت ڈالنے کے لیے بیجے تھے۔ تم سوچ نہیں سکتیں کہ کوئل کیا تھی۔ اودہ مائی گاڈ۔۔۔ تمہیں میں کیسے یقین دلاؤں تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھو گی پھر تمہیں یقین آئے گا اور یہ سب کچھ تمہیں ابھی دکھانا بہت ضروری ہے ورنہ ہم دونوں کے درمیان فاصلے بڑھتے جائیں گے۔“ آزر نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”تم آؤ گی یا نہیں؟“ آزر نے اصرار کرتے ہوئے پوچھا۔

”کل بتاؤں گی۔“ یعنی نے جواب دیا۔

”نہیں تمہیں ہر صورت میں آنا ہو گا۔ اگر تم نہ آؤ تو میں ہمیشہ کے لیے تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔“ اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ یعنی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

☆☆☆

صبح آفس جانے سے پہلے جمال صاحب، یعنی کے کمرے میں آئے تو وہ بیڈ پر بیٹھی پڑھنے میں مصروف تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ بری طرح چونکی۔

”ڈیڈی آپ۔۔۔؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں بیٹا۔۔۔ اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اس فائن۔“ اس نے جواب دیا۔

”بیٹا مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے، دراصل آپ کے لیے ایک پروپوزل آیا ہے۔“ جمال صاحب نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”پروپوزل۔۔۔؟“ اس نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ میں آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں، وہ ابا جان کے دوست کا بیٹا ہے اور امریکا میں ڈاکٹر ہے۔“ انہوں نے نرم لہجے میں اسے بتایا۔

”تمہیں۔۔۔ ڈیڈی میں یہ پروپوزل accept نہیں کر سکتی۔“ یعنی نے جواب دیا۔

”کیوں۔۔۔؟ اس انکار کی کوئی ٹھوس وجہ بھی ہونی چاہیے۔“ جمال صاحب نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ میں؟“ وہ نظریں چرا تے ہوئے بولی۔

”کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟“ انہوں نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو یعنی نے ایک دم چونک کر ان کی طرف دیکھا اور خاموشی سے سر جھکا لیا۔

”کون ہے وہ۔۔۔؟ کیا نام ہے اس کا۔۔۔ اور

کھس دسب حلے کھس دل

اس کا بیک گراؤ کیا ہے؟“ جمال صاحب نے گہری سانس لے کر سنجیدگی سے پوچھا۔

”آزر عظیم۔۔۔ میرا کلاس فیلو ہے، اس کے parents امریکا میں سیٹلڈ ہیں، فادر بزنس میں ہیں۔“ یعنی نے آہستہ آہستہ بتانا شروع کیا تو وہ ایک دم چونکے۔

”آزر عظیم۔۔۔ نام سنا ہوا لگتا ہے، آئی تھنک۔۔۔ یہ وہی لڑکا ہے نا جسے ایکشن کمپن میں کالج سے expel کیا گیا تھا؟“ انہوں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا تو یعنی ایک دم بوکھلا گئی۔

”ہاں۔۔۔ آزر وہی ہے۔۔۔ لیکن پاپا۔۔۔ اب اس نے اپنے آپ کو بہت چنچ کر لیا ہے، now he is a different person۔“ اپنے کیسے کی مجھ سے کئی بار معافی مانگ چکا ہے۔“ یعنی آزر کے فیور میں اس قدر جذباتی ہو کر بول رہی تھی کہ جمال صاحب نے ایک بار چونک کر اسے گہری نظروں سے دیکھا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”ٹھیک ہے، اسے کسی روز گھر پر انوائٹ کرو، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”ک۔۔۔ کیوں۔۔۔؟“ یعنی نے چونک کر پوچھا۔

”اماں جی نے تمہارے لیے جو پروپوزل بتایا ہے، آزر سے ملنے کے بعد میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کروں گا۔“ جمال صاحب نے کہا۔

”لیکن ڈیڈی۔۔۔ ابھی تو ہم سب ایگزامز کی تیاری کر رہے ہیں۔“ وہ جلدی سے بولی۔

”ٹھیک ہے ایگزامز کے بعد۔۔۔ کسی روز انوائٹ کرنا۔“ انہوں نے آہستہ سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے لیکن یعنی نے محسوس کیا کہ آزر کے بارے میں سن کر ڈیڈی خوش نہیں ہوئے تھے۔

”لیکن اب ڈیڈی آزر سے مل کر ضرور خوش ہوں گے۔“ اس نے مسکرا کر سوچا اور اپنے دل کو تسلی



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کے ٹیبل کیلئے ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پریم کوالٹی، مل کوالٹی، پی بی ڈی کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رٹرنیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فوراً سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan



Like us on

Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

دینے لگی۔

☆☆☆

”مما کیا آپ ریڈی ہیں میں آپ کو رپورٹ ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ تو قیر نے ماں کی طرف دیکھ کر کہا جو دلپس اسریکا جارہی تھیں۔

”میں بہت کچھ سوچ کر آئی تھی مگر تم مجھے پھر بوئیں پریشان اور مایوس بھیج رہے ہو۔“ نجمہ نے غم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تھنک یو۔۔۔۔۔ آپ امریکا سے اسوشلی میرے لیے آئیں۔“ اس نے بڑی محبت سے انہیں تھام کر کہا۔

”تم اپنے اور میرے رشتے کو بہت قریل لیتے ہو، کاش کبھی تمہیں اندازہ ہو کہ جب اولاد بیمار یا دھکی ہوئی ہے تو ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے۔“ نجمہ نے آہ بھر کر اسے اپنے ساتھ لگا کر کہا۔

”آئی ایم سوری۔۔۔۔۔ آپ میری وجہ سے بہت اپ سیٹ رہتی ہیں۔“ تو قیر غم آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

”تو قیر۔۔۔۔۔ وہاں امریکا میں میرا دل نہیں لگتا، پلیز بیٹا پاکستان چلو۔۔۔۔۔ ہم دونوں مل کر وہاں رہتے ہیں، اب رشنا بھی کینیڈا جانے والی ہے، اس کے ڈاکومنٹس کمپلیٹ ہو گئے ہیں، ورنہ وہی میرے پاس پاکستان میں رہ جاتی۔“ نجمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر انتہائی انداز میں کہا تو قیر خاموش ہو گیا۔

”تمہاری اس خاموشی کا میں کیا مطلب سمجھوں؟“ انہوں نے غصے سے اسے دیکھ کر کہا۔

”میرے پاس آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں۔“ تو قیر ان کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

”پھر ٹھیک ہے آئندہ نہ میں تم سے کوئی بات کروں گی اور نہ ہی کسی بات کے لیے اصرار کروں گی۔“ نجمہ نے غصے سے کہا اور اپنا شولڈر بیگ اور ہینڈ کیبری پکڑ کر باہر جانے لگیں۔

☆☆☆

ردا کمرے میں موجود نہیں تھی۔ روچیل بیڈ روم کے ساتھ ٹیک لگائے ٹی وی چینل پر ایک موو ڈیکھنے میں مصروف تھا۔ سائڈ ٹیبل پر بڑا ردا کا موبائل بچنے لگا تو روچیل نے ایک ٹیک دیکھ کر اسے اٹھایا unknown نمبر دیکھ کر کان سے لگا کر ہلو کہا۔

”ہیلو۔۔۔۔۔ آئی تھنک آپ روچیل بھائی ہیں ناں!“ رشتہ خوشگوار لہجے میں بولی۔

”جی۔۔۔۔۔ آپ کون؟“ روچیل نے چونک کر سنجیدگی سے پوچھا۔

”میں رشنا۔۔۔۔۔ ردا کی فرینڈ ہوں، آج میں کینیڈا جا رہی ہوں، ردا سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ کہاں ہے وہ؟“ رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کچن میں۔“ روچیل نے کہا۔

”ردا اور کچن میں؟“ رشنا نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”ہاں، تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے، وہ میرے لیے چائے بنانے لگی ہے۔“ روچیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اس امیزنگ۔۔۔۔۔ مجھے اس نے کبھی خود سے چائے بنا کر نہیں پلائی مگر آپ کے لیے وہ خود چائے بنانے لگی ہے۔“ رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ہاں بھئی، وہ آپ سے محبت بھی تو بہت کرتی ہے، اتنی محبت اپنے بھائیوں کے علاوہ شاید ہی کسی اور سے کرتی ہو۔“ رشنا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟“ روچیل نے چونک کر پوچھا۔

”جناپ، میں پانچ سالوں سے اس کی



دوست ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ اس کی زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہیں، جس سے رونا نے شدید محبت کی ہے، آپ بھی میری فریڈ کی محبت کی بہت ویلیو کیجیے گا۔ اتنی سوئٹ لڑکی بہت نصیب والوں کو ملتی ہے۔“ رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا تو روحیل کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اسی وقت ردائے میں چائے کے دو مگورکھ کر لائی۔

”تمہاری فریڈ رشنا کی کال ہے۔“ روحیل نے جلدی سے موبائل اس کی طرف پڑھاتے ہوئے کہا۔

”اوہ..... رشنا!“ ردائے مسکراتے ہوئے بولی اور وہ فون لے کر اس سے باتیں کرنے لگی جبکہ روحیل مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے چائے پینے لگا۔

☆☆☆

فہام لاؤنج میں کھڑا موبائل پر حیدر علی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔

”یار، فہام اگر پاسل ہو تو مجھے اپنے موبائل میں وہ میسج دکھا دو، جو فرحان نے تم لوگوں کو کیے ہیں۔“

”کیوں..... خیریت تو ہے؟“ فہام نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں، ہاں خیریت ہی ہے، کچھ نیلی فرحان اس بات کو نہیں مانتا کہ اس نے کسی کو رائنگ کالز میسج کے ذریعے پریشان کیا ہے۔“ حیدر نے اسے بتایا۔

”لیکن یار..... اس سے تو ساری بات نکل جائے گی کہ ہم نے ہی اس کی شکایت کی ہے۔“

فہام نے حیرت سے کہا۔

”یار..... اب تم پولیس والوں کو اتنا بے وقوف بھی نہ سمجھو کہ ہم ساری بات اس پر ظاہر کر دیں گے۔ ان فیکٹ میں ان میسج کے ذریعے پوری ڈیٹیل لینا چاہتا ہوں، میں اپنی پوری کوشش سے ابھی اس کی ضمانت نہیں ہونے دے رہا..... تم بے فکر ہو کوئی.....“

”حیدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اوکے..... میں آتا ہوں۔“ فہام نے کہ جبکہ حاتم اس کے پیچھے کھڑا حمام باتیں سن رہا تھا فہام مڑا تو حاتم کو سامنے پا کر چونک گیا۔

”اوہ..... حاتم تم.....؟“ فہام نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو حاتم نے بغور اس کی جانب دیکھا۔

”مجھے تمہارا وہ موبائل چاہیے..... جس پر تمہیں میسج آتے رہے ہیں۔“

”کیوں.....؟“ حاتم نے چونک کر پوچھا۔

”بس ضرورت ہے۔“ فہام نے کچھ سوچے ہوئے کہا۔

”کس کو.....؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”جب میں کہہ رہا ہوں تو تمہیں argue کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم مجھے وہ موبائل دو۔“

اب کے فہام حقیقی سے بولا۔

”آپ مجھ سے وہ شخص کیوں چھپانا چاہ رہے ہیں، کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟“ حاتم نے عجیب انداز سے کہا۔

”اعتبار بہت ہے..... مگر مجھے تمہارے غم اور جذباتی پن سے ڈر لگتا ہے، جس پر تمہیں خود کو کنٹرول نہیں ہوتا..... اس لیے تم مجھے وہ موبائل دے دو اور خاموش رہو۔“ فہام نے گہری سانس لے کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

خاموش ہو گیا اور اسے موبائل دے دیا۔

فہام پولیس اسٹیشن گیا تو حیدر علی اس کا ہی نسخہ تھا۔ فہام نے اسے موبائل دیا اور وہ موبائل لے کر میسج چیک کرنے لگا اور اس کے چہرے پر حقیقی تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

”فرحان بہت ہی گھٹیا انسان ہے، اس نے بڑی گہری چال چلی ہے اور چال بھی اس انداز سے چلی ہے کہ وہ آسانی سے پکڑا نہ جاسکے۔“ حیدر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ فہام نے چونک کر پوچھا۔

”یہ موبائل تم میرے پاس چھوڑ جاؤ..... بعد میں تمہیں بتاؤں گا جو میں نے سوچ رکھا ہے۔“ حیدر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”تھینک یو یار..... تم نے بہت cooperate کیا۔ شادی پر بھی اپنے کارڈ بھیجے.....“ فہام نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

”تمہاری بہن میری کچھ نہیں لگتی؟“ حیدر مسکراتے ہوئے بولا۔

”آف کورس.....“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا تو فہام باہر جانے لگا۔

”چلو اکٹھے چلتے ہیں، مجھے بھی ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔“ حیدر نے اس کے ساتھ باہر جاتے ہوئے کہا اور دونوں کارڈز درمیان سے گزر رہے۔ وہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ فرحان کو ایک سیاہی بھڑکی لگائے دوسری جانب لے کر جا رہا تھا۔ فرحان نے ایک دم چونک کر فہام کو دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے معنی خیز انداز میں آنکھیں گھمائے لگا۔

”اوہ..... تو یہ کارستانی تمہاری ہے۔“ فرحان نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا اور اس نے انتہائی انداز میں فہام کی طرف دیکھا..... سپاہی نے اسے لے جا کر لاک اپ میں بند کر دیا۔

فہام، حیدر علی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا باہر چلا گیا اور پھر اس سے ہاتھ ملا کر اپنی گاڑی کی جانب چلا گیا۔ فہام مطمئن تھا کہ حیدر علی فرحان کو ایسی سزا ضرور دے گا جس کا وہ مستحق ہے..... لیکن فہام کو دیکھ کر فرحان کے اندر جو آگ بھڑکی تھی وہ اس کی جلن سے انتہائی مضطرب ہو کر دیوار پر کے مارنے لگا۔

☆☆☆

”نیکم صاحبہ! ہماری ردائی بی کتنی خوب صورت لگ رہی ہیں، بالکل پری لگ رہی ہیں۔ اتنی پیاری جیسے چاند کی ملک۔“ زاہدہ نے مسکراتے ہوئے تصویریں دیکھ کر خدیجہ نیکم سے کہا۔ وہ دونوں بیٹی ردائی

کھن حبیب علیہ کھن دل

شادی کی تصویریں دیکھ رہی تھیں جیسی فہمیلہ چائے کا گک پکڑے لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی۔

”اور روحیل بھائی بھی کتنے خوب صورت لگ رہے تھے۔ شادی پر سب یہی کہہ رہے تھے کہ چاند سورج کی جوڑی لگتی ہے دونوں کی۔“ زاہدہ ان کی طرف دیکھ کر بولی۔

”ہاں..... اللہ نظر بد سے بچائے۔“ خدیجہ مسکرا کر دعائیہ لہجے میں کہنے لگیں۔ ”اللہ میری بیٹی کا نصیب اچھا کرے۔“

”انشاء اللہ اچھا ہی ہوگا۔ ردائی بی ہیں ہی بڑی نصیب والی۔ جہاں جاتی ہیں مجببتیں ہی سمیٹتی ہیں، یہاں نہیں تو سب کی آنکھوں کا تارا تھیں اور اب ساس ملی ہیں کہ بلائیں لیتے نہیں تھکتیں۔ اتنی مجببتیں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں۔“ زاہدہ نے اچانک فہمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”زاہدہ..... یہ تم مجھے دیکھ کر کیوں بات کر رہی ہو؟“ شمیمہ حقیقی سے بولی۔

”ک..... ک..... ک.....؟“ زاہدہ نے بوکھلا کر کہا۔

”میں اچھی طرح تمہاری باتوں کا مطلب جانتی ہوں۔ آپ ان دو ٹکے کی نوکرانیوں کو اپنے ساتھ ملا کر میرے خلاف محاذ بناتی ہیں ناں؟“

فہمیلہ نے ساس کی طرف دیکھ کر غصے سے کہا۔

”یہ گھر ہے بیٹی کوئی میدان جنگ نہیں..... جہاں میں محاذ بنائوں گی، تم فضول باتیں سوچنا چھوڑ دو۔“ انہوں نے ایک دم چونک کر حقیقی سے کہا۔

”ہاں..... میں بھی فضول اور..... میری باتیں بھی فضول..... سب سے اچھی تو آپ اور آپ کی ردا ہے یا پھر یہ نوکرانیاں.....“ شمیمہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

”جو کچھ آپ میرے ساتھ کرتی ہیں، اللہ کرے آپ کی ردا کے ساتھ بھی ہو۔ وہ بھی خوش نہ رہے۔“ شمیمہ نے اٹھتے ہوئے غصے سے کہا۔

”خبردار..... جو ردا کا نام لیا.....“ خدیجہ نے



کون کہتا ہے کہ؟

# اولاد نہیں ہو سکتی

آج بھی لاکھوں گھرانے اولاد کی نعمت سے محروم سخت پریشان ہیں۔ مایوسی گناہ ہے۔ انشاء اللہ اولاد ہوگی۔ خاتون میں کوئی اندرونی پرالیم ہو یا مردانہ جراثیم کا مسئلہ۔ ہم نے ویسی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک خاص قسم کا بے اولادی کوہس تیار کیا ہے۔ جو آپ کے آنگن میں بھی خوشیوں کے پھول کھلا سکتا ہے۔ آپ کے گھر میں بھی خوبصورت بیٹا پیدا ہو سکتا ہے۔ آج ہی گھر بیٹھے فون پر تمام حالات سے آگاہ کر کے بذریعہ ڈاک وی پی VP بے اولادی کورس منگوائیں۔

المسلم دارالحکمت رجسٹرڈ (دواخانہ)

ضلع و شہر حافظ آباد۔ پاکستان

0300-6526061

0547-521787

فون اوقات

صبح 9 بجے سے رات 11 بجے تک

آپ ہمیں صرف فون کریں

دوائی آپ تک ہم پہنچائیں گے

طرف دیکھ رہا تھا اور کھانا کھاتے ہوئے دونوں آہستہ آہستہ بائیں کر رہے تھے۔

”رودا..... میں نے ماں جی کے ساتھ بہت بار ڈاکٹر لائف گزاری ہے، سوچتا تھا زندگی یونسی گزر جائے گی مگر تمہارے آنے سے ہمارے گھر میں ایک پکیزنٹ چنچ آیا ہے۔“ روحیل مسکراتے ہوئے بولا۔

”کیسا چنچ.....؟“ رودا مسکراتے ہوئے بولی۔

”ماں جی..... بہت خوش دکھائی دیتے لگی ہیں، ورنہ ہر وقت اداس رہتی تھیں۔ میں انہیں خوش رکھنے کی بہت کوشش کرتا تھا مگر کبھی ایسے خوش نہیں کر سکا جیسے تم نے کر دیا ہے۔“ روحیل مسکراتے ہوئے بولا۔

”ماں جی..... میں بھی تو بہت اچھی.....“ رودا مسکراتے ہوئے بولی۔

”اور..... تم؟“ روحیل نے جان بوجھ کر اسے ستانے کی خاطر پوچھا۔

”یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔“ رودا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... دل تو کچھ اچھا، اچھا ہی بولتا ہے، تمہارے بارے میں۔“ روحیل نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور ٹیبل پر پڑے پھولوں میں سے ایک خوب صورت پھول نکال کر رودا کو دیا تو اس نے مسکرا کر پھول پکڑ لیا۔ کچھ قاصلے پر ایک آدی کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے مسکرتا ہوا رودا کو گھور رہا تھا۔ اچانک روحیل کی نظر اس پر پڑی تو وہ بری طرح چونکا۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔“ روحیل نے ایک دم سو ڈبل کر سنجیدگی سے کہا۔

”اوکے.....؟“ رودا نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے کہا

اور وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈال کر اس کے ہمراہ باہر نکلے جبکہ روحیل اس آدی کو مسلسل گھورتا ہوا باہر نکلا۔ اس کے چہرے پر غفلت کے آثار تھے جبکہ رودا اس صورت حال سے بے خبر اپنی دھن میں مسکرا رہی تھی۔

ماہنامہ پاکیزہ

جی نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”افو..... ماں جی..... آپ کن چکروں میں پڑ گئی ہیں، مجھے یہ ناز نخرے اور جو بچلے اٹھانا بالکل پسند نہیں۔“ روحیل نے جھجکا کر کہا۔

”پسند ہیں یا نہیں..... مگر ہمیں یہ سب نخرے اٹھانے ہیں، میری خاطر.....“ ماں جی نے غفلت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ..... گاڈ! اب بتائیے کیا کرنا ہے؟“ وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

”نی الحال تو تم بہو کو لے کر باہر جاؤ، اسے گھماؤ پھراؤ، کہیں کھانا کھلاؤ..... لاٹک ڈرائیو پر جاؤ، اسے بہت بہت انجوائے کراؤ۔“ کراؤ۔

ماں جی نے کہا تو روحیل ہنس دیا۔

”آپ کو اکیلے چھوڑ کر..... نہیں۔“ روحیل فوراً بولا۔

”تم میری فکر نہ کرو، میں پہلے بھی تو گھر میں اکیلے رہتی تھی ناں، تم اسے لے کر جاؤ۔“ ماں جی نے کہا تو رودا اسی وقت اپنے کمرے سے باہر نکلی۔

”رودا! جلدی سے تیار ہو جاؤ، روحیل تمہیں گھمانے کے لیے باہر لے کر جا رہا ہے۔“ ماں جی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر روحیل کی طرف دیکھا۔

”اوکے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“ روحیل نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا تو رودا مسکرا کر اندر چلی گئی۔

”بیٹا! ایسی باتوں سے محبت بڑھتی اور مضبوط ہوتی ہے۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا تو روحیل بھی مسکراتے لگا۔

☆☆☆

رودا اور روحیل ایک ریسٹورنٹ میں کینڈل لاٹ ڈنر کرنے میں مصروف تھے۔ رودا بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ روحیل مسکرا مسکرا کر اس کی

اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ وہاں سے چلی گئی۔

”ہیکم صاحبہ! میرا تو دل ڈرنے لگا ہے، ان کی حاسد نظریں کہیں رو با بی بی کو.....“ زاہدہ نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اللہ نہ کرے..... یہ لوروا کا عمدہ نکال دینا..... اللہ میری بچی پر رحم کرے اور حاسدین کی بد نظر سے بچائے۔“ خدیجہ نے گھبرا کر پیسے نکالتے ہوئے کہا اور زاہدہ گھبرا کر اٹھ گئی۔

☆☆☆

ماں جی لاؤنج میں جا نماز بچائے مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ روحیل قدرے تھکے ہوئے انداز میں لاؤنج میں داخل ہوا اور آکر فرنیچ میں سے پانی کی بوتل نکال کر پانی پینے لگا۔ ماں جی جا نماز لیٹ کر اس کے پاس آئیں۔

”روحیل تم دوپہر کو گھر سے گئے تھے اور اب آ رہے ہو، کہاں تھے تم.....؟“ ماں جی مصنوعی غفلت سے بولیں۔

”آفس میں۔“ روحیل نے تھکے تھکے انداز میں جواب دیا۔

”کیوں تم تو چھٹیوں پر ہو۔“ ماں جی نے چونک کر پوچھا۔

”کچھ ڈاکو منٹس کا مسئلہ تھا اور بہت ارجنٹ کام بھی تھا۔“ اس نے کہا۔

”جو بھی تھا، تمہیں رودا کو اکیلے چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔ بے چاری سارا دن اندر باہر پھرتی رہی۔“ ماں جی نہایت غفلت سے بولیں۔

”تو کیا ہوا؟“ روحیل بے رخی سے بولا۔

”بیٹا، رودا نئی تو ملی دہن ہے، یہ تو اس کے ناز نخرے اٹھانے کے دن ہیں، بہو جب سسرال آتی ہے تو شوہر اور سسرال کی محبت اس کے لیے خوب صورت یادیں بن جاتی ہیں اور یہی یادیں اس کے دل میں شوہر اور سسرال کی قدر پیدا کرتی ہیں۔“ ماں



لگ رہی تھی۔  
 ”بیٹا! تم لوگ اتنی جلدی آگئے۔۔۔ میں تو ابھی نماز اور وظائف پڑھ کر فارغ ہوئی ہوں اور تم لوگ آگئے۔“ ماں جی نے دونوں کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”کیا کہیں گھوٹنے پھرنے نہیں گئے؟“ ماں جی نے ردا کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے گھبرا کر روٹیل کی طرف دیکھا۔  
 ”آپ گھر پر اکیلی تھیں، اس لیے ہم صرف کھانا کھا کر آگئے۔“ روٹیل جلدی سے بتاتے لگا۔  
 ”کیا بات ہے، ردا کا چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے؟“ ماں جی نے ردا کو دیکھ کر کہا۔  
 ”ک۔۔۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔۔۔ ماں جی! میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔“ ردا نے ہڑبڑا کر جلدی سے کہا۔  
 ”جاتے وقت تو تم بہت خوش تھیں۔“ ماں جی اس کی طرف بغور دیکھ کر بولیں۔  
 ”روٹیل! کیا تم نے ردا سے کچھ کہا ہے؟“ انہوں نے روٹیل سے پوچھا۔  
 ”نہیں۔۔۔۔۔ میں نے کیوں کچھ کہا تھا، آپ ردا سے خود ہی پوچھ لیں۔“ اس نے جھانکی لیتے ہوئے کہا۔  
 ”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ بس میں تھک گئی ہوں۔“ ردا جلدی سے بولی۔  
 ”اچھا۔۔۔۔۔ جاؤ، آرام کرو۔“ ماں جی نے ردا کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا تو اس نے زبردستی مسکرا کر ماں جی کو دیکھا اور کمرے میں چلی گئی۔  
 ”بیٹا! بہو کو خوش رکھنے کی کوشش کیا کرو، بہت اچھی لڑکی ہے۔“ انہوں نے بیٹے کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”کیوں۔۔۔۔۔ اس نے کوئی شکایت کی ہے؟“ روٹیل نے چونک کر پوچھا۔  
 ”بالکل بھی نہیں۔۔۔۔۔ مگر نہ جانے کیوں مجھے اس کے چہرے کی اداسی دیکھ کر کچھ محسوس ہو رہا ہے۔“ ماں جی گہری سانس لے کر بولیں۔

”کیوں ناں۔۔۔۔۔ beach کا پروگرام بنائیں۔ مزہ آئے گا۔“ عاصم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں، یہ ٹھیک ہے۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو حمیلہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔  
 ”حمیلہ! کیا خیال ہے، اس سڈے کو پروگرام ٹھیک رہے گا؟“ فہام نے حمیلہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔  
 ”ہاں، ہاں، ایز پودش۔۔۔۔۔ اچھا ہے، سب مل کر خوب انجوائے کریں گے۔“ وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بولی۔  
 ”ہاں۔ تو بس ٹھیک ہے۔ میں سب ارجمند کر لوں گا۔“ فہام نے کہا اور جلدی سے ردا کا نمبر ملائے لگا۔ وہ دونوں ابھی گھر نہیں پہنچے تھے۔ ردا کے ہاتھ میں پکڑا موبائل پھر بجنے لگا۔ فہام کی کال آرہی تھی، ردا نے روٹیل کی طرف دیکھا اور روٹیل نے ایک ٹک اس کے موبائل کی طرف دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ کافی بیلز کے بعد کال ڈراپ ہوگئی۔ ردا کی آنکھیں نم ہونے لگیں اور اس نے موبائل آف کر کے بیگ میں رکھ لیا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔  
 ”ردا کال اینڈ نہیں کر رہی۔۔۔۔۔ آئی تھنک بڑی ہوگی۔ ماما! کل آپ اسے فون کر کے سڈے کے پروگرام کے بارے میں بتا دیجیے گا اور آپ ان کی ماں جی کو بھی ساتھ چلنے کا کہہ دیجیے گا۔ بہت اچھی خاتون ہیں وہ۔“ فہام نے موبائل آف کر کے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”ہاں، کل میں خود ان سے بات کروں گی۔“ خدیجہ مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔  
 ☆☆☆  
 ماں جی نماز کی چادر اوڑھے لاؤنج میں آئیں ان کے ہاتھ میں میڈیسنز کا لفافہ تھا۔ وہ فریج میں سے پانی کی بوتل نکال کر وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں۔ جیسا ردا اور روٹیل قدرے تھکے ہوئے انداز میں لاؤنج میں داخل ہوئے۔ ردا قدرے خاموش

سے کہا۔  
 ”اچھا۔ میں کوشش کروں گی آپ اپنا خیال رکھیے گا۔“ ردا نے روٹیل کی طرف ایک نظر دیکھ کر بھائی سے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے، تم بھی اپنا بہت خیال رکھنا۔۔۔۔۔ میری چندا۔۔۔۔۔“ فہام محبت بھرے لہجے میں بولا تو ردا نے مسکراتے ہوئے موبائل آف کر دیا۔  
 ”فہام بھائی میرے بغیر بہت اداس ہو رہے تھے۔“ ردا نے افسردگی سے کہا۔  
 ”ردا! اب تم شادی شدہ ہو اور اب تم میں سے یہ بچپنا ختم ہو جانا چاہیے۔“ روٹیل قدرے سنجیدگی سے لہجے میں بولا۔  
 ”تمہاری فیملی کی تمہارے ساتھ بہت زیادہ اچھٹ پیادہ منٹ کے بعد ان کی فون کالز آتا۔۔۔۔۔ ان کا تمہیں اور تمہارا ان کو مس کرنا۔۔۔۔۔ یار یہ سب کیا ہے، مجھے بہت آکوروڈ لگتا ہے، پلیز اب اپنے لائف اسٹائل میں چینج لاؤ۔۔۔۔۔ اب مجھے اور ماں جی کو تمہاری توجہ کی زیادہ ضرورت ہے۔“ روٹیل نے کندھے اچکا کر خفگی سے کہا تو ردا خاموش ہوگئی۔  
 ☆☆☆  
 سب لوگ ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ زاہدہ پانی کے گلاس اور سوٹ ڈش لا کر رکھ رہی تھی۔ فہام بھی موبائل آف کر کے کھانا کھانے لگا۔  
 ”ردا سے بات کر رہا تھا۔ وہ دونوں ڈنر کرنے باہر گئے ہوئے تھے۔“ فہام نے ماں کو بتایا۔  
 ”ہم سے بھی مل کر چلی جاتی۔۔۔۔۔ کئی روز سے اسے دیکھا نہیں تو دل بہت اداس ہو رہا ہے۔“ انہوں نے بیٹی کو یاد کرتے ہوئے کہا۔  
 ”میں نے کہا تو تھا۔۔۔۔۔ مگر روٹیل کی ماں جی گھر پر اکیلی تھیں۔ یار عاصم! کوئی آؤٹنگ کا پروگرام ہی بناؤ۔ ردا اور روٹیل کے ساتھ انجوائے کریں گے۔“ فہام نے عاصم کی طرف دیکھ کر کہا۔

روٹیل گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا مگر اس کا سوڈ کچھ آف تھا۔ ردا اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی جیسی فہام کا فون آگیا اور ردا ان سے بات کرنے میں مصروف ہوگئی۔  
 ”ارے۔۔۔۔۔ نہیں نہیں فہام بھائی آپ کی سوٹ ڈول آپ کو بھلا کیسے بھول سکتی ہے۔ یہ آپ نے کیسے سوچ لیا۔“ ردا مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔  
 ”اتنے روز سے نہیں آئی ہو، تمہارے بغیر میں بہت اداس ہو رہا ہوں۔“ فہام نے فرط محبت سے کہا۔  
 ”فہام بھائی اور میں بھی آپ کے بغیر بہت بہت زیادہ اداس ہوں۔“ ردا نے مسکرا کر آنکھیں پھیلا کر بچوں کی طرح کہا تو روٹیل نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔ اس طرح کی باتیں چاہے وہ اپنے بھائی سے ہی کر رہی ہوتی اسے اچھی نہ لگتیں۔  
 ”اچھا بتاؤ، اس وقت تم کہاں ہو؟“ فہام نے پوچھا۔  
 ”میں اور روٹیل باہر ڈنر کے لیے آئے تھے۔ اب گھر واپس جا رہے ہیں۔“ ردا نے مسکرا کر روٹیل کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”تو پھر ہماری طرف سے ہو کر جاؤ ناں۔۔۔۔۔ تمہیں دیکھنے کو میرا دل بہت بے چین ہو رہا ہے۔“ فہام جذباتی انداز میں بولا۔  
 ”اوکے۔۔۔۔۔ ایک منٹ ٹھہریں۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”فہام بھائی مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آنے کو کہہ رہے ہیں۔“ ردا نے موبائل سائڈ پر کر کے روٹیل سے پوچھا۔  
 ”نہیں، نہیں۔۔۔۔۔ ماں جی گھر پر اکیلی ہیں۔“ روٹیل ساٹ لہجے میں بولا۔  
 ”فہام بھائی! میں آج نہیں آسکتی، ماں جی گھر پر اکیلی ہیں، ویسے بھی کافی دیر ہو چکی ہے۔“ ردا نے بھائی کو بتا دیا۔  
 ”اوکے۔۔۔۔۔ پھر کل آجانا۔“ فہام نے نرمی سے کہا۔



میں آ بیٹھی۔  
 ”یار..... اب تو بتاؤ، ہم کہاں جا رہے ہیں اور تمہیں اتنی جلدی کیوں ہے؟“ اس نے یمنی کے ساتھ فرٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا جو انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔  
 ”آزر کے پاس.....!“ یمنی نے کہا۔  
 ”کیا..... آزر کے پاس..... مگر کیوں؟“ حمزہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔  
 ”وہ ہمیں کوئل کے خلاف ثبوت دے گا.....“ اس نے مجھے بلایا تھا مگر تمہیں اس لیے لے کر جا رہی ہوں کہ تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آئے گا۔ اب تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا؟“ یمنی نے قدرے جذباتی انداز میں کہا۔  
 ”کم آن یار..... تم کن چکروں میں پڑی ہو، ہمارے ایگزائزر ہونے والے ہیں، ہمارا ٹائم کتنا قیمتی ہے اور تم..... آزر سے clarification لینے جا رہی ہو اگر تم مجھے پہلے بتاتیں تو میں کبھی نہیں آتی۔“ حمزہ نہایت خفگی سے بولی۔  
 ”اسی لیے میں نے تمہیں نہیں بتایا۔ آؤر بھی بہت اب سیٹ ہے اور اچھا ہے آج سب کچھ کلیئر ہو جائے گا۔“ یمنی نے کہا تو حمزہ خاموش ہو گئی۔  
 ”یار کیا ضروری تھا، آج ہی جانا..... سچ میرا جانے

پاکر جواب دیا۔  
 ”وہ تمہارے لیے ضروری ہوگا..... میرے لیے نہیں، سوری میں نہیں جا رہی۔“ حمزہ نے اپنی کتاب پکڑتے ہوئے کہا۔  
 ”وہ تمہارے لیے بھی اہم ہے اگر نہ ہوتا تو میں تمہیں کبھی لینے نہیں آتی۔ حمزہ بس مجھے کی کوشش کرو، کیا میں اتنی اسٹوڈ ہوں کہ کسی فضول اور غیر اہم کام کے لیے تمہیں ڈسٹرب کرنے آتی۔ why don't you understand نہیں کرتیں؟“ یمنی نے خفگی سے کہا تو حمزہ نے چونک کر اسے دیکھا۔  
 ”اوکے..... میں برقع پہن لوں۔“ حمزہ نے اس کا موڈ آف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”برقع چھوڑو..... بس دوپٹا اچھی طرح لے لو۔“ یمنی نے اس کا برقع اس سے لیتے ہوئے کہا۔  
 ”نہیں، میں اس کے بغیر کبھی باہر نہیں گئی۔“ حمزہ نے اس کے ہاتھ سے برقع داپس لیا۔  
 ”کم آن یار..... چھوڑو اسے، ہم کون سا پیدل جا رہے ہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔“ یمنی نے اس کے ہاتھ سے برقع چھینتے ہوئے بیڈ پر پھینکا۔  
 ”افوہ..... تم کیا کر رہی ہو یمنی؟ میں برقع پہنے بغیر نہیں جاؤں گی۔“ اس نے سختی سے کہا اور برقع جلدی جلدی پہنتے گئی۔ وہ اپنی چچی کو بتا کر گاڑی

کر سکوں گا۔ بس میری اس بات کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔“ روہیل نے تحکمانہ انداز میں کہا تو روانے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔  
 ”میری اتنی شدید اور بھرپور محبت کو تم اپنے لیے ایک انعام سمجھو، اتنی محبت کسی خوش نصیب عورت کو ہی ملتی ہے۔ so cheer up now۔“ روہیل نے مسکرا کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ بھی بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے مسکرا کر دیکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆  
 حمزہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جا کر کتابیں اور نوٹس کھول کر پڑھنے لگی تھی کہ اس کی ملازمہ یمنی کے ہمراہ اچانک کمرے میں داخل ہوئی۔  
 ”بی بی جی..... آپ کی مہمان.....“ ملازمہ نے حمزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”یمنی اتم اور یہاں.....؟“ حمزہ نے انتہائی حیرت سے چلاتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں..... میں بہت جلدی میں ہوں، تمہیں لینے آئی ہوں۔“ یمنی نے گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔  
 ”کہاں.....؟“ حمزہ نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”بس تم جلدی سے چلو۔ راستے میں بتاؤں گی۔“ یمنی نے جلدی جلدی بولتے ہوئے کہا۔  
 ”یمنی! میں ایگزائزر کی تیاری کر رہی ہوں اور میں اپنی اسٹڈیز کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتی۔“ حمزہ نے خفگی سے کہا۔

”یار..... ایگزائزر میرے بھی ہیں مگر وہ کام اتنا ضروری ہے کہ مجھے بھی اپنی اسٹڈیز چھوڑ کر آنا پڑا ہے۔“ یمنی نے جواب دیا۔  
 ”ایسا بھی کیا ضروری کام ہے؟“ حمزہ نے جھنجھاکر پوچھا۔  
 ”ہے ناں..... بہت ضروری۔“ یمنی نے منہ

”آپ کا وہم ہے، ایسی کوئی بات نہیں۔“ اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔  
 ”اچھا..... اللہ تم دونوں کو خوش رکھے۔“ ماں جی دعائیہ لہجے میں بولیں اور اپنے کمرے میں چلی گئیں اور روہیل بھی اپنے کمرے کی جانب چلا گیا۔  
 ☆ ☆ ☆  
 روا دوش روم سے ٹائٹ ڈریس پہن کر باہر نکلی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ٹاول تھا۔ جس سے وہ اپنا چہرہ بوچھڑ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب بھی سنجیدگی چھائی تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا اور اپنا کوٹ اتار کر بنگر میں لٹکایا۔ ردا خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔  
 ”ماں جی..... تمہارے چہرے پر چھائی اداسی کو دیکھ کر پریشان ہو رہی تھیں۔“ روہیل گہری سانس لے کر بولا۔  
 ”میں نے تمہیں اپنی فیملی کے ساتھ limited terms رکھنے کو کہا ہے۔ اس میں اتنا اب سیٹ ہونے کی کیا بات ہے؟“ روہیل نے کہا۔  
 ”کیا آپ نہیں جانتے کہ میرے بھائیوں کی مجھ میں جان ہے۔ وہ میرے ساتھ کتنا اٹیچڈ ہیں۔“ ردا نمناک لہجے میں بولی تھی۔  
 ”یہی تو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ وہ phase گزر چکا ہے۔ اب تم صرف میری ہوا اور میں اپنی محبت میں بہت پوزیو ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں میرے علاوہ کوئی اور دیکھے بھی۔“ روہیل نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔  
 ”لیکن..... روہیل.....“ ردا اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔  
 ”تمہیں صرف میں ہی دیکھوں، میں ہی چاہوں اور میں ہی محبت کروں۔“ روہیل نے قدرے پوزیو انداز میں کہا تو وہ بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔  
 ”تیسرا کوئی بھی ہو، میں اسے برداشت نہیں

## قارئین کے لیے اہم اعلان

ملک بھر میں ادارے کے ماہنامے مندرجہ ذیل تاریخوں میں دستیاب ہوں گے  
 \* سسپنس ڈائجسٹ: 17 تاریخ  
 \* ماہنامہ پاکیزہ: 24 تاریخ  
 \* ماہنامہ سرگزشت: 28 تاریخ  
 \* جاسوسی ڈائجسٹ: 03 تاریخ  
 مذکورہ بالا تاریخوں پر پرچہ دستیاب نہ ہونے کی صورت میں رابطہ کریں

شمار عباس: 0301-2454188



کا بالکل دل نہیں چاہ رہا..... اتنا نام ویسٹ ہو جائے گا۔“  
حنہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پھر سے بولی۔

”ہم جلدی واپس آجائیں گے۔“ یعنی نے جواب دیا اور گاڑی کی اسپید بڑھادی..... وہ آزر کے کمر سے کچھ فاصلے پر تھی کہ اچانک اس کی گاڑی بند ہو گئی..... وہ پریشان ہو کر اسے بار بار اشارت کرنے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ اشارت ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ یعنی نے باہر نکل کر بونٹ اٹھا کر اس کا انجن چیک کرنے کی کوشش کی مگر اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

”کیا ہوا؟“ حنہ نے پریشانی سے پوچھا۔  
”معلوم نہیں..... اسے کیا ہو گیا ہے، پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ٹھہرو میں آزر کو فون کرتی ہوں، وہی آکر اسے دیکھ لے گا۔“ یعنی نے اپنے موبائل پر آزر کا نمبر ملا دیا اس پر بیلز جا رہی تھیں مگر وہ کال انینڈ نہیں کر رہا تھا۔

”حنہ! پلیز تم آزر کو بلا لاؤ، دیکھو وہ سانسے اس کا گھر ہے۔ وہ فون نہیں اٹھا رہا۔ شاید اس کا موبائل سائلٹ پر ہے۔“ یعنی نے اس سے اصرار کیا۔  
”میں.....؟“ حنہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔  
”ہاں، میں اتنی دیر گاڑی دیکھتی ہوں۔“ یعنی نے کہا۔

”نہیں۔۔۔ نہیں میں اکیلے نہیں جاؤں گی۔“ حنہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔  
”دکم آن یار..... بی کوئیڈنٹ، وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا اور میں ادھر ہی ہوں، گاڑی ٹھیک ہوگی تو میں بھی ادھر ہی آ جاؤں گی۔“ یعنی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”تم بھی میرے ساتھ چلو۔“ حنہ نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔

”یار تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسے بی ہو کر رہی ہو..... بی کوئیڈنٹ..... یو آر میچور اینڈ سینیسیبل۔“ یعنی

نے خفگی سے کہا تو حنہ آزر کے گھر کی جانب بڑھ گئی۔ اسی لمحے یعنی کے کزن شہیر کا کراچی سے فون آ گیا جو انگلینڈ میں سیٹلڈ ہو چکا تھا اور کراچی آیا تھا۔ اس نے بہت عرصے کے بعد یعنی کو فون کیا تو اتنے عرصے بعد شہیر کا فون سن کر وہ بہت ایکساٹ ہو گئی اور گاڑی میں بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگی۔  
☆☆☆

حنہ نے ایک وسیع و عریض کوشی کے گیٹ پر نبل بجائی تو ایک ٹیم ٹیم چوکیدار نے گیٹ کھول حنہ کی طرف دیکھا۔

”کیا..... آزر صاحب، گھر پر ہیں؟“ حنہ نے گھبرائے ہوئے پوچھا۔

”ہاں، وہ اوپر اپنے کمرے میں ہیں، آہ اوپر چلی جائیں، وہ آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ چوکیدار نے کہا۔

”میرا انتظار.....؟“ حنہ نے حیرت سے پوچھا۔  
”ہاں..... انہوں نے کہا تھا ایک لڑکی آئے گی اسے اوپر بھیج دینا..... کیا تم وہ لڑکی نہیں ہو؟ چوکیدار نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”ہاں..... مگر وہ.....“ حنہ نے رک رک کر کہا۔ نقاب سے جھانکتی اس کی آنکھیں اس کے اند کی پریشانی کا پتا دے رہی تھیں۔

”آپ، آپ انہیں یہیں بلا دیں۔“ حنہ آہستہ سے کہا۔

”صاحب کا جو حکم ہے وہ آپ کو بتا دیا ہے۔“ کہتا ہے اسے اوپر جا کر کہو۔“ چوکیدار نے کہا اور سیٹ پر جا بیٹھا۔ حنہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرے، وہ قدرے پریشانی سے ہونٹ کاٹتی ہوئی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئے گھر میں داخل ہو گئی لاؤنج میں داخل ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ چوکیدار نے اسے اوپر جانے کو کہا تھا لاؤنج میں سے بیڑھیاں اوپر جانی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ میڑھیاں چڑھ

ہوئی اوپر چلی گئی۔ اوپر جا کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ سارے کمروں کے دروازے بند تھے۔ صرف ایک کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ اس نے آہستہ آواز میں آزر، آزر پکارا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ کھلے ہوئے دروازے کو مزید کھول کر اندر داخل ہو گئی وہ آزر کا ہی کمر تھا۔ ہر طرف آزر کے پورٹریٹس آویزاں تھے۔ اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

”آزر، آزر کہاں ہو؟“ حنہ نے اسے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پکارا۔ آزر نے ایک دم ڈریٹنگ روم سے نکل کر دروازے کو لاک لگایا۔ اس نے ٹائٹ گاؤن پہن رکھا تھا اور کافی زیادہ ڈریٹنگ کر رہی تھی۔ اس نے پیچھے سے آکر حنہ کا نقاب زور سے کھینچا۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو..... میں، میں حنہ ہوں۔“ حنہ نے انتہائی گھبرا کر کہا۔ خوف کے مارے اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی مگر آزر اشتباہی ہو رہا تھا کہ اس نے اس کی ایک بات نہ سنی۔ وہ چلاتی رہی اسے دھکے دیتی رہی۔ دروازے کی طرف بھاگتی رہی مگر آزر تو اس وقت درندہ بنا ہوا تھا۔ حنہ نے اپنا موبائل بیک سے نکال کر یعنی کو فون کرنا چاہا مگر آزر نے موبائل اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔ حنہ اللہ رسول کے واسطے دیتی رہی مگر اس نے اس کی ایک نہ سنی۔ وہ بلند آواز سے چلاتی رہی مگر کسی نے اس کی پکار نہ سنی۔ آزر اتنا aggressive ہو رہا تھا کہ وہ یعنی کے تمام بدلے اس سے لینا چاہ رہا تھا۔  
☆☆☆

شہیر سے باتیں کرتے ہوئے یعنی کو وقت کا خیال ہی نہیں رہا۔ وہ اس سے اس کے حالات کے بارے میں پوچھتی رہی اور وہ اس سے خوب گپ شپ لگاتا رہا۔ کال ختم کرنے کے بعد اس نے چونک کر نام دیکھا۔

## نماز

☆ نماز کب کام آئے گی.....؟

☆ فجر۔ مرتے وقت۔

☆ ظہر۔ قبر میں

☆ عصر۔ منکر نکیر کے سوالات کے وقت۔

☆ مغرب۔ حساب کتاب کے وقت۔

☆ عشا۔ ملی صراط پر۔

مرسل: نفیہ آراء، یو اے ای

## بہترین تحفہ

دنیا کا سب سے اچھا تحفہ وقت ہوتا ہے

کیونکہ اگر آپ کسی کو اپنا وقت دیتے ہیں تو

آپ اسے اپنی زندگی کا وہ پل دیتے ہیں جو

کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔

از: ماہ نور قیصر، راول پنڈی

”حنہ ابھی تک واپس کیوں نہیں آئی؟ اتنی دیر ہو گئی؟“ اس نے پریشانی سے سوچا اور گھبرا کر حنہ کو فون کیا مگر connect نہ ہو سکا۔ اس نے آزر کو بھی فون کیا وہ بھی کال نہیں لے رہا تھا۔ یعنی پریشان ہو کر گاڑی کو لاک کرتے ہوئے اس کے گھر کی طرف گئی اور گیٹ نبل بجائی چوکیدار نے گیٹ کھول کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”آزر صاحب کہاں ہیں؟“ یعنی نے پوچھا۔

”آپ کون ہیں؟“ چوکیدار نے حیرت سے پوچھا۔

”ایک لڑکی کچھ دیر پہلے یہاں آئی تھی، وہ

کہاں ہے؟“ یعنی نے غصے سے پوچھا۔

”یہاں کوئی لڑکی نہیں آئی۔“ چوکیدار نے جواب دیا۔

”کیا کہا..... یہاں کوئی لڑکی نہیں آئی۔ وہ

یہاں ہی آئی تھی۔ آزر کہاں ہے، میں خود اس سے

پوچھتی ہوں۔“ یعنی نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے

اندر جانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔



”تم، تم اندر نہیں جاسکتیں۔“ چوکیدار نے پھر اسے روکنے کی کوشش کی۔

”کیوں..... تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟“ یمنی نے غصے سے کہا۔

”صاحب کا یہی حکم ہے، کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔“ ہے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

”کیا آزر نے ایسا کہا ہے مگر کیوں؟“ یمنی نے چونک کر پوچھا اور اندر جانے لگی۔ چوکیدار نے اسے زبردستی روکنے کی کوشش کی۔

”میں نہیں جانتا مگر آپ اندر نہیں جاسکتیں۔“ چوکیدار نے غصے سے کہا تو یمنی نے کرائے کرتے ہوئے ٹانگ اس کے پیٹ میں ماری۔ وہ وہیں تڑپنے لگا اور یمنی تیزی سے اوپر چلی گئی۔ آزر کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے بار بار دستک دی مگر کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ اندر سے چیخنے اور کراہنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ یمنی گھبرا گئی اور اس نے جوڑو کے ٹرس اختیار کرتے ہوئے دروازے کو دو تین جھٹکے دیے تو دروازہ کھل گیا۔ حنہ کا برا حال تھا۔ اسے دیکھ کر یمنی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”یو چیئر.....“ یمنی نے زور سے تھپڑ آزر کے چہرے پر لگایا تو اس نے گھوم کر یمنی کو دبوچنے کی کوشش کی۔

”آج.... میں تمہیں بھی نہیں چھوڑوں گا، آج تم سے اپنے سارے بدلے لوں گا میں۔“ چڑیل، کالی چھوٹو نے مجھے ہرانے کی کوشش کی تھی۔ آج تجھے سارا حساب چکانا پڑے گا۔“ آزر نے اس پر جھپٹنا چاہا مگر یمنی نے گھما کر ٹانگ اس کے پیٹ میں ماری وہ گر کر تڑپنے لگا۔ حنہ بری طرح رو رہی تھی اور چٹا رہی تھی۔ یمنی نے اس کا برقع اس کی طرف پھینکا۔

”ہمت کرو، پلیز..... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ یمنی نے حنہ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا اور آزر کو گریبان سے پکڑ کر مارنے لگی۔

”گھنٹیا انسان..... تم نے مجھ سے محبت کا ڈراما

رچایا۔ اتنا عرصہ مجھ سے کھیل کھیلتے رہے۔ ایکسیڈنٹ کرتے رہے۔“ یمنی نے غصے سے کہا۔

”تم..... اور محبت کے قابل.....؟ اپنی دیکھی ہے آئینے میں.. تمہاری کالی شکل کی طرف کوئی دیکھنا تو کیا تھوکتا بھی پسند نہیں کرے

چمکاؤ..... کالی چڑیل.....“ آزر نے اسے تھپڑ چاہا تو یمنی نے جوڑو کے ٹرس کرتے ہوئے ٹانگ اس کے سر پر ماری۔ آزر وہیں گر گیا۔

”حنہ چلو..... یہاں سے۔“ یمنی نے اسے سہارا دے ہوئے اٹھایا۔ آزر بہ مشکل اٹھ کر ان کی طرف لپکا۔

”ابھی میں حنہ کی وجہ سے جا رہی ہوں اس کی فکر ہے مگر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ مت سمجھنا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔ میں تمہیں مارنے دوں گی نہ جینے دوں گی۔ یاد رکھنا۔“ یمنی نے حنہ کی طرف دیکھتے ہوئے غم آنکھوں سے کہا۔

”کیا کر لوگی تم..... میں تمہیں یہاں سے جانے دوں گا تو پھر ہے ناں.....!“ آزر نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”تم.....!“ یمنی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں اور اس کی آواز کا پھٹنے لگی۔ اس نے مشکل اپنے آپ کو نارمل رکھتے ہوئے حنہ کو بازو سے اٹھایا اور تیز تیز چلتی ہوئی باہر نکلتے لگی تو آزر پھر ان کے پیچھے آنے لگا۔ یمنی نے دو تین ٹانگیں گھما کر اس کے پیٹ میں ماریں۔ وہ تڑپنے لگا وہ جلدی سے حنہ کے ہمراہ گیٹ تک آئی۔ چوکیدار گیٹ پر نہیں تھا۔ گیٹ کھول کر باہر نکل گئی۔ حنہ کو گاڑی میں بٹھایا اور ایسولینس کو کال کیا۔ تھوڑی دیر بعد ایسولینس آگئی۔

اس نے حنہ کو ایسولینس میں بٹھایا اور خود بھی اس کے ہمراہ بیٹھ کر اسے اسپتال لے جانے لگی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے، حنہ کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہا رہے تھے اور وہ انتہائی تکلیف سے کرا رہی تھی۔

ماہنامہ ہالک سٹریٹ



## آنسو

☆ محبت مسکراہٹ سے شروع ہو کر آنسوؤں پر ختم ہوتی ہے۔

☆ آنسو ہر موسم کے ساتھی ہیں۔

☆ قدرت کے آگے آنسوؤں کا ڈھیر لگاتا چا، کوئی آنسو تو اسے پسند آجائے گا۔

☆ جہنم کی آگ کو وہی آنسو بجھا سکتے ہیں جو وقتِ سحر مومن کی آنکھ سے ٹپکتے ہیں۔

☆ دنیا عاقل کی موت اور جاہل کی زندگی پر ہمیشہ آنسو بہاتی ہے۔

☆ توبہ کرنے والے کا ایک آنسو دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

☆ مصیبت کے وقت آنسو بہانا بہادری نہیں ہے۔

☆ مظلوم کی آنکھوں سے نکلا آنسو ظالم کے لیے سیلابِ ثابت ہو سکتا ہے۔

☆ مرسلہ: کرن فیاض..... راول پنڈی

لگیں۔ وہ بے صبری سے ان کا انتظار کرتے لگیں۔

بیمتی کا نمبر ملا یا مگر موبائل ہی آف تھا۔

ٹیلیفون کی بیل بجی تو ایمین نے فوراً ریسیور اٹھایا۔

”ہیلو..... کون.....؟“ انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔

”آپ کیا..... آپ سبز جمال ہیں؟“ دوسری

جانب کسی عورت نے پوچھا۔

”جی..... جی..... میں بول رہی ہوں۔“

ایمین نے دھڑکتے دل کے ساتھ جواب دیا۔

”کیا میں آپ کی بیٹی یعنی سے بات کر سکتی

ہوں۔ میں اس کی بہت حسنه کی چچی بات کر رہی

ہوں۔“ عورت نے کہا۔

”بیمتی تو اس وقت اسپتال میں ہے۔“ ایمین

نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

”کیا..... لیکن وہ تو دو پہر کو بالکل ٹھیک تھی۔“

ہمارے گھر آئی اور حسنه کو ساتھ لے کر چلی گئی۔ اب

”حوصلہ کرو..... پلیز مجھے معاف کرو۔ میں ہی تمہاری مجرم ہوں۔“ یعنی نے حسنه کا ہاتھ پکڑ کر غم آنکھوں سے کہا تو حسنه بری طرح سسکنے لگی۔ یعنی بھی رونے لگی۔

”سحر.....“ وہ بہ مشکل بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یعنی اسے دلاسا دینے کی کوشش کرتی

مگر حسنه کے آنسو نہیں ختم رہے تھے۔ اس کا نقاب بری طرح بھیگ چکا تھا۔ اچانک ایسویٹس ریوے

بھانک کے پاس رگی۔ ٹرین جب قریب پہنچنے والی تھی تو حسنه نے انتہائی تیزی سے ایسویٹس کا دروازہ

کھولا اور سر پٹ بھاگتے ہوئے ٹرین کے سامنے چلی گئی۔ یعنی اس کے پیچھے بھاگی اور وہاں پر موجود

لوگوں نے بھی اس کے پیچھے بھاگنا چاہا مگر تب تک حسنه ٹرین کے نیچے آچکی تھی۔ ٹرین کے جانے کے

بعد سب لوگ موقع پر اکٹھے ہو گئے، حسنه کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس کے برقع کے چھڑے ادھر ادھر اڑ

رہے تھے۔ ہر طرف خون اور گوشت کے ٹوٹے تھے۔ نہ اس کا جسم باقی بچا تھا نہ اس کا سر اور نہ

دھڑ..... یعنی یاگوں کی طرح چلانے لگی۔ اپنے سر کے بال تو چنے لگی۔ ”حسنه، حسنه.....“ کہہ کر چلاتے

ہوئے وہ ریوے ٹریک پر بھاگ رہی تھی۔ لوگوں نے بہ مشکل اس کو ایسویٹس میں بٹھایا اور اسے

اسپتال لے گئے۔

☆☆☆

”بیمتی..... اور اسپتال میں..... یہ، یہ کیسے ممکن ہے؟“ جمال صاحب نے فون پر حیرت سے چلاتے

ہوئے کہا۔ جب ایمین نے انہیں روتے ہوئے فون کر کے آفس میں اطلاع دی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

”مجھے کچھ معلوم نہیں..... اسپتال سے فون آیا ہے، خدا کے لیے مجھے اس کے پاس لے جائیں ورنہ

میں مرجاؤں گی۔“ ایمین نے سسکتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں ابھی آ رہا ہوں۔“ جمال

صاحب نے کہہ کر فون بند کر دیا اور ایمین روتے



رات ہونے کو ہے، حمنہ بھی اتنی دیر تک گھر سے باہر نہیں رہی۔ اس کے چچا اور میں ہم سب بہت پریشان ہو رہے ہیں، پلیز یمنی سے پوچھ کر بتائیں کہ حمنہ کہاں ہے؟“ چچی نے فکر مندی سے کہا۔

”میں اور میرے شوہر ابھی اسپتال جا رہے ہیں، وہاں سب معلوم کر کے آپ کو انعام کروں گی۔“ ایمین نے جواب دیا اور قون بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد جمال صاحب آگئے تو وہ ان کے ہمراہ اسپتال پہنچیں۔ یمنی ICU میں تھی اور اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے نیند کے انجکشنز دیے تھے۔

”یمنی کو اسپتال کون لایا؟“ جمال صاحب نے ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر سے انکوائری کرتے ہوئے پوچھا۔ ”ایمبولینس کا ڈرائیور.....“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ”وہ اب کہاں ہے؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“ جمال صاحب نے کہا۔ ڈاکٹر نے ایمبولینس کے ڈرائیور کو بلایا۔ وہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔

”آپ نے یمنی کو کہاں سے پک کیا اور آپ کو کس نے اطلاع دی۔ کیا یمنی کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا تھا۔ مجھے ساری بات تفصیل سے بتائیں۔“ جمال صاحب نے کہا۔

”بی بی کی دوست کی طبیعت خراب تھی۔ شاید اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا تھا۔ ریلوے چانک پر میں نے گاڑی روکی تاکہ ٹرین گزر جائے مگر ان کی دوست نے ٹرین کے نیچے آکر خودکشی کر لی اور بی بی اس کو دیکھ کر اتنی بدحواس ہوئیں کہ پاگلوں کی طرح بھاگتی رہیں اور پھر گر گئیں۔“ ڈرائیور نے بتایا تو جمال صاحب اور ایمین پریشان ہو گئے۔

”کیا.....؟“ ایمین نے گھبرا کر پوچھا۔ ”معلوم نہیں..... شاید اسے کوئی حادثہ پیش آیا تھا۔“ ڈرائیور نے بتایا۔

”اوٹو.....“ جمال صاحب بڑبڑاتے اور پھر خاموش ہو گئے۔

”آپ لوگوں نے ان لوگوں کو کہاں سے پک کیا تھا۔“ جمال صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

”ڈیفنس کے ایک علاقے سے۔ میرے پاس اس کا ایڈریس لکھا ہے۔“ ڈرائیور نے اپنی جیب سے ایڈریس نکال کر دیا۔

”اور اس لڑکی کی لاش کہاں ہے؟“ ایمین نے پریشانی سے پوچھا۔

”لاش کیا سر..... اس کا تو نام دستان باقی نہیں رہا..... سوائے خون کے..... جو ریل کے پٹریوں پر لگا تھا۔ وہ بے چاری تو.....“ ڈرائیور آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔

”یا خدا یا..... یہ سب کیا ہو گیا ہے۔“ ایمین روتے روتے بولیں اور ان کا موبائل بجنے لگا۔

”میں انہیں کیا جواب دوں.....؟ حمنہ کی چچی کا فون آرہا ہے۔“ ایمین نے تاسف سے کہا۔

”کچھ نہ کچھ تو بتانا پڑے گا، تم انہیں اسپتال بلاؤ اور پھر آرام سے سمجھا دینا۔ میں اس جگہ جا رہی ہوں۔ جہاں کا ایڈریس اس نے دیا ہے۔“ جمال صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا اور ایمین پریشانی سے انہیں دیکھنے لگیں۔ ان کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ انہوں نے پریشانی سے ہونٹ سکڑتے ہوئے موبائل کی طرف دیکھا اور گہری سانس لے کر بات کرنے لگیں۔

”آپ اسپتال آجائیں۔“ ایمین نے آہستہ آواز میں اسپتال کا نام بتا دیا۔

”کیا حمنہ اسپتال میں ہے، اسے کیا ہوا ہے؟ وہ ٹھیک تو ہے نا؟“ اس کی چچی بہت بے مہری سے پوچھتی رہیں مگر ایمین کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتی رہیں اور موبائل آف کر دیا۔

(باقی آئندہ)



ناولٹ

# کہیں دیپ کجے کہیں دل

قیصر حیات

نواں حصہ



جمال صاحب ایڈریس کی چٹ ہاتھ میں پکڑے ڈیفنس کے ایریا میں گھوم رہے تھے کہ اچانک انہیں یمنی کی گاڑی وہاں کھڑی دکھائی دی۔ انہوں نے اپنی گاڑی سے نکل کر اس کی گاڑی کو دیکھا اور پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر لکھے ہوئے ایڈریس پر چلے گئے۔ گھر کے باہر آزر عظیم لکھا تھا، وہ دیکھ کر چونکے۔

آزر عظیم کی یمنی اور حسنہ آزر سے ملنے



### نظم

کسی کی قسمت میں تاریکیاں  
کسی کے قدموں تلے چاندنی  
کسی کا مقدر راج تریا  
کسی کا نصیب پھرے در بدر  
کوئی طوقاں کی موجوں پہ جو سفر  
کوئی ادب گیا لب ساحل پر  
کسی کو ملے بے دعا کے ثمر  
کسی کی وعائیں رہیں بے اثر  
شاعر: نجمہ ناز احمد، کراچی

آئے گی وہ تو وہ تو وہ تو..... یہ کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”جمنہ کہاں ہے؟“ اس کے گھر والے بھی بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ ”ایمن نے پریشانی سے پوچھا۔  
”جمنہ مر گئی ہے۔ اس نے suicide کر لی ہے۔“ ایمنی نے روتے ہوئے کہا۔

”suicide مگر کیوں؟“ جمال صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ اور جواب میں ایمنی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ وہ اس قدر شدت سے روتی کہ ایمن اور جمال صاحب پریشان ہو گئے۔ سسٹر کی مدد سے اسے زبردستی بیڈ پر لٹایا۔ اسے فوری سکون کا انجکشن لگا کر سلا دیا گیا۔

☆☆☆

جمال صاحب، فواد اور ایمن لینس ڈراما کے ساتھ چائے و فوہہ پر گئے تھے اور وہ اس جگہ کو بار بار دیکھ رہے تھے جہاں پر جمنہ نے خودکشی کی تھی۔ کل وہاں پر خون اور گوشت کے ٹوٹے پڑے تھے مگر اب وہاں پر ان کا بھی نام و نشان نہیں تھا۔ پڑیوں کے اندر کہیں کہیں خون کے دھبے تھے۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ یہیں پر بچی ٹرین کے

صاحب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے گھر بھیجا۔ وہ لوگ روتے ہوئے چلے گئے۔

”ایمن، ایمنی کا موبائل لاؤ۔۔۔ کہاں ہے؟“ جمال صاحب نے بیوی سے کہا۔

”معلوم نہیں،۔۔۔ میں ڈیوٹی پر موجود سسٹر سے پوچھتی ہوں۔“ ایمنی کہہ کر ICU میں چلی گئیں اور جہاں صاحب وہیں سوچتے رہ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایمن واپس آئیں۔

”سسٹر کہہ رہی ہے کہ ایمنی کی کوئی چیز انہیں نہیں ملی۔ اب معلوم نہیں کہ موبائل کہاں کھو گیا ہے۔“ ایمنی نے بتایا تو جمال صاحب ان کی طرف پریشانی سے دیکھنے لگے۔

”آپ جہاں گئے تھے کیا وہاں سے کوئی خبر ملی؟“ ایمنی نے پوچھا۔

”نہیں۔“ انہوں نے آہ بھر کر جواب دیا۔

☆☆☆

ایمنی کو اگلے روز ہوش آیا تو وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ماں، باپ کی طرف دیکھنے لگی۔

”ایمنی بیٹی اب تم کیسی ہو؟“ ایمنی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے پوچھا۔

”میں، میں کہاں ہوں؟“ ایمنی ایک دم بیڈ پر بیٹھ کر ارد گرد دیکھتے ہوئے زور زور سے چلائی۔  
”تم تم اسپتال میں ہو اور تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے بیٹا۔“ ایمنی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی محبت سے کہا۔

”جمنہ کہاں ہے؟“ جمنہ کے پاس جانا ہے۔ وہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کرنے لگی۔ ایمن اور جمال صاحب نے آگے بڑھ کر اسے روکا۔

”جمنہ بھی آجائے گی، تمہیں ابھی ریست کی ضرورت ہے۔“ جمال صاحب نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”نہیں ڈیڈی۔۔۔ نہیں۔۔۔ اب جمنہ کبھی نہیں

”فواد صاحب آپ یہاں کیسے؟“ جمال نے بھی حیرت سے پوچھا۔

”میں جمنہ کا چچا ہوں اور یہ میری بیوی ہیں ہم نے تو جمنہ کو اپنی بیٹی کی طرح پالا ہے۔ وہ میری اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ غالباً آپ کی بیٹی ہی اسے کہیں لے کر گئی تھی۔“ فواد نے پریشانی سے بتایا۔ اب اس کے لب و لہجے میں واضح فرق تھا۔ اب فواد قدرے نرمی سے بات کر رہا تھا۔

”جمال۔۔۔ یہ پولیس میں ایمنی کے خزانہ رپورٹ لکھوانے کا کہہ رہے ہیں۔۔۔ پلیز ایمنی ہوش میں آنے تک انہیں روکیں۔“

ایمنی نے پریشانی سے جمال احمد کو بتایا۔ جمال احمد نے ان کی طرف بغور دیکھا۔

”جمال صاحب۔۔۔ اگر برنس کے سلسلے میں آپ کے مجھ پر احسانات نہ ہوتے تو شاید میں پولیس میں ضرور جاتا مگر اب میں نے آپ کو دیکھ کر اپنا بار بدل دیا ہے۔ پلیز ہماری بیٹی کو تلاش کریں۔“ فواد نے غم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
”میں پوری کوشش کر رہا ہوں اور ضرورت پڑی تو میں خود پولیس میں رپورٹ لکھواؤں گا۔“ ایمنی بھی مجھے اپنی ایمنی عزیز ہے۔ میں آہ کے دکھ میں برابر کا شریک ہوں۔“ جمال احمد اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔ فواد خاموش ہو گیا۔

”لیکن یہ جمنہ کی ڈیوٹی کے بارے میں بتا رہی ہیں، کیا یہ سچ ہے؟“ جمنہ کی روتی ہوئی آنکھوں نے جمال صاحب سے پوچھا۔

”ابھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہت ہو رہی ہے۔ سچ جائے فوہہ پر دیکھیں گے۔ پلیز آپ حوصلہ رکھیں۔ اللہ بہتر رکھے گا۔“ آپ لوگ اب گھر جائیں اور جیسے ہی مجھے اطلاع ملتی ہے میں آپ کو اندر م کروں گا۔“

آئی تھیں۔“ وہ حیرت سے بڑبڑائے اور گیٹ ہل بجائی۔ مگر کوئی گیٹ کھولنے نہیں آیا۔ وہ مسلسل ہل بجاتے رہے مگر کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے چونک کر گیٹ کو ہلا کر دیکھا تو اندھیرے میں انہیں پھونٹے گیٹ پر بڑا سالاک لگا دکھائی دیا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگے اور برابر والے گھر کی ہل بجائی۔ چونک کر باہر نکلا تو وہ اس سے آڑ کے بارے میں پوچھنے لگے مگر چونک کر اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ جمال صاحب واپس لوٹ آئے۔ انہیں کہیں سے کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

☆☆☆

جمنہ کے چچا اور چچی اسپتال میں ایمنی کے پاس کھڑے بری طرح رداور چلا رہے تھے۔ ایمنی نے انہیں جمنہ کی موت کے بارے میں بتایا تھا مگر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

”ہم کچھ نہیں جانتے۔۔۔ ہمیں اپنی بیٹی چاہیے۔ آپ کی بیٹی اسے ہمارے گھر سے لے کر گئی تھی۔ ہمیں ہماری جمنہ زندہ سلامت چاہیے۔“ اس کے چچا نے ایمنی کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تو وہ پریشان ہو کر بے بسی سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

”میں آپ کی بیٹی کے خلاف پولیس میں رپورٹ لکھوانے جا رہا ہوں۔“ جمنہ کے چچا نے غصے سے ایمنی کو دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

”خدا کے لیے آپ ایسا مت کریں، ایمنی کا روضہ بریک ڈاؤن ہوا ہے، وہ جیسے ہی ہوش میں آتی ہے میں خود پوری بات پوچھتی ہوں۔“ ایمنی نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی مگر وہ دونوں بہت مشتعل ہو رہے تھے کہ جمال صاحب خود وہاں پہنچ گئے۔ ان کے چہرے پر انتہائی پریشانی اور مایوسی کے تاثرات تھے۔

”جمال صاحب آپ۔۔۔؟“ ایمنی کے چچا نے جمال احمد کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔



”جی ہاں جناب..... ہمیں پر اس کا خون تھا اور ٹرین اسے کافی دور تک گھسیٹتی ہوئی لے گئی۔ بے چاری کی ایسی حالت تھی کہ اس وقت ہی پہچانی نہیں جا رہی تھی۔“ ڈرائیور نے افسردگی سے بتایا تو جمال صاحب ہم آنکھوں سے فواد کی طرف دیکھنے لگے۔

”آپ کو بہت حوصلے اور صبر سے کام لینا ہے۔ بچی کا معاملہ ہے۔ اگر اس سے آپ کی عزت پر حرف نہ آتا تو میں ضرور ابھی میڈیا تک اپروچ کرتا۔ ابھی مجھے جتنا دکھ ہو رہا ہے، میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔“ جمال صاحب نے اپنی ہم آنکھوں کو اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا تو فواد بری طرح سسکنے لگا۔ ڈرائیور ادھر ادھر جھاڑیوں میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کافی دور سے اسے جھاڑیوں میں حسد کی جوتی..... اور برقع کا کپڑا اٹکا ہوا ملا..... اس نے بلا کر فواد کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

”یہ اس بی بی کی جوتی اور برقع کا کپڑا ہے۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟“ ڈرائیور نے کہا۔ فواد نے ان چیزوں کو پکڑا اور دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ جمال صاحب کی آنکھیں بھی برسے لگیں۔

☆☆☆

”ماں جی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ردا کے ہمراہ لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ ردا نے کام دانی کے سفید سوٹ کے ساتھ گاڑا اور پٹا اوڑھ رکھا تھا اور بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

”بیٹا..... پانی تو پلاؤ، سانس پھونے لگی ہے۔“ ماں جی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”جی..... ماں جی ابھی لائی۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا اور کچن میں چلی گئی۔ سائڈ ٹیبل پر رکھا ٹیلیفون بچتے لگا تو ماں جی نے بہ مشکل اٹھ کر

ریسیور کان سے لگا دیا۔

”السلام علیکم..... گھر میں خیریت تو ہے، کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ میں گھبرا گئی۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے فکر مندی سے پوچھا۔

”ہاں..... ہمسائے میں میلا دپاک کی محفل تھی۔ میں اور ردا وہاں گئے تھے۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”شاید..... اسی لیے ردا موبائل بھی نہیں اٹھا رہی تھی۔“ خدیجہ بیگم نے کہا۔

”ہاں..... ماں جی نے کہا۔“ ردا اصل بچوں نے اتوار کو beach پر پکنک منانے کا پروگرام بنایا ہے۔ خاص طور پر ردا، روحیل اور آپ کے لیے۔ میں نے آپ لوگوں کو انوائسٹ کرنے کے لیے ہی فون کیا ہے۔“ خدیجہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں، کیوں نہیں۔ ردا اور روحیل تو ضرور آئیں گے لیکن میں ڈرامہ ہی باہر نکلتی ہوں۔ کس وقت بی بی اور شوگر ہائی ہو جائے کچھ پتا نہیں چلتا۔“ ماں جی نے کہا۔

”ٹھیک ہے پھر آپ ردا اور روحیل کو بھیج دیجیے گا۔“ خدیجہ بیگم نے کہا اور فون بند کر دیا۔ ردا جوڑے میں پانی کا جگ اور گلاس رکھ کر ٹوری لے آئی تھی۔ ان کی گفتگو سے سمجھ گئی کہ ماں کا فون آیا ہے۔

”بیٹا..... تمہاری ماما کا فون تھا۔“ انہوں نے پانی پی کر ردا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے روحیل لاؤنج میں داخل ہوا اور ماں جی کو سلام کر کے وہیں بیٹھ گیا۔

”تمہارے گھر والوں نے اتوار کو کوئی پکنک کا پروگرام بنایا ہے تم اور روحیل چلے جانا۔“ ماں جی نے ردا کو بتاتے ہوئے کہا۔ ردا نے ایک دم چونک کر روحیل کی طرف دیکھا۔

”نہیں... مجھے اور ردا کو کہیں اور جانا ہے“

اپنے ایک فریڈ کی طرف۔“ روحیل نے ہلکے سے جواب دیا۔

”فریڈ کو انکار کر دو..... میں نے خدیجہ بہن سے کہا ہے کہ میں تم دونوں کو ضرور بھیجوں گی۔ وہ تو مجھے بھی آنے کا کہہ رہی تھیں۔“

”ماں جی آپ پہلے مجھ سے تو پوچھ لیتیں۔“ روحیل نے تنگی سے کہا۔

”کیوں.....؟ یہ کون سی اتنی بڑی بات تھی جو میں تم سے پوچھتی۔ تم لوگوں کو جانا ہے اور بس۔“ ماں جی نے طبیعت سے کہا۔ روحیل غصے سے گہری سانس لے کر وہاں سے چلا گیا اور ردا پریشانی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

”بیٹا..... یوں چھوٹی چھوٹی باتوں سے پریشان نہیں ہوتے۔ شوہر کے حراج کو دیکھنے میں تھوڑا وقت لگتا ہے۔“ ماں جی نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ زبردستی مسکراتے لگی۔

”میرے پاس عاصم کا فون آیا تھا اور میں نے اسے آؤٹنگ پر جانے سے منع کر دیا تھا۔ اس کے وجود تمہاری ماما نے کیوں..... فون کیا؟ ردا جب کمرے میں روحیل کے لیے چائے لے کر گئی تو وہ سخت ناگواری سے کہنے لگا۔

”روحیل..... میں کچھ نہیں جانتی۔ ان لوگوں نے کب اور کیا پروگرام بنایا ہے؟“ ردا نے بے بسی سے کہا۔

”مجھے ان فضول ایکٹیویٹیز میں کوئی دلچسپی نہیں..... اوتھہ..... bonfire برٹش..... تم اپنے گھر والوں کو خود ہی سمجھا دو تو بہتر ہے۔“ نہایت سختی سے اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں ابھی انہیں منع کر دیتی ہوں۔“ ردا نرم لہجے میں بولی۔

”لیکن اب تو جانا پڑے گا ناں..... ماں جی کا حکم جو ہے۔ نہ گئے تو ماں جی خفا ہوں گی اور ان کی

کھیل حبیب طے کھیل دل

ناراضی میں انور ڈھیس کر سکتا۔“ روحیل نے سر جھٹکتے ہوئے جھنجھلا کر کہا اور بڑبڑاتا ہوا اٹھ کر واش روم چلا گیا اور ردا بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

روحیل صرف ماں جی کا حکم مانتے ہوئے پکنک پر جانے کے لیے بڑی بے دلی سے تیار ہوا تھا البتہ ردا دل ہی دل میں بہت خوش تھی۔ عاصم کو ایسی تفریح کا بہت شوق تھا سو سارے انتظامات بھی وہی اپنے ذمے لیتا، پانی، جوس، برتن، میٹ، چادر، تو لیے، اٹھو پھر اس کے علاوہ کھانے پینے کا ڈھیروں سامان سب رات سے ہی تیار کر لیا گیا تھا تاکہ کسی قسم کی کوئی بد مزگی نہ ہو اس کے علاوہ ساحل پر کھیلنے کے لیے فرز بی اور بڑی سی گیند بھی رکھ لی گئی تھی۔ ماما نے تو اپنی طبیعت کی وجہ سے جانے سے انکار کر دیا تھا البتہ زاہدہ کو شہیلہ کی مدد کے خیال سے ساتھ بھیج دیا تھا۔ ان سب نے سچ پر پہنچ کر خوب انجوائے کیا۔ مزے کے گیمز کھیلے گئے پھر بیت بازی ہوئی، آجس میں گانوں کا مقابلہ ہوا۔ روحیل نہایت بے دلی سے ان سب چیزوں میں شریک رہا جسے خاص طور پر شہیلہ نے بہت ٹوٹ کیا۔ اب سب لوگ سوچ مستی کرنے پانی کی طرف جا رہے تھے۔ روحیل آہستہ آہستہ چل رہا تھا جبکہ ردا بھائیوں کے ساتھ گے بڑھ گئی تھی۔

”کیا بات ہے، آپ انجوائے نہیں کر رہے؟“ شہیلہ نے روحیل کو آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دیکھا تو جان بوجھ کر رگ گئی اور جب روحیل اس کے قریب آیا تو بڑی رگڑ سے بوجھا۔

”مجھے ایسی گیدرنگز پسند نہیں۔“ روحیل نے جھٹ مٹہ بنا کر جواب دیا۔

”ویسے سچ پوچھیں تو مجھے بھی نہیں..... لیکن ان سب کا ساتھ تو دینا پڑتا ہے۔ وہ بھی فہام کی خاطر.....“ شہیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو روحیل خاموش ہو گیا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔







نیز بھرے لہجے میں کہا۔

”فہام بھائی.....!“

”روا! تم ٹھیک تو ہوتاں.....!“ وہ ایک دم گھبرا کر بیٹھ گیا۔

”فہام بھائی وہ دراصل روحیل کو بہت خیر بخار ہے، انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے... اور ڈرائیور چھٹی پر ہے۔“ ردا نے پریشان ہو کر کہا۔

”تم..... تم پریشان مت جو..... میں ابھی آ رہا ہوں۔ میں خود اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہوں۔ میری جان تم فکر نہیں کرو۔“ فہام نے گھبرا کر بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”فہام بھائی آ رہے ہیں۔“ ردا نے موبائل آف کر کے ماں جی کو سلی دی۔

”اللہ ان کا بھلا کرے..... اور میرے روحیل پر رحم کرے۔“ ماں جی دعائیہ لہجے میں بولیں۔

ڈاکٹر کے کلینک میں روحیل چیکنگ بیڈ پر لیٹا بری طرح کانپ رہا تھا۔

ڈاکٹر اسٹیتھو اسکوپ سے اسے اچھی طرح چیک کرنے کے بعد اس کی آنکھیں کھول کھول کر چیک کر رہا تھا۔

”کیا انہیں ایسا بخار اس سے پہلے بھی کبھی ہوا ہے؟“ ڈاکٹر نے قدرے تشویش سے چیک کرتے ہوئے پوچھا تو فہام نے یک دم ردا کی طرف دیکھا۔

”معلوم نہیں.....“ ردا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟“ فہام نے گھبرا کر پوچھا۔

”نی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ان کے کمپیوٹ ٹیسٹ کرائیں اور جیسے ہی رپورٹ ملتی ہیں وہ مجھے ضرور دکھائیں۔ اس کے بعد میں فائنلی کچھ بتاؤں گا لیکن ابھی تو یہ میڈیسن انہیں دے دیں۔

انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔“ ڈاکٹر نے ایک پیپر

پر نسخہ لکھا اور فہام کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

”گھبرانے کی کوئی بات نہیں، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”انشاء اللہ.....“ ردا اور فہام نے بھی اسے ساتھ کہا اور ڈاکٹر سے چند ہدایات لے کر وہ روحیل کو پکڑ کر گاڑی کی طرف لے جانے لگے۔

☆☆☆

شمیلہ کی آنکھ کھلی تو کمرے میں فہام موجود تھا وہ حیران رہ گئی۔ آج مجھ سے پہلے انھ کو فہام کہا چلے گئے۔ وہ لاؤنج میں آئی تو خدیجہ بیگم بیچ پرزہ ہوئے آہستہ آہستہ مل رہی تھیں۔

”خالہ جان..... فہام کہاں ہیں، صبح، صبح آ گئے۔“ شمیلہ نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

”روحیل کی طبیعت ٹھیک نہیں..... صبح ردا فون آیا تھا۔ فہام اسے لے کر اسپتال گیا ہے۔ خدیجہ پریشانی سے بولی۔

”کیا شادی کے بعد بھی..... ردا دم چھٹا رہے ہمارے ساتھ رہے گی؟“ شمیلہ ایک دم غصے سے بھڑک اٹھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ خدیجہ بیگم کو غصہ آ گیا۔

”اب ردا ذرا ذرا سی باتوں پر بھائیوں کو بھڑکے گی۔ شادی ہو گئی ہے اپنے مسئلے خود دھنڈائے، وہ غصے سے بولے جارہی تھی۔

”تمہیں کیوں برا بھلا ہو رہی ہے؟“ خدیجہ غصے سے ذرا بلند آواز میں شمیلہ سے کہا تو اسی وقت عاصم اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا اور ان باتیں سننے لگا۔

”کیا فہام صرف تمہارا شوہر ہے۔ مگر یاد رکھو کہ تم سے پہلے وہ ردا کا بھائی اور میرا بیٹا ہے۔“ خدیجہ نہایت غصے سے بولیں۔

”ہاں نہ جانے کب تک یہ عذاب بھگتتا رہا۔“

گا۔“ وہ طنزیہ لہجے میں بڑبڑائی۔

”شمیلہ بھابی..... آپ ماما کے ساتھ کس لہجے میں بات کر رہی ہیں؟“ عاصم نے آگے بڑھ کر بہ مشکل اپنے غصے پر قابو پایا۔

”عاصم بیٹا! تم اندر جاؤ۔“ ماما نے گھبرا کر عاصم سے کہا۔

”میری سچی باتیں تم لوگوں کو اتنی کڑوی کیوں لگتی ہیں؟“ شمیلہ نے عاصم کو غصے سے دیکھ کر کہا۔

”اس لیے کہ آپ کی سچی باتیں انتہائی وابستہ اور گھٹیا ہوتی ہیں۔“ وہ بھی دوہرہ بولے گیا۔

”شٹ اپ.....“ شمیلہ نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا اور پاؤں پیٹتے ہوئے اندر چلی گئی۔

”لگتا ہے، یہ پہلے بھی آپ سے یونہی بدتمیزیاں کرتی رہی ہیں۔ کیا آپ نے فہام بھائی کو کبھی کچھ بتایا؟“ عاصم نے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں.....“ وہ ایک سرواہ بھر کر رہ گئیں۔

”اب میں ہی انہیں بتاؤں گا۔“ عاصم نہایت غصے سے بولا۔

”نہیں بیٹا! فہام کو کچھ مت بتانا..... اگر اسے پتا چل گیا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی اور شمیلہ پھر ہمیں ہی الزام دے گی۔“ انہوں نے بیٹے کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”بھابی یہ سب کیوں کر رہی ہیں؟“ وہ حیرت میں تھا۔

”وہ بڑی گہری چال چل رہی ہے۔ بس اللہ ہی ہمیں بچائے۔“ خدیجہ آہ بھر کر رہ گئیں تو عاصم پریشان ہو کر ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

☆☆☆

روحیل بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ ماں جی اور ردا اس کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ فہام میڈیسنز کا خافہ پکڑے اندر آیا۔

”یہ میڈیسنز..... روحیل کو کتنا مہم پر دے دینا۔“

ابھی کچھ

پھول کھلنے ہیں

ابھی کچھ اور دیکھو تم

ابھی کچھ اور جانو تم

ابھی موسم بدلنا ہے

ابھی سورج نکلنا ہے

ابھی برف کے تودوں کو

پھاڑوں سے پگھلنا ہے

پگھلنا ہے ابھی چاندنی کو پانی میں

اترنا ہے ابھی سونا کرنوں کی ردا کی میں

ابھی تو اس جہیل کے اوپر کنول کے پھول کھلنا ہے

ابھی اس کے کناروں پر

کسی اجنبی دیس کے پتھریوں کو بھی اترنا ہے

ابھی کچھ پھول کھلنے ہیں

ابھی کچھ زخم سلنے ہیں

ابھی تو منتظر ہیں ہم کسی اچھی نشانی کے

بہت کردار باقی ہیں ابھی اپنی کہانی کے

میری جاں میری، نو تم

کہہ جائے کی نہ تھا تو تم

ابھی کچھ اور جانو تم

ابھی کچھ اور ٹھہرو تم

شاعر: سعد اللہ شاہ

مرسلہ: سامعہ تبسم، ملتان



فہام نے سنجیدگی سے کہا۔  
 ”میں نے کس کے ساتھ بدتمیزی کی ہے؟“  
 عاصم نے ایک دم چونک کر پوچھا۔  
 ”آپ لوگ کھانا کھائیں۔ یہ کس طرح کی  
 ڈسکشن کر رہے ہیں۔“ شمیمہ نے گھبرا کر فہام کی  
 طرف دیکھتے ہوئے کہا تو عاصم نے پلیٹ کر ماما کی  
 طرف دیکھا انہوں نے آنکھوں کے اشارے سے  
 اسے خاموش رہنے کو کہا۔ عاصم کھانا چھوڑ کر اٹھنے لگا۔  
 ”عاصم کہاں جا رہے ہو کھانا تو پورا کھا لو۔“  
 شمیمہ نے عاصم کی پلیٹ کی طرف دیکھ کر نرمی سے کہا۔  
 ”میری آپ ٹرکس بہت اچھے کھیتی ہیں۔“ عاصم  
 نے تہایت طنز یہ انداز میں کہا۔  
 ”مثبت آپ۔۔۔۔۔ عاصم! تیز سے بات کرو یہ  
 تمہاری بھابی ہے۔“ فہام نے انتہائی غصے کے عالم  
 میں عاصم کو ڈانٹتے ہوئے کہا تو سب نے حیرت سے  
 فہام کی طرف دیکھا۔ لگتا ہے مجھے ہی تمہیں تیز سکھائی  
 پڑی گی۔“ فہام نے غصے سے کہا۔  
 ”کیا۔۔۔؟“ عاصم نے حیرت سے آنکھیں  
 پھیلا کر کہا اور اس کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی پھر وہ  
 وہاں رکا نہیں۔ خدیجہ بیٹے کو آوازیں دیتی رہ گئیں۔  
 ”عاصم، عاصم کہاں جا رہے ہو۔“ کھانا تو کھا لو۔“  
 ”ماما۔۔۔۔۔ پتیز عاصم کو کچھ تیز سکھائیں، بہت۔۔۔  
 بدتمیز ہو رہا ہے۔ بڑوں کی عزت کا ذرا خیال نہیں۔“  
 فہام نے ماں سے کہا۔  
 ”اس سے پہلے تو تمہیں وہ ایسا کبھی نہیں لگا  
 تھا۔ اب ہی کیوں بدتمیز لگنے لگا ہے؟“ انہوں نے  
 خفگی سے بہو کی طرف دیکھ کر کہا اور وہاں سے اٹھ کر  
 چلی گئیں۔  
 ”فہم میں نے آپ کو اسی لیے بات کرنے  
 سے منع کیا تھا۔۔۔۔۔ اب دیکھ لیا آپ نے۔۔۔۔۔ خالہ  
 جان یہی سمجھ رہی ہیں کہ میں نے ہی آپ کو بھڑکایا  
 ہے۔“ شمیمہ ایک دم آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

ہوئے بولی۔

”اس میں پٹی پڑھانے کی کیا بات ہے۔ ظاہر  
 ہے تم جو کچھ کہہ رہی ہو۔۔۔۔۔ جھوٹ تو نہیں کہہ رہی ہو  
 ناں۔۔۔۔۔ میں ابھی پوچھتا ہوں۔“ فہام نے جنگلی سے  
 کہہ کر تودہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔  
 ”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں چھوڑیں فہام، دفع کریں۔  
 عاصم ابھی بچہ ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ روجیل کی  
 طبیعت اب کیسی ہے؟“ وہ فہام کا ہاتھ پکڑ کر بات  
 بدلتے ہوئے کہنے لگی۔  
 ”اب کچھ ٹھیک ہے۔“ فہام نے گہری سانس  
 لے کر کہا۔  
 ”آپ مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ رواج  
 چاری اکیلی پریشان ہو رہی ہوگی۔“ وہ معنوی فکر  
 مندی دکھانے لگی۔  
 ”تم سو رہی تھیں، اس لیے تمہیں اٹھانا  
 مناسب نہیں سمجھا۔“  
 ”اب آپ ریٹ کریں بہت تھک گئے  
 ہوں گے۔ میں ابھی رواج کو تون کر کے پوچھتی ہوں  
 اور اسے تسلی بھی دیتی ہوں۔“ شمیمہ نے کہا تو وہ تھکے  
 ہوئے انداز میں بیڈ پر لیٹ گیا اور شمیمہ معنی خیزی  
 سے مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔  
 ☆☆☆  
 ”کیا بات ہے، عاصم آج تم بہت خاموش  
 ہو؟“ رات کے کھانے پر اس قدر خاموشی تھی کہ حاتم  
 کو کچھ عجیب سا لگا اس نے عاصم کو غیظ طبع کیا۔  
 ”کبھی کبھی خاموش رہنا ہی اچھا ہوتا ہے۔“  
 عاصم نے جنگلی سے کہا تو فہام نے چونک کر اسے دیکھا  
 اور شمیمہ نے فہام کو۔  
 ”لیکن بھئی۔۔۔۔۔ تم خاموش اچھے نہیں لگتے۔“  
 حاتم مسکراتے ہوئے بولا۔  
 ”خاموشی اچھی ہوتی ہے۔ اس سے کم از کم  
 دوسروں کے ساتھ بدتمیزی کی فوہ تو نہیں آتی۔“

دیکھتی رہی پھر سناک آنکھیں لیے واپس آگئی۔  
 ”تمہارے بھائی تم سے کتنی محبت کرتے  
 ہیں۔“ ماں جی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”جی ہاں۔۔۔۔۔“ رواج نے مسکرا کر جواب دیا۔  
 ”اللہ انہیں سلامت رکھے۔“ ماں جی نے  
 دعائیہ لہجے میں کہا اور رواج آئین کھتے ہوئے روجیل  
 کے پاس چلی گئی۔

☆☆☆

فہام قدرے تھکے ہوئے انداز میں گھر لوٹا تو  
 شمیمہ کا موڈ بہت آف پایا۔  
 ”شمیمہ۔۔۔۔۔ کیا بات ہے؟“ فہام کے اتنا  
 پوچھنے پر وہ سسکیاں بھرنے لگی۔  
 ”فہام پلیز اس گھر میں میرا اسٹینس متعین کریں  
 کہ میں گیا ہوں، جس کا دل چاہتا ہے میری بے عزتی  
 کر دیتا ہے۔“ شمیمہ نے بے حد شکایتی لہجے میں کہا۔  
 ”میں نے تمہاری بے عزتی کی ہے؟“ فہام  
 نے پوچھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہا۔  
 ”عاصم نے۔۔۔۔۔“  
 ”عاصم نے کیوں؟“ فہام نے استفسار یہ  
 انداز میں پوچھا۔  
 ”آپ کو صبح صبح کمرے میں نہ پا کر میں نے  
 خالہ جان سے بس یہی پوچھا کہ آپ کہاں گئے ہیں۔  
 عاصم فوراً بولا آپ کیا فہام بھائی کی جاسوسیاں کرتی  
 رہتی ہیں۔ بس وہ بہت فضول باتیں کرتے لگا۔ فہام  
 اس نے میری بہت انسٹ کی ہے۔“ شمیمہ نے منہ  
 بنا کر روئے ہوئے کہا۔  
 ”کیا عاصم نے یہ سب کہا ہے؟ میں ابھی اس  
 سے پوچھتا ہوں۔“ فہام فوراً کمرے سے باہر جاتے  
 لگا تو شمیمہ آگے بڑھی۔  
 ”فہام۔۔۔۔۔ آپ کو میری قسم۔۔۔۔۔ اس سے کچھ  
 نہیں پوچھنا۔ وہ اور خالہ جان کہیں گے کہ میں نے  
 آپ کو پٹی پڑھائی ہے۔“ وہ فہام کا ہاتھ پکڑتے

فہام نے رواج کو میڈسز دیتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر  
 نے انجیکشن لگائے ہیں اب ٹیپریج کچھ کم ہے۔“ فہام  
 نے آگے بڑھ کر روجیل کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے  
 ہوئے کہا۔  
 ”کیا روجیل کو پہلے بھی کبھی ایسا ٹیپریج ہوا  
 ہے؟“ فہام نے ماں جی سے پوچھا۔  
 ”ہاں، کبھی کبھار۔۔۔۔۔ کیوں؟“ ماں جی نے  
 کچھ سوچتے ہوئے کہا۔  
 ”آپ فکر نہیں کریں بس پوچھی پوچھ رہا ہوں۔  
 بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔۔۔۔۔ اب میں چلتا  
 ہوں۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”بیٹا آپ کا بہت شکریہ۔۔۔۔۔ جو اتنی صبح صبح  
 آگئے۔“ ماں جی نے تشکرانہ لہجے میں کہا۔  
 ”شکریہ کی کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔ میری رواج  
 پریشان ہو تو کیا میں سکون سے رہ سکتا ہوں۔ کوئی  
 پرانم ہو تو مجھے فون کر دینا۔“ فہام نے رواج کو اپنے  
 ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو اس نے مسکرا کر سر ہلایا اور  
 فہام کو چھوڑنے پر رواج نے تک آئی۔  
 ”تم۔۔۔۔۔ اپنے فہام بھائی کو تھینک یو کہہ رہی  
 ہو۔۔۔۔۔ وبری بیٹ۔۔۔۔۔ آئندہ یہ نہیں سنوں گا۔“ فہام  
 معنوی خفگی سے بولا تو رواج آہستہ سے مسکرا دی۔  
 ”راج! تم اس گھر میں خوش تو ہوتا؟“ فہام  
 نے ایک دم موڈ بدل کر سنجیدگی سے پوچھا۔  
 ”جی۔۔۔۔۔ جی فہام بھئی۔“ رواج نے بھئی کو تسلی دی۔  
 ”اور۔۔۔۔۔ روجیل کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا  
 ہے؟“ فہام نے پوچھا۔  
 ”وہ بھی ٹھیک ہیں۔“ رواج نے نظریں چرا تے  
 ہوئے کہا۔  
 ”دیکھو مجھ سے کبھی کچھ مت چھپانا۔“ فہام  
 نے اسے بٹور دیکھتے ہوئے کہا، ایک مرتبہ پھر اپنے  
 ساتھ لگا کر سر پر پیار کیا اور خدا حافظ کہہ کر باہر کی  
 جانب قدم بڑھائے۔ رواج گیسٹ تک بھائی کو جاتا



”افوہ... کیا مصیبت ہے؟“ فہام نے جھنجھلا کر اٹھتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔  
”یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ حاتم نے حیرت سے پوچھا۔

”عاصم، خالہ جان کے ساتھ بد تمیزی کر رہا تھا۔ میں نے اسے سمجھانا چاہا تو الٹ مجھ سے ہی ناراض ہو گیا۔“ ہمیلہ شکایتی لہجے میں بولی۔  
”کیا عاصم... ماما کے ساتھ بد تمیزی کر رہا تھا... اس کا دماغ تو میں ابھی درست کرتا ہوں۔“ حاتم نے غصے سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ہمیلہ بھی گھبرائی ہوئی اس کے پیچھے چلی گئی۔

☆☆☆

عاصم نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ خدیجہ، عاصم کے کمرے کے باہر کھڑی اس کا دروازہ زور زور سے بجا رہی تھیں۔  
”عاصم... بیٹا... دروازہ کھولو، بیٹا میری بات تو سنو۔“ وہ بہت پریشان ہونے لگیں اٹنے میں حاتم بھی وہاں آ گیا۔

”ماما... ایک تو وہ آپ کے ساتھ بد تمیزیاں کرنے لگا ہے اور اب آپ ہی اسے منانے آ گئی ہیں۔“ حاتم خفگی سے کہا تو اسی لمحے عاصم دروازہ کھول کر بھائی کی بات سننے لگا۔

”کیا کیا... ماما کے ساتھ کون بد تمیزی کرتا ہے؟“ عاصم نے حیرت اور خفگی سے پوچھا۔  
”تم... اور کون؟“ حاتم نے غصے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”نہیں بیٹا... عاصم نے تو مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں کیا... کوئی بد تمیزی نہیں کی۔“ انہوں نے حیرت سے کہا۔

”آپ پروہ مت ڈالیں، میں سب جان گیا ہوں۔“ وہ خفگی سے بولا۔

”آپ کیا جان گئے ہیں؟“ عاصم نے چونک کر

کر پوچھا تو اسی لمحے ہمیلہ قدرے گھبرائی ہوئی وہاں آ گئی اور ان کی باتیں سن کر مزید گھبرا گئی۔  
”حاتم پلیز...“ ہمیلہ نے حاتم کو روکتے ہوئے کہا۔

”ہمیلہ بھابی نے مجھے سب بتایا ہے۔“ حاتم نے اس کی بات نظر انداز کر کے غصے سے کہا۔  
”میں نے تو... وہ...“ ہمیلہ نے بری طرح گھبرا کر یہ مشکل تھوک نکلتے ہوئے کہا۔

”اوہ... تو یہ آگ بھی آپ نے لگائی ہے۔“ عاصم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔  
”عاصم شرم کرو تم بڑی بھابی سے کس لہجے میں بات کر رہے ہو۔“ حاتم نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”شرم مجھے نہیں، انہیں کرنی چاہیے۔“ عاصم نے ہمیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
”شٹ اپ... عاصم تم حد سے بڑھ رہے ہو۔“ ہمیلہ نے ایک دم غصے سے تقریباً چلائے ہوئے کہا۔

”حد میں تو آپ نہیں ہیں۔“ وہ مزید غصے سے بولا۔  
”عاصم... اندر جاؤ ورنہ...“ حاتم نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو اس نے غصے سے حاتم اور ہمیلہ کی طرف دیکھا اور زور سے دروازہ بند کر دیا۔

”حاتم بس کرو اب بہت تماشا ہو گیا۔“ حاتم وہاں سے چلا گیا تو خدیجہ بیگم، ہوسے مخاطب ہوئیں۔  
”تم اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ہمیلہ ورنہ مجھے ریحانہ سے شکایت کرنا پڑے گی۔“ انہوں نے غصے سے ہمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا... آپ مجھے ہمکنی دے رہی ہیں؟“ ہمیلہ نے نہایت غصے سے کہا۔

”ہمکنی... اور میں...؟ تم تو میرے پکاٹ کر مجھے کمزور کر رہی ہو... میں کیا وہمکنی دوں گی۔“ خدیجہ نے زخمی مسکراہٹ سے آہ بھر کر کہا تو ہمیلہ غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے اور پاؤں پیچنے

ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

روحیل کی طبیعت اب کافی بہتر تھی۔ اس کی بند روپوش بھی نارمل تھیں۔ ماں جی نے خدا کا شکر ادا کیا، وہ روحیل کی بیماری کے سارے عرصے بہت پریشان رہی تھیں ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ردا کو روحیل کی دل و جان سے خدمت کرتے دیکھا تو خاصی مطمئن تھیں کہ ان کے بعد ردا، روحیل کا خیال رکھے گی۔ ردا اب دیگر گھریلو امور بھی بڑی مہارت سے انجام دینے لگی تھی۔ ماں جی شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھیں۔

اس روز جب روحیل آفس سے لوٹا تو ماں جی کچھ سوچے بیٹھی تھیں۔ شام کی چائے سے فارغ ہو کر بیٹے کے پاس آ بیٹھیں، ردا چکن میں تھی۔

”تم کچھ روز کے لیے ردا کو ناردرن ایریا پارک گھمانے کے لیے لے جاؤ۔ بیٹا یہی تو خوشیوں کے دن ہوتے ہیں جو ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ ردا تو کچھ کبھی نہیں... اس لیے اس کی جگہ میں تم سے یہ فرمائش کر رہی ہوں۔“ ماں جی نے مسکرا کر ردا کی طرف دیکھ کر کہا جو اسی وقت لاؤنج میں ان کے قریب آ کر بیٹھی تھی۔

”نہیں، نہیں میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔“ روحیل جلدی سے بولا۔

”تم میری فکر نہ کرو، میں فضیلت کو مستقل بدالوں گی لیکن تم دونوں چلے جاؤ۔ مہینے سے زیادہ ہو گیا شادی کو بہو کو کچھ تو گھماؤ پھراؤ... بے چاری پراتے ہی گھر کی ڈتے داریاں پڑ گئی ہیں۔“ ماں جی نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

”آپ جانتی ہیں آپ کے بغیر میں کوئی خوشی انجائے نہیں کر سکتا۔“

”اور میری خوشی یہی ہے کہ تم دونوں گھومنے پھرنے جاؤ۔ بس اسے میرا حکم سمجھو۔“ ماں جی نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ دیتے ہوئے کہا۔

کھنکھناتے چلے کھنکھناتے

”ماں جی۔ آپ حکم کا کہہ کر مجھے باؤنڈ کر دیتی ہیں۔ ٹھیک ہے پھر کچھ روز کے لیے ہم مری چلے جاتے ہیں۔“

”مری...؟“ ردا، روحیل کی بات پر ایک دم چونک کر بولی۔

”ہاں بھئی، میں صرف مری کا ٹرپ انورڈ کر سکتا ہوں۔ سوئزر لینڈ کا نہیں... حاتم نے جو تمہیں نکلس دیے تھے وہ انہیں واپس کر دینا۔ میں اتنے luxurious ٹرپس انورڈ نہیں کر سکتا۔“ روحیل نے وہاں سے جاتے ہوئے کہا تو ردا بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

”بیٹا... شو ہر اپنی کمائی سے بیوی کو جو کچھ کھلائے پلائے اسی میں عزت ہوتی ہے نہ کہ میکے سے کچھ لیتے ہیں... بیٹا تم اس فرق کو سمجھو...“

روحیل ان باتوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ ”ماں جی نے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو ردا نے دھیرے سے مسکرا کر مثبت انداز میں سر ہلایا۔

☆☆☆

ہمیلہ قدرے تیزی سے اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو فہام فیکٹری جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو کر بالوں میں جیل لگا کر برش کر رہا تھا کہ ہمیلہ اس کے پاس سے گزر کر وارڈ روب کی طرف گئی۔

”آر یو اوکے؟ کیا بات ہے کچھ جلدی میں ہو۔“ فہام نے حیرت سے پوچھا۔

”سنیں آپ مجھے مسجد یا جی کی طرف ڈراپ کر دیں۔“ ہمیلہ نے اٹھلا کر کہا۔

”کیوں بھئی؟“ گیا یہ اچانک پروگرام بنا ہے۔“ فہام نے یک دم چونک کر پوچھا۔

”ہاں... میرا ان سے منے کی بہت دل چاہ رہا ہے۔“ ”ایز یو وٹس... ویسے کوئی اور بات تو نہیں اور تم نے کیا ماما سے پوچھ لیا ہے؟“ فہام نے اس سے پوچھا۔



خوشی۔ "خدیجہ تم آنکھوں سے بولیں۔"

☆☆☆

شمیلہ ماں کے پاس بیٹھی بری طرح آنسو بہا رہی تھی۔

"خدا کے لیے چپ ہو جاؤ اور مجھے بتاؤ بات کیا ہے۔ کیا تمہیں کسی نے کچھ کہا ہے؟" ریحانہ نے شمیلہ کو چپ کراتے ہوئے کہا۔

"کچھ...؟ ماما ہاں تو ہر وقت سب لوگ کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر حالہ جان مجھ پر ایسا ایسا طنز کرتی ہیں کہ کیا بتاؤں۔" شمیلہ نے غصے سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا... آپ... تم پر طنز کرتی ہیں، مجھے یقین نہیں آ رہا۔" ریحانہ نے انتہائی حیرت سے کہا۔

"آپ کو تو بہن کی محبت نے اندھا کر رکھا ہے۔ آپ کو یقین کیوں آئے گا۔" شمیلہ نے خفگی سے منہ بنا کر کہا۔

"آپ بتائیں میں کہاں جاؤں کہیں گوتھاؤں کہ ان لوگوں نے میری زندگی کس کس طرح عذاب میں ڈال رکھی ہے۔" شمیلہ نے سسکی بھر کر قہر سے جذباتی انداز میں کہا۔

"مگر... کیوں...؟" ریحانہ نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے تو یوں لگتا ہے کہ وہ آپ کا کوئی بد بھگ سے رہتی ہیں۔" شمیلہ نے روتے ہوئے بولی۔

"میرا بد بھگ... کیا مصیب؟" ریحانہ نے چونک کر کہا۔

"ہاں... وہ اکثر باتوں باتوں میں مجھے شامی رہتی ہیں کہ آپ نانا مانی کی زیادہ لاڈلی تھیں... اور حالہ کی بھی پسند کی چیزیں آپ کو ملا کرتی تھیں..."

شمیلہ غصے سے جاتے کیو، کیا کہہ رہی تھی۔

"کیا... آپ ان معمولی باتوں کو ابھی تک لے کر بیٹھی ہیں۔" وہ انتہائی حیرت سے بولیں۔

"بیگم صاحبہ آپ کیوں بے وقت سو رہی تھیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟" زاہدہ نے خدیجہ کو آتا دیکھ کر فوراً پوچھا۔

"میں کب سو رہی تھی۔" خدیجہ چونک کر بولیں۔

"وہ شمیلہ بھابی تو کہہ رہی تھیں کہ آپ سو رہی ہیں۔" زاہدہ نے دھڑکے سے کہا۔

"کیا...؟ میں تو اپنے کمرے میں قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔" شمیلہ آکر دیکھ لیتیں۔ "خدیجہ نے کہا۔

"اللہ معاف کرے... وہ اتنا جھوٹ بولتی ہیں۔" زاہدہ نے حیرت سے چیخ مارتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب... اس نے تم سے اور کیا کہا ہے؟" خدیجہ پوچھنے لگیں۔

"وہ اپنی دوست کے ہاں گئی ہیں اور مجھ سے کہنے لگیں کہ آپ کو بتا دوں۔ میں نے کہا کہ خود ہی بتاؤں تو کہنے لگیں کہ آپ سو رہی ہیں۔" زاہدہ نے خدیجہ کے قریب آ کر کہا۔

"خدا علی جانے... یہ لڑکی کیا چیز ہے؟" وہ گہری سانس لے کر بولیں۔

"شادی سے پہلے وہ بالکل بھی ایسی نہیں تھیں اور اب ایسا روپ بدل گیا ہے کہ میں حیران ہو کر انہیں دیکھتی رہ جاتی ہوں۔" زاہدہ نے خفگی سے کہا۔

"شادی سے پہلے تک اس نے بہت ہوشیاری سے اپنے آپ کو چھپائے رکھا اور اب ہم اپنے آپ کو اس سے چھپاتے رہتے ہیں۔" خدیجہ نے آہ بھر کر افسردگی سے کہا۔

"بیگم صاحبہ... جب سے وہ اس گھر میں آئی ہیں... گھر کا سکون، خوشی اور قہقہے کہیں گم ہو گئے ہیں۔" زاہدہ نے ان کے قریب آ کر افسردگی سے کہا۔

"ہاں... کچھ لوگ ایسے ہی سبز قدم ہوتے ہیں، جہاں جاتے ہیں وہاں سکون رہتا ہے اور وہ ہی

...

...

تھی اور اس میں سے کپڑے نکال، نکال کر بیڈ پر رکھے بیگم میں ڈال رہی تھی جیسی رو جیل کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ تم نے اتنے ڈھیر کپڑے کس لیے نکالے ہیں، ابھی ہم صرف تین چار دن کے لیے مری جا رہے ہیں... تم دو تین اپنے اور ایک دو میرے ڈریسز رکھو... اور کچھ گرم کپڑے لے لو لیں۔" رو جیل، ردا کی طرف دیکھ کر حیرت سے بولا۔

"بس... صرف تین، چار دن؟" ردا حیران رہ گئی۔

"تو کیا تمہارا وہاں ٹھہرنے کا لبا چوڑا پروگرام ہے؟" رو جیل ماتھے کی تیوری چڑھا کر بولا تو ردا اسے دیکھتی رہ گئی اور اسے یاد آیا کہ کس طرح وہ اسکول، کالج کے زمانے میں اپنی کزنز کے ساتھ ہفتوں رہنے کے لیے مری اور شمالی علاقہ جات جایا کرتی تھی۔ اسے کسی سوچ میں ڈوبا دیکھ کر رو جیل اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"دیکھو... میں ماں جی کو زیادہ دیر اکیلا نہیں چھوڑ سکتا اور یہ بھی میں ماں جی کے حکم پر تمہیں لے کر جا رہا ہوں ورنہ۔" رو جیل نے اس کی طرف بغور دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"ورنہ... کیا؟" ردا نے چونک کر پوچھا۔

"کبھی نہیں لے کر جاتا۔" وہ گہری سانس لے کر بولا تو ردا بے دلی سے بیگم میں سے زائد کپڑے نکال کر اور ڈروپ میں داخل رکھنے لگی۔

"پیکنگ مکمل کر لو۔ کل صبح ہی ہماری اسلام آباد کی فلائٹ ہے۔" رو جیل نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا تو وہ خاموشی سے پیکنگ کرنے لگی۔

☆☆☆

زاہدہ لاؤنج میں ڈسٹنگ میں مصروف تھی۔ گھر میں ہر طرف گہری خاموشی چھا کی تھی جیسی خدیجہ اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھیں۔

...

...

"اب اپنی کزن کے گھر جانے کے لیے بھی مجھے ان سے پوچھنا ہوگا۔" شمیلہ نے خفگی سے کہا۔

"وہ گھر کی بڑی ہیں... انہیں بتانا تو چاہیے ناں!؟" فہام نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بس چھوڑیں مجھے کہیں نہیں جانا۔" شمیلہ نے بیگم بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا موڈ آف مت کرو، میں ہی انہیں بتا دوں گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"چلیں، میں ہی بتا کر آتی ہوں۔" شمیلہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

زاہدہ بچن میں ناچنے کے رتن سینے میں مصروف تھی۔ شمیلہ بچن میں آئی اور اسے کام کرتے دیکھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"زاہدہ... آج میں اپنی ایک دوست کی طرف جا رہی ہوں۔ ایسا کرو، تم خالہ جان کو بتا دینا۔" شمیلہ نے کہا۔

"تو آپ خود بتا دیں۔" زاہدہ نے چونک کر کہا۔

"دراصل وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہیں۔" شمیلہ نے گول مول جواب دیا۔

"نہیں... وہ تو ابھی لاؤنج میں ہی تھیں۔" زاہدہ نے کہا۔

"تمہیں جو کہا ہے تم نے سنا نہیں۔" اب کے وہ غصے سے بولی۔

"سن لیا ہے، بتا دوں گی۔" زاہدہ نے شمیلہ کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا۔

"تم بہت زبان چلاؤ گی ہو... بہت بدتمیز ہو رہی ہو۔" شمیلہ غصے سے بولی تو زاہدہ نے حیرت سے اسے دیکھا اور دوبارہ کام میں مصروف ہو گئی۔ اور شمیلہ غصے سے اسے گھورتے ہوئے بچن سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

ردا اپنے کمرے میں وارڈ روب کھولے کھڑی

...

...



”اور وہی معمولی باتیں اب میرے لیے عذاب بنی ہوئی ہیں۔ حسبِ فہم، حاتم اور عاصم ایسی باتیں کرتے ہیں۔۔۔۔۔ اور میں انہیں منع کرتی ہوں تو خالہ جان مجھ پر طنز کرتی ہیں کہ تمہاری ماں بھی یہی کچھ کرتی تھی۔“ شمیمہ بلا کی ادکاری کر رہی تھی۔

”اچھا، میں آپا کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔۔۔۔۔ میں تو اپنی اولاد سے زیادہ ان سے محبت کرتی ہوں اور وہ میرے بارے میں ابھی تک بدگمان ہیں۔“ دیکھتے ہوئے بڑبڑاتی۔

”میں تو یہی بتانے آئی ہوں کہ آپ ان کی کسی بات پر یقین نہیں کیجیے گا چاہے وہ میرے بارے میں کچھ بھی کہیں، وہ ہم دونوں کو بھی ایک دوسرے سے۔۔۔۔۔ بدگمان کرنا چاہتی ہیں۔“ شمیمہ نے آنکھیں گھما کر نہایت چالاکی سے کہا۔ ”اچھا اب میں ذرا سحد یہ بات کے باب جاری ہوں۔“ شمیمہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ انہوں نے ایک دم اسے اٹھا دیکھ کر پوچھا۔

”ایک ضروری کام ہے، اور ہاں کسی کو مت بتائیے گا کہ میں آپ کے پاس آئی تھی۔“ شمیمہ نے جلدی سے کہا اور باہر چلی گئی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ شمیمہ جو کچھ کہہ کر گئی ہے اس میں کس حد تک صداقت ہے۔

☆☆☆

کیا کھودیا ان راہوں پر  
کیا پایا ان راہوں میں  
خون آنکھوں سے ٹپکا ہے  
کچھ دل پر بھی زخم آئے ہیں  
بیمتی اسپتال سے گھر شفٹ ہو چکی تھی مگر اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ کوئے میں تو نہیں تھی مگر اس کی حالت کوئے والی ہی تھی۔ وہ ارد گرد سے بے خبر لنگی پاندھے چھت کو دیکھتی رہتی۔ کسما سے کوئی بات کرتی نہ کسی کی بات کا جواب دیتی۔ یوں سنتی

جیسے سنا ہی نہیں ہو۔ کبھی اس کی آنکھوں سے ایک آنسو بہنے لگتے اور کبھی وہ دباڑیں مار مار کر رو رہی لگتی۔ ایمن اور جمال صاحب اس کی وجہ سے بہر پریشان تھے۔ کئی اسپیشلسٹ سے مشورہ کر رہے تھے مگر ڈاکٹر بھی بے بس تھے، کوئی بھی اس کی اندرونی کیفیت کو نہیں جان سکتا تھا سوائے اس کے اور اس کے خدا کے۔ ایمن اس کے کھانے پینے اور میڈیسنز کا خیال کرتیں، اس سے مختلف باتیں کرتیں اور سوالات کرتیں مگر وہ کوئی جواب نہیں دیتی۔ ایک جھک مار کر رہ جاتیں انہیں یوں لگتا جیسے یہی ایک زندہ لاش بن گئی ہو۔ دلی سبکی وہ پہلے ہی تھی مگر اب مزید ہڈیوں کا ڈھانچا بن گئی تھی۔

”بیمنی بیٹے۔۔۔۔۔ اپنی حالت تو دیکھو۔۔۔۔۔ کتنی کمزور ہو گئی ہو، بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بنتی جا رہی ہو۔۔۔۔۔ کچھ تو کھالو میری جان۔“ ایمن جب بھی صبح سے اسے کچھ کھانے کے لیے کہتیں تو بیمنی کے کانوں میں آرزو کے الفاظ گونجتے۔ ”مجھے ندر، چمکا ڈر، کابا چڑیل تم اور محبت کے قابل؟“ وہ سسکا بھرتی ہو کر اس کی اندرونی کیفیات سے بے خبر اسے بولنے چالنے پر مجبور کرتی رہتیں اور بیمنی کے دل و دماغ پر حادثے سے پہلے کے تمام واقعات گھومنے لگتے اپنے حواسوں میں تھیں مگر نہ جانے کیوں ظاہری طور پر بت بنی لپٹی یا بیٹھی رہتی۔ کبھی اسے ایک دم آنکھوں کے سامنے نقاب میں لپٹا حتمہ کا خوب صورت چہرہ دکھائی دیتا۔۔۔۔۔ اور اس کی قابلِ رحم حالت۔۔۔۔۔ جب اس نے اسے آرزو کے کمرے میں داخلہ دیا تو وہ چلائے اور ڈرتے ہوئے دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں بیمنی کے لیے بے شمار شکوت تھی۔ وہ بے ضرر اور محصوم سی لڑکی خواجہ زادہ آرزو کی ہوس کا نشانہ بنی تھی۔ اس کے لیے بیمنی اب آپ کو ہی تصور دار سمجھتی تھی۔ حتمہ اس کے ساتھ نہ جاری تھی۔۔۔۔۔ مگر وہ اسے زبردستی اپنے ساتھ لے

گئی۔ حتمہ اسے منع کرتی تھی کہ وہ آرزو پر اتنا اعتبار نہ کرے مگر وہ تو اس کی محبت میں اندھی ہو گئی تھی اس نے تو آرزو سے انتہائی شدید محبت کی اور محرومی محبت کی تھی۔ اس لیے وہ اس پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔ کسی بھی لمحے کوئی منفی سوچ اس کے ذہن میں نہیں آتی تھی بلکہ حتمہ کے کہنے پر اسے حتمہ پر غصہ آیا تھا مگر آرزو پر نہیں۔۔۔۔۔ اب اس کے اندر ایک طوفان برپا تھا۔ آرزو کی بے وفائی کا اور حتمہ کی ناحق موت کا۔۔۔۔۔ اور وہ یہ بات کسی سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس کے پاس اب سوائے بچھتاؤں اور آنسوؤں کے کچھ باقی نہیں تھا۔ جمال صاحب نے اسے طور پر آرزو کی تلاش جاری رکھی ہوئی تھی مگر اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ حتمہ کے چچا فواد کو انہوں نے بہت محنت سمجھت کر کے روک رکھا تھا کہ وہ اس بات کو پولیس میں نہیں لے کر جائیں لیکن ان کے پورے خاندان کے لیے حتمہ کی موت ایک سوال بنی ہوئی تھی اور خاص طور پر عمر کو تو کسی مل جین نہیں آ رہا تھا۔ وہ خود پاکستان آ کر معاملے کی تفتیش کرنا چاہ رہا تھا لیکن فواد صاحب نے اسے زبردستی روکا تھا کیونکہ اس کی اسٹڈیز کا فائنل سسٹر تھا۔ حتمہ کی موت اس کے لیے بھی ایک گہرا صدمہ تھی۔

☆☆☆

جمال صاحب بیمنی کے کمرے میں آئے تو وہ بیڈ پر لیٹی مسلسل چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سائڈ ٹیبل پر رکھا کھانا کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ بیڈ پر لیٹی بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہو رہی تھی۔ جمال صاحب کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ انہوں نے اس کے پاس بیٹھ کر محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

”بیٹا، تم کب تک یوں ہی پڑی رہو گی۔ اٹھو بہت کمزور زندگی کو نارمل طریقے سے گزارو۔“ بیمنی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

کھیں حسبِ طے کھیں دل

”زندگی۔۔۔۔۔؟“ وہ بڑبڑاتی اور پھر اس نے زور سے ہنسی لی۔

”مجھے کچھ تو بتاؤ، یوں خاموش رہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ مجھے بتاؤ، تم حتمہ کو لے کر آرزو کے گھر کیوں گئی تھی۔“ انہوں نے کہا تو بیمنی نے ایک دم چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

”آرزو۔“ وہ ہڑبڑا کر بولی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ آرزو۔۔۔۔۔ میں اس سے کوئی ٹک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر اس کا سوا بائل آف ملا ہے۔ میں اس کے گھر بھی گیا تھا مگر وہاں سوائے چوکیدار کے کوئی نہیں۔ بیٹا مجھے حقیقت بتاؤ تاکہ میں اس کے مطابق کوئی اسٹیپ لے سکوں۔ حتمہ کے گھر والے بھی بہت پریشان ہیں، وہ بھی یہی سوال کرتے ہیں کہ تم حتمہ کو کہیں لے کر گئی تھیں مگر کیوں لے کر گئی تھیں یہ تم ہی بتا سکتی ہو اور آخر حتمہ نے خود کشی کیوں کی۔۔۔۔۔ ان سب سوالوں کے جواب تمہیں ہی دینے ہوں گے۔“ جمال صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے پوچھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ میں کوئی جواب نہیں دے سکتی۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”کیوں۔۔۔۔۔ کیا آرزو نے کچھ ایسا کیا ہے جسے تم چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔“ جمال صاحب نے پرسشوار انداز میں پوچھا۔

”میں نہیں بتا سکتی۔“ وہ اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر رونے لگی۔

”اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ضرور آرزو نے کچھ ایسا کیا ہے جسے تم چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ کیا اس نے حتمہ کے ساتھ؟“ انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ کر بیمنی کی طرف دیکھا۔ تو وہ دباڑیں مار مار کر رونے لگی۔ آج وہ کچھ کھل رہی تھی تو جمال صاحب کو بھی حوصلہ ہوا اور وہ اس سے سوال پر سوال کرنے لگے۔



”ہاں۔۔۔۔۔ اس نے حسد کا۔۔۔۔۔ وہ یہ مشکل اتنا ہی بول پائی۔

”کیا۔۔۔۔۔؟“ جمال صاحب ایک دم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”در۔۔۔۔۔ و تم اس وقت کہاں تھیں؟“ یہی نے ہماری بات انہیں تفصیل سے بتائی تو ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”کیا اس نے صرف تمہیں بلایا تھا؟“ جمال صاحب نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔“ یہی نے جواب دیا۔

”اس کا مطلب ہے وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا تھا بلکہ اس نے اس کی مکمل بلاتنگ کر رکھی تھی مگر بد قسمتی سے حسد اس کے ہاتھ لگ گئی۔ وہ کتنا شاطر انسان تھا۔ تمہیں کبھی احساس نہیں ہوا کہ ایکشن ہارنے کے بعد وہ ایک دم تمہارے اتنا قریب کیسے آگیا۔“ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کے دل میں کیا کچھ تھا مجھے اس کی کیسے خبر ہوتی۔ میں تو صرف اس کی باتوں پر یقین کرتی رہی اور یہی سوچتی رہی کہ ایکشن کی پورے اس نے کوئی سبق سیکھ لیا ہے اور اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہے مگر اس نے اپنی محبت کا ایسا شہری جال بچھایا کہ میں اس میں بری طرح الجھ کر رہ گئی۔ میں حسد کی مجرم ہوں ڈیڈی۔۔۔۔۔ کاش مجھے پتا ہوتا کہ آذر اتنی گھٹیا فطرت کا انسان ہے تو میں کبھی حسد کو وہاں لے کر نہیں جاتی۔“ وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”آج مجھے بھی اس بات کا افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہیں بہت زیادہ لبرٹی کیوں دی، میں تمہیں ہمیشہ بیٹا سمجھ کر ٹریٹ کرتا رہا لیکن یہ بھول گیا کہ بیٹی کی عزت کو کہیں زیادہ حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے حالانکہ تمہاری ماں ہمیشہ مجھے منع کرتی تھی۔ لیکن میں نے تم پر آنکھیں بند کر کے ٹرسٹ

کیا۔۔۔۔۔ یہ تو خدا نے نہ جانے تمہاری کون سی نیکی کی وجہ سے بچالیا ہے ورنہ آج حسد کی جگہ تم خود کشی کر چکی ہوتیں۔“ انہوں نے قدرے تاسف سے کہہ کر یہی نے روتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

”میں آپ کو ہرٹ کرنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔“

”کیا حسد ایسی لڑکی تھی“

”نہیں۔۔۔۔۔ وہ تو بہت نیک، معصوم اور بے ضروری تھی۔“ اس نے آہ بھر کر جواب دیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے۔

”بیٹا۔۔۔۔۔ زندگی میں mishaps

ہمیشہ اچانک ہوتے ہیں، نیک اور بد کی تمیز کیے بغیر کسی کے ساتھ بھی کچھ اچانک ہو سکتا ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ ان mishaps کا انسانوں کی زندگی پر کیا اثر ہوتا ہے۔ عموماً کے بجائے عورت کی زندگی پر اس کے اثرات بہت بھیا تک ہوتے ہیں۔ لمحوں میں عزت، ذلت میں بدل جاتی ہے اور پھر اس ذلت کو دنیا کی کوئی پاک شے بھی نہیں دھو سکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں یہ باتیں پہلے کبھی نہیں سمجھائیں اور اب جبکہ ایک معصوم انسان کی زندگی کسی کی ہوں کی بھینٹ چڑھ چکی ہے تو اب میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ بیٹیوں کی عزت کتنا نازک مسئلہ ہوتی ہے اور سوسائٹی میں ہر طرف پھرنے والے دزدوں سے انہیں بچانا کتنا ضروری ہوتا ہے۔ تم جیسی لڑکیاں محبت کے نام پر کیسے کیسے لوگوں پر اعتبار کر لیتی ہیں اور وہ کتنے ظالم ہوتے ہیں جو ان معصوموں کے نازک جذبات کے ساتھ ساتھ ان کی عزت اور زندگیوں سے بھی کھیلتے ہیں۔“ جمال صاحب نے نہایت دردناک لہجے میں کہا۔

”آئی ایم سوری ڈیڈی۔۔۔۔۔ میں نے بہت بڑا بندر کیا ہے۔“ وہ بری طرح بلک رہی تھی۔

”بلنڈر تمہیں گناہ۔۔۔۔۔ تمہاری وجہ سے ایک



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کے پیشکش کیلئے ہے

### مجموعہ خاص کیوں ٹیلی۔

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ پیریم کوالٹی، ہارل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رٹریوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فوراً سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan



Like us on Facebook

fb.com/paksociety



Follow us on Twitter

معصوم انسان کی جان ناحق چلی گئی ہے، یہ گناہ نہیں تو اور کیا ہے۔“ جمال صاحب نے صاف گوئی سے کہا تو یمنی مزید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”ہاں..... میں ہی گنہگار ہوں، اب میں کیا کروں کہ اس گناہ کا بوجھ میرے دل سے ہٹ جائے۔“ یمنی نے سسکتے ہوئے پوچھا۔

”آزر کو تلاش کرو..... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس سے حسنہ کے خون کا حساب لوں گا۔“ انہوں نے غصے سے کہا اور یمنی باپ کو بغور دیکھے گئی۔

☆☆☆

آزر اپنا فلیٹ وغیرہ سب کچھ چھوڑ کر امریکا چلا گیا تھا۔ وہ جو پہلے امریکا جانے کے لیے رضامند نہیں ہوتا تھا اب فوراً ہی انتظامات کر کے اس نے ٹکٹ لیا اور اسلام آباد چلا گیا۔ اسلام آباد جا کر اس نے جواد کو فون کر کے بتایا کہ وہ یو کے جا رہا ہے۔

”یو کے..... کیوں..... تمہارے پیرنس تو امریکا میں ہیں اور اتنی اچانک تمہیں کیا سوچھی یا ر ایگزامز کے بعد چلے جانا۔“ جواد نے حیرت سے کہا تھا۔

”میری گریڈ مدر کی ڈیٹھ یو کے میں ہوئی ہے، میں ایمر جنسی میں جا رہا ہوں۔“ آزر نے نہایت صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے جلدی سے کہا۔

”اوہ..... ویری سیٹھ..... کیا تم نے یمنی کو بتایا؟“ جواد نے پوچھا۔

”جہیں..... اسے کچھ مت بتانا کہ میں کہاں گیا ہوں۔“ آزر جلدی سے بولا۔

”کیوں.....؟“ جواد نے حیرت سے پوچھا۔

”ایگزامز ہونے والے ہیں وہ اب سیٹ ہوگی۔ ایگزامز کے بعد میں خود اسے فون کر کے بتا دوں گا، اوکے پائے۔“ آزر نے جلدی سے کہہ کر فون بند کر دیا اور جواد حیران رہ گیا..... وہ تو یمنی کے علم میں لائے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا اور اب یو کے جا رہا ہے اور کہتا ہے کہ یمنی کو خبر نہیں ہونے پائے

عجیب سی صورت حال تھی۔

ایگزامز گزر گئے۔ حسنہ نے ایگزامز دیے اور بی یمنی نے جواد بہت حیران تھا۔ وہ یمنی کو فون کرنا تو موبائل آف ملتا۔ حسنہ کو فون کرتا تو اس کا موبائل بھی آف ہوتا..... کوئل پہلے ہی جا چکی تھی۔ اس عجیب صورت حال سے ساری کلاس پریشان تھی۔ یمنی دینے کے بعد سب ان کے بارے میں سوال کرتے رہے۔ آزر کے بارے میں سب کو بتا کر مطمئن کر دیتا مگر حسنہ اور یمنی کے بارے میں کسی کوئی خبر نہیں تھی۔

آخر کار ایک روز کسی کو حسنہ کی ڈیٹھ کی خبر ملی کوئی کہتا کہ حسنہ کا کسی نے مرڈر کر دیا ہے کوئی کہتا ہے برین ہیمرج ہوا تھا، کوئی کہتا ہے خود کشی کر لی تھی۔ اتنی باتیں سن کر جواد کا سر گھوم گیا۔ حسنہ اسے بہت اچھی لگتی تھی اور اگر حشر انکیڈ نہ ہوتی تو ضرور اس کے ساتھ شادی کرتا۔ حسنہ کی موت کا سن کر اسے نہ جانے کیا ہوا تھا۔ اس کا دل بچھ سا گیا تھا۔ شدید ڈپریشن کا شکار ہو گیا۔ وہ یمنی سے ملنا چاہتا تھا اور اصل حقیقت جانا چاہتا تھا مگر یمنی سے کسی طرح رابطہ ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔

☆☆☆

آزر کے ماں، باپ انتہائی خوش تھے کہ آزر امریکا آ گیا تھا۔ اس کے رویے میں بھی کچھ تبدیلی تھی، وہ پہلے کی طرح ماں، باپ کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کرتا تھا۔ اس کی ماں بہت خوش تھی اور فون پر ہی نیشا کا ذکر لے بیٹھی۔ اس کی اتنی تعریفیں کرنے لگی کہ آزر کو گمان ہونے لگا جیسے وہ امریکا کی نہیں کسی پرستان کی کوئی شہزادی ہو۔

”وہ لوگ کئی نسلوں سے یہاں رہ رہے ہیں صرف نام کے ہی مسلمان ہیں ورنہ پورے انگریز ہیں۔“ اس کی ماں کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولی تو آزر نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔



”کیا مطلب...؟“ آذر نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”خود چل کر دیکھ لینا، کتنے بچے اس کی ہیں  
 وہ...“ اس کی ماں نے مسکرا کر جواب دیا۔  
 ”ہاں... بیٹا بہت امیر لوگ ہیں وہ۔“ اس  
 کے باپ نے بھی تائید کی۔

”کیا آپ ان لوگوں کی دولت سے متاثر  
 ہوئے ہیں یا کسی اور بات سے؟“ آذر نے حیرت  
 سے پوچھا۔

”بھلا دولت کے علاوہ کوئی اور شے بھی کسی کو  
 متاثر کر سکتی ہے۔ دنیا کی اتنی ساری ترقی کا راز  
 دولت ہی میں تو ہے جو جتنا زیادہ مالدار، اتنا ہی زیادہ  
 طاقتور۔“ اس کے باپ نے بھی مسکرا کر کہا تو آذر  
 خاموش ہو گیا۔

”ٹھہرو میں ابھی نیپٹا کے ڈیڑے سے فون پر بات  
 کرتا ہوں اور انہیں تمہارے آنے کے بارے میں  
 بتاتا ہوں ویسے تمہاری تصویریں انہیں میں نے کمپیوٹر  
 اور موبائل میں دکھا دی تھیں۔ وہ بہت خوش ہوئے  
 تھے انہوں نے تو فوراً اسی وقت ہاں کہہ دی تھی۔  
 بس تم ہی کچھ گڑبڑ کر رہے تھے۔ اب لگتا ہے تم بھی  
 ٹھیک ہو گئے ہو۔ ویسے تمہارا ذہن کیسے بدلا؟  
 کہاں تو تم امریکا آنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔“  
 اس کے باپ نے حیرت سے پوچھا۔

”اں... وہ کالج میں چھٹیاں ہوئیں تو میں  
 نے سوچا کچھ روز کے لیے آپ لوگوں کے پاس چلا  
 جاؤں۔ پڑھائی کر کے دماغ تھک گیا تھا۔“ آذر  
 نے بہانہ بتایا۔

”بہت اچھا گیا۔“ اس کے باپ نے کہا اور  
 مسکرا کر موبائل پر نمبر ملانے لگا اور باتیں کرتا ہوا  
 ایک کونے میں چلا گیا۔

”تم بہت کمزور لگ رہے ہو؟“ اس کی ماں  
 نے محبت سے پوچھا۔

”نہیں... میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔“ اس

نے گھبرا کر جواب دیا۔

”اور... وہ جو تمہارے پاؤں میں مسئلہ ہوا  
 تھا۔ اب ٹھیک ہے ناں؟“ ماں نے پوچھا  
 ”ہاں، ہاں بالکل ٹھیک ہے۔“ اس نے جلدی  
 سے جواب دیا۔

”کل شام کو انہوں نے ہمیں جانے پر بلایا  
 ہے۔ وہ بہت خوش ہو رہے تھے اور حیران بھی کہ آذر  
 نے اچانک آکر سر پرانز دیا ہے۔“ اس کے باپ نے  
 قریب آکر کہتے ہوئے کہا تو آذر خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

یعنی کی طبیعت جیسے ہی سنبھلی تو باپ کے کہنے  
 کے مطابق اس نے آذر کی تلاش شروع کر دی۔ اس  
 نے جواد کو فون کیا تو وہ اس کی کال دیکھ کر انتہائی  
 حیرت سے بولا۔

”یار... یعنی... تم، تم کہاں غائب ہو گئی  
 تھیں، کوئی خبریت ہی نہیں اور آج اچانک میں کہاں  
 سے یاد آ گیا؟“ جواد شکوہ کرتے لگا۔

”آذر کہاں ہے؟“ یعنی نے پاٹ لہجے میں کہا۔

”کیا اس نے تمہیں فون نہیں کیا؟“ جواد نے پوچھا۔

”میں پوچھ رہی ہوں، وہ کہاں ہے... جواد  
 مجھے سچ بتانا۔“ یعنی نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

”وہ پوگے گیا ہے، مجھے تو اس نے یہی بتایا تھا  
 لیکن حیرت ہے اس نے تمہیں کیوں نہیں بتایا۔“ جواد  
 نے حیرت سے کہا۔

”جواد اسے میری طرف سے کہہ دینا کہ تم دنیا  
 کے جس کونے میں بھی چلے جاؤ، میرا سایہ تمہارے  
 تعاقب میں رہے گا۔“ یعنی نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا  
 اور جواد حیرت میں رہ گیا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا  
 کہ یعنی نے ایسا کیوں کہا اور اس کا لہجہ اتنا سخت کیوں  
 تھا۔ کیا دونوں میں کوئی ناراضی چل رہی تھی... اس  
 نے یعنی کو کال کی تو موبائل آف جا رہا تھا۔ یعنی کافی  
 اپ سیٹ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی جب جمال



صاحب اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یحییٰ کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔

”کیا بات ہے، تم کچھ اپ سیٹ لگ رہی ہو۔ کیا آزر کی کوئی خبر ملی؟“ انہوں نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔

”ڈیڈی! وہ بوجھ کے چلا گیا ہے۔“ یحییٰ نے انہیں بتایا۔

”تمہیں۔۔۔ کس نے بتایا؟“ جمال صاحب نے پوچھا۔

”جو اونے۔۔۔ اس کا کلوز فرینڈ ہے۔“ یحییٰ نے آہستہ آواز میں جواب دیا تو وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

”یحییٰ۔۔۔ جب کبھی میرے لیے کوئی چیز نقصان دہ ہونے والی ہوتی تھی تو تمہیں فوراً خواب آ جاتا تھا، کیا آزر کے بارے میں تمہیں کبھی کوئی خواب نہیں آیا تھا؟“ جمال صاحب نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آیا تھا؟ اور بار بار آیا تھا۔۔۔ میں نے اسے خواب میں حسد کا گد دباتے ہوئے دیکھا تھا اور حسد مرگئی تھی مگر میں نے اس خواب پر یقین نہیں کیا۔۔۔ کیونکہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آزر کس طرح حسد کا دشمن ہو سکتا ہے، دونوں میں کبھی کوئی بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی۔۔۔ اور ویسا ہی ہوا۔ جیسا میں نے خواب دیکھا تھا مگر میں نے ہی یقین نہیں کیا۔“ یحییٰ مسکرتے لگی۔

”خدا تم پر ہمیشہ مہربان رہا ہے۔۔۔ اس نے تمہیں بھی بچانے کی کوشش کی۔ اسی لیے تمہیں خواب کے ذریعے خبردار کیا مگر تم نے جان بوجھ کر اس سے چشم پوشی کی۔۔۔ ہمارا رب تو ہمیں بچانا چاہتا ہے مگر ہم خود ہی نہیں بچنا چاہتے۔۔۔ خدا تمہاری دعا میں بھی سنتا ہے، دعا کرو کہ وہ آزر کو بھی معاف نہیں کرے۔۔۔ اس نے بہت ظلم کیا ہے۔۔۔ بہت بڑا

گناہ کیا ہے۔“ جمال صاحب نے کہا تو یحییٰ آنکھوں سے آنسو بہہ لگے۔۔۔ وہ جب بھی حسد کے بارے میں بات کرتی یا سوچتی تو اس کے سامنے وہ منظر گھوم جاتا جب حسد بے بسی سے آزر کے کمرے میں چل رہی تھی۔

”اور ڈیڈی۔۔۔ میرا گناہ۔۔۔؟ میں بھی ذمہ دار ہوں ناں۔۔۔ جو حسد کو وہاں لے کر گئی۔ حسد یہی سمجھتی ہوگی میں پلاننگ کے ساتھ اسے وہاں لے کر گئی تھی۔ کیا خدا مجھے معاف کر دے گا؟“ یحییٰ نے پریشانی سے پوچھا۔

”ہاں، تم بھی گنہگار ہو۔۔۔ خدا سے معافی مانگو۔۔۔ شاید وہ معاف کر دے۔“ جمال صاحب نے آہ بھر کر کہا، اسی لمحے ایمن کمرے میں داخل ہوئیں تو دونوں خاموش ہو گئے۔ ایمن نے پاری پاری ان کی جانب دیکھا۔

”آپ لوگ خاموش کیوں ہو گئے ہیں، کیا مجھے دیکھ کر ایمن نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔“ جمال صاحب نے جواب دیا۔

”میں نے کھانا لگوادیا ہے۔ آکر کھا لیجئے، چلو بیٹا۔۔۔ ایمن نے دونوں سے کہا۔ یحییٰ اب قدرے بہتر ہو گئی تھی اور چہرے پر پھر سے مسکراہٹ آئی تھی۔

”نہیں، مجھے بھوک نہیں۔۔۔“ یحییٰ نے جواب دیا۔

”کب تک یو جی بھوک رہو گی؟“ ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

”جب تک وہ۔۔۔“ یحییٰ کہہ کر رکی تو ایمن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ جمال صاحب بھی اس کی بات سن کر چونکے اور اس کی طرف دیکھنے لگے۔

”لگتا ہے اس کے دماغ پر صدمے کا ابھی تک اثر ہے۔“ ایمن نے کہا۔

”تم چلو۔۔۔ ہم آتے ہیں، انٹوپنٹ جمال صاحب نے حکماً تہ لہجے میں کہا تو یحییٰ ان کے ساتھ اٹھ کر خاموشی سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

آزر اپنے والدین کے ہمراہ نیشا کے گھر گیا۔ نیشا انتہائی خوب صورت دہلی تیلی، ٹیلی آنکھوں اور انتہائی سفید رنگت والی لڑکی تھی۔ اس کے سیاہ گھٹھرا لے بالوں کی ٹٹیں اس کے سرخ و سفید گول چہرے کے گرد ہالہ بنائے ہوئے بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ اس کے نقوش بھی بہت خوب صورت تھے۔ اس نے منی اسکرٹ کے ساتھ سیلیولیس بلاؤز پہن رکھا تھا۔ وہ لوگ انتہائی ماڈرن تھے۔ اس کا باپ نعیم اکمل گزشتہ چالیس برسوں سے امریکا میں مقیم تھا۔ اس کا اپنا ایک اسٹور تھا اور پاکستان میں بھی بزنس کے علاوہ بہت زیادہ پراپرٹی تھی جو اس نے ریٹ پر دے رکھی تھی۔ اس کی بیوی نوشابہ بھی امریکن ہی لگتی تھی گوکہ اس کا تعلق راول پنڈی سے تھا۔ نیشا کی ایک چھوٹی بہن اور ایک بڑا بھائی تھا، وہ بھی اسٹور میں جاب کرتا تھا۔ ان کے گھر کا ماحول واقعی امریکن لگتا تھا۔ لاؤنج کے ایک کونے میں باقاعدہ ایک بار کاؤنٹر تھا اور انہوں نے ان لوگوں کو بھی آفر کی تھی۔

عظیم احمد نے جلدی سے انکار کر دیا گوکہ وہ بھی ڈرنک کرتا تھا مگر آزر کے سامنے نہیں۔ اور آزر بھی ڈرنک کرتا تھا مگر باپ کے سامنے نہیں۔

”کافی ہی ٹھیک ہے۔“ عظیم احمد نے کہا تو نوشابہ کافی کے ساتھ مختلف لوازمات لے آئی۔

”آزر بیٹا، تم نیشا سے گپ شپ کرو۔“ پھر وہ اپنی بیٹی سے مخاطب ہوئی۔

”نیشا تم اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔“ نعیم اکمل نے نیشا سے کہا تو اس نے مسکرا کر آزر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ آزر ایک لمحے کو چونکا پھر اس کا ہاتھ تھم کر چلا گیا۔ آزر نے جینز کے ساتھ بلیو ویلوت کا کوٹ پہن رکھا تھا اور اس کی سرخ و سفید رنگت بھی بہت نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ اس نے

کھنکھناتے کھنکھناتے

اپنے لیے نیشا کی آنکھوں میں پسندیدگی دیکھ لی تھی۔ وہ مسکرا مسکرا کر اس کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ اس کا روم بہت خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ نیشا بہت جلد باتوں ہی باتوں میں اس سے فرینک ہو گئی۔ اسے اپنے بے شمار پاکستانی اور امریکن فرینڈز کے بارے میں بتانے لگی۔

”کیا تم نے کسی سے محبت کی ہے؟“ اچانک آزر نے پوچھا تو نیشا نے اچھی خوب صورت ٹیلی آنکھیں جھپک کر حیرت سے دیکھا۔ اسے اپنی ماں نوشابہ کی بات یاد آئے لگی۔

”پاکستان مرد بہت conservative ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اپنے افیئر ڈ اور بوائے فرینڈز کو openly سکس نہ کرنا۔“

”تو۔۔۔ تو۔۔۔ کوئی کو افیئر نہیں۔۔۔ صرف فرینڈ شپ۔۔۔“ نیشا نے جلدی سے بات بدلی۔

”آر یو شیور۔۔۔؟“ آزر نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”are you narrow minded؟“ (کیا تم تنگ ذہن انسان ہو؟) نیشا نے حیرت سے پوچھا۔

”نو، بلو میں یو جی پوچھ رہا تھا۔“ آزر ایک دم بوکھلا کر بولا۔

”میں کسی narrow minded انسان سے شادی نہیں کر سکتی۔۔۔ سو رہی you can go“ نیشا نے منہ بنا کر خفگی سے کہا تو آزر کو دھچکا سا لگا۔

”آئی ایم سو ری۔۔۔ آئی نیور مین اسٹ (میرا یہ مطلب نہیں) اکیلو ٹیلی امریکن لائف اسٹائل بہت لیبرل ہے اسی لیے پوچھا۔“ آزر نے وضاحت دی۔

”اگر تمہیں یہ لائف اسٹائل پسند نہیں تو تم امریکا کیوں آئے۔ پاکستان میں ہی شادی کرو وہاں بھی خوب صورت لڑکیاں ہیں ناں۔۔۔“ نیشا



## پہلی

لڑکی نے نماز حاجت پڑھی اور شادی کے لیے دعا مانگنے لگی تو شرم آگئی، کہنے لگی۔ ”یا اللہ میں اپنے لیے کچھ نہیں مانگتی۔ بس میری امی کو ایک خوب صورت داماد دے دے“ دعا قبول ہوئی اور اس کی چھوٹی بہن کی شادی ہوگئی۔

سبک دغاؤں میں ادور ایکٹنگ سے پرہیز کریں۔

## گھر کا طوفان

سسرال میں داماد کی زیادہ عزت کیوں کی جاتی ہے؟ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ وہی عظیم انسان ہے جس نے ہمارے گھر کا طوفان اپنے سر لے لیا ہے۔

مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

اگر ہم صبح چلے جائیں تو.....“ روانے رک رک کر کہا۔ ”ہرگز نہیں..... میری ماں وہاں بیمار ہے اور میں یہاں سیر سپاٹے کروں۔“ روحیل نے ایک دم غصے سے آنکھیں نکال کر کہا۔

”نہیں..... میں نے یہ تو نہیں کہا.....“ روانے گھبرا کر کہا۔

”پھر جو کچھ میں نے کہا ہے وہ کرو۔ میں گاڑی کا آرینج کر کے آتا ہوں۔“ روحیل نے خفگی سے دیکھ کر کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ روا پریشان ہو کر مایوسی سے تیزی سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

فہام اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھائی دی دیکھ رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک فائل بھی تھی۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے وہ فائل بھی چیک کر رہا تھا۔ سمیلہ کمرے

”زندگی کیسے روپ بدلتی ہے کہ انسان خود ہی چونک جاتا ہے۔“ روحیل نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا مطلب؟“ روانے چونک کر پوچھا۔

”میں پہلے بھی کئی بار دوستوں کے ساتھ مری ہسپتال میں گیا تھا۔ آج جو کچھ میں نے فیل کیا ہے وہ پہلے کبھی نہیں کیا۔“ روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا.....؟“ روانے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔

”بہت pleasant and sweet“ روحیل نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”میری بھی کچھ ایسی ہی فیلنگو ہیں۔“ روانے مسکرا کر سرگوشی میں کہا تو روحیل کی جیب میں پڑا موبائل بجنے لگا اور اس نے چونک کر موبائل آن کیا۔

”عبید ماموں کا فون اور وہ بھی اس وقت!“ روحیل حیرت سے کال دیکھ کر بڑبڑایا تو روا بھی پریشان ہوگئی۔ روحیل نے عبید کا نمبر ملایا مگر اب کال نہیں مل رہی تھی روحیل پریشان ہو کر بار بار فرائی کرنے لگا مگر سنکڑ نہ ہونے کی وجہ سے کال بار بار ڈراپ ہو رہی تھی۔ روحیل پریشانی سے کمرے میں چکر گارہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عبید کا فون آیا۔

”روحیل بیٹا..... تمہاری ماں جی واش روم میں گر گئی ہیں اور ان کی ٹانگ میں فریچر ہو گیا ہے۔“

”کیا..... کب..... کیسے؟“ روحیل نے پریشانی سے چاکر پوچھا مگر کال ڈراپ ہو چکی تھی۔

”ماں جی گر گئی ہیں ماہیں ابھی اور اسی وقت واپس جانا ہوگا۔“ روحیل نے روا کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا.....؟“ روانے پریشان ہو کر کہا۔

”اپنی پیکنگ کر لو۔“ روحیل جلدی سے بولا۔

”کیا ام اسی وقت واپس جائیں گے۔ روحیل

”نہیں..... نہیں زیادہ دنوں کے کیوں..... بس فنکشن کے بعد تم واپس آ جانا۔“ آزر کی ماں جلدی سے بولی۔

”بس ٹھیک ہے پھر شادی کا پلان کر رہے ہیں.....“ عظیم احمد نے مسکرا کر کہا اور سب کے باہر مشورے سے ایک ہفتے کے بعد شادی کی ڈیٹ فیکر کی گئی۔

☆☆☆

مری کا موسم خاصا ٹھنڈا تھا اور خاص طور پر رات کو کچھ زیادہ ہی ٹھنڈا اور رو میٹنگ لگتا تھا۔ روا لاٹک کوٹ اور گرم کیپ پہنے روحیل کے ہمراہ گھوم پھر کر ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تھی روحیل نے بھی گرم کیپ اور جیکٹ پہن رکھی تھی۔ روا قدرے تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر گر گئی۔

”کیا تم ابھی سے تھک گئیں؟“ روحیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... اتنے سفر کے بعد..... اتنی لمبی واک..... کیا مجھے تھکنا نہیں چاہیے؟“ روانے مسکراتے ہوئے انہی اسی سے سوال کر ڈالا۔

”نہیں، کم از کم میرے ساتھ تو تمہیں نہیں تھکنا چاہیے۔“ روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ روانے کوٹ اتار کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”محبت اور خوشی کبھی انسان کو تھکنے نہیں دیتی اور جس کمپنی سے یہ دونوں چیزیں ملیں پھر تو بالکل بھی نہیں۔“ روحیل نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

”کیا تم نے آج کا دن میرے ساتھ انجوائے کیا ہے؟“ روحیل نے پیار سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔

”جی..... ہاں، بہت زیادہ.....“ روانے شرم کر جواب دیا۔

نے ہوٹل سکڑتے ہوئے کہا تو آزر کی آنکھوں کے سامنے اچانک یحییٰ کھوم گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھ کر کہنے لگا۔

”ہاں وہاں بھی لڑکیاں ہیں مگر تمہاری جیسی خوب صورت نہیں..... مجھے تو تم اچھی لگی ہو۔“ آزر کے کہتے پر نیشا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میرے پیارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ آزر نے مسکرا کر پوچھا تو نیشا مسکراتے لگی۔

”ناٹ بیڈ..... (برا نہیں) اگر تم زیادہ کوئین نہ کرو..... تو زیادہ اچھا ہے۔“ نیشا نے کہا تو آزر کھکھلا کر ہنسنے لگا۔

”اوکے.....“ اس نے مسکرا کر جواب دیا اور دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔ آزر اور نیشا کے گھر والے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ آزر اور نیشا کو مسکراتے دیکھ کر سب مطمئن ہو گئے۔

”نیشا شادی کر کے امریکا سے باہر نہیں جانا چاہتی۔ اسے یہ ملک بہت پسند ہے۔ خوش قسمتی سے آپ لوگ مل گئے جنہیں امریکن لڑکی چاہیے تھی۔ اب آپ سے ریکوئسٹ ہے کہ نیشا کو پاکستان جانے کے لیے مت کہیے گا۔“ نیشا نے مسکرا کر آزر کی ماں سے کہا تو اس نے چونک کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔

”مگر ہمارے تو رشتے دار..... آزر کے گریڈ فادر اور میری فیملی تو پاکستان میں ہی ہیں، آزر ہمارا اکلوتا بیٹا ہے، رشتے داروں کو تو شادی کے ایک فنکشن پر انوائٹ کرنا ہوگا..... ایک بار تو اسے جانے دیجیے گا۔“ عظیم احمد نے کہا تو عظیم اکمل نے بیوی کی طرف دیکھا اور پھر بیٹی کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگے۔

”نیشا..... کیا تم ایک بار پاکستان جاسکتی ہو؟“

”اوکے..... لیکن زیادہ دنوں کے لیے نہیں۔“ نیشا نے صاف گوئی سے کہا۔







# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شاندار پاکستان سوسائٹی ڈاٹ کام کے پیشکش کیلئے ہے

### ہم خاص کیوں ہیں:-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریویو مینٹل بک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الٹ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی ٹک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے
- ✧ کی سہولت کی تین مختلف
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف
- ✧ سائٹوں میں اپڈیٹنگ
- ✧ پی ایم ڈی ایم ایل ڈی ایم ڈی
- ✧ عمران سیریز از منظر کلیم اور
- ✧ ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے
- ✧ کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرا سیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



http://www.paksociety.com

زائدہ ان کے پاس کارپنٹ پر بیٹھی بری طرح رو رہی تھی۔ خدیجہ کی آنکھیں بھی نم ہو رہی تھیں۔

”بیگم صاحبہ..... اب میں نے سوچ لیا ہے۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔“ زائدہ سسکی بھر کر بولی۔ ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟“ خدیجہ نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”فہام بھائی نے آج تک مجھ سے کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی اور آج ان کا رویہ اتنا سخت ہو گیا ہے کہ انہوں نے میرا ڈرا بھی لحاظ نہیں کیا..... اور مجھے صاف صاف جانے کو کہہ دیا۔“ زائدہ نے چادر سے اپنی آنکھوں کو گرتے ہوئے کہا۔

”زائدہ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی جانے کو کہہ رہی ہو۔“ خدیجہ نے آواز بھر کر بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”آج انہوں نے مجھے جانے کو کہا ہے، کیا آپ چاہتی ہیں کہ کل کو وہ مجھے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیں۔“ زائدہ نے غم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اللہ نہ کرے..... تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔“ خدیجہ گھبرا کر بولیں۔

”میں غریب ضرور ہوں لیکن مجھے اپنی عزت بہت پیاری ہے۔“ زائدہ نے سسکی بھر کر کہا۔

”نہیں..... فہام ایسا کبھی نہیں کرے گا۔ وہ اس وقت تہ جانے کیوں غصے میں آگیا تھا۔“ خدیجہ پر غماز لہجے میں بولیں۔

”مجھے جو کچھ نظر آ رہا ہے، وہ آپ جان بوجھ کر نہیں دیکھنا چاہیں تو دوسری بات ہے۔ انہیں اب صرف شہیلہ بھائی کی باتوں میں سچائی نظر آتی ہے اور کسی کی نہیں۔“ زائدہ نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور سسکی بھر کر اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

(باقی آئندہ)

”ہاں..... اب اس کا الزام بھی مجھے دے دیں۔“ شہیلہ غصے سے بولی اور پاؤں جھٹکتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

”آف..... ماما..... آپ بھی تھوڑا سا صبر دکھایا کریں۔“ فہام نے قدرے پریشان ہو کر سر تھامتے ہوئے کہا تو وہ ہکا بکا اسے دیکھنے لگیں اور پھر فہام بھی اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

”ردا..... تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہو..... فضیلت! میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ اسے گھر لے جاؤ۔“ ماں جی نے ردا کی طرف دیکھ کر فضیلت سے کہا۔

”نہیں..... ماں جی..... روحیل ناراض ہوں گے۔“ ردا گھبرا کر بولی۔

”روحیل کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اسنے لمبے سفر کے بعد آ کر تم کب سے یہاں بیٹھی ہو اور روحیل بھی واپس نہیں آیا۔ جاؤ..... اسے گھر چھوڑ کر آؤ۔“ ماں جی نے خفگی سے کہا۔

”نہیں، ماں جی..... میں ٹھیک ہوں۔“ ردا نے گھبرا کر کہا۔

”میں جانتی ہوں تم روحیل کی وجہ سے نہیں جا رہیں۔ میں اسے بتا دوں گی، جاؤ بیٹا..... گھر جا کر آرام کرو۔ فضیلت اسے لے جاؤ۔“ ماں جی نے خفگی سے کہا تو ردا نے پریشانی اور بے بسی سے ماں جی کی طرف دیکھا اور پھر فضیلت کی طرف۔

”ہاں بیٹا..... آٹھک کہہ رہی ہیں۔ گھر جا کر تھوڑا آرام کر لو پھر قریش ہو کر آ جانا۔“ فضیلت نے ردا کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تم روحیل کی فکر نہیں کرو اور نہ ہی میری..... یہاں میرے پاس نرس ہیں۔“ ماں جی نے کہا تو ردا فضیلت کے ہمراہ وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

خدیجہ اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھی تھیں اور





ناولٹ

# کہیں دیکھ چکے ہیں دل

قصہ حیات

دسواں حصہ



یہی کہ جب سے آزر کے جانے کی خبر ملی تھی وہ بہت زیادہ پریشان تھی۔ کاش... وہ اسے ایک بار یہاں مل جاتا تو وہ اسے بھی زندہ نہیں چھوڑتی۔ وہ تو اسے اسی وقت ختم کرنا چاہتی تھی مگر حسد کی حالت دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گئی۔ اب بھی بیٹھے بیٹھے اس کا خون کھولنے لگتا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کہیں سے آزر کو ڈھونڈ کر لائے اور اس کا وہ حشر کرے کہ نشانِ عبرت بنا دے۔ آزر کی بے اعتبار







ہو۔“ قاری صاحب نے خوش ہو کر کہا۔  
 ”نہیں، میں تنگ نہیں ہوں۔ میں اچھی نہیں ہوں۔  
 میں تو..... میں تو.....“ وہ ہونٹ بھیج کر سسکنے لگی۔  
 ”تم جیسے لوگ تو جن کے لیے بھی دعا کریں وہ ضرور قبول ہوتی ہے کیونکہ جن کے دل پاک صاف ہوتے ہیں اللہ صرف انہیں ہی اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور انہیں اپنی محبت سے نوازتا ہے۔ تم ہمارے لیے دعا کیا کرو۔ تمہاری دعائیں ضرور پوری ہوں گی۔“ قاری صاحب نے مسکرا کر کہا۔  
 ”اور بددعا؟“ یمنی نے اچانک پوچھا۔  
 ”ہاں، شاید وہ دعا سے پہلے ہی پوری ہو جائے گی مگر بیٹا کوشش کرنا کسی کو بددعا نہ دینا۔ ہم اس نئی کے اسی ہیں جنہوں نے بہت تکلیفوں کے باوجود بھی صرف دعائیں دیں۔“ قاری صاحب نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
 ”کیا اس شخص کو بھی بددعائیں نہیں دینی چاہیے جو کسی انسان پر انتہائی ظلم کرے اور پھر دنیا سے چھپنے کی کوشش کرے۔ جس تک نہ قانون پہنچ سکے اور نہ ہی مظلوم؟“ یمنی نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔  
 ”اسی لیے تو فرمایا گیا ہے کہ مظلوم کی بددعا ہے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ بیٹا ایک عام مظلوم انسان کی بددعا میں جب اتنا اثر ہوتا ہے تو نیک لوگوں کی بددعا میں کتنا اثر ہوگا۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے۔“ قاری صاحب نے اسے نرمی سے سمجھایا۔  
 ”یمنی بی بی، آپ کا فون آیا ہے۔ میں نے ہولڈر رکھا ہے۔“ ساجدہ نے جلدی سے ڈرائنگ روم میں آکر اسے کہا تو وہ چونک گئی اور قاری صاحب سے اجازت لے کر باہر چلی گئی۔  
 ”بہا شاء اللہ، آپ کی بیٹی آپ کے لیے بہت بڑی رحمت ہے۔ اللہ آپ پر اور اس گھر پر خاص کرم فرمائے۔ اب میں اجازت چاہتا ہوں کچھ اور

عزیزوں سے بھی ملاقات کرنی ہے۔“ قاری صاحب نے اپنا تھلا اٹھا کر ایمن سے اجازت طلب کی اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔ ایمن کے چہرے پر عجیب سی سرشاری اور اطمینان پھیلنے لگا۔  
 ☆☆☆  
 یمنی لاؤنج میں کھڑی ٹیلی فون پر باتیں کر رہی تھی اور اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔  
 ”آپ کیا سمجھتی ہیں کہ حسنہ کا کوئی وارث نہیں جو آپ نے اسے یوں موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ آپ مجھے حقیقت بتائیں، بات کیا ہے ورنہ میں پاکستان آکر سب سے پہلے آپ کو ہی شوٹ کروں گا۔“ عمر نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔  
 ”کیا مجھے شوٹ کرنے سے حسنہ واپس آجائے گی اگر ایسا ممکن ہوتا تو میں سب سے پہلے اپنے آپ کو شوٹ کرتی۔ میں جانتی ہوں کہ حسنہ کی ڈیجھ کا آپ کو بہت بڑا شاک لگا ہے لیکن مجھے تو آپ سے بھی زیادہ شاک لگا ہے کیونکہ میں نے حسنہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے خودکشی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں اسے ایک لمحے کے لیے نہیں بھول سکتی۔“ یمنی نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔  
 ”میں یہی تو چاہتا تھا ہوں کہ اس نے خودکشی کیوں کی؟“ عمر نے اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا۔  
 ”میں نہیں جانتی۔“ یمنی نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔  
 ”آپ سب کچھ جانتی ہیں۔ آپ ہی اسے گھر سے لے کر کہیں گئی تھیں۔“ عمر نے خشکی سے کہا۔  
 ”میرے پاس آپ کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں۔ آپ مجھے جو سزا دینا چاہتے ہیں، میں اس کے لیے تیار ہوں۔“ یمنی نے پُر اعتماد لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔  
 ایمن اس کے پیچھے کھڑی اس کی باتیں سن رہی

تھیں۔ یمنی مڑی تو اس نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے فوراً نظریں چرائیں۔  
 ”کس کا فون تھا، تم اتنی.....“ ایمن اس سے پوچھ رہی تھیں اور وہ انہیں کوئی جواب دینے بغیر ہی چلی گئی۔ ایمن حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔  
 ☆☆☆  
 آذر بہت خوش تھا۔ چند روز میں اس کی شادی ہونے والی تھی اور وہ شادی کی تیاریوں میں بہت زیادہ مصروف تھا۔ وہ اکثر ٹیشا کے ساتھ جا کر شاپنگ کرتا۔ اس کے ماں باپ بھی بہت زیادہ خوش تھے۔ آذر یہ خوشی کی خبر جو اذکو سنانا چاہتا تھا۔ اس نے کبھی اسے اپنے موبائل سے کال نہیں کی تھی۔ ہمیشہ میٹ سے کرتا تھا۔ رات کافی گہری ہو گئی تھی۔ جب وہ اس کا نمبر ملا رہا تھا۔ کانی ہیلز کے بعد جواد نے فون اٹھایا تو آذر کی آواز سن کر انتہائی خوش ہونے لگا۔  
 ”یار آذر، تم کہاں چلے گئے ہو کب واپس آؤ گے۔ میں تمہیں بہت مِس کرتا ہوں۔“ سچ ہمارے گروپ کو تو کسی کی نظر ہی لگ گئی ہے۔ بہت ہی عجیب و غریب باتیں سننے میں آرہی ہیں۔“ جواد فون ریسیو کرتے ہی آذر سے شروع ہو گیا۔  
 ”کیوں، کیا مطلب؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”یار حسنہ کے بارے میں بہت عجیب و غریب باتیں سننے میں آرہی ہیں۔ کوئی کہتا ہے اس کا مرد ہو گیا ہے کوئی کہتا ہے اس نے خودکشی کر لی ہے لیکن یہ بالکل confirmed ہے کہ حسنہ اس دنیا میں نہیں رہی۔“ جواد نے دکھ بھرے لہجے میں بتایا۔  
 ”کیا.....؟“ آذر نے حیرت سے چلائے ہوئے کہا۔  
 ”یار وہ اتنی اچھی لڑکی تھی۔ اتنی معصوم اور پاک باز۔ کون اس کا مرد کر سکتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مجھے تو اس بات کا یقین ہی نہیں آ رہا اور یہی خودکشی کی بات تو وہ خودکشی کیوں کرتی۔ اسے تو کوئی

براہم، کوئی ڈپریشن نہیں تھا۔ وہ اپنی ممکنہ سب سے بھی خوش تھی۔ اسٹڈیز میں بھی ٹھیک تھی۔ معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اس نے ایگزامز دیے اور زندگی یمنی نے..... ایگزامز کے بعد ہمیں پتا چلا کہ حسنہ کی ذہن تھ ہو گئی ہے۔ یقین مانو ہماری کلاس اس کے ٹم میں روٹی رہی۔ میں تو دو دن نہیں سو سکا۔“ جواد نے گلوگیر آواز میں کہا تو آذر ایک دم خاموش ہو گیا۔  
 ”تمہیں بھی دکھ ہو رہا ہے ناں اس لیے تم بھی خاموش ہو گئے ہو۔“ جواد نے کہا تو وہ ایک دم چونکا۔  
 ”آں..... ہاں..... ہاں۔“  
 ”ہاں یار، ایک بات یاد آئی۔“ یمنی کا فون آیا تھا وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ تم یو کے چلے گئے ہو تو اس نے تمہارے لیے ایک پیغام دیا ہے کہ آذر سے کہنا کہ تم دنیا کے کسی کونے میں بھی چلے جاؤ میرا سایہ تمہارے تعاقب میں رہے گا۔“ جواد نے کہا تو وہ بری طرح بوکھلا گیا۔  
 ”کیا.....؟“ اور پھر ایک دم وہ خاموش ہو گیا۔  
 ”یار، تم نے اسے فون کیوں نہیں کیا۔ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے اسی لیے اس نے یہ کہا ہے کہ تم جہاں کہیں بھی جاؤ گے وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے گی۔“ جواد اپنی ہی لے میں بولتا چلا گیا اور آذر سے اس کی باتیں سننا محال ہو گیا۔ اس نے ایک دم فون بند کر دیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے لگا۔  
 جواد ہیلو..... ہیلو کرنا رہ گیا مگر کال ڈراپ ہو چکی تھی۔  
 ☆☆☆  
 رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی مگر یمنی کو ایک لمحے کے لیے بھی نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ انتہائی مضطرب ہو کر کمر وٹیں بدل رہی تھی اور ہر کمر وٹ پر اسے آذر کی تلخ یاد آتی۔ اس کے ساتھ گزارے ہوئے وہ خوشگوار لمحے جنہیں وہ محبت سمجھتی تھی اور تب وہ اسے بہت مسرور رکھتے تھے۔ اب وہی خوب صورت یادیں



”ہاں، یہی بہتر ہے۔ ہمارے پاس سوچنے کا زیادہ وقت نہیں۔ اگر وہ لوگ آئے تو بہت مشکل ہوگی۔ یہاں سے بھاگنے کی جلدی کرو۔“ عظیم احمد نے کہا اور تینوں ضروری سامان لے کر گاڑی میں بیٹھ کر نہ جانے کہاں کے لیے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

یعنی صبح بیدار ہوئی تو اس کی طبیعت بہت بوجھل تھی اور آنکھیں بری طرح سوچی ہوئی تھیں۔ جمال احمد آفس جانے سے پہلے ہمیشہ اس کے کمرے میں ضرور جاتے تھے۔ وہ اس کے کمرے میں آئے تو یعنی کے چہرے کی طرف دیکھ کر حیران رہ گئے۔

”کیا تم رات بھر نہیں سوئیں؟“ انہوں نے حیرت سے پوچھا پر وہ خاموش رہی۔

”دیکھو بیٹا کب تک ایسا چلے گا۔ اب تمہیں اپنے آپ کو کمپوز کرنا چاہیے۔ اب مارل لائف گزارنے کی کوشش کرو۔ تم اپنی اسٹڈیز اور دیگر ایکٹیویٹیز دوبارہ شروع کرو۔ یوں ہر وقت کمرے میں بند رہ کر سوچتے رہنے سے تم بیمار ہو جاؤ گی۔“ جمال احمد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی اور کوئی جواب نہ دیا۔

”کیا بات ہے تم اتنی خاموش کیوں ہو؟“ انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”پھر اس خاموشی کی وجہ؟“

”میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”بیٹا یہی تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ زندگی یونہی صرف سوچ بچار میں نہیں گزر سکتی۔ زندگی میں کراسسز آتے رہتے ہیں اور یہ کراسسز انسان کو ہمیشہ کچھ نہ کچھ پازٹیو دے کر جاتے ہیں۔ ممکن ہے اسی میں سے تمہاری زندگی کے لیے کوئی بہتر راہ نکل آئے۔“ جمال احمد نے اسے

میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔“ آواز نے انتہائی غصے سے اس کے چہرے پر دو تین چھٹر لگائے۔

”تم نے مجھے مارا۔ مجھے پھینک دیا مجھے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ نیشا نے غصے سے چلاتے ہوئے اتنا شور مچایا کہ آواز بھی گھبرا گیا۔ اس نے کمرے کی تمام سجاوٹ ہنس نہیں کر دی اور دیگر چیزیں اٹھا اٹھا کر کارپٹ پر پھینکنے لگی پھر اس نے روتے ہوئے اپنا موبائل ہاتھ میں لیا۔

”میں ابھی پولیس کو کال کرتی ہوں۔“ اس کے نمبر ملائے پر آواز بری طرح گھبرا گیا۔ اس نے نیشا کے ہاتھ سے موبائل چھیننے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں نیشا کا ہاتھ مڑ گیا۔ وہ اور زور سے چیختے چلاتے لگی اور باہر جانے کے لیے دروازہ کھولنے لگی۔ آواز نے اسے پیچھے سے کھینچا اور اسے روکنے کی کوشش کی مگر نیشا انتہائی غصے میں تھی۔ اس نے آواز کو زور سے دھکا دیا اور دوبارہ باہر جانے لگی تو آواز نے گھبرا کر سائنڈ ٹیبل پر پڑا ٹیبل کا ایک ڈیکوریشن پیس اس کی طرف پھینکا جو قدرے بھاری تھا۔ وہ اس کی گھر میں جا لگا۔ وہ وہیں لڑکھڑا کر گر پڑی اور زور زور سے چلانے لگی۔ آواز اس کا موبائل لے کر کمرے سے باہر نکل گیا اور جلدی سے دروازے کو داک لگا دیا۔ وہ بھاگتا ہوا اپنے ماں باپ کے پاس آیا۔ دونوں اسے گھرایا ہوا دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ آواز نے انہیں ساری بات بتائی تو وہ دونوں بھی بہت پریشان ہو گئے۔

”یہ تو بہت برا ہوا۔ اگر نیشا اور اس کے گھروالوں نے پولیس میں رپورٹ لکھوا دی تو تمہیں جیل جانا پڑے گا اور یہاں پر تو سزائیں بھی بہت سخت ہیں۔ ہمیں یہ گھریا چھوڑ کر کہیں اور چلے جانا چاہیے۔ ورنہ نیشا کے گھروالے ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ ایک بار ہم پھنس گئے تو پاکستان واپس جانا بھی ممکن نہیں ہوگا۔“ مسز عظیم کو یہی بات سوچھی۔

سکون نہ ملے۔ تو اس کی زندگی کو کانٹوں کی ایسی سچ بنا دے کہ اسے ایک لمحے کو چین نہ آئے۔ اسے ہر لمحہ میں اور حسرت یاد آئیں پھر اسے یہ احساس ہو کہ اس نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے۔ حسرت کو موت کے منہ میں دھکیل کر اور مجھ سے زندگی کے سب رنگ چھین کر۔... مجھے چپتی پھرتی لاش بنا کر۔ کاش وہ بھی ایسی لاش بن کر پھرے کاش۔۔۔۔۔“ وہ سسک سسک کر روتے لگی۔ وہ دونوں ہاتھ بلند کر کے اتنی شدت سے روتی کہ شاید زندگی میں اتنی شدت سے نہیں روتی تھی۔ وہ رورہی تھی اور اب اس کے اندر کا آتش فشاں آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑنے لگا تھا اور آنسوؤں کی روانی میں بھی کچھ کی آنے لگی تھی یا پھر آنکھیں آنسو بہا بہا کر تھک چکی تھیں اور اب ان میں مزید سکت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ اس کے اندر کے جذبات کا ساتھ دے سکیں۔

☆☆☆

یہ یعنی کی بددعاؤں کا اثر تھا یا آواز کے اپنے کرتوت سامنے آئے تھے کہ شادی کی پہلی رات ہی اس کی بے انتہا فیشن اسٹیل اور امریکن معاشرے کی پروردہ نیشا نے جب اپنے ہوش سے لے کر آج تک کے تمام لوازمات آواز کو ستانے شروع کیے کہ جس میں ہر قسم کے تعققات کی حدیں پار کی جا چکی تھیں۔ وہ مزے لے لے کر اسے تھسے ستاتی رہی اور آواز کی نگاہوں میں یعنی اور حسرت کی شکلیں گھومنے لگیں اور پھر جو ادنیٰ زبانی یعنی کہ بات کہ ”تم دنیا کے جس کونے میں بھی جاؤ گے میرا سایہ تمہارا تو قب میں رہے گا۔“ اس کا دماغ چکرانے لگا اور اس نے غصے سے نیشا کی طرف دیکھا وہ مسکرا مسکرا کر اسے اپنی باتیں سنارہی تھی۔

”تم نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ میں تم سے تمہاری محبت اور relationship کی باتیں پوچھتا رہا تم مجھے narrow minded rigid کہتی رہیں۔ تم نے مجھے اتنا بڑا دھوکا دیا۔

اسے خون کے آنسوؤں لاری تھیں۔ وہ ہلک ہلک کر رونے لگی۔ اس وقت اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دل پھٹنے کو بے تاب ہو۔ اس کے اندر ایک آتش فشاں پھٹ رہا تھا۔ جس کا لاوا اس کے آنسوؤں کی صورت میں بہہ رہا تھا اسے اب بھی یقین نہیں آتا تھا کہ آواز نے اسے محبت کے نام پر دھوکا دیا ہے اگر وہ سب کچھ خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی تو شاید کبھی یقین نہیں کرتی مگر اس نے تو سب کچھ دیکھا بھی تھا اور سنا بھی تھا اور اپنے لیے اس کی آنکھوں میں انتہائی نفرت بھی دیکھی تھی۔ وہ مضطرب ہو کر اٹھی اس کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔ اسے قاری صاحب کے الفاظ یاد آئے گئے۔

”بیٹا، تم ہمارے لیے دعا کیا کرو۔ تم جیسے لوگوں کی دعائیں بہت جلدی قبول ہوتی ہیں۔“

”اور بددعائیں؟“ اس نے پوچھا تھا۔

”شاید وہ دعا سے بھی پہلے لیکن تم کسی کو بددعا نہ دینا۔“ قاری صاحب نے اسے نصیحت کی تھی۔

”نہیں، آج میرا دل پھٹ رہا ہے، مجھے حسرت بھی بہت یاد آرہی ہے اور اپنی تذلیل بھی، یا اللہ۔۔۔۔۔ وہ گنہگار شخص، ہم دونوں کی زندگیوں میں زہر بھر کر کتنی آسانی سے چلا گیا اور اسے رتی بھر احساس نہیں کہ اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے۔ حسرت کے منگیتر عمر کی ہیں اور سسکیاں مجھ سے نہیں سنی جاتیں اور خود میرے اندر جو طوفان برپا ہے وہ اس سے بھی لا تعلق ہے۔ اسے احساس ہی نہیں کہ اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ میں ایک زندہ لاش بن گئی ہوں۔ اب شاید زندگی بھر کسی سے محبت نہیں کر سکوں گی۔ اس نے میرے اندر کے اعتبار اور یقین کو کس جہی کس جہی کیا ہے۔ یا اللہ آج میں رات کے اس پہر اس شخص کے لیے دل کی گہرائی سے بددعا کرتی ہوں کہ اسے زندگی بھر چین نہ ملے۔ وہ محبت مانگے تو اسے محبت نہ ملے۔ وہ سکون مانگے تو اسے



اور بہت خوش بھی۔۔۔ انہوں نے جلدی سے ان لوگوں کے لیے کھانا لگوا دیا تھا۔ کھاتے سے فارغ ہو کر جمال احمد نے اماں جی کو یمنی کے خواب کے بارے میں بتایا تو وہ بھی حیران رہ گئیں اور کافی دیر خاموشی سے کچھ سوچتی رہیں۔

”یہ کوئی معمولی بات نہیں۔۔۔ بہت بھاری منزل ہے اور اس کے لیے بہت محنت اور کوشش کی بھی ضرورت ہے۔۔۔ جمال احمد تم اسے کس کام میں ڈالنا چاہتے ہو۔۔۔ اس کی شادی کرو اور یہ اپنا گھر بساؤ۔ لڑکیوں کے لیے تو یہی ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو آباد کریں۔“ اماں جی نے رائے دی۔

”اماں جی۔۔۔ یہ محض میری اور آپ کی سوچ تو ہو سکتی ہے مگر اس رب العزت کی نہیں جس نے ہم انسانوں سے مختلف کام لینے ہوتے ہیں۔“ جمال احمد نے کہا۔

”تم۔۔۔ صرف اس کا ایک خواب سن کر اسے اس راہ پر ڈال رہے ہو۔۔۔ ہر خواب حقیقت تو نہیں ہوتا نا۔۔۔“ اماں جی نے انہیں سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”اماں جی۔۔۔ یمنی کے بیشتر خواب حقیقت ہوتے ہیں، اس پر مجھے پورا یقین ہے۔“ جمال احمد نے بیٹی کی طرف دھک کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔۔۔ یہ اتنی اللہ والی کب سے ہو گئی؟ پہناتے تم اسے پینٹ اور شریں رہے ہو اور باتیں تم بڑی بڑی، اللہ والی کر رہے ہو۔۔۔ مجھے تو تم باپ بیٹی کی سمجھ نہیں آرہی۔۔۔ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟“ اماں جی گہری سانس لیتے ہوئے بولیں۔

”اماں جی۔۔۔ انسان کے لباس کا اس کی روح کے ساتھ وہ تعلق نہیں جو آپ سوچ رہی ہیں۔ انسان کی روح کا تعلق تو اس کے پاک دل اور اس کی سوچ سے ہو سکتا ہے۔“ جمال احمد نے رائے دی۔

وہ کبھی ممکن نہیں بنتی اور ممکن کام تو عام انسان بھی کر سکتے ہیں۔۔۔ مگر ناممکن کاموں کے لیے اللہ اپنے خاص بندوں کا انتخاب کرتا ہے۔۔۔ اس لیے میں۔۔۔ پُر امید ہوں کہ تمہارے اس خواب کا کوئی نہ کوئی مطلب ہے۔۔۔ اور اللہ تم سے جو بھی کام لینا چاہے گا اس کے لیے خود بخود راستے بنا دے گا۔۔۔ اور تمہیں مدد بھی فراہم کرے گا۔۔۔ لیکن بیٹا ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ ہر ناممکن کام کو صرف ایک چیز ممکن بناتی ہے اور وہ ہے انسان کا ”یقین“ کامل کہنے آپ پر اور اللہ پر کامل یقین۔۔۔ ایسا یقین جس میں رتی برابر شک کی گنجائش نہیں ہو۔“ جمال احمد نے اسے سمجھایا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

اگلے روز وہ دونوں گاؤں جانے لگے تو ایمن حیران رہ گئیں وہ شوہر سے بھی جانے کی وجہ پوچھتی رہیں مگر وہ انہیں نالتے رہے۔ یمنی نے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ ایمن کے دل میں کھٹکا سا پیدا ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی اہم بات ضرور ہے جسے ان سے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔۔۔ انہیں یہ بھی انوس ہو رہا تھا کہ جمال احمد اور یمنی ان پر اعتبار نہیں کر رہے تھے گوکہ جمال احمد نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ماحول کی تبدیلی کے لیے یمنی کو اماں جی سے ملوانے لے جا رہے ہیں۔۔۔ لیکن اتنی اچانک انہیں کیا سوچھی۔۔۔؟ یقیناً یمنی کے رشتے کے لیے اماں جی نے اسے بلایا ہوگا۔۔۔ شاید اماں جی اسے لڑکے والوں کو دکھانا چاہتی ہیں اگر شادی کی بھی بات ہے تو ماں سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ وہ سارا دن بیٹھی سوچتی رہیں اور خیالات کا تانا بانا بنتی رہیں مگر انہیں کوئی سرا نہیں مل رہا تھا

☆☆☆

یمنی اور جمال احمد اماں جی کے سامنے بیٹھے تھے۔ وہ بھی انہیں اچانک دیکھ کر حیران بھی ہو گئیں

وہ پریشانی کے عالم میں سوچ رہی تھی کہ کس سے ذکر کرے۔۔۔ بہت سوچنے کے بعد اسے قاری صاحب کا خیال آیا اور اس نے ان سے رابطہ کر کے اپنے خواب کے بارے میں بتایا۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گئے تھے پھر کافی دیر سوچنے کے بعد گویا ہوئے۔

”بیٹا میرا خیال ہے اللہ آپ سے کوئی خاص کام لینا چاہ رہا ہے اور اس کے لیے وہ آپ کو تیار کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ گاؤں چلی جائیں اور اپنی دادی سے اس خواب کا ذکر کریں، مجھے امید ہے وہ آپ کے لیے کوئی بہتر راہ نکالیں گی۔“ قاری صاحب نے اسے سمجھایا۔

”مگر قاری صاحب یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔ میں تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے یہ خواب میرا کوئی داہرہ ہو۔“ یمنی نے بے یقینی سے کہا۔

”نہیں بیٹا۔۔۔ میرے خیال میں یہ اللہ رب العزت کی طرف سے کوئی اہم اشارہ ہے۔ آپ اپنے والدین سے بات کریں اور گاؤں چلی جائیں۔“ قاری صاحب نے اس سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ وہ سارا دن بہت پریشان رہی۔ کبھی خواب کے بارے میں سوچتی تو کبھی قاری صاحب کی تجویز کے بارے میں وہ عجیب الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی۔ رات کو جمال احمد اس کے کمرے میں آئے تو اس نے ان سے اپنے خواب کے بارے میں ذکر کیا تو وہ بھی چونک گئے۔

”بیٹا تم اپنے اس خواب کا ذکر اپنی ماں سے نہ کرنا۔۔۔ کل میں اور تم گاؤں چلیں گے اور اماں جی سے بات کریں گے۔“ جمال احمد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنی رائے دی۔

”ڈیڈی یہ کیسے ممکن ہے کہ میں۔۔۔؟“

”بیٹا۔۔۔ زندگی نا ممکنات کے سفر کا نام ہے۔۔۔ اگر انسان کسی چیز کو ناممکن سمجھ کر چھوڑ دے تو

ایک راہ دکھائی۔

”اتنا سب کچھ ختم ہو جانے کے باوجود بھی آپ بہتری کا سوچ رہے ہیں۔ اب یہ ناممکن ہے۔“ یمنی نے مایوسی سے جواب دیا۔

”تو کیا تم اب ساری زندگی یمنی اس کمرے میں گزار دو گی؟“

”معلوم نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“ جمال صاحب اس کی بات پر پریشانی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

”اگر تم چاہو تو اماں جی نے جس پر پوئل کے لیے بات کی تھی تو کیا میں اسی سلسلے میں ان سے بات کروں؟“ انہوں نے آہستہ آواز میں پوچھا تو وہ ایک دم ہڑبڑائی۔

”شادی۔۔۔ It's impossible۔۔۔ no never۔۔۔ وہ ایک دم ہائپری ہو گئی پھر باپ سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”میں کبھی کسی مرد پر اعتبار نہیں کر سکتی۔“ وہ روتے ہوئے بڑبڑاتے لگی تو جمال صاحب گھبرا گئے اور انہوں نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ٹرینیکس مائی ڈیئر، میں تو تمہیں لائف میں بڑی دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے اس آپشن کے بارے میں سوچا۔“ جمال صاحب نے فکر مندی سے کہا تو یمنی پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔ اور وہ اسے محبت سے چپ کراتے رہے مگر یمنی کے دل کو سکون نہیں مل رہا تھا۔

☆☆☆

نیشا کی کئی گھنٹے کی بے ہوئی نے عظیم احمد کو فرار کا موقع دے دیا تھا۔ وہ پہلی فلائٹ لے کر دہلی آ گئے تھے۔

☆☆☆

یمنی نے پھر ایک خواب دیکھا تھا اور اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ مضطرب ہو گئی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے۔



یادداشت  
به هم آمیختن  
باطل تمام کردن  
حاصل کردن  
امتحان دادن  
ایستادن

# BRAINICA

BRAIN ENERGIZER SYRUP

**پریسٹیکا** Rs.500/=

مرزا سید محمد کو: اسٹیشن پر کم روڑ، نژاد غاخان اسپتال  
786 سید نیکل شہزادہ 17 گھنٹن جو نژاد جوہر چورنگی

جسٹس 2013

☆☆☆

اپ لوک چائے لیں تاں۔<sup>۹۹</sup> ردا جلدی  
سے یوں تو اسی لمحے روخیل دواخیوں کا لقاہ پکڑے

ہاں چھوڑ آیا ہوں وہ اب کچھ دن وہیں رہے گی۔“  
سال احمد نے قدرے وضاحت کا اگر ایہیں، شکر دل

”یہی بیٹے..... تم (ادھر) کچھ رو رہو۔“ پھر وہ  
ماں سے مخاطب ہوئے۔



کمرے میں داخل ہوا۔  
 ”آؤ روئیل بیٹا... کیسے ہو؟“ خدیجہ بیگم نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”ٹھیک ہوں۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور باہر جانے لگا۔ شاید اس نے شہیلہ کے جملے سن لیے تھے۔  
 ”روئیل کہاں جا رہے ہو... صبح کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیو...“ ماں جی نے گھبرا کر کہا تو وہ خاموشی سے ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔  
 ”روئیل بھائی... زندگی کا سفر کیسا جا رہا ہے؟“ شہیلہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔  
 ”یہ تو آپ ردا سے پوچھیں۔“ روئیل نے قدرے غمی سے جواب دیا۔  
 ”ردا کو تو نہ جانے کیا ہو گیا ہے... بہت اداس اور مر جھائی ہوئی لگ رہی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر کہا۔  
 ”آپ کا مطلب ہے کہ میں اس کا خیال نہیں رکھتا یا وہ اس گھر میں خوش نہیں... اگر ایسی بات ہے تو آپ ردا کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ آپ کے گھر تو وہ بہت خوش تھی ناں! روئیل نے ایک دم غصے سے بھڑک کر جواب دیا۔  
 ”یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو بیٹا... میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔“ خدیجہ نے بری طرح گھبرا کر کہا۔  
 ”روئیل... بات کو مت بڑھاؤ۔“ تھکے ہوئے ہوئے جاؤ یہاں سے۔“ ماں جی نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو روئیل تیزی سے اٹھ کر ہال سے چلا گیا۔  
 ”معافی چاہتی ہوں... میری بیماری نے روئیل کو چڑھا دیا ہے۔“ ماں جی نے شرمندگی سے سر ہن کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدیجہ بیگم کچھ دیر بے دلی سے وہاں بیٹھ کر اٹھ آئیں۔  
 خدیجہ بیگم گھر آ کر لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی زار و قطار رو رہی تھیں۔ زاہدہ ان کے پاس ہی

کارپٹ پر بیٹھی انہیں تسلیاں دے رہی تھی جبکہ شہیلہ دوسرے صوفے پر منہ پھلائے بیٹھی تھی۔  
 ”میری پھول سی بچی جس کی آنکھ میں... میں نے کبھی آنسو آنے نہیں دیا تھا... بے بسی سے میری طرف دیکھ رہی تھی... میں نے ہی برا کیا جو بغیر دیکھے بھالے اس کی اتنی جلدی شادی کر دی۔“ خدیجہ بیگم سسکی بھر کر بولیں تو شہیلہ معنی خیزی سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔ فہام اور حاتم اندر آئے اور ماں کو روکا دیکھ کر دونوں گھبرا کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ زاہدہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 ”مما... کیا بات ہے آپ تو ردا کی طرف گئی تھیں۔ کیا بات ہو گئی جو آپ رو رہی ہیں؟“ فہام نے گھبرا کر پوچھا۔  
 ”اپنی بیٹی کی قسمت دیکھ کر...“ خدیجہ بیگم نے سسکی بھر کر بیٹے کو دیکھ کر کہا۔  
 ”کیا... ہوا... میری ردا کو...؟“ اس نے گھبرا کر پوچھا۔  
 ”روئیل نے تو ردا کو ملا تو نہ بنا کر رکھا ہے۔“ شہیلہ بظاہر زندگی ہمدرد بن کر بولی۔ ”ہماری زاہدہ کی حالت ردا سے کہیں اچھی ہے۔“ شہیلہ نے ابرو چڑھا کر زاہدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”کیا مطلب...؟“ روئیل نے اسے لو کر بنا کر رکھا ہے۔“ حاتم نے ایک دم غصے سے بھڑک کر پوچھا۔  
 ”ارے بھئی... تو کسے بھی کم تر... وہ تو ردا کو ابھی ہمارے ساتھ بیٹھنے کو تیار تھا... وہ تو اس کی ماں ہی نے روکا۔“ شہیلہ نے مریج سالانہ کر کہا۔  
 ”تو آپ لوگ اسے چھوڑ کر کیوں آئیں؟“ حاتم نے غصے سے کہا۔  
 ”حاتم! اتنے جذباتی مت ہو، میرے دل پر کیا گزر رہی ہے تمہیں کیا پتا... ہمیں ردا کے لیے آسانیاں پیدا کرنی ہیں، اس کا گھر نہیں خراب کرنا۔ اب وہ میری ہے، ماما اگر ردا پر کام کا بڑا

زیادہ ہے تو آپ اس کے لیے کوئی maid arنج کر دیں۔ اسے pay ہم کر دیں گے۔“ فہام نے گہری سانس لے کر ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”بیگم صاحبہ... گاؤں میں میرے ماموں کی بیٹی بہت کام کا جو ہے۔ آپ اسے روای بی بی کی طرف بھیج دیں۔“ زاہدہ جلدی سے بولی۔  
 ”ہاں... یہ ٹھیک ہے۔“ فہام نے کہا تو سب خاموش ہو گئے۔

☆☆☆  
 ماں جی بیڈ پر لیٹی تھیں جبھی ردا دودھ کا گلاس لے کر کمرے میں آئی۔  
 ”ماں جی دودھ پی لیں...“ ردا نے سائڈ ٹیبل پر دودھ کا گلاس رکھتے ہوئے کہا۔  
 ”اوہ... آپ نے تو شاید ابھی میڈ بسز بھی نہیں لیں؟“ ردا نے جلدی سے پوچھا۔  
 ”خدا تمہیں زندگی کی ساری خوشیاں دے۔“ ماں جی نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”تم جیسی اچھی لڑکی کے ساتھ روئیل کا یہ رویہ دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوتا ہے... خدا کی قسم وہ پہلے ایسا نہیں تھا... نہ جانے اسے شادی کے بعد اچانک کیا ہو گیا ہے... وہ اتنا بدل جائے گا مجھے یقین نہیں آتا۔“ ماں جی نے غوکیر لہجے میں کہا تو ردا کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں۔  
 ”بیٹی مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں تمہاری مجرم ہوں... مجھے معاف کر دو، میں بالکل بے قصور ہوں... میں نے تمہارے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا۔“ ماں جی نے ردا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر معافی کے انداز میں کہا۔  
 ”میں صرف آپ کی وجہ سے خاموش ہوں... کیونکہ آپ نے مجھے بتایا ہے۔“ ردا نے گھبرا کر ماں جی کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا۔  
 ”اور تم بیٹیوں سے بھی زیادہ میری خدمت

کھیں دے دیے کھنسل دل کر رہی ہو... اللہ تمہیں اس کا صلہ دے۔“ ماں جی نے گہری سانس لے کر کہا تو ردا آنکھیں صاف کرتی ہوئی اٹھی۔  
 ”آپ کوئی ٹینشن نہ لیں بس آرام کریں۔“ ردا نے ماں جی کے اوپر کھل ٹھیک کرتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ ماں جی اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆  
 ردا انتہائی تھکی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی... اور جھائی لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی... اس نے ایک نظریہ ٹاپ پر مصروف روئیل کی طرف ڈالی اور پھر منہ پھیر لیا... روئیل نے انتہائی غصے سے اس کی طرف دیکھا۔  
 ”اگر تم یہاں خوش نہیں ہو تو اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ...“ وہ غصے سے لیپ ٹاپ آف کر کے ردا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ردا اسے حیرت سے دیکھتی رہی گئی۔  
 ”تمہاری ماں... کیا میری اسلف کرنے یہاں آئی تھیں... ضرور تم نے انہیں اپنی دکھ بھری باتیں سنائی ہوں گی۔“ روئیل نے انتہائی درخش سے کہا۔  
 ”آپ ہر بات کا قصور وار مجھے ہی کیوں ٹھہراتے ہیں؟“ ردا نے خفگی سے روئیل کی طرف دیکھ کر کہا۔  
 ”تم جان بوجھ کر اپنا جلیما ایسے بناتے رکھتی ہو کہ تمہیں دیکھ کر لوگوں کو ترس آئے... تم مظلوم دکھائی دو اور میں ظالم...“ روئیل نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔  
 ”اگر میں اچھے کپڑے پہن لوں... تو بھی آپ طنز کرتے ہیں... آپ نے میری زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے... کیا کروں... میں؟“ ردا بھی ایک دم غصے سے چلاتے ہوئے بولی۔  
 ”چھوڑ دو مجھے...“ روئیل نے خفگی سے اسے دیکھ کر کہا۔



”اگر یہی صورت حال رہی تو بہت جلد چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ اب اگر میں اس گھر میں ہوں تو صرف ماں جی کی وجہ سے، انہیں سنبھالنے والا کوئی نہیں اور میں صرف اللہ کے خوف سے ان کی خدمت کر رہی ہوں۔ آپ کی وجہ سے نہیں۔“ رونا نے سختی سے کہا اور تکیہ اٹھا کر غصے سے باہر چلی گئی۔ روحیل ہٹکا بکا اسے جانا دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

صبح ہو چکی تھی رونا لاؤنج میں صوفے پر سو رہی تھی..... کھڑکی سے روشنی اور چڑیوں کے چہچہانے کی آواز آئی تو اس کی آنکھ کھلی اس نے کلاک کی طرف دیکھا۔ جہاں سات بج رہے تھے۔

”اوہ..... ماں جی..... اور روحیل کے لیے ناشتا بھی بنانا ہے۔“ وہ جلدی سے اپنے بکھرے بالوں کا جوڑا ہٹا کر اٹھ گئی۔ وہ جلدی سے واش روم کی طرف جانے لگی کہ ڈور بیل بجی، باہر جا کر دیکھا تو ایک ادھیڑ عمر شخص ایک نو عمر لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا عاتقا باپ بیٹی تھے۔

”آپ رونا بی بی ہیں ماں..... میں زاہدہ کا ماموں عبدالشکور ہوں جو فقہام صاحب کے گھر کام کرتی ہے اور یہ میری بیٹی زورینہ ہے..... ہم لوگ گاؤں سے آئے ہیں۔“ اس نے جلدی سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”آپ اندر آجائیں۔“ رونا حیرن تھی کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں۔ اس نے انہیں عزت سے لاؤنج میں بٹھایا۔

”آپ لوگ یہاں کیسے آئے؟“ رونا نے ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ اسی لمحے روحیل آئیں جانے کے لیے تیار ہو کر لاؤنج میں آیا اور رونا کو ان لوگوں کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ کر چوٹا۔

”کل بڑی بیگم صاحبہ کا خون آیا تھا کہ میں زورینہ کو آپ کے پاس کام کاج کے لیے چھوڑ

آؤں..... جیسی گاؤں سے سیدھا ہمیں آ رہا ہوں۔“ عبدالشکور نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
”لیکن انہوں نے مجھے تو کچھ نہیں بتایا۔“ رونا نے ایک دم بوکھلا کر جواب دیا۔

”میرے پاس اتنے فضول پیسے نہیں کہ تمہاری خدمت کے لیے نوکر رکھوں۔“ روحیل نے ان کی باتیں سن کر غصے سے کہا۔

”آپ تنخواہ کی فکر نہ کریں جی..... وہ بڑی بیگم صاحبہ دیا کریں گی۔ یہ بات طے ہو چکی ہے۔ زورینہ یہاں صرف کام کرے گی۔“ عبدالشکور نے جلدی سے وضاحت پیش کی۔

”کیا..... کیا.....؟ اب وہ ہم پر ترس کھائیں گی..... مجھے ذلیل کرنے کا ایک اور موقع انہوں نے تلاش کر لیا ہے۔“ روحیل نے ایک دم غصے سے بھرپور کہا۔

”شکور بابا..... آپ جائیں اور یہ زورینہ کو ہمیں چھوڑ جائیں۔“ رونا نے غبر کر کہا تو شکور سلام کر کے واپس چلا گیا۔

”زورینہ میرے لیے آئی ہے جب میں اس گھر سے جاؤں گی تو زورینہ کو بھی لے جاؤں گی۔“ رونا نے روحیل کی طرف دیکھ کر کہا اور زورینہ کو لے کر کچن میں چلی گئی اور وہ غصے سے اسے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔

☆☆☆

رونا زورینہ کو سارا گھر دکھا کر کام سمجھا رہی تھی آخر میں وہ اسے اپنے بیڈ روم میں لائی۔

”روحیل کو صفائی بہت پسند ہے۔ وہ ڈرائی و سٹ بھی برواشت نہیں کرتے اس لیے اس کمرے کی بہت اچھی طرح سے صفائی کرنا..... ماں جی کی بیماری کی وجہ سے مجھے ہائیم ہی نہیں ملے کہ میں اچھی طرح صفائی کرتی۔ ایسا کرو آج میرے کمرے کی خوب اچھی صفائی کرو۔ میں بھی تمہاری مدد کروا دوں گی۔ کہیں تم یہ نہ کہو کہ باجی نے آتے ہی ڈھیر سا کام کروانا شروع

کر دیا۔“ رونا نے مسکرا کر کہا۔

”ارشے نہیں باجی..... کام کرنے میں..... میں بہت شیر ہوں۔“ اس نے جلدی جلدی چیزوں کو ادھر ادھر کرنا شروع کر دیا۔ رونا وارڈ روم کھول کر کپڑوں کی ترتیب ٹھیک کرے لگی۔ زورینہ نے میٹریں اٹھایا تو اس کے پیچے سے روحیل کی میڈیکل رپوٹیں والی فائل نکلی۔

”باجی کیا اس فائل کو واپس میٹریں کے پیچے ہی رکھنا ہے؟“ زورینہ نے پوچھا تو رونا نے چونک کر اس کے ہاتھ میں پکڑی فائل کو دیکھا اور کھول کر پڑھنے لگی۔ وہ جیسے جیسے فائل پڑھ رہی تھی اس کے چہرے پر حیرت اور پریشانی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

”باجی! کیا ہے اس میں..... جو آپ ایک دم پریشان ہو گئی ہیں؟“ زورینہ نے پوچھا۔

”ک..... ک..... کچھ نہیں..... تم ڈرا ماں جی کمرے میں جاؤ اور ان سے پوچھ کر آؤ انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔“ رونا نے اسے زبردستی باہر بھیجنا چاہا۔

”جی..... باجی.....“ زورینہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

رونا کی آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی اور اس نے فائل کو دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔

”تو شاید روحیل..... اسی لیے.....“ اس نے آہ بھر کر سوچا۔ اسی لمحے زورینہ کمرے میں داخل ہوئی تو رونا نے اسے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

”یہ فائل وہیں رکھ دو جہاں سے نکلی ہے۔“ ٹھیک ہے..... ماں جی آپ کو بلا رہی ہیں۔“ زورینہ نے فائل لیتے ہوئے کہا تو رونا کمرے سے باہر نکل گئی۔

”بیٹا..... مجھے میری میڈیسنز دے دو۔“ ماں جی نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

”جی..... ماں جی.....“ وہ انہیں میڈیسنز کھلا

کھیں دے دیے کھیں دل

کر خود ان کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر بہت الجھن اور پریشانی تھی جیسے اندر کوئی کشمکش جاری ہو۔ ماں جی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر رونا بے خبر رہی۔

”کیا سوچ رہی ہو.....؟“ ماں جی نے اس کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔

”کچھ نہیں.....“ رونا ایک دم ہڑبڑا کر بولی۔

”مگر تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم اس وقت بہت پریشان ہو..... کیا بات ہے بیٹا؟“ ماں جی نے ڈرا نرمی سے کہا تو رونا نے ماں جی کی طرف دیکھا۔

”مجھے بتاؤ کیا بات.....؟“ ماں جی نے پریشان ہو کر محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

”کچھ نہیں.....“ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”کیا روحیل نے تمہیں کچھ کہا ہے..... یا پھر کوئی اور مسئلہ ہے؟“ ماں جی نے محبت سے پوچھا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

”دیکھو بیٹا..... میاں..... بیوی کا رشتہ اس وقت تک بہت خوب صورت ہوتا ہے جب تک دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے چاہت ہوتی ہے، عزت ہوتی ہے، جب چاہت نہیں رہتی تو پھر رشتہ بھی خوب صورت نہیں رہتا..... کیا تم دونوں میں چاہت کی کمی ہے..... یا پھر کوئی اور بات ہے۔“ ماں جی نے گہری سانس لے کر کہا۔

”معلوم..... نہیں ماں جی.....“ رونا نے ہٹراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”بیٹا..... آخر مسئلہ کیا ہے؟ تم دونوں کا رشتہ اتنی جلدی کیسے کمزور پڑنے لگا ہے۔“ ماں جی نے جھنجھلا کر پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“

”روحیل میں کوئی ایسی خامی یا برائی ہے، جسے تم قبول نہیں کر پا رہی اور اسی وجہ سے پریشان ہو؟“

ماں جی نے ایک دم رازدارانہ انداز میں پوچھا تو رونا



نے ایک دم شپٹا کر نہیں دیکھا۔

”بیٹا..... میاں، بیوی کو اللہ نے ایک دوسرے کا لباس کہا ہے..... جس طرح لباس جسم کی کسی بھی بد صورتی کو چھپا کر اس پر پردہ ڈالتا ہے..... اس طرح میاں، بیوی بھی ایک دوسرے کی خامیوں پر پردہ ڈال کر..... ایک دوسرے کی عزت اور بھرم رکھتے ہیں۔ تم دونوں اب ایک دوسرے کی عزت ہو۔“

ماں جی نے بغور اسے دیکھ کر کہا۔  
”ماں جی اگر بیوی کو شوہر کی کسی ایسی بات کا پتا چلے جو خود اس کے لیے بھی تکلیف دہ ہو اور بیوی کے لیے بھی..... اور شوہر اسے چھپانا چاہے اور بیوی جب سب کچھ جان بھی لے تو وہ کیا کرے؟“ ردا نے ماں جی کی طرف دیکھ کر بڑا عجیب سوال پوچھا۔  
”ایسی نیک اور پاکباز عورتوں کا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہوتا ہے جو بہت صبر سے کسی آزمائش سے گزرتی ہیں اور شوہروں کا پردہ رکھتی ہیں اور ان کی دلجوئی بھی کرتی ہیں۔ اللہ ایسی عورتوں کی بہت عزت کرتا ہے اور ان کے درجات بلند کرتا ہے مگر ایسی عورتیں بہت کم ہوتی ہیں آج کل کون کسی کا پردہ رکھتا ہے۔“ ماں جی نے کچھ نا سنجھی کی کیفیت میں ردا کی بات کا جواب دیا۔

”یہ بتاؤ کیا روحیل میں بھی ایسی کوئی بات ہے؟“ ماں جی نے اگلے ہی لمحے اس سے پوچھا۔  
”نہیں..... نہیں..... میں تو ایک کتاب پڑھ رہی تھی یونہی ذہن میں خیال آ گیا۔“ ردا نے ایک دم بوکھلا کر جواب دیا۔

”دنیا میں بڑی بڑی عظیم اور پاکباز عورتیں گزرتی ہیں..... اللہ کی رضا پر صبر کرنے والیاں..... دنیا میں تو وہ بہت آزمائش سے گزرتی ہیں مگر آخرت میں پرووگار نہیں بہت تواضع ہے۔“ ردا ان کی بات پر خاموش رہی۔

جب سے زریں ردا کے گھر کام میں مدد کرنے

آئی تھی روحیل کا سوڈا اور خراب ہو گیا تھا۔ وہ بات بات پر اس کے بے عزتی کرتا اور زریں ردا بی بی کی خاطر برداشت کرتی..... ردا یہ سب دیکھ کر کڑھتی رہتی، روحیل کا رویہ ردا سے روز بروز برا ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم ہر نئی فصل کا اناج اور نئے موسم کا پھل غریبوں میں ضرور تقسیم کیا کرتی تھیں سو اس مرتبہ بھی وہ نراندہ کے ساتھ مل کر الگ، الگ ٹیکٹس بنا رہی تھیں جیسی شہیلہ وہاں چلی آئی۔

”خالہ جان..... یہ اتنا پھل اور یہ سب کہاں جا رہا ہے؟“ اس نے کڑی تیوریوں کے ساتھ پوچھا۔  
”شہیلہ..... آج سے نہیں بلکہ تمہارے خالو کے زمانے سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے جس سے تم لوگ بھی بخوبی واقف تھے۔“ خدیجہ بیگم نے جتنا تے ہوئے انداز میں کہا۔

”مگر اب اس گھر کا سارا خرچہ فہام چلاتے ہیں اور میں یہ فضول خرچی نہیں ہونے دوں گی۔ غضب خدا کا مجھے تو کسی بات کا علم ہی نہیں ہوتا اور فہام کا پیسہ کس، کس طرح آپ لٹائے جاتی ہیں۔“ شہیلہ نے یہ اور اس طرح کی کئی تلخ باتیں خدیجہ بیگم کو کہیں اور وہ صرف ٹھنڈی آہیں بھرتی رو گئیں۔ خدیجہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ شہیلہ کی باتیں ان کے کانوں میں بازگشت کی صورت میں گونج رہی تھیں۔  
”آپ جیسی مائیں تو ویسے ہی بیٹوں کو اتنا قابو میں رکھتی ہیں کہ وہ بھی بیویوں کے جوہی نہیں پاتے۔ ہاں..... مفت کی کمائی ہے ناں۔..... ایک کماے دوسرا اجاڑے۔“ شہیلہ کے الفاظ کسی نشتہ کی طرح ان کے سینے میں پیوست ہو رہے تھے۔ وہ سکریاں بھرنے لگیں۔

”میں شہیلہ کو کیا سمجھ کر بہو بنا کر لائی اور وہ مجھے کیا سمجھ رہی ہے؟ اپنی دشمن..... اپنی رقیب..... میں

نے تو کبھی اس سے کوئی شکوہ تک نہیں کیا اور اس سے میرا وجود بھی اس گھر میں برداشت نہیں ہو رہا۔“ انہوں نے سسکی بھر کر سوچا جیسی ایک دم دروازہ کھلا اور عاصم اندر آیا۔ خدیجہ بیگم جلدی سے اپنے آنسو صاف کرتے لگیں۔

”مما..... کیا آپ رورہی ہیں؟“ عاصم ان کے قریب بیٹھ کر پوچھنے لگا۔  
”ن..... ن..... نہیں تو۔“ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بویں۔

”بھلا شہیلہ بھابی کے ہوتے ہوئے اس گھر میں کون خوش رہ سکتا ہے۔“ عاصم نے آپ تو ہمیں ہمت دیتی تھیں اور اب خود ہی ہمت چھوڑنے لگی ہیں۔“ عاصم نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر زریں سے سمجھاتے ہوئے کہا۔  
”بیٹا..... میں کبھی تکلیفوں سے نہیں گھبرائی مگر میں اس کی مکاریوں سے ہارنے لگی ہوں۔“ انہوں نے بے بسی سے جواب دیا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں..... سامنے سے آنے والے حملہ آور کا ہاتھ تو پکڑا جاسکتا ہے مگر پیٹھ پیچھے چھرا گھونپنے والے کو انسان کیسے پکڑے۔“ میں بھی وہی طور پر بہت اب سیٹ ہو گیا ہوں۔ ہمارے گھر میں ایک عجیب سی ویرانی چھانے لگی ہے۔“ عاصم نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔

”کبھی کبھی صرف ایک انسان سارے خاندان کو اب تو ذکر رکھ دیتا ہے کہ وہ پھر کبھی جڑ نہیں پاتا۔“ خدیجہ نے زندگی کا تجربہ بیان کیا۔

”مما..... میں کچھ روز کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔ اپنے فریڈز کے ساتھ..... گھر سے دور رہوں گا تو شاید سب کے لیے بہتر ہوگا اور خود میرے لیے بھی۔“ عاصم نے گہری سانس لے کر کہا۔

”بیٹا جلدی آ جانا..... تمہارے بغیر میں اب بہت تنہائی محسوس کرتی ہوں..... دونوں بڑے بھائی تمہارے تو اس کے قبضے میں آ گئے ہیں، تم ہی ہو

کھیل صوبہ طے کھیل دل

میرے دکھ کو سمجھنے والے اور تم بھی جا رہے ہو۔“ وہ گھبرا کر بویں۔

”آپ حوصلہ رکھیں..... میں جلدی آ جاؤں گا بس آپ نے ہمت نہیں ہارنی۔“ عاصم نے مسکرا کر ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”you are our brave mother“ عاصم نے مسکراتے ہوئے ماں کی پیشانی چومی تو وہ مسکرا دیں۔  
”اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے۔“ انہوں نے زخمی مسکراہٹ سے اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

کمرے میں نیم تاریکی تھی..... ردا اور روحیل دونوں ایک دوسرے کی طرف پشت کیے کروٹ کے ٹل لیٹے تھے۔ دونوں کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ سو نہیں رہے تھے۔ دونوں اپنے آپ سے مسلسل الجھ رہے تھے۔

”روحیل بہت اب سیٹ ہے، شاید یہی وجہ ہے۔“ ردا نے اپنے طور پر سوچا۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ زندگی مجھے یوں ٹریٹ کرے گی۔“ روحیل نے خود سے بے آواز مکالمہ کیا۔

”زندگی نہیں..... شاید قسمت..... یا اللہ میں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے جس کی تو مجھے اتنی بڑی سزا دے رہا ہے۔“ روحیل کے سینے سے جیسے آہ نکلی۔

”شاید روحیل رورہا ہے۔“ ردا نے گھبرا کر آنکھیں کھولتے ہوئے خود سے کہا اور چہرہ روحیل کی طرف کیا وہ بدستور اس کی طرف پشت کیے لیٹا تھا۔

”ایسی نیک اور پاکباز عورتوں کا اللہ کے ہاں بڑا درجہ ہوتا ہے جو بہت صبر سے کسی آزمائش سے گزرتی ہیں اور شوہروں کا پردہ بھی رکھتی ہیں اور ان کی دلجوئی بھی کرتی ہیں۔“ ردا کے کانوں میں ماں جی کے الفاظ گونجنے لگے..... ردا نے کچھ سوچا اور روحیل کی طرف ہاتھ بڑھانے لگی جیسی روحیل نے کروٹ بدلی۔ ردا نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شاندار پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ ہریم کوالٹی، تارمل کوالٹی، کمپیوٹر کوالٹی
- ☆ عمران میریز از مظہر کلیم ور
- ☆ ابن صفی کی مکمل ریچ
- ☆ ایڈفری لنکس، لنکس گوئیے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر ریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پیسے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان برؤنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ایب سائٹ جہاں ہر کتاب فوراً سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

## WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on

Facebook

to connect with us



for more books

ہاتھ پکڑ لیا۔

”روحیل آپ کس بات سے اتنے ہرٹ ہو رہے ہیں۔“ ردا نے گہری سانس لے کر محبت بھرے لہجے میں اس سے کہا تو روحیل بے بسی اس کی طرف دیکھنے لگا اور پھر کر دھڑکنے لگا۔

”کیا آپ کو مجھ پر ... اور اپنی محبت پر کوئی اعتبار نہیں رہا ... آپ مجھ سے اپنے دل کی بات شیئر کیوں نہیں کرتے ... انھیں اور مجھے بتائیں کہ آپ کو کیا پرالیم ہے۔“ ردا نے اس کا بازو جھجھوڑتے ہوئے کہا تو روحیل نے شکستہ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پیٹھ کراچی آنکھیں صاف کرنے لگا۔

”روحیل ... پلیز ... حوصلہ کریں۔ میں آپ کے پاس ہوں ناں ... پھر آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں ... میں زندگی کے ہر مرحلے پر آپ کے ساتھ ہوں گی۔ پلیز مجھ پر ٹرسٹ کریں۔“ ردا نے قدرے جذباتی انداز میں کہا تو روحیل نے ... بے بسی سے اس کی طرف دیکھا ... ردا اس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگی تو روحیل نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔

”ردا! مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑنا ... ورنہ میں ...“ روحیل نے قدرے جذباتی انداز میں کہا۔ ”میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہی ہوں گی۔“ چاہے کتنا مشکل وقت ہی کیوں نہیں آئے۔“ ردا نے مسکرا کر محبت سے کہا تو روحیل نے زخمی مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھا ... ردا نے محبت سے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ روحیل دھیرے دھیرے اس کے بازو چھپتے پھرتے بگا اور ردا کو یقین آئے لگا کہ روحیل اس پر بھروسہ کرنے لگا ہے۔ وہ بہت جلد اپنے دل کی باتیں اسے کہہ دے گا اور اس کا سارے غم اور دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

☆☆☆

فہام کو بزنس میں کچھ loss ہوا تھا اور یہ

بات شمیلہ نے فہام کو فون پر کسی سے بات کرتے کرتے لی تھی ... اب اس کے ذہن میں کچھ چلنے لگا۔ جس دن سے خدیجہ بیگم نے بھوں کی پٹیاں اور اناج کے ٹیکس بنوائے تھے شمیلہ کو یہ سب کچھ بہت کھنگر رہا تھا ... جی جی آج وہ بظاہر فہام کی اور اس کے گھر کی ہمدردی کر رہی تھی۔

”آپ کو بزنس میں loss کب ہوئی ہے؟ آپ نے مجھ سے تو کبھی شیئر نہیں کیا؟“ شمیلہ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”میں بزنس میٹرز گھر میں ڈسکس کرنا پسند نہیں کرتا۔“ فہام نے بے پروائی سے کہا۔

”ویسے بھی جس گھر میں شاہ خرچیاں عروج پر ہوں ... وہاں پر ایسے کرائسز تو آتے ہی ہیں ناں۔“ شمیلہ نے منہ بنا کر معنی خیز انداز میں کہا۔ ”کیا مطلب ... میں سمجھا نہیں؟“ فہام نے ایک دم چونک کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جس گھر میں ملازموں کو اتنی چھوٹ ملے ... کہ چاہے وہ اناج کی بوریاں اٹھا کر لے جائیں یا پھر بھلوں کے کرٹس ... اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہو تو وہاں قارون کے خزانے بھی ختم ہو جاتے ہیں۔“ شمیلہ نے فہام کی ہمدردی کی کہہ رہی تھی۔

”کیا ہمارے گھر سے کسی ملازم نے یہ سب کیا ہے مگر ہمارے سب ملازم تو بہت اچھے اور ایماندار ہیں۔“ فہم نے چونک کر پوچھا۔

”جو ایماندار کی آڑ میں مالگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکے تو اسے آپ کیا کہیں گے بھلا؟“ اب وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھ رہی تھی۔ ”تم کہنا کیا چاہ رہی ہو ...؟ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ فہام نے جھنجھلا کر کہا۔

”یہاں کے سب ملازم آپ لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹ کھسوٹ میں لگے ہیں۔ بس ان پر نظر رکھیں چور ہیں سب کے سب۔“ شمیلہ نے جیسے



اسے بڑی اہم اطلاع دی۔

”کیا.....؟“ وہ انتہائی حیرت سے بولا۔

”میں ناشتا لگا رہی ہوں، آپ جلدی آجائیں.....“ وہ یہ کہہ کر کمرے سے چلی گئی اور فہام گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”بیگم صاحبہ پھلوں کی پانچ پیٹیاں روائی بی کو بھجوا دی ہیں۔ پڑوس میں بھی دے دی ہیں۔ باقی کے بھی تمام پانٹ دیے ہیں.....“ زاہدہ نے آکر خدیجہ بیگم کو اطلاع دی۔

”انتی پیٹیاں آپ لوگوں میں بانٹ رہی ہیں؟“ فہام نے ایک دم چونک کر ماں سے پوچھا وہ جو آفس جانے کے لیے انہیں خدا حافظ کہنے آیا تھا ملازمہ کی بات پر چونک ہی تو پڑا۔

”ایسا میں پہلی بار تو نہیں کر رہی..... تمہارے ڈیڈی کی زندگی میں بھی یہی کرتی تھی..... اور تمہاری شادی سے پہلے بھی یہی ہوتا تھا۔“ انہوں نے بیٹے کے پوچھنے پر کہا۔

”تب کی بات اور تھی.....“ فہام نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”تب تمہارے باپ کی کمائی تھی..... اور اب تمہاری ہے ناں، ماں، باپ اولاد پر لاکھوں خرچ کریں..... وہ بھی حسب نہیں لیتے اور اولاد چند روپے بھی خرچ کرے تو حساب مانگنے لگتی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے تیز لہجے میں کہا۔

”مما..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ فہام بوکھلا گیا۔

”تم وہی فہام ہو جس سے میں لاکھوں روپے لیتی تھی اور وہ بھی سوال نہیں کرتا تھا اور آج چند پیٹیاں تمہیں کھٹک رہی ہیں۔“ انہوں نے خفگی سے کہا۔

”آلی ایم سوری..... میں..... میں..... اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں شہیلہ اسے ناشتے کے لیے بلانے آگئی۔ خدیجہ بیگم نے منہ پھیر لیا اور وہ اٹھ کر بیوی کے ساتھ باہر چلا گیا۔

☆☆☆

”زوریتہ نے جا کر دروازہ کھولا تو خدیجہ بیگم کا ڈرائیور پھلوں کی پیٹیاں لیے موجود تھا۔

”شوکت..... بابا..... آپ.....؟“ روائی نے خوش ہو کر کہا۔

”سلام..... روائی بی..... بڑی بیگم صاحبہ نے آپ کو یہ پھل بھیجے ہیں۔“ ڈرائیور نے مسکراتے ہوئے کہا تو روجیل چائے پیتے ہوئے ایک دم برکا۔

”ہم کوئی بھکاری ہیں جو تمہارے گھر والے آئے روز چیزیں بھیجتے رہتے ہیں۔“ روجیل نے روائی کے قریب آ کر انتہائی غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”صاحبہ جی..... یہ تو نئے موسم کے پھل ہیں، تختے میں بھیجے ہیں بیگم صاحبہ نے۔“ ڈرائیور نے گھبرا کر کہا۔

”شٹ اپ..... اٹھاؤ یہ سب اور واپس لے جاؤ۔“ روجیل نے غصے سے کہا۔

”لیکن..... روجیل؟“ روائی نے گھبرا کر روجیل اور پھر ڈرائیور کو دیکھا۔

”خبردار..... تم نے میری اجازت کے بغیر کوئی چیز لی..... واپس کر دینا سب..... ورنہ.....“ وہ غصے سے دانت کچکا کر بولا۔

”شوکت..... بابا..... آپ یہ سب لے جائیں۔“ روائی نے گھبرا کر ڈرائیور کی طرف دیکھ کر کہا۔

”جی روائی بی.....“ ڈرائیور نے اس کی طرف دیکھ کر ایک سرود آہ بھری اور وہ پیٹیاں اٹھا کر واپس چلا گیا۔ روجیل ڈانٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھا تو روائی جلدی سے بھاگتی ہوئی ڈرائیور کے پاس پہنچی اور اسے ماں کو کچھ بھی بتانے سے منع کر دیا۔ شوکت بابا سخت مذہذب کی حاست میں گاڑی میں جا بیٹھے۔

”واہ..... مولانا..... بیٹیوں کے نصیب بھی تو کیسے بناتا ہے۔ شہزادیوں کی طرح راج کر کے والی بنی کیسے خوار ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں اسے کیا پریشانی

ہے۔“ شوکت بابا نے غم آنکھوں سے سوچا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ روائی کھڑی پھوٹ کر رودی۔ واقعی ماں، باپ بیٹیوں کو سب آسائش دے سکتے ہیں لیکن اچھا نصیب نہیں۔

☆☆☆

”زاہدہ ہم تو تمہیں بہت ایمان دار سمجھتے تھے مگر تم نے بھی بے ایمانی اور چوری شروع کر دی ہیں۔“ فہام نے ملازمہ کی طرف دیکھ کر غصے سے کہا۔

”نہیں نہیں فہام بھائی میں ایسا کیوں کروں گی۔“ زاہدہ نے گھبرا کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”زاہدہ کبھی چوری نہیں کر سکتی.....“ خدیجہ بیگم نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

”اگر اس نے چوری نہیں کی تو پوچھیں اس سے کہ اس کے کوارٹر میں اتنے زیادہ پھلوں کے کریش کہاں سے آئے ہیں۔ آپ نے تو اسے ایک دیا تھا۔“ شہیلہ طنزیہ انداز میں بولی تو زاہدہ کا رنگ ایک دم قہر ہو گیا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھنے لگی۔

”ہاں زاہدہ بتاؤ وہ سب کہاں سے آئے؟“ خدیجہ بیگم نے حیرت سے پوچھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔

”زاہدہ..... خدا کے لیے یہ باتیں بڑی بیگم صاحبہ کو نہیں بتانا۔ روائی بی نے درود کرور خواست کی تھی۔“ زاہدہ کے کانوں میں شوکت بابا کے الفاظ گونجنے لگے تو وہ آنکھوں میں آنسو لیے خاموش رہی۔

”اصل روائی کے گھر سے واپسی پر شوکت بابا نے وہ کریش اس کے پاس رکھوائے تھے کہ بعد میں ہم کہیں بانٹ دیں گے اور یہ ساری بات شہیلہ نے نہ جانے کہاں سے سن لی تھی۔“ جیسی باتوں، باتوں میں فہام کو نے کر گھر کے پچھلے حصے کی طرف گئی اور اس کے کوارٹر سے پھلوں کی پیٹیاں دریافت کر لیں۔ زاہدہ غصے میں بھی کسوا کی بات رکھے یا اپنی نوکری بچائے۔

”ہاں بولو..... جواب دو..... اب خاموش

کھس دسب طبع کھس دل

کیوں ہو..... اب رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو..... اس لیے جواب نہیں مل رہا۔“ شہیلہ غصے سے چلائے گی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا..... تم ایسا بھی کر سکتی ہو۔“ خدیجہ بیگم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں نے خود اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے..... کیا آپ کو پھر بھی میرے بتانے پر یقین نہیں آ رہا۔“ زاہدہ تم سچ ہوتے ہی یہاں سے چلی نکلی تو بہتر ہے۔ ورنہ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔“

فہام نے غصے سے اسے دھکی دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں صاحبہ جی..... خدا کے لیے میرے حال پر رحم کھائیں۔ میں بیوہ کہاں جاؤں گی۔“

زاہدہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”اس گھر میں چوروں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔“ شہیلہ نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور دل ہی دل میں اپنی چالاکی پر خوش ہوئی۔

”بیگم صاحبہ..... آپ میرے حال پر رحم کھائیں۔“ اس نے خدیجہ بیگم کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... ممما..... اب یہ یہاں نہیں رہے گی۔“ فہام خفگی سے بولا۔

”زاہدہ..... اب تم یہاں سے چلی جاؤ تو بہتر ہے۔“ خدیجہ بیگم نے بہت بے بسی سے زاہدہ کی طرف دیکھ کر کہا اور وہ روتے ہوئے باہر چلی گئی۔

شہیلہ کے چہرے پر قہر تھا نہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

☆☆☆

رواں ماں جی کو میڈیسیٹری کے بعد ان کی ہانگوں پر کیمبل ٹھیک کر رہی تھی..... وہ چہرے سے بہت خاموش اور اداس لگ رہی تھی۔ ماں جی اسے غم آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھیں۔

”ماں جی ایک دو دن میں آپ کی ڈاکٹر کے پاس اپنا ٹکٹ منٹ ہے۔“ روائی ایک دم بولی تو ماں جی کو اپنی طرف بغور دیکھتے ہوئے دیکھ کر وہ چونک اٹھی۔



”آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ادھر آؤ۔۔۔۔۔ میرے پاس بیٹھو۔“ ماں جی نے گہری سانس لے کر اسے اپنے پاس بلائے ہوئے کہا تو وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔

”تم میں کتنا حوصلہ اور صبر ہے؟“ ماں جی نے اس کے چہرے پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“ ردا ایک دم حیرت سے بولی۔

”روحیل کی کسی بات کا بھی تم نے مجھ سے آج تک شکوہ نہیں کیا۔۔۔“ ماں جی افسردہ لہجے میں بولیں۔

”بیٹا۔۔۔ وہ تم سے کیوں ایسا کرتا ہے۔۔۔“ پہلے تو وہ تم سے بہت محبت کرتا تھا۔“ ماں جی نے ٹری سے پوچھا تو ردا کی آنکھیں بھگنے لگیں۔

”معلوم نہیں۔۔۔۔۔ شاید یہ سب کچھ میرے نصیب میں ہی لکھا ہے۔“ ردا نے بے دلی سے مسکرا کر جواب دیا۔

”لیکن۔۔۔۔۔ وہ ایک دم کیوں بدل گیا۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔ ایسا مرد تب کرتا ہے جب وہ اپنی کوئی خامی یا برائی چھپانا چاہتا ہے اور عورت پر حاوی ہو کر اسے خاموش کرنے کی کوشش کرتا ہے یا پھر عورت کی۔۔۔ کسی کمزوری کا اسے پتا چل جاتا ہے۔“ ردا نے ایک دم گھبرا کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”کیا روحیل میں بھی ایسی کوئی برائی ہے؟“ ماں جی نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ وہ تو بہت اچھے ہیں۔۔۔۔۔“

بر لحاظ سے۔“ ردا جلدی سے آہستہ آواز میں بولی۔

”پھر جانے کیوں وہ ایسا کر رہا ہے۔۔۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“ انہوں نے افسردگی سے کہا تو ردا خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم لاؤنج میں صوفے پر بہت افسردہ

بیٹھی تھیں۔ شوکت ان کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر بہت سنجیدگی اور پریشانی چھائی تھی۔ وہ جھکا کر خدیجہ بیگم کی باتیں سن رہا تھا۔

”شوکت۔۔۔۔۔ اب ہر کام بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔۔۔۔۔ بہتر یہی ہے کہ ہر بات فہام کو بتا دیا کرو۔“

خدیجہ آہ بھر کر بولیں۔

”کیوں بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔؟“ شوکت نے چونک کر پوچھا تو زاہدہ چادر اوڑھے اور اپنے سامان بیگ اٹھائے اندر داخل ہوئی۔۔۔۔۔ اس کے ہاتھ میں چابیاں تھیں اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔ زاہدہ نے چابیاں لا کر ٹیبل پر رکھیں۔

”بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔ میں گاؤں جا رہی ہوں۔“

کو ارٹرگی چابیاں ہیں۔“ زاہدہ نے سسکی بھر کر خدیجہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

خدیجہ بیگم کو زاہدہ پر پورا بھروسہ تھا۔۔۔۔۔ وہ کسی طور یہ سب ماننے کو تیار نہیں تھیں مگر زاہدہ نے بھی سچ بول کر نہ دیا۔ شوکت بابا نے بھی کچھ نہیں بتایا۔ زاہدہ شوکت کو شہیلہ کی حقیقت بتا کر اس گھر سے رخصت ہو گئی کہ اب وہ بیگم صاحبہ کا خیال رکھے۔ یہ سب شہیلہ کا کیا دھرا تھا۔

☆☆☆

’فہام کو۔۔۔۔۔ کچھ ایسے۔۔۔۔۔ بزنس پر ابھر آ رہے تھے جن کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہنے لگا تھا۔ اس سے پہلے ایسے۔۔۔۔۔ پر ابھر اسے کبھی نہیں آئے تھے اور وہ دونوں بھائیوں کو ان تمام کاروباری الجھنوں سے دور رکھتا تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے ان دونوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کی ایک سپنٹ لیٹ ہو گئی تھی اور اس کے لیے اس نے اپنے تمام ورکرز کو لائن حاضر کر لیا تھا۔ سب جانتے تھے کہ فہام جتنا اچھا اور نیکہ دل انسان ہے کاروباری معاملات میں اتنا ہی زیادہ اصول پسند اور سخت ہے۔ پوری ٹیکسٹری میں ایک بالکل ہی نجی تھی۔“



### خود پسندی

شوہر نے کہا: ”سنتے آئے ہیں کہ خوب صورت عورتیں عام طور سے کم عقل ہوتی ہیں، چالاک مرد آسانی سے انہیں بے وقوف بنا لیتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک سنا ہے تم نے!“ بیوی نے تیزی سے کہا: ”میں کم عقل نہیں ہوتی تو کبھی تمہارے پلے سے نہ بندھی ہوتی۔“

مرسلہ: سعدیہ سرفراز، کراچی

”کیا پر اہم ہے؟ اگر تمہیں کوئی مسئلہ ہے تو سامنے آ کر بات کرو۔“ فہام نے کھنکھن سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”وہ بھی کمروں کا ... میں تم سے ڈرنے والا نہیں۔“ جواب میں کہا گیا۔

”تم ہو کون ...؟“ اس نے پوچھا مگر فون بند ہو چکا تھا۔ فہام پریشان ہو کر چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”کون ہو سکتا ہے ...؟“ فون کرنے والے کا سب دلچہ دھمکی آمیز تھا۔ کوئی جان بوجھ کر اسے ہراساں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یا تو کوئی فیکٹری

درکار ہو سکتا ہے ... یا کوئی بزنس کلائنٹ ... یا پھر ... کون ...؟ فہام انتہائی متشکر ہو کر سوچنے لگا

مگر اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کسی نے بار بار اس کا تعاقب بھی کیا تھا۔ وہ بہت زیادہ الجھنے لگا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہونے لگا۔

زاہدہ کے گھر سے جانے کے بعد خدیجہ بیگم بہت زیادہ اداس اور تنہا ہو گئی تھیں۔ زاہدہ کے ساتھ مزاج شناسی کی وجہ سے دونوں میں بہت دوستانہ

تعلقات تھے۔ نہ خدیجہ بیگم نے اپنے آپ کو کبھی مالکن سمجھا اور نہ زاہدہ نے اپنے آپ کو ملازمہ ... روادا کے جانے کے بعد زاہدہ نے انہیں بہت خواصہ اور تسلی

دی تھی۔ دونوں شہیل کی مکاریوں کو خوب سمجھتی تھیں۔

تمام درکار کے ساتھ میٹنگ کے بعد وہ اپنے آفس میں آیا تو خاصا پریشان تھا۔ حاتم اس کے روم میں آیا تو اسے یوں پریشان رکھ کر وہ بھی مضطرب ہو گیا۔

”فہام بھائی! آج آپ بہت پریشان لگ رہے ہیں اور فیکٹری میں بھی بہت الجھل پک رہے ہیں کہ آپ کبھی سنے غصے میں نہیں آئے جتنا آج آپ کو دیکھا گیا ہے۔“

اس کی وجہ کیا شینٹ کالیٹ ہوتا ہے؟“

”ہاں ... اور اس کے علاوہ بھی بہت سے ریزنز ہیں۔“ فہام نے پریشانی سے کہا۔

”مثلاً ... کیا ...؟“ حاتم نے پھر حیرت سے پوچھا۔

”پتا نہیں یا ... دل پر اک عجیب سا بوجھ محسوس کرنے لگا ہوں۔ کچھ اضطراب سا بڑھنے لگا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ فہام نے مضطرب ہو کر

کہا۔ اسی لمحے انٹرکام بجا اور سیکرٹری نے ایک بزنس کلائنٹ سے میٹنگ کے لیے کہا۔

”حاتم ... پلیز تم حیدری گروپ آف انڈسٹریز کے مینجنگ ڈائریکٹر سے میٹنگ کر لو۔ اس

وقت میں بہت اپ سیٹ ہوں۔“ فہام نے کہا تو وہ آفس سے باہر چلا گیا۔

فہام کا موبائل بجاتا تو اس نے بغور نمبر دیکھا پھر جیلوئی کہا کہ کال آف ہو گئی پھر موبائل بجاتا تو فہام نے جیلوئی کہا دوسری جانب کسی مردانہ آواز نے جواب

دیا اور پھر کال ڈراپ ہو گئی۔ تیسری مرتبہ پھر فون آیا تو فہام غصے سے چلانے لگا۔

”کون ہو تم ... اور کیوں مجھے بار بار کال کر رہے ہو؟“

”کیوں بے صبر ہے ہو رہے ہو، بتا دوں گا۔“

انتا کہہ کر پھر فون بند ہو گیا۔ فہام سوچ میں پڑ گیا اور کافی سوچنے کے بعد اس ... نے حیدر کا نمبر ملا یا مگر بار بار نمبر ملانے کے باوجود حیدر سے رابطہ نہ ہو سکا تو

اس نے موبائل آف کر دیا۔ فہام کے نمبر پر پھر اس نمبر سے کال آنے لگی تھی۔



نے جانے کو کہا۔ ”زیرینہ نے جلدی سے جواب دیا۔  
”اور واپس کب آئے گی؟“ ”روحیل نے اسی  
دورٹی سے پوچھا۔

”ویسے شام کو آنے کا کہا تھا۔“ زیرینہ نے  
آہستہ سے کہا اور کام میں مصروف ہو گئی۔

شام ہو چلی تھی اور دونوں ماں، بیٹی کی دکھ سکھ  
پر مبنی داستان ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ وہ ماں  
بیٹی کے کمرے میں تھی جیسی شہیلہ وہاں چلی آئی۔

”ارے ردا تم کب سے آئی ہوئی ہو، مجھے بتایا  
بھی نہیں۔“

”ہاں تمہیں اپنے کمرے سے فرمت ملے تو کسی  
طرف دیکھو بھی۔“ خدیجہ بیگم نے ناک چڑھا کر کہا۔ اتنے  
میں دونوں بھائی بھی دفتر سے واپس آ گئے تھے۔

”ارے واہ۔۔۔۔۔ ردا آئی ہوئی ہے۔۔۔۔۔ کیسی  
ہے میری ڈول۔۔۔۔۔؟“ سب سے پہلے فہام آگے  
بڑھ کر ملا پھر حاتم نے بھی اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر  
خیریت پوچھی۔ سب خدیجہ بیگم کے کمرے میں ہی  
بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

”ردا، روحیل نہیں آیا تمہارے ساتھ۔۔۔۔۔؟ اچھا  
چلو تم ایسا کرو اتنے دن بعد آئی ہو آج۔۔۔۔۔ یہیں رک  
جاؤ۔“ فہام نے بڑی محبت سے کہا۔

”نہیں بھائی، ماں جی کی وجہ سے میں رک نہیں  
سکتی اب چلوں گی۔“ ردا نے جلدی سے کہا۔

”اچھا تم کھانا کھا کر چلی جانا۔“ شہیلہ نے بھی  
لگاؤ سے کہا۔

ردا کافی فکر مند ہو رہی تھی کہ روحیل بھی آفس  
سے آگیا ہوگا۔ سب گھر والوں نے ردا کے ساتھ  
رات کا کھانا کھایا مگر ماحول میں کچھ تاؤ تھا۔ جسے ردا  
نے کافی شدت سے محسوس کیا۔

”چلو اب سب باہر آؤں کریم کھانے چلتے  
ہیں۔“ فہام نے بہن ورماں کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔“ ردا ایک دم گھبرا کر بولی۔

”اور جمنا۔۔۔۔۔ آپ سب کچھ جانتے ہوئے  
بھی۔۔۔۔۔؟“ ردا حیرت سے بولی۔

”بہت بے بس اور مجبور ہوں۔۔۔۔۔ میں تو دیکھتی  
اور سمجھتی رہتی ہوں۔۔۔۔۔ مگر کچھ کہہ نہیں پاتی۔۔۔۔۔ کچھ کر  
نہیں پاتی۔“ انہوں نے اس کی بات کاٹ کر افسردگی  
سے جواب دیا۔

”اس کا مطلب ہے آپ تو مجھ سے بھی زیادہ  
اذیت میں ہیں۔“ وہ سخت پریشان ہو گئی تھی۔

”اور اس اذیت کو سمجھنے والا بھی کوئی نہیں۔۔۔۔۔  
زائدہ سے میں کچھ کہہ لیتی تھی مگر وہ بھی چلی گئی۔“ وہ  
بے چارگی سے بولیں۔

”کیوں؟“ ردا نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔  
”وہ بھی شہیلہ کی چالوں کی نذر ہو گئی۔“ خدیجہ  
بیگم نے غم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔  
”مما یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ ردا نے گھبرا کر کہا۔

”گھروں میں جب عذاب آتے ہیں تو ایسے ہی  
دوری، بے اتفاقی اور نفاق پیدا ہوتا ہے۔ اب خدا ہی ہے  
کہ وہ ہم پر رحم کرے۔“ خدیجہ بیگم نے سر د آہ بھر کر کہا۔

☆ ☆ ☆  
شام کو روحیل آفس سے گھر آیا تو گھر میں ایک  
عجیب سا ساٹا اور خاموشی تھی۔ اس نے ادھر ادھر  
دیکھا۔ اسے ردا کہیں دکھائی نہیں دی۔ اس نے بیڈ  
روم کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ ردا وہاں بھی نہیں تھی۔  
ماں جی کے کمرے میں جھانکا تو وہ بھی سو رہی تھیں۔

”ردا۔۔۔۔۔ کہاں جا سکتی ہے؟“ روحیل نے  
مضطرب ہو کر سوچا۔ وہ جلدی سے کچن کی طرف گیا  
مگر وہاں زیرینہ کھانا پکانے میں مصروف تھی۔

”ردا کہاں ہے؟“ زیرینہ کو دیکھ کر اس کا چہرہ تن گیا۔  
”وہ اپنی امی کے گھر گئی ہیں۔“ زیرینہ نے  
جلدی سے بتایا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ کب اور کس کی اجازت سے؟“  
روحیل نے اسی سے جواب دی شروع کر دی۔  
”ان کی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی ماں جی

”اور میں آپ کے لیے اداس ہونے کے باوجود  
آپ کو یاد کر سکتی ہوں اور نہ ہی آپ کا ذکر۔۔۔۔۔“  
نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا تو خدیجہ بیگم گھبرا گئیں۔

”کیوں بیٹا، کیا روحیل تم پر سختی کرتا ہے؟“  
”وہ سختی کرتا ہے یا ظلم۔۔۔۔۔ میں نے تو سب کچھ  
قسمت سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔“ وہ دکھی لہجے میں بولی۔

”تم میں اتنا صبر، اتنا حوصلہ کہاں سے آگیا؟“  
انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔  
”اس خدا نے ہی دیا ہے جس نے روحیل  
میرے نصیب میں لکھا ہے۔“

”میں ہی تمہاری گھنٹہ گار ہوں، میں نے تو  
تمہاری شادی میں جلدی کی۔۔۔۔۔ یہ سوچ کر کہ روحیل  
تمہیں بہت خوش رکھے گا۔“ وہ یہ کہتے ہوئے پھون  
پھونٹ کر رونے لگیں۔

”خوش۔۔۔۔۔ خوشی تو شاید اس گھر سے رخصت  
ہوتے ہی مجھ سے روٹھ گئی۔“ ردا نے زخمی مسکراہٹ  
سے جواب دیا۔

”اور تمہارے جانے کے بعد سے خوشی ان  
سکون یہاں بھی نہیں رہا۔“ ماں کی اس طرح کی بات  
پر وہ چونک اٹھی۔

”گھر کا ہر فرد ایک دوسرے سے متنفر ہو چکا ہے،  
اتنے فاصلے اور دریاں بڑھ گئی ہیں کہ یوں لگتا ہے جیسے  
کبھی مل نہیں پائیں گے۔“ وہ افسردگی سے گھر کے  
حالات بتا رہی تھیں اور ردا حیرت سے سن رہی تھی کہ ان  
کے جاتے ہی اس کے میکے میں کیا کیا ہو گزرا۔

”شہیلہ بھائی اس حد تک بھی جا سکتی ہیں۔۔۔۔۔  
فہم بھائی۔۔۔۔۔ کیا انہیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا؟“  
”جب سچ۔۔۔۔۔ مگر انہ سب سبوں کی لپیٹ میں آئے

ہے تو بری طرح دھندلا جاتا ہے بیٹا۔۔۔۔۔ تم بچوں میں  
سے کسی نے ایسی مکاریاں دیکھی ہیں اور نہ سنی ہیں  
اب تو سب ہی بوکھلا گئے ہیں اور اس کی چالوں میں  
آگئے ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

شہیلہ جب بھی خدیجہ بیگم کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتی  
تو زائدہ ان کا حوصلہ بڑھاتی۔ وہ اس کی کمی کو بہت  
شدت سے محسوس کرتے لگی تھیں۔ سارا سارا دن  
اپنے کمرے میں بند رہتیں کسی سے کوئی بات نہ کرتیں۔  
فہام اور حاتم سے بھی بہت ضروری بات کر کے  
خاموش ہو جاتیں۔ اس دن اچانک ردا کا فون آگیا  
تو خدیجہ بیگم بے بسی سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں  
تو ردا بھی ایک دم پریشان ہو گئی۔

”مما! آپ کیوں رو رہی ہیں، پلیز کچھ تو  
بتائیں؟“ ردا نے گھبرا کر پوچھا۔

”کچھ نہیں۔۔۔۔۔ بس یونہی۔ تمہاری آواز سن  
کر میرا دل بھر آیا۔ بس میں تمہیں یاد کر کے بہت  
اداس ہو رہی ہوں۔“ خدیجہ بیگم نے سسکی بھرتے  
ہوئے کہا۔

”اداس تو میں بھی بہت ہوں مگر ماں جی کی وجہ  
سے نہیں آسکتی۔“ ردا نے اپنی مجبوری بتائی۔  
”ٹھیک ہے بیٹا۔۔۔۔۔ پھر بات کروں گی۔۔۔۔۔“

خدیجہ بیگم نے شکستہ لہجے میں کہہ کر فون رکھ دیا۔  
ردا ماں کی آواز سن کر بہت مضطرب ہو گئی تھی۔ ماں  
جی کے پوچھنے پر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

”بیٹا۔۔۔۔۔ تم ایسا کرو، جاؤ اپنی ماما سے مل  
آؤ۔۔۔۔۔ کافی دن ہو گئے ہیں۔ زیرینہ میرے پاس  
ہے، اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں فضیلت کو بلا لوں  
گی۔“ ماں جی نے بڑی محبت سے کہا تو ردا ایک دم  
بچوں کی طرح کھل اٹھی اور ماں جی کا شکریہ ادا کر کے  
زیرینہ کے پاس آئی۔ اسے ماں جی کا خیال رکھنے کو کہا  
اور تمام ضروری کاموں کی ہدایت دے کر وہ خدیجہ  
بیگم کے پاس اچانک جا پہنچی۔ خدیجہ بیگم بیٹی کو  
اچانک دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

”اچھا کیا تم آ گئیں۔ تمہارے بغیر میں کتنی  
اداس ہو گئی ہوں، بتا نہیں سکتی۔“ انہوں نے ردا کے  
چہرے کو جذباتی انداز میں چومتے ہوئے کہا۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ قلمیہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیننگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا لگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان برؤنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

## WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook @ com/pak\_society



کے لیے باہر لے گئے ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”آپ کا مطلب ہے میں نے اسے قید کر رکھا ہے؟“ روحیل نے خفگی سے کہا۔

”نہیں..... نہیں، میرا یہ مطلب نہیں۔“ وہ گھبراہٹ سے کہا۔

”مما کی طبیعت بہت خراب ہے اور اسے گھوٹے پھرے سے فرصت نہیں۔“ روحیل نے سخت لہجے میں کہا۔

”میں ابھی ردا کو فون کرتی ہوں، آپ بیٹھیں بیٹا۔ وہ ابھی آجاتی ہے۔“

”اوکے... اس سے کہیں کہ وہ جلدی آئے... میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں.....“ روحیل نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں... ابھی فون کرتی ہوں۔“ خدیجہ بیگم نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا تو روحیل خفگی سے منہ بنا کر کمرے میں ٹھہر گیا۔ ٹھہرتے ٹھہرتے وہ بیک شیلٹ کے پاس آگیا اور اس میں سے کتابیں نکال نکال کر دیکھنے لگا۔ یہ بیک شیلٹ خدیجہ بیگم نے ردا کے کمرے سے لے کر اپنے پاس رکھوایا تھا کہ ابھی بھی کتاب پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔ اس نے ایک شاعری کی کتاب نکالی اور اسے کھول کر جونہی پڑھنے لگا تو اس میں سے ایک خوب صورت لفافہ نکلا۔ اس نے کمال جستجو سے اسے کھول کر دیکھا اور پڑھنے لگا۔ یکا یک اس کے چہرے پر انتہائی غصے اور حیرت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ وہ غصے سے مٹھیاں بھینچنے لگا، خط کو موڑ کر جیب میں رکھا اور کتاب واپس شیلٹ میں رکھ دی۔ اسے کچھ سمجھ نہ آیا کہ اسے کیا کرے۔

”مما... آپ!“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ردا کہاں ہے؟ میں اسے لینے آیا ہوں۔“ روحیل نے روکے سے لہجے میں کہا۔

”وہ تو اپنے بھائی، بھائی کے ساتھ باہر گئی ہوئی ہے۔ اتنے روز بعد آئی تھی تو وہ اسے گھمانے کے لیے باہر لے گئے ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”مما... آپ!“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ردا کہاں ہے؟ میں اسے لینے آیا ہوں۔“ روحیل نے روکے سے لہجے میں کہا۔

”وہ تو اپنے بھائی، بھائی کے ساتھ باہر گئی ہوئی ہے۔ اتنے روز بعد آئی تھی تو وہ اسے گھمانے کے لیے باہر لے گئے ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”مما... آپ!“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ردا کہاں ہے؟ میں اسے لینے آیا ہوں۔“ روحیل نے روکے سے لہجے میں کہا۔

”وہ تو اپنے بھائی، بھائی کے ساتھ باہر گئی ہوئی ہے۔ اتنے روز بعد آئی تھی تو وہ اسے گھمانے کے لیے باہر لے گئے ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”ہاں جاؤ۔ بیٹا بھائی کہہ رہا ہے۔“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے جواب دیا۔

”مما... آپ بھی چلیں۔“ قہام نے ماں سے اصرار کیا۔

”نہیں..... میری طبیعت ٹھیک نہیں۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”اچھا..... ٹھیک ہے پھر آپ آرام کریں۔“ قہام نے کہا اور وہ سب باہر چلے گئے۔

☆☆☆  
روحیل، ردا کو گھر میں کافی مس کر رہا تھا۔ اور جب نرس نے اسے اطلاع دی کہ ردا آج رات شاید اپنے میکے میں ہی رہے گی تو روحیل کو غصہ آگیا اور وہ ماں جی کے منع کرنے کے باوجود اسے لینے نکل گیا۔ تمام راستہ وہ یہی سوچتا رہا کہ ردا کو کیا کہے گا وہ اسے کیوں لینے آیا ہے۔ کیا وہ اسے بتا پائے گا کہ اس کے بغیر کتنے سونا لگ رہا تھا اور اسے دیکھے بغیر اسے چھین نہیں آ رہا تھا۔

”نہیں“ مجھے کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔“ اس نے سوچا۔

گیٹ شوکت بابا نے کھولا تھا۔ وہ لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی وہ قدرے بلند آواز سے ردا کو پکارنے لگا۔

”یہ تو روحیل کی آواز ہے۔“ خدیجہ بیگم اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی ہڑبواکیں۔ روحیل نے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر جھانکا۔

”روحیل بیٹا..... آپ!“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ردا کہاں ہے؟ میں اسے لینے آیا ہوں۔“ روحیل نے روکے سے لہجے میں کہا۔

”وہ تو اپنے بھائی، بھائی کے ساتھ باہر گئی ہوئی ہے۔ اتنے روز بعد آئی تھی تو وہ اسے گھمانے کے لیے باہر لے گئے ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”مما... آپ!“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ردا کہاں ہے؟ میں اسے لینے آیا ہوں۔“ روحیل نے روکے سے لہجے میں کہا۔

”وہ تو اپنے بھائی، بھائی کے ساتھ باہر گئی ہوئی ہے۔ اتنے روز بعد آئی تھی تو وہ اسے گھمانے کے لیے باہر لے گئے ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”مما... آپ!“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ردا کہاں ہے؟ میں اسے لینے آیا ہوں۔“ روحیل نے روکے سے لہجے میں کہا۔





ناولٹ

## کہیں ڈیپ کجے کہیں دل ک

قصہ حیات

گیارہواں حصہ

خدیجہ نیکنم زردا کو فون ملاتی رہیں مگر ردا کا موبائل اس کے بیگ میں Silent mode پر پڑا تھا، وہ اپنی ہی سوچوں میں گم لہام کے ہمراہ فرنیٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ شملہ نے ہی زبردستی اسے قہام کے ساتھ بٹھایا تھا اور قہام بہت محبت سے اس کے ساتھ باتیں کر کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ دھیسے سے مسکرا کر بھائی کا دل رکھ رہی تھی۔

”ردا... فون کیوں نہیں اٹھا رہی۔“ خدیجہ



بیگم بڑیاں اور فہام کا نمبر ملانے لگیں۔

”ہیلو..... ماما خیریت تو ہے؟“ فہام نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے فون ریسیو کیا۔

”ہاں بیٹا..... روحیل، ردا کو لینے آیا تھا اس کی ماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔“ خدیجہ بیگم نے قدرے گھبرائے ہوئے جواب دیا۔

”لیکن ماما..... ردا تو آج یہاں ہمارے پاس رہے گی۔“ فہام نے حیرت سے کہا۔

”بحث کرنے کی ضرورت نہیں..... تم لوگ گھر واپس آ جاؤ..... روحیل کافی غصے میں تھا۔“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے جواب دیا۔

”اوکے..... ہم آرہے ہیں۔“ فہام نے گہری سانس لے کر کہا۔

”ماما کا فون تھا..... روحیل گھر میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“ فہام نے ردا کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”کیا..... روحیل گھر آئے ہیں کیوں؟“ ردا نے گھبرا کر پوچھا۔

”شاید اس کی ماں جی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ماما گھر آنے کو کہہ رہی ہیں۔“ فہام نے کہا تو ردا خاموش ہو گئی۔

”یہ کیا بات ہوئی..... ابھی تو ہم لوگ آئے ہیں۔ آئیں کریم بھی نہیں کھائی۔“ حمیلہ نے برا سا منہ بتایا۔

”ردا کیا خیال ہے؟“ فہام نے ردا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”گھر چلتے ہیں۔“ اس نے آہستہ آواز میں کہا۔ ”اوکے۔“ فہام نے کہا اور گاڑی ریورس کرنے لگا جبکہ حمیلہ ”اوپہ“ کہہ کر رہ گئی۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم نے فہام کو فون کرنے کے بعد کافی دیر کچھ سوچا پھر ردا کی سسرال فون کرنے لگیں۔ کافی بلز کے بعد ذرینہ نے فون اٹھالیا۔

”ہاں ذرینہ..... میں خدیجہ بیگم بول رہی ہوں۔ کیا روحیل گھر آ گیا ہے؟“ انہوں نے پریشانی سے پوچھا۔

”نہیں بیگم صاحبہ..... ابھی تو نہیں آئے۔“ ذرینہ نے جواب دیا۔

”کیا اس کی ماں جی کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟ خدیجہ بیگم نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

”نہیں..... وہ تو دوا کھا کر اپنے کمرے میں سو رہی ہیں۔“ ذرینہ نے پرسکون لہجے میں جواب دیا تو دوا چھا کہہ کر چپ ہو گئیں۔

”کیا بات ہے..... آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟“ ذرینہ نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

”ک..... گ..... کچھ نہیں..... تم روحیل کو میرے فون کے بارے میں کچھ نہ بتانا..... اچھا خدا حافظ۔“ خدیجہ بیگم نے ایک دم بوکھلا کر جواب دیا اور فون بند کر دیا۔ اسی لمحے فہام کی گاڑی پورچ میں داخل ہوئی۔ سب لوگ گاڑی سے باہر نکلے اور جلدی سے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

”ماما..... روحیل کہاں ہیں، باہر تو ان کی گاڑی نہیں ہے؟“ ردا نے دوڑ کر ماں کے قریب آ کر پوچھا تو وہ پریشانی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ فہام اور حمیلہ بھی ان کے پاس آ گئے۔

”روحیل کہاں ہے ماما! ہم لوگ تو آئیں کریم کھائے بغیر ہی آ گئے۔“ فہام نے ماں سے پوچھا۔

”وہ تو چلا گیا۔“ خدیجہ بیگم نے آو بھر کر بتایا۔

”کیوں؟“ ردا نے گھبرا کر پوچھا۔

”معلوم نہیں، میں تم لوگوں سے بات کر رہی تھی وہ پیچھے سے چلا گیا۔“

”اگر اسے ردا کو لے جانے کی اتنی جلدی تھی تو پھر انتظار کیوں نہیں کیا؟“ حمیلہ نے اعتراض کیا۔

”فہام بھائی! آپ مجھے گھر ڈراپ کر دیں! ہو سکتا ہے ماں جی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہو۔“

ردا نے پریشانی سے بھائی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”نہیں..... اگر اسے ضرورت ہوتی تو وہ تمہیں لے کر ہی جاتا۔ بس اب صبح ہی جانا۔“ فہام نے ایک دم غصے سے کہا تو ردا پریشانی سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

”فہام ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹا۔“ انہوں نے بھی آہستہ سے کہہ دیا۔ فہام سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلا گیا اور حمیلہ بھی عجیب انداز سے ردا کو دیکھتی شوہر کے پیچھے چل دی۔

☆☆☆

روحیل انتہائی ریش ڈرائیونگ کرتا ہوا گھر پہنچا تھا۔ اس کے دل میں آگ سی لگی تھی جس کے شعلے اس کے دماغ تک پہنچ کر اسے بے حال کر رہے تھے۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ردا سامنے ہوتی تو وہ اس کا منہ ہی نوچ ڈالتا۔ وہ پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”اس نے مجھے اتنا بڑا دھوکا دیا ہے۔ محبت کسی اور سے کرتی تھی اور شادی مجھ سے کی، اگر میں وہ خط نہ پڑھتا تو نہ جانے وہ کب تک مجھے پونہمی دھوکا دیتی رہتی..... مکار..... دھوکے باز..... جھوٹی۔“ روحیل نے کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر سوچا۔ اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے آثار تھے۔ وہ اپنے ہاتھ سے دیوار پر کچلے مارنے لگا۔

”میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔“ وہ غصے سے بڑبڑا رہا تھا۔ اسی لمحے اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے اسکرین پر دیکھا جہاں ردا کا نام چمک رہا تھا۔ روحیل نے غصے سے yes کا بٹن دبا دیا۔

”روحیل! آپ گھر کیوں چلے گئے..... میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟“ ردا نے جلدی سے پوچھا۔

”اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔“ اس نے نہایت خشکی سے جواب دیا۔

”کیوں؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔

کھنکھہاتے کھنکھہاتے

”تم جیسی جھوٹی اور دھوکے باز کی نہ مجھے ضرورت ہے اور نہ ہی میرے گھر کو۔“ روحیل غصے سے بولا اور فون آف کر دیا۔

”یہ..... یہ..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ وہ ہیلو، ہیلو کہتی رہی مگر وہ فون آف کر چکا تھا۔ اس نے انتہائی فکر مندی سے روحیل کا نمبر دوبارہ ملایا مگر اب اس کا موبائل آف تھا۔

”روحیل کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے؟ اس سے پہلے تو انہوں نے میرے لیے ایسے برے الفاظ استعمال نہیں کیے۔ خدا معلوم ایسا کیا ہو گیا ہے کہ وہ اتنے غصے میں ہیں۔“ ردا پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔

☆☆☆

ذرینہ نے صبح سویرے اٹھ کر روحیل کے لیے ناشتا تیار کر دیا تھا مگر وہ تیار ہو کر سیدھا باہر چلا گیا۔ آج ماں جی کا بھی حال نہ ہو چھا۔ ذرینہ ابھی ناشتے کی چیزیں سمیٹ ہی رہی تھی اسی لمحے ردا قدرے گھبراہٹ ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

”روحیل کہاں ہیں؟“ اس نے گھبرا کر اس سے پوچھا۔

”وہ..... تو آفس چلے گئے ہیں اور وہ بھی ناشتا کیے بغیر۔“ ذرینہ شکایتی لہجے میں بولی۔

”کیوں؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں نہیں..... غصے میں ہی لگ رہے تھے۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

”کیا انہوں نے تم سے کچھ کہا؟“

”کہا تو نہیں مگر ان کے چہرے پر غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا..... میں نے ناشتے کے لیے کہا تو جواب دیے بغیر ہی چلے گئے۔“

”اوہ..... اور..... ماں جی؟“

”وہ سو رہی ہیں..... میں رات بھر ان کے پاس ہی رہی۔“ ذرینہ نے بتایا تو وہ خاموش ہو کر



اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆☆☆

روانے گھر آتے ہی پہلے اپنا حلیہ درست کیا پھر ماں جی کے پاس چلی آئی۔ اس نے ماں جی کو خود اپنے ہاتھ سے ناشتا کروایا اور اُن کا لباس تبدیل کیا، بستر ٹھیک کیا اور وہیں ان کے پاس بیٹھ کر خوش دلی سے ان سے باتیں کرنے لگی۔

ماں جی اسے تمام امور انجام کرتا دیکھتی رہیں اور دل ہی دل میں اس کے اور روحیل کے لیے دعائیں کرتی رہیں۔

”ماں جی..... آپ ابھی تک ریڈی نہیں ہوئیں۔ مجھے آپ کو آج اسپتال لے کر جانا ہے۔ آپ کی ٹانگ کا پلاسٹر remove کرانا ہے۔“ روحیل کمرے میں داخل ہوتے ہی بغیر کچھ دیکھے کہنے لگا۔

”بیٹا میں تیار ہوں“ روا بیٹی میری چادر مجھے دے دو۔“ ماں جی نے کہا تو اس نے وارڈ روب سے چادر نکال کر ماں جی کو اوڑھادی اور انہیں وحیل چیئر پر بٹھانے میں روحیل کی مدد کرنے لگی۔ روحیل نے جلدی سے روا کا ہاتھ پیچھے ہٹایا تو روا حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”ماں جی..... جلدی کیجیے۔“ روحیل غصے سے منہ پھیر کر بولا۔

”روا بیٹے تم بھی میرے ساتھ چلو..... تمہاری موجودگی سے مجھے بہت سکون ملا ہے۔“ ماں جی نے اس کی طرف دیکھ کر محبت سے کہا۔

”کوئی ضرورت نہیں..... میں آپ کے ساتھ ہی ہوں گا۔“ روحیل قطعیت سے بولا۔

”روحیل..... تمہارے لہجے میں اتنا غصہ کیوں ہے..... کیا تم آرام سے بات نہیں کر سکتے؟“ ماں جی نے خفگی سے کہا۔

”آپ کو ہمیشہ میری باتیں اور لہجہ برا لگتا ہے۔ دوسرے منافقت کا لبا وہ اوڑھ کر اندر ہی اندر

کتنے ہی بڑے گناہ کریں، وہ آپ کو دکھائی نہیں دیتا۔“ روحیل نے نشتر چھوٹی نظروں کے ساتھ ایک ٹک روڈ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ بری طرح چوکی۔ روحیل ماں جی کو وحیل چیئر پر بٹھا کر لے گیا اور روا حیرت سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

”روحیل کی اس بات کا کیا مطلب ہے اور اس نے یہ بات کس کو کہی ہے؟ شاید مجھے..... لیکن مجھے کیوں.....؟“ وہ انتہائی پریشان ہو کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

☆☆☆

ماں جی نے یمنی کو مولوی رحمت اللہ سے ملوایا تھا اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسے چند روز پڑھانے کے بعد ہی وہ کوئی حتمی فیصلہ کریں گے۔ وہ ہر روز صبح پہر کے بعد قرآن پاک ترجمے سے پڑھانے آتے تھے اور وہ بہت توجہ اور دھیان سے ان سے پڑھتی اور انتہائی مشکل اور حیران کن سوالات کرتی کہ مولوی صاحب بھی چونک کر رہ جاتے..... لیکن اندر ہی اندر وہ اس کی ذہانت کے قائل ہو گئے تھے۔ یمنی نے چند دن ان سے پڑھنا کیا شروع کیا کہ اسے ایک دم اپنے اندر عجیب سی تبدیلی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کے اندر پھیلا اضطراب اب کچھ کم ہونے لگا تھا۔ مولوی صاحب کی محنت اور علمی گفتگو نے اس کا ذہن علم دین سیکھنے کی طرف راغب کر دیا تھا۔ ماں جی کے کتبے بغیر اس نے اپنے حلیے کو بھی کافی حد تک بدل لیا تھا۔ وہ پہلے بھی جب گاؤں آتی تھی تو ہمیشہ شلواری میں پہنتی تھی اور دوپٹے کے بجائے چھوٹا سا اسٹول گلے میں جھولتا رہتا تھا غراب کی بار اس نے بڑا سا دوپٹا جو سر پر اوڑھا تو پھر بھی سر سے اترنے نہ دیا۔ ماں جی بھی اس میں یہ تبدیلی دیکھ کر حیران بھی تھیں اور خوش بھی مگر انہوں نے اس سے کوئی ذکر نہیں کیا۔

”مولوی صاحب! یمنی کے بارے میں آپ

کی جو بھی رائے ہے مجھے واضح طور پر اور صاف، صاف بتادیں۔“ ماں جی نے ایک دن اس کی عدم موجودگی میں مولوی صاحب سے پوچھا۔

”ماشاء اللہ بچی بہت ذہین ہے اور اس میں سمجھ بوجھ ہمارے گاؤں کی عام لڑکیوں سے کہیں زیادہ ہے اور علم کی جستجو بھی بہت زیادہ ہے۔“ مولوی صاحب نے اپنی رائے دی۔

”آپ کے خیال میں کیا وہ اتنی بھاری ڈنٹے داری اٹھا سکے گی؟ دیکھیں مولوی صاحب یہ کوئی معمولی بات تو ہے نہیں۔ یہ بہت بڑی ڈنٹے داری کا کام ہے۔“ ماں جی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”کسی کے بارے میں کوئی دعویٰ کرنا بہت مشکل ہے لیکن ساری بات تو اللہ کے کرم اور توفیق کی ہے۔ وہ چاہے تو ذرے کو آفتاب بنا دے اور چاہے تو پہاڑوں کو ذرہ ذرہ خاک بنا دے۔ وہ بچی سے کیا کام لینا چاہتا ہے ہم نہیں جانتے۔ اگر وہ اسے کوئی توفیق بخش رہا ہے تو ہم اسے نہیں روک سکتے۔“ مولوی صاحب نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا تو ماں جی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگیں۔

”مجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں اور کہاں سے شروع کروں۔ اتنے بڑے کام کا آغاز کوئی آسان بات تو نہیں ہے ناں۔“ ماں جی نے سوالیہ نظروں سے مولوی صاحب کو دیکھا۔

”آپ اللہ کا نام لے کر کام شروع کریں۔ اس کے مکمل ہونے تک بچی کی تعلیم و تربیت بھی مکمل ہو جائے گی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس کے لیے کوئی ماہر عالم دین مقرر کریں۔ آپ جمال بیٹے سے بات کریں اگر کوئی ایسا عالم انہیں شہر سے مل جاتا ہے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔“ مولوی صاحب نے رائے دی۔

”کیوں..... آپ کیوں نہیں۔ میری نظر میں تو آپ ایک قابل استاد ہیں، عالم ہیں۔ کیا آپ اسے تعلیم نہیں دے سکتے؟“ ماں جی نے حیرت سے پوچھا۔

کھنکھن دھب طے کھنکھن دل

”میں گاؤں کا پڑھا لکھا، ایک سادہ سا انسان ہوں اور بچی کا ذہن ماشاء اللہ بہت متحرک ہے۔ ایک ذہین ذہن کو مطمئن کرنے کے لیے کہیں زیادہ ماہر اور مستعد مربی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح ہیرے کو ایک جوہری تراش سکتا ہے کوئی لوہار نہیں اسی طرح ذہانت کو بھی کوئی عالم، عاقل ہی جلا بخش سکتا ہے۔ میں اسے ابتدائی تعلیم تو ضرور دوں گا مگر بہتر یہی ہے کہ آپ اس کے لیے کسی عالم دین یا مذہبی اسکالر کو مقرر کریں۔“ مولوی صاحب نے سمجھایا تو ماں جی خاموش ہو گئیں۔

”ٹھیک ہے میں جمال سے بات کرتی ہوں اور پھر اس کام کا آغاز کرتے ہیں۔“ ماں جی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوں گا اور مجھے امید ہے کہ بچی یہ کام بہت اچھے طریقے سے انجام دے گی۔“ مولوی صاحب نے پُر امید لہجے میں کہا اور ماں جی سے اجازت لے کر چلے گئے۔

ماں جی کی آنکھیں بھی امید سے چمکنے لگیں اور انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے بیٹے کا نمبر ملایا۔

☆☆☆

آزر کے والدین چند گھنٹوں میں جس طرح دینی بھاگے تھے وہی جانتے تھے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ صرف جان بچانے کی فکر تھی۔ نیشا کا باپ نہ معلوم کس وجہ سے پولیس تک نہیں جاسکا، وہ اپنے ہی ذرائع سے عظیم کا پتا کر رہا تھا۔ اس نے ایک عقل مند یہی کہ پاکستان میں موجود عظیم کے بزنس پارٹنر کو سارا حال کہہ سنایا جو خود بھی عظیم سے تالاں تھا اور اس کے ہاتھوں نقصان اٹھا چکا تھا۔ آزر کے والدین دینی میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد پاکستان اپنے گاؤں واپس آ چکے تھے کہ وہی انہیں جائے پناہ نظر آئی تھی جبکہ آزر نے دینی سے فوری جانے سے انکار کر دیا تھا جب یہ لوگ لئے پٹے حال میں گاؤں پہنچے تو وہاں موجود آزر



کے دادا اور دیگر رشتے دار ہٹا بکتے تھے۔ اسی عالم میں ایک مصیبت اور یہ نازل ہوئی کہ نیشا کے والد نے عظیم کے بزنس پارٹنر کے ساتھ مل کر عظیم کے اوپر فراڈ کا مقدمہ کر دیا۔ پولیس جب چھان بین کے لیے آئی تو عظیم چٹا نہیں کیسے گھر سے فرار ہو گیا اور اب ساری مصیبت آزر کی ماں کے سر آگئی۔ پولیس آئے دن آکر انہیں تنگ کرتی جیسی اس کے سسرال والے بھی بیزار آگئے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے وہ لوگ اس پر ہنر کرتے اور اتنی باتیں سناتے کہ اسے وہاں رہنا مشکل ہو گیا۔ بات تو خیر سچ تھی کہ شیم نے اپنے عروج کے دنوں میں کبھی ان لوگوں کو گھاس نہیں ڈالی تھی۔ کبھی کبھار کوئی گاؤں سے اس کے پاس آتا تو اس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں ہونے لگتے اور اسے ان سے کراہت محسوس ہوتی تھی۔ اس کے رویے کی وجہ سے سسرال والوں نے اس کے گھر ہی آنا چھوڑ دیا تھا مگر اب حالات نے ایسا پلٹا کھایا تھا کہ اب وہ ان کے در پر بے یار و مددگار پڑی تھی۔ سب آتے جاتے مختلف باتیں سناتے رہتے اور یہی کہتے رہتے کہ اس کا اپنے گھر چلے جانا ہی بہتر ہے۔ وہ آزر کو فون کر کر کے تنگ چکی تھی مگر آزر اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ عجیب مشکل میں پڑ گئی تھی۔ نہ گھر جاسکتی تھی اور نہ وہاں رہنے کو اس کا دل چاہ رہا تھا۔ عظیم کی بھی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں غائب ہوا تھا۔ وہ دن رات اٹھتی بیٹھتی آپہں بھرتی اور روٹی رہتی۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کے حالات یوں ایک دم بدل جائیں گے۔ وہ رات کو آنکھیں بند کیے ایک چارپائی پر خستہ حال کمرے میں لیٹی تھی اور اپنے ماضی اور حال کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر کر چہلے میں جذب ہو رہے تھے۔

مصیبت جب آتی ہے تو جان و مال و عزت آبرو سب اس کی لپیٹ میں آ جاتا ہے لیس ابھی کچھ ان کے خاندان کے ساتھ بھی ہوا۔ عظیم احمد کی ڈیڈ باڈی

کسی رشتے دار نے اسپتال میں دیکھی تو گاؤں میں اطلاع کر دی گئی۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں تھا اور کیا حادثہ اس کے ساتھ پیش آیا۔ عظیم کی ڈیڈ باڈی کو اسپتال سے جب لایا گیا تو اس کا جسم گولیوں سے بری طرح چھلنی ہو چکا تھا۔ اسپتال والوں نے یہی بتایا کہ وہ انتہائی زخمی حالت میں اسپتال لایا گیا تھا اور ابتدائی طبی امداد دینے سے پہلے ہی اس نے دم توڑ دیا لیکن عظیم کو کس نے مارا؟ سب لوگوں کے لیے یہ ایک سوال تھا۔ پولیس کے پاس پہلے ہی اس کے خلاف فراڈ کا مقدمہ درج تھا اور اسے مقررہ قرار دیا گیا تھا۔ آزر کو باپ کی موت کی اطلاع دی گئی تو اسے مجبوراً پاکستان آنا پڑا کیونکہ ماں نے اسے رو رو کر پاکستان آنے کو کہا تھا۔ کوئی اور حالات ہوتے تو شاید وہ نہ آتا مگر اب اسے مجبوراً آنا پڑا تھا۔

تدفین کے بعد آزر گاؤں سے جانا چاہتا تھا مگر اس کے دادا اور دادی نے اسے زبردستی روک لیا۔ اس کے لیے گاؤں میں رکنا ایک عذاب تھا مگر ماں کے کہنے پر مشکل سے دو دن ہی رہا اور اپنے شہر والے گھر چلا گیا۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا سیدھا اپنے کمرے میں گیا۔ اس کا دروازہ کھولنا تھا کہ اسے ہر طرف حسد کی چٹخیں سنائی دینے لگیں۔ اس نے گھبرا کر دیواروں کی طرف دیکھا تو ہر طرف بمبئی کی گھوڑی ہوئی آنکھیں دکھائی دینے لگیں۔ اس نے گھبرا کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور نیچے لاؤنج میں آ گیا۔ اسے کسی بھی کمرے میں جاتے ہوئے انتہائی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ وہیں لاؤنج میں ہی صوفے پر شیم ورازا ہو گیا مگر جو بھی اس نے آنکھیں بند کیں تو اسے بمبئی کی دمکی سرگوشیوں میں سنائی دینے لگی۔

”تم دنیا کے جس کونے میں بھی جاؤ گے۔ میرا سایہ تمہارے تعاقب میں رہے گا۔“ آزر گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور حیرت سے آنکھیں بھاڑ بھاڑ کر ادھر ادھر

دیکھنے لگا۔

اسے گھر کے در و دیوار سے عجیب طرح کی وحشت اور خوف محسوس ہونے لگا۔ اچانک ڈورنٹل بھی تو وہ چونک کر کھڑا ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد اسے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو اس کے باپ کا بزنس پارٹنر ملک شعیب پولیس کے ہمراہ گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ آزر ہڑبڑا کر انہیں دیکھنے لگا۔

”انکل آپ؟“ آزر نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔ ”خبردار، تم نے مجھے انکل کہا۔ تمہارے گھٹیا اور غیبت باپ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ کوئی دشمن بھی اپنے دشمن کے ساتھ نہیں کرتا مگر اس میں تو کوئی انسانیت تھی اور نہ ہی کوئی اخلاقیات..... میرا سب کچھ لوٹ کر اس نے مجھے تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اب تمہیں اپنے باپ کے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔“ ملک شعیب نے اسے دمکی دیتے ہوئے کہا۔ ”میں..... مگر میں نے تو کچھ نہیں کیا۔“ آزر گھبرا کر بولا۔

”تم اس کی ہی اولاد ہونا جس نے مجھے کوڑی کوڑی کا محتاج کرنے کی کوشش کی اگر میرے پاس ثبوت نہ ہوتے تو آج میں گلیوں میں کوڑا اٹھا رہا ہوتا..... لیکن اب یہ کام تم کرو گے۔ اس گھر پر میرا قبضہ ہے۔ صرف گھر ہی نہیں..... اس گھر کی ہر ہر شے میری ملکیت ہے تم دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔“ ملک شعیب غصے میں نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔

”نہیں، یہ میرا گھر ہے اور میں آپ کو یہ ہرگز نہیں لینے دوں گا۔“ آزر نے بھی غصے سے کہا۔

”یہ کودٹ کا فیصلہ ہے..... مرنے سے پہلے آپ کے والد اپنا سب کچھ ان کے نام کر گئے ہیں، یہ گھر..... اس کی ساری چیزیں، گاڑی، بینک پیسٹس اور یہ رہے سرکاری کاغذات۔“ ایک پولیس والے نے اسے کاغذات دکھاتے ہوئے کہا تو آزر

کھینکھینکھنے لگا۔

نے کانچے ہاتھوں کے ساتھ کاغذات کھول کر دیکھے اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

”نہیں..... یہ..... یہ..... نہیں ہو سکتا۔“ وہ بڑبڑایا اور عجیب ہونق نظروں سے دیکھنے لگا۔

”اسے دھکے دے کر یہاں سے باہر نکالو پھر اسے یقین آئے گا کہ اس کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے۔“ ملک شعیب نے انسپٹر سے کہا تو اس نے آزر کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکالنا چاہا جیسی وہ مشتعل ہو گیا اور ملک شعیب کو مارنے کو لپکا۔ ایک پولیس کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر اس قدر زور کا پھینکنا کہ آزر کا دماغ گھوم گیا۔ وہ بے انتہا مشتعل ہو کر اسی انسپٹر پر چڑھ دوڑا۔

”گھٹیا باپ کی گھٹیا اولاد..... ذلیل۔ تم لوگوں کے خون میں عی ناپاکی ہے..... دھوکے باز..... فراڈ ہے۔“ ملک شعیب نے بھی اسے دو ٹوٹن تھپنر لگائے اور اسے دھکے دیتا ہوا گیٹ تک لے گیا۔ چوکیدار حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ ملک شعیب نے اسے گیٹ سے باہر زور سے دھکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔ آج اس کا غرور خاک میں ملا تھا۔ کسی کا بدلہ کسی اور نے لیا تھا۔ یہی اللہ کا قانون ہے، اسی دنیا میں اللہ کے بندوں کے ساتھ کی گئی زیادتی کا صلہ مل جاتا ہے مگر انسان realize ہی نہیں کرتا۔ وہ سراٹھا کر آسمان کی جانب بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

جمال احمد گاؤں میں ایک بہت بڑے مدرسے کا سنگ بنیاد رکھتے جا رہے تھے اور انہوں نے ایمن کو ساری بات بتا کر ساتھ چلنے کو کہا تو ایمن بری طرح شپٹا گئیں۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کیا ہونے جا رہا تھا۔ وہ تو یہی سمجھتی رہی تھیں کہ بمبئی کو گاؤں میں اماں جی نے اپنے پاس اس کے رشتے کے لیے روک رکھا ہے مگر وہاں اس کے رکنے کا اصل مقصد کیا تھا اب انہیں معلوم ہوا تھا یہ سن کر وہ انتہائی مشتعل ہو گئیں۔



”جمال! آپ جانتے ہیں آپ کیا کرتے جا رہے ہیں؟ اسے انگلیش میڈیم اسکولوں میں پڑھانے کے بعد اب آپ اسے ملانی بنانا چاہتے ہیں؟ اگر یہی سب کچھ کرنا تھا تو پھر اسے اسکول اور کالج میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”ایمن! تمہیں کس بات پر اعتراض ہے۔ کیا اس کے قرآن سیکھنے اور مدرسہ بنانے پر یا پھر اس کا سوشل سیٹ اپ چھینچ ہونے پر؟“ جمال صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

”دونوں باتوں پر۔“ ایمن نے غصے سے بس اتنا ہی کہا۔

”دیکھو وہ ایک اچھا کام کرنے جا رہی ہے اور ہمیں اسے فل سپورٹ کرنا چاہیے۔“ جمال صاحب نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ اس کے نتائج جانتے ہیں۔ اس طرح کے سیٹ اپ کے بعد کوئی بھی آؤٹ اسٹینڈنگ فیملی اسے قبول نہیں کرے گی۔ آج کل لوگ ماڈرن اور گروڈ لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں۔ مذہبی لڑکیاں کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہوں ان سے شادیاں کرتے ہوئے لڑکے بھی ہچکچاتے ہیں اور ان کی ٹیمپلر بھی۔ شکل صورت یمنی کی پہلے ہی نارل ہے اوپر سے آپ اسے مذہبی وضع قطع دے کر بالکل ہی ناقابل برداشت بنا رہے ہیں۔ اگر کل کو اس کی شادی نہیں ہوتی تو ہم سب کے لیے وہ ایک آزمائش بن جائے گی۔“ ایمن نے انتہائی مایوس لہجے میں کہا۔

”ایمن! میں نے اتنا عرض تم سے اسی لیے یہ بات چھپائے رکھی کہ تم یونہی مایوسی کی باتیں کرو گی۔ اللہ تعالیٰ انسان کا نصیب اس کی شکل صورت دیکھ کر نہیں بناتا۔ اگر ایسا ہو تو کسی خوب صورت عورت کو کبھی طلاق نہ ہو۔ لیکن یہ سب قدرت کے فیصلے ہیں اور یمنی کی شکل صورت کو تم معمولی سمجھتی ہو۔ معلوم نہیں خدا کو اسی رنگ روپ اسی طبع میں وہ کتنی

عزیز ہو۔۔۔ اور ویسے بھی یمنی کا اچھا یا برا نصیب ہمارے ہاتھ میں نہیں اور یمنی جو کچھ کرنے جا رہی ہے یہ میرے فیصلے سے نہیں بلکہ اللہ کی مرضی سے سب کچھ ہو رہا ہے۔“ ایمن حیرت سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔ ”یمنی نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اماں جی کے گھر سے نکل کر ایک بہت بڑے مدرسے میں جا کر بچوں کو قرآن پاک پڑھاتی ہے اور تم تو اس کے خوابوں کے بارے میں جانتی ہو وہ کتنے سچ ثابت ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے ہمیشہ کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے اور ان میں ضرور کوئی اشارہ بھی ہوتا ہے۔ یمنی نے قاری صاحب سے بات کی تو انہوں نے اسے فوراً گاؤں جا کر تعلیم حاصل کرنے کو کہا تو اس لیے میں اسے اماں جی کے پاس گاؤں چھوڑ آیا اور وہاں اس نے قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کی ہے۔ میں نے اور اماں جی نے بہت سوچ سمجھ کر اور اس کے اندر ان صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اس کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ اب ماشاء اللہ وہ کافی حد تک سیکھ بھی چکی ہے اور مدرسہ مکمل ہونے تک وہ ان دینی علوم میں کافی مہارت بھی حاصل کر لے گی اور یوں اس کا خواب بھی پورا ہو جائے گا۔ ایمن ایسے نیک کاموں کی توفیق ہر کسی کو نہیں ملتی۔ یہ بہت سعادت کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں میں سے کسی کسی کو عطا کرتا ہے۔“ جمال احمد ایمن اور گویا انکشاف کر رہے تھے اور وہ حیرت سے سب کچھ سن رہی تھیں۔

”اور یمنی کے نصیب میں جو کچھ لکھا ہے تم اور میں اسے نہ بدھا سکتے ہیں اور نہ کم کر سکتے ہیں۔ بات اپنے اپنے ایمان اور یقین کی ہوتی ہے۔ اس لیے تم اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل رکھو وہ اپنے بندے کے لیے جو بہتر سمجھتا ہے اسے عطا کرتا ہے اور جب کسی سے کچھ چھینتا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی بنی پر فخر ہونا چاہیے نہ کہ یوں پریشان۔“ جمال صاحب نے انہیں نرمی سے سمجھایا

تو ایمن کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے اور وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

”یاد رکھو اولاد کے لیے سب سے بڑی سپورٹ والدین کی ہوتی ہے اور جب والدین اولاد پر یقین کر کے ان کا پورا ساتھ دیتے ہیں تو ایسی اولاد کوئی نہ کوئی اچھا کارنامہ ضرور انجام دیتی ہے۔ یمنی کو بھی ہماری سپورٹ کی ضرورت ہے۔ اب اٹھو اور جیار ہو جاؤ اور خوش، خوش اس کے اس نیک کام میں شامل ہونا۔ کوئی ایسی منفی بات نہ کرنا جو اس کی فیملنگو ہرٹ کرے۔“ جمال صاحب نے محبت سے انہیں سمجھایا تو وہ مطمئن ہو گئیں۔

☆☆☆

گاؤں میں حویلی کے قریب ہی ایک بہت بڑی اور مکمل جگہ پر مدرسے کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اماں جی، یمنی، جمال احمد، ایمن اور مولوی رحمت اللہ کے علاوہ گاؤں کی بہت سی مذہبی معزز شخصیات

کھیں حسب طے کھیں دل

وہاں موجود تھیں۔ یمنی نے شلوار قمیص کے اوپر بہت بڑی چادر کے ساتھ اپنا آپ اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ ایمن تو اسے دیکھ کر بری طرح چونک گئیں۔ وہ ماڈرن طبعیے میں کئے بالوں کے ساتھ پھر بھی کسی حد تک قابل قبول لگتی تھی مگر اب سفید چادر میں اس کی سیاہ رنگت اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ ایمن کو ایک دم دھچکا لگا مگر وہ خاموش رہیں۔ اماں جی اور جمال صاحب بہت زیادہ خوش تھے مگر ایمن چپ چاپ ہی تھیں۔ سب نے سنگ بنیاد رکھنے کے بعد دعائے خیر کی۔ اماں جی نے یمنی کو پھولوں کے ہار پہنا کر مبارک باد دی۔ جمال صاحب بھی بہت زیادہ خوش تھے اور گاؤں کے دیگر لوگ بھی ان کی اور یمنی کی بہت تعریفیں کر رہے تھے جو گاؤں میں لڑکیوں کے لیے ایک اعلیٰ معیار کا مدرسہ تعمیر کرنے جا رہے تھے۔ اماں جی نے ایمن کو بھی ہار پہنایا اور مبارک باد دی تو انہوں نے خاموشی سے ہار اتار کر اپنے ہاتھ میں پکڑ

## بازگشت

یوم، آزادی کے موقع پر سطر سطر دل میں اتر جانے والی داستان۔۔۔ آخری صفحت پر کاشف ڈیسو کی پر فکر تحریر

## چاند سلطان

اڑنی دھول کے مانند وقت آتا اور گزر جاتا ہے لیکن تاریخ کے آسمان پر چند چہرے ہی جگمگاتے ہیں جیسے کہ چاند بی بی۔ ماضی کا ایک دلکش کردار اور سنسنی خیز واقعات۔ ڈاکٹر ساجد امجد کی ایک اور یادگار تحریر

## مسافر

زندگی گئی اس دو شیر و کا قصہ جس کے جذبات کو قدم قدم پر بکھلا گیا۔ اور ایک بے خبر مسافر کا ساتھ۔ ناصر ملک کے قلم کی روانی

## کشکول

انوار صدیقی کے قلم سے چونکا

لینے والا سلسلہ جہاں حالات کی تمام ظریفیاں

ایک اور ہی انداز میں زندگی کو کر رہی ہیں





لیا۔ دعا کے بعد سب لوگوں میں مشائی تقسیم کی گئی اور اس کے بعد سب لوگ خوش، خوشی واپس آگئے مگر ایمین کی آنکھوں میں عجیب سا اضطراب تھا۔ وہ یحییٰ کو دیکھتیں اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتیں۔

”ایمین کیا تم یحییٰ بیٹی کی اس کامیابی پر خوش نہیں ہو؟“ اماں جی نے بالآخر ان کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

”بہت خوش ہوں۔“ انہوں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور اٹھ کر اس جگہ سے چلی گئیں۔ اماں جی نے حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

”ایمین کچھ پریشان لگ رہی ہے جمال، کیا بات ہے؟“ اماں جی نے ان سے پوچھا تو وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔

”دراصل اسے یحییٰ کے مستقبل کی فکر لگی ہوئی ہے۔“ کیا تم نے اسے سمجھایا نہیں؟“ اماں جی نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ صرف بیٹی کی ماں بن کر سوچ رہی ہے۔۔۔۔۔ اور ماؤں کو سب سے بڑی فکر بیٹیوں کے گھر بنانے کی ہوتی ہے۔ میں اسے بہت سمجھا چکا ہوں مگر اس کا خیال ہے کہ ایسی مذہبی لڑکی کا رشتہ کسی اچھے گھرانے میں نہیں ہوگا۔“ جمال صاحب نے بیوی کا خدشہ ان کے سامنے بیان کیا۔

”لو بھلا یہ کیا بات ہوئی۔۔۔۔۔ کسی کے نصیب کا اس کے حلیے اور کپڑوں سے کیا تعلق؟ ایمین اتنی بے وقوف ہوگی یقین نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ ہر بچے کا نصیب ماں کے پیٹ میں لکھا جاتا ہے تب وہ کہاں کا تعلیم یافتہ یا ماڈرن ہوتا ہے۔ خیر تم اسے چھوڑو۔۔۔۔۔ اس کی اپنی سوچ ہے لیکن میں یحییٰ سے بہت خوش ہوں۔ یقین مانو۔۔۔۔۔ پہلے تو مجھے بھی اندیشے تھے کہ نہ جانے یحییٰ کچھ سیکھ بھی پائے گی یا نہیں لیکن مولوی رحمت اللہ نے بہت توجہ سے اسے قرآن پاک کی تعلیم دی ہے۔ بلکہ وہ تو اس کے لیے کوئی ماہر استاد مقرر کرنے کو کہہ رہے

تھے۔ میں نے خود بھی یحییٰ سے قرآن پاک سنا ہے ماشاء اللہ اس میں واقعی خداداد صلاحیت ہے۔ اللہ نے اسے اپنے خاص کرم سے نوازا ہے۔ اس لیے اب میں بہت پرامید بھی ہوں اور خوش بھی۔“ اماں جی نے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

”میں شہر جاتے ہی کسی عالم فاضل استاد کا بندوبست کرتا ہوں اور اس مدرسے کو شہر کے کسی ماڈرن اور جدید آلات سے لیس اعلیٰ اسٹینڈرڈ کے مدرسوں سے کم نہیں بناؤں گا۔“ جمال صاحب نے پرامید لہجے میں کہا۔

”اللہ تمہیں بھی جزا دے اور میری بچی کو بھی۔۔۔۔۔ کسی ایک کو صحیح معنوں میں تعلیم دینے سے اس کی فلیس سنور جاتی ہیں اور یہ بہت بڑی نیکی ہے۔“ اماں جی نے مسکرا کر کہا۔

”انشاء اللہ۔۔۔۔۔ میں پوری کوشش کروں گا اور آپ بھی دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔“

”آمین۔“ اماں جی نے بیٹے کی بات پر دل سے دعا دی تو دونوں مسکرا دیے۔

☆☆☆

آذر انتہائی پریشان حال ایک دکان پر کھڑا تھا۔ اس کے کپڑے انتہائی گندے تھے اور شیوہ بھی بڑھی ہوئی تھی۔ گھر سے دھکے کھا کر نکلنے کے بعد وہ مارا مارا پھر رہا تھا کبھی کسی چھپر ہوٹل میں سو گیا کبھی کہیں۔۔۔۔۔ اتفاق سے اس کا موبائل اس کے پاس ہی تھا اب اس نے وہ مہنگا موبائل بیچ کر سستا موبائل لے لیا تھا اور اب جواد کو مسلسل فون مار رہا تھا مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ جیسی اس نے دکاندار سے اسی کی دکان پر نوکری کی بات کی۔

”پہلے یہ بتاؤ بھائی تم کہاں سے آئے ہو؟ میں دو تین دن سے یہیں گھومتے پھرتے تمہیں دیکھ رہا

ہوں، کیا تمہارا کوئی گھر نہیں ہے؟“

”میں بہت پریشان ہوں، میرا گھر بار سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اب بس یہی ایک دوست کا آسرا ہے اور اس سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا۔“ آذر کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”بڑھے لکھے لگتے ہو، کہیں اور نوکری کر لو کیونکہ میرے پاس تو گنجائش نہیں، چھوٹی سی دکان ہے۔ ہاں یہاں آگے جا کر ایک فیکٹری ہے، سنا ہے اس کا مالک بہت اچھا آدمی ہے بے روزگار پڑھے لکھے نوجوانوں کی بہت مدد کرتا ہے تم اس کے پاس جا کر دیکھو ممکن ہے وہ تمہاری مدد کر دے۔“ دکاندار نے کہا۔

”مدد۔۔۔۔۔؟“ آذر زرب لب بڑھایا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ تمہیں اب کسی ہمدرد انسان کی مدد کی ہی ضرورت ہے، یوں پریشان ہو کر ادھر ادھر پھرنے کے بجائے کیا یہ ٹھیک نہیں کہ تم کوئی نوکری کر لو پھر تمہیں دوست سے مدد لینے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔“ اس نے کہا تو آذر سوچ میں پڑ گیا۔

”کیا سوچ رہے ہو؟ ڈوبتے ہوئے کے لیے تو ٹھکے کا مہارا بھی بہت بڑا ہوتا ہے، تم بھی اسے سہارا سمجھ کر اس کے پاس چلے جاؤ۔“ دکاندار نے اسے راستہ سمجھاتے ہوئے کہا تو آذر خاموشی سے وہاں سے پوچھل قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا۔ جب اس نے حزن کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا تھا اس کے بعد سے مسلسل اس کی اذیتوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ تنہائی میں بھی بچھ کر سوچتا تو اسے خود شدید دکھ کا احساس ہوتا کہ اس نے حزن جیسی اچھی اور نیک لڑکی کے ساتھ برا کیا۔ وہ تو یحییٰ سے انتقام لینا چاہتا تھا اور اس نے بہت پلاننگ کے ساتھ یحییٰ کو گھر بلایا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ یحییٰ اپنی جگہ حزن کو بھیج دے گی اور وہ اتنا دھوش تھا کہ بغیر دیکھے، سمجھے اس نے اپنے انتقام کی آگ حزن سے بجھالی۔ حزن اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر اسے خدا اور رسول کے واسطے دیتی رہی مگر اس وقت تو وہ

کھنکھناتے ہوئے

شیطان بنا ہوا تھا اور آج قدرت اسے اپنے کمرے دکھا رہی تھی مگر اس صورت حال پر وہ خدا سے کوئی شکوہ نہیں کر رہا تھا۔۔۔۔۔ اسے یوں محسوس ہوتا کہ وہ اسی قابل ہے، وہ بہت لوگوں کا گنہگار ہے۔ یحییٰ، حزن، نیشا اور نہ جانے کس، کس کا۔۔۔۔۔ اب اس کی سزا کا عمل شروع ہو چکا تھا اور یہ عمل نہ جانے کتنا طویل ہوگا وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ آپس بھرتا ہوا فیکٹری کے سامنے جا کھڑا ہوا اور ایک حسرت بھری نگاہ سے عمارت کو دیکھنے لگا کبھی اس کے باپ کی بھی اپنی فیکٹری تھی جو اب دوسروں کے قبضے میں تھی، چوکیدار کو اپنے بارے میں تھوڑا بہت بتا کر وہ اندر چلا گیا۔ فیکٹری کی طرف جانے سے پہلے اس نے اپنا منہ ہاتھ اچھی طرح دھویا تھا اور بظاہر اپنا حلیہ قابل قبول بنالیا تھا جیسی چوکیدار نے بھی آگے جانے دیا۔ اتفاق سے فیکٹری کا مالک اسی وقت گاڑی سے اترتا تھا اس نے ایک نوجوان کو اس طرح آتے دیکھا تو سیکرٹری سے کہہ کر سیدھا اپنے آفس میں بلوالیا۔ رانا دلاور حسین انتہائی ڈسینٹ آدمی تھا۔ وہ ایک اوجیز عمر کا متناسب جسم، دراز قد، گرے فریج کٹ ڈاڑھی اور سفیدی بالوں کے ساتھ بہت سویر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے سہری فریم کی نظر کی ٹینک لگا رکھی تھی اور بڑے اسٹائل سے پائپ پی رہا تھا۔ اس نے ایک ٹک آؤ کی طرف دیکھا اور اسے اپنے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”کیا نام ہے آپ کا؟“

”آ۔۔۔۔۔ آذر عظیم۔“ آذر نے اپنا نام بتاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں نہ جانے کون سا سحر تھا کہ وہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکا اور جلدی سے آنکھیں جھکا لیں۔

”آپ کی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ آپ کے اندر کسی جگہ کا احساس ہے، آپ آنکھیں اٹھاتے ہیں



اور فوراً جھکا لیتے ہیں۔ کیا بات ہے؟“ رانا دلاور نے پھر پوچھا تو آذر بری طرح ہڑبڑا گیا۔  
”نن..... نن..... نہیں۔“ اس نے یہ مشکل جواب دیا۔

رانا دلاور خاموشی سے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا اور پائپ کے گہرے کش لگا تا رہا اور آذر اس کے یوں دیکھنے پر پسینے پسینے ہونے لگا۔ اسے اٹھانا سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح رانا صاحب کے آفس سے بھاگ جائے۔ اسے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا۔

”آپ ڈر کیوں رہے ہیں؟ میں کوئی پولیس مین تو نہیں۔“ رانا دلاور بولا تو آذر مزید گھبرا گیا۔  
”آپ بہت زیادہ میٹھی ڈسٹربڈ ہیں۔ شاید جاب سے زیادہ آپ کو سکون کی ضرورت ہے۔ کسی قسم کی بھی ذہنی اذیت انسان کو کسی بل سکون نہیں لینے دیتی..... سکون تب ہی ملتا ہے جب اندر سے گلٹ کا احساس ختم ہوتا ہے یا پھر.....؟“ وہ اٹھا کہہ کر رکا اور آذر کی طرف بغور دیکھنے لگا۔ آذر بے انتہا خوفزدہ ہو گیا۔  
”پھر..... کیا.....؟“ نادانستہ اس کے منہ سے نکلا۔  
”پھر..... یہ..... کہ جس کی وجہ سے گلٹ پیدا ہوا ہے اس سے معافی مانگ لی جائے۔“ رانا دلاور نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
”اور اگر وہ موجود نہیں ہو تو.....؟“ نادانستہ آذر کے منہ سے پھر نکلا۔

”تو پھر..... خدا سے معافی مانگنی چاہیے۔“  
”خدا ہی تو معاف نہیں کرتا۔“ اس نے یہ مشکل کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ رانا بغور اس کی جانب دیکھتا رہا اور پھر اس کے قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دبا یا۔  
”گناہ کے مطابق معافی مانگیں، جتنا بڑا گناہ..... اتنی بڑی سزا..... تاوان تو ہر صورت دینا

پڑتا ہے اور آپ کا گناہ بھی تو کوئی معمولی نہیں تھا۔“ رانا کی اس بات پر وہ بری طرح شیشا گیا۔  
”آپ..... ک..... کیسے؟“ وہ بوکھلا کر بولا۔  
”میرا علم بتا رہا ہے۔“ اس نے صاف گوئی سے بتایا۔

ک..... ک..... کیسا علم.....؟“ وہ پہلی بار کسی ایسے شخص سے مل رہا تھا جو سیدھا اس کے دل تک پہنچ رہا تھا آذر حیران ہو رہا تھا۔  
”کچھ نہیں..... بس فیس ریڈنگ کرتا ہوں۔“ اس نے جلدی سے بات گول کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تو آذر حیرت سے دیکھنے لگا لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی شخص کس طرح اتنی آسانی سے کسی دوسرے کے دل و دماغ تک پہنچ سکتا ہے۔ آذر بے یقینی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”آپ کل سے جاب پر آسکتے ہیں۔“ رانا دلاور نے کہا تو وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔  
”کیسی جاب؟“ اس نے انتہائی حیرت سے پوچھا کیونکہ اس نے نہ تو اس کی تعلیم پوچھی تھی اور نہ ہی کسی قسم کا انٹرویو لیا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ میرے پاس جاب کے لیے ہی آئے تھے اور میں اس وقت سے آپ کے ساتھ جو باتیں کر رہا ہوں وہ آپ کا انٹرویو ہی تو ہے۔ آپ میرے منبر سے مل لیں جہاں وہ آپ کو مناسب سمجھیں گے۔ ایڈجسٹ کرویں گے۔“ اس نے نرمی سے کہا۔

”تھیک یو ویری میچ۔“ وہ آہستہ آواز میں بولا اور اٹھ کر آفس سے باہر جانے لگا تو رانا نے پیچھے سے آواز دی۔

”اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی کوشش کریں۔“ اس کے یوں کہنے پر آذر نے ایک تک اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے باہر چلا گیا۔

رانا دلاور حسین سے ملنے کے بعد اس کے اندر

ایک عجیب سا اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ اسے جاب ملنے کی خوشی نہیں تھی۔ اسے تو اپنی چوری پکڑے جانے اور گناہ کے احساس نے اتنا پریشان کر دیا تھا کہ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے..... وہ منبر سے ملنے کے بجائے فیکٹری سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

یعنی اپنی زندگی میں بہت معروف ہو گئی تھی۔ جمال صاحب نے اس کے لیے ایک پروفیسر صاحب کو خصوصی طور پر شہر سے بھجوایا تھا جو اسلامی علوم کے ساتھ دیگر علوم میں بھی خاص مہارت رکھتے تھے۔ ان کا اپنی فیلڈ میں بہت زیادہ نام تھا۔ پروفیسر غلیل الرحمن قدرے ادھیڑ عمر کے انتہائی شفیق انسان تھے۔ انہوں نے یعنی کو خصوصی توجہ سے پڑھانا شروع کیا تو یعنی کی سوچ میں بھی نمایاں تبدیلی آنے لگی۔ مولوی رحمت اللہ سے جن سوالوں کے جوابات نہ پا کر وہ کچھ مضطرب رہتی تھی..... اب ان کے تسلی بخش جوابات پا کر بہت حد تک مطمئن ہو گئی تھی..... پروفیسر صاحب یعنی جیسی لائق اور ڈین اسٹوڈنٹ کو پڑھا کر بہت خوش ہوتے تھے جو ان سے ایسے ایسے سوالات کرتی تھی جو اکثر ان کو بھی چونکا دیتے تھے اور ان کے جوابات دینے کے لیے انہیں اکثر کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا..... اور نیت پر ریسرچ بھی کرتی جاتی تھی..... اور اکثر اس ریسرچ میں وہ یعنی کو بھی شامل کرتے تھے..... اور جب اپنی، اپنی ریسرچ پر ریسرچ کرتے تو انہیں مزید سوچنے کے لیے پوائنٹس ملنے..... یعنی زیادہ وقت اپنی کتابوں اور ریسرچ میں بڑی راتیں۔ تھک ہار کر جب وہ اپنے بستر پر جاتی تو اسے آذر اور حسن کا خیال آ جاتا تھا، حسن کو یاد کر کے اس کی آنکھیں بھرے نکلتیں اور وہ کہہ کہہ احساس اسے مضطرب کرنے لگتا۔

”حسن تم مت سمجھنا، میں تمہیں کبھی بھول پاؤں

کی۔ تم تو ایک سنہری یاد کی طرح میرے اندر زندہ رہو گی میں اس شخص کو ہرگز معاف نہیں کروں گی جس نے تم سے تمہاری عزت اور زندگی چھینی..... خدا کرے وہ کبھی سکون سے نہ رہے، اس کی زندگی کا ایک، ایک لمحہ ایسی اذیت سے پُر ہو جو اسے ہر لمحہ تمہاری یاد دلاتا رہے۔“ وہ بے اختیار افسردہ ہو جاتی۔

☆☆☆

آذر نے اسی دکا اندر شاہد کو آکر اپنی جاب کے بارے میں بتایا تو وہ بھی بہت خوش ہوا مگر آذر کا لہجہ بہت بھجا بھسا تھا اور وہ ہر بات کے بعد ایک دم خاموش ہو جاتا..... شاہد اس کی طرف بغور دیکھتا۔  
”یار..... اس فیکٹری کے مالک کی ہر طرف دھوم مچی ہے، کہتے ہیں بہت ہی نیک اور پہنچا ہوا انسان ہے سب کے لیے اور ہاتھوں لو جو انوں کے لیے بہت ہمدردی رکھتا ہے۔ مجھے کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تمہیں وہ کیسا لگا؟“ اس نے تجسس ہو کر پوچھا۔  
”ہاں، لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔“ آذر کہہ کر خاموش ہو گیا۔

”سن اب تو کہاں رہے گا؟“ شاہد نے پوچھا۔  
”معلوم نہیں۔“ آذر نے مایوسی سے کہا۔  
”یہ سڑک کے ساتھ گلی میں ایک کمرہ کرایے پر خالی ہے۔ اس کا مالک ابھی تھوڑی دیر پہلے میرے پاس ہی آیا تھا۔ وہ اس کمرے کو کرایہ پر دینا چاہتا ہے، تم وہ لے لو۔“ اس نے اسے رائے دی۔

”ٹھیک ہے۔“ آذر نے کہا تو شاہد اسے لے کر گلی میں چلا گیا اور مالک کے ہمراہ اسے کمرہ دکھایا تو آذر بری طرح چونک گیا۔ انتہائی خستہ حال اور سیلن زدہ کمرہ تھا جس کی دیواروں سے چوٹے کے کھریب اترے ہوئے تھے۔ فرش بھی ٹوٹا پھوٹا اور چھت لکڑی کے شہتیروں سے بنی تھی۔ جن میں چڑیوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ آذر ایک دم دیکھ کر پریشان ہو گیا۔



”کمر تو بہت اچھا ہے۔“ شاہد نے کہا تو آذر نے ایک دم اس کی جانب دیکھا پر خاموش رہا۔ مالک بھی کمرے کی تعریفیں کرنے لگا۔

”تمہارا کیا خیال ہے، کمر اٹھیک ہے ناں؟“ شاہد نے اس سے پوچھا۔

”ہاں ٹھیک ہے۔“ آذر نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے، آپ میرے دوست کو چار پائی اور بستر بھی دے دیں۔“

”لیکن چار پائی اور بستر کے پیسے علیحدہ ہوں گے۔“ مالک نے قدرے بے رخی سے کہا۔

”ہاں..... ہاں..... کوئی بات نہیں..... اب میرے یار کی نوکری لگ گئی ہے۔ جتنے پیسے کہو گے وہ دے دے گا۔“

”میں ابھی چار پائی ملاتا ہوں۔“ مالک کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

”یار تو خوش قسمت ہے، آج نوکری بھی مل گئی اور رہنے کی جگہ بھی ویسے اس علاقے میں گھر ملنا بہت مشکل ہے۔“ شاہد تعریفیں کرنے لگا اور آذر بے بسی سے کمرے کی خستہ حالی دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد لوہے کی چار پائی اور خستہ حال میلا کچلا بستر آگیا۔ مالک نے اسے بچھایا اور آذر کے حوالے کر کے دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔ کمرے میں 60 واٹ کا بلب جل رہا تھا..... ہر طرف سیلن کی بدبو۔ اس پورے کمرے سے تو بڑا اس کاواش روم تھا اور وہ بھی خوب صورت ٹائلوں سے مزین..... اور جدید سامان سے آراستہ۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر ٹیکے میں جذب ہونے لگے۔ اس نے آنکھیں بند کرنے کی کوشش کی تو حسرت کی چٹخیں شانی وینے لگیں۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور گھبرا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حسرت کی چٹخیں بلند تر ہونے لگیں..... خوف و ہراس سے اس کی آنکھیں باہر نکلنے کو بے

تاب تھیں۔ اس کی گھبراہٹ پر یعنی قہقہے لگانے کی ہر دیوار پر یعنی قہقہے لگا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ وہ اتنا خوفزدہ ہوا کہ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر بھاگا۔ کچے مچن پر پڑی اینٹ سے اس کا پاؤں بری طرح ٹکرایا اور منہ کے بل گرا..... دیوار کے ساتھ کھڑا لکڑی کا تختہ اس کے اوپر گرا اور وہ بری طرح چلانے لگا..... اس چٹخیں سن کر مالک مکان چھت پر سے آیا اور لکڑی تختہ اٹھا کر اسے نیچے سے نکالا..... وہ بری طرح زور ہو گیا تھا، وہ اسے کمرے میں لے جانے لگا تو آذر چلانے لگا۔

”نہیں، نہیں..... میں اندر نہیں جاؤں گا اندر وہ ہے..... اندر.....“

”کون..... یہاں کوئی بھی نہیں..... یاد..... خواجہ خواہ میرے گھر کو بدنام نہ کر۔ چل نکل یہاں سے..... ایویں شور مچا رہا ہے۔ تو، تو چلا جائے گا۔ اس گھر میں کوئی نہیں آئے گا۔ جا یہاں۔ بھاگ۔“ مالک نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

رات گہری ہو رہی تھی اور آذر خاموش و بے حرکت سڑک پر اسی دکان کے پھسے پر بیٹھا رہا تھا۔

”گناہ کے مطابق معافی مانگیں..... جتنا گناہ..... اتنی بڑی سزا، تاوان تو ہر صورت میں پڑتا ہے اور آپ کا گناہ بھی تو معمولی نہیں تھا۔“ صاحب کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے وہ گھٹنوں میں سر دے کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ اسے بار بار دھکے کھا کر ذلت اور رسوائی کا کیوں کرنا پڑ رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

”وہ..... وہ..... صاحب جی نے ہمیں مار کر گھر سے نکال دیا ہے۔“ ذریعہ نے ہچکیاں کرتا ہوا تو فہام کی آنکھوں میں ایک دم خون اتار دیا۔

”کیوں.....؟“ فہام نے غصے سے پوچھا۔

ذریعہ روتے روتے اسے ساری بات سنانے لگی..... فہام غصے سے مٹھیاں مسجنے لگا وہ غصے سے بے قابو ہو رہا تھا..... وہ ردا کو چھوڑ کر اپنے کمرے میں گیا..... اور اپنی دراز سے فوراً رولور نکال کر لاؤنج میں آیا۔

”آج میں روجیل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس گھٹیا انسان نے میری بہن پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ اس کی اتنی جرات..... ہم نے اپنی بہن کو بھی ڈانٹا ہے نہیں اور اس نے اسے مارا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔“

”خدا کے لیے فہام..... اتنے غصے میں مت آؤ.....“ خدیجہ بیگم نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”مما..... میں..... اسے نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے کیا سمجھا ہے کہ ردا کے پیچھے کوئی نہیں۔“ فہام غصے سے چلایا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ فہمیلہ اور ردا روتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگیں مگر وہ اپنے آپ کو چھڑواتا گاڑی میں بیٹھ کر فوراً نکل گیا۔

☆☆☆

روجیل دونوں کو گھر سے باہر نکال کر انتہائی غصے میں پاؤں پٹختا ہوا ماں جی کے کمرے میں آیا۔ اس کا چہرہ اشتعال سے سرخ ہو رہا تھا اور جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ ماں جی نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

”تم ردا کو کہاں لے گئے، کیا کیا اس کے ساتھ.....؟“ ماں جی نے نہایت غصے سے اس سے پوچھا۔

”میں نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔“ اس نے اسی غصے کے عالم میں جواب دیا۔

”ک..... ک..... کیا؟ تم نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا۔ جسہیں ذرا سا بھی خدا کا خوف نہیں آیا؟“ ماں جی نے انتہائی طیش سے کہا۔ وہ اپنا درد اور تکلیف ایک دم بھول گئیں۔

”خوف مجھے نہیں..... اسے نہیں آیا۔ آپ کو

اس حالت میں چھوڑ کر وہ ماں کے گھر چلی گئی تھی۔“ روجیل غصے سے بڑبڑایا۔

”کون سی قیامت آگئی، تم نے اتنی معمولی سی بات پر اتنا بڑا طوفان کھڑا کر دیا۔“ ماں جی شدید پریشانی کے عالم میں بولیں۔

”اتنی سی بات، آپ کی ٹانگ میں دوبارہ چوٹ آگئی ہے اور وہ بچن میں کھاتے میں مصروف تھی۔“

”میں مروت نہیں گئی تھی۔ تم نے اس معصوم بچی کے ساتھ اتنی زیادتی کی ہے۔ خدا تمہیں بھی معاف نہیں کرے گا۔“ ماں جی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

”مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ مجھے صرف آپ کی فکر ہے۔ میں فضیلت ممانی کو فون کرتا ہوں اور ہم آپ کو لے کر ابھی اسپتال چلتے ہیں۔“ روجیل غصے سے بولتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

”روجیل یہ تم نے کیا کر دیا؟“ ماں جی پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

☆☆☆

فہام انتہائی غصے کے عالم میں گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا گھر سے نکلا ہی تھا کہ ایک سفید گاڑی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ گاڑی بار بار اسے خطرناک انداز میں اوور ٹیک کر رہی تھی۔ فہام نے پہلے تو کوئی ٹوٹس نہیں لیا مگر جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ گاڑی میں بیٹھے لوگوں کے ارادے ٹھیک نہیں۔ فہام نے جلدی سے اپنا موبائل نکال کر حیدر کا نمبر ملا یا۔

”بولو فہام، کیا بات ہے؟“ حیدر نے جلدی سے پوچھا۔

”حیدر ایک گاڑی مسلسل میرا پیچھا کر رہی ہے۔“

”اس وقت تم کس علاقے میں ہو؟“ حیدر نے جلدی سے پوچھا تو فہام اسے بتانے لگا۔

”تم فکر نہیں کرو۔ میں اس علاقے کی پولیس کو الرٹ کر دیتا ہوں۔“ حیدر نے اسے اطمینان دلایا۔



### عید کا دن

☆ مومن کے لیے ہر وہ دن عید ہے جس دن وہ گناہ نہ کرے۔

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

☆ جب تم دوسروں کے عیب کا ذکر نہ کرنا چاہو تو اپنے عیب یاد کرو۔

(حضرت ابن عباسؓ)

مرسلہ: زکس نسیم، صابہ موہرہ

”وہ بھی پولیس مقابلے میں مر چکا ہے۔“ حیدر نے مزید بتایا۔

”تو ہی میرے قہام کی قاتلہ ہے۔ وہ تیری وجہ سے ہی قتل ہوا ہے، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ حمیلہ نے غصے سے ردا کو جھنجھوڑتے ہوئے اس کا گلا دبانے کی کوشش کی۔

”شمیلہ بھائی اندر چلیں۔“ حاتم نے حمیلہ کا بازو پکڑ کر ردا کو چھڑا لیا۔

”چھوڑو مجھے، میں کسی کو نہیں چھوڑوں گی۔“ اس پر وحشت طاری تھی۔ خدیجہ بیگم حاتم کے اوپر چکر اکر گر گئیں۔

☆☆☆

روحیل کو قہام کے قتل کی اطلاع کسی دوست کے ذریعے مل چکی تھی مگر اس نے ماں جی کو نہیں بتایا اور چپکے سے گھر کا فون اور ماں جی کا موبائل آف کر دیا۔

☆☆☆

قہام کی میت کفن اور پھولوں میں لپیٹا لاؤنج میں رکھی گئی۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ قہام جیسا اچھا اور نیک انسان کیسے موت کے منہ میں چلا گیا تھا۔ سب کے لیے یہ سانحہ انتہائی ناقابل برداشت تھا۔ حمیلہ کے دماغ پر بہت گہرا اثر ہوا تھا اور اسے ممکن دوائیں دے کر سلا دیا گیا تھا۔

حمیلہ کو جیسے ہی ہوش آیا اور اسے قہام کو دفنانے

سائنس نے کرہمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے ایسبولنس سے قہام کی ڈیڈ باڈی نکالی گئی۔

”یہ..... یہ..... کس کی؟“ خدیجہ بیگم نے گہرا کر پوچھا۔

”قہام کی..... اس کا قتل ہو گیا ہے۔“ حیدر نے سر جھکا کر کہا تو حمیلہ پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی قہام کے قریب گئی۔

”یہ..... یہ..... میرا قہام نہیں۔“ حمیلہ نے قہام کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر دیکھتے ہوئے کہا تو خدیجہ بیگم کو ہر چیز گھومتی دکھائی دینے لگی۔

”نہیں..... نہیں میرا قہام نہیں مر سکتا۔“ وہ بری طرح چیختی لگیں۔ ردا بھی دھاڑیں مار مار کر روتی ہوئی قہام کی ڈیڈ باڈی کے پاس گئی اور اس کے اوپر گر گئی۔

”میرے قہام بھائی مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔“ وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

”ڈائمن، چڑیل تو ہی میرے قہام کو کھا گئی۔ نہ تو آتی نہ قہام گھر سے باہر جاتے۔“ حمیلہ نے غصے سے ردا کا بازو پکڑ کر دھکا دیتے ہوئے کہا۔

”شمیلہ بھائی، ہوش کریں۔“ حاتم نے غصے سے چلا کر کہا۔

”قہام کو فرحان نے قتل کیا ہے۔“ حیدر نے انہیں بتایا۔

”ک..... کون..... فرحان؟“ حاتم نے چمک کر پوچھا۔

”وہی جو موبائل پر ردا کے لیے میسر کرنا تھا۔ میں نے اسے اریسٹ کر لیا تھا مگر وہ جیل سے بھاگ نکلا اور اسی نے قہام کو.....“ حیدر نے بتایا تو ردا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے انکشاف پر اس کا سر پکڑا لے لگا اور وہ ہولتوں کی طرح ان کی طرف دیکھنے لگی۔

”میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ حاتم نے جذباتی انداز میں کہا۔

سے بھائی کا نمبر ملانے لگی۔ کافی زیادہ بیلز کے باوجود بھی حاتم نے فون نہیں اٹھایا۔

”مہما، حاتم بھائی فون نہیں اٹھا رہے۔“ ردا نے پریشانی سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یا خدایا! میرے بچوں پر رحم فرما، میں کیا کروں؟“ خدیجہ بیگم دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگیں۔ کئی گھنٹے گزر گئے قہام کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا فون بھی بند جا رہا تھا۔

☆☆☆

حیدر علی نے حاتم کو فون کر کے تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ حاتم آج ایک شینٹ کے سلسلے میں صبح ہی آفس چلا گیا تھا۔ اب حیدر علی، قہام کی ڈیڈ باڈی اسپتال سے کلر کر وا کر گھر لا رہا تھا۔

ایک دم پورچ میں ایسبولنس اور پولیس سب کے سائرن سنائی دیے تو وہ سب قدرے گہرائی ہوئی سائرن کی آواز سن کر بھاگتی ہوئی پورچ میں نکلیں۔ حاتم کی گاڑی آگے تھی۔ اس کے پیچھے ایسبولنس اور پھر پولیس جیپ جس میں حیدر اپنے پولیس اہلکاروں سمیت بیٹھا تھا۔ گاڑیوں کے رکے ہی حاتم اور حیدر باہر نکلے اور حاتم، حیدر کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”حاتم پولیس یہاں کیوں آئی ہے اور قہام کہاں ہے؟“ خدیجہ بیگم نے گہرا کر پوچھا تو حیدر نے حاتم کی طرف دیکھا اور خاموشی سے سر جھکا لیا۔

”بتاؤ..... تم لوگ خاموش کیوں ہو؟“ وہ عجب انداز سے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

”حاتم، قہام کہاں ہیں؟“ حمیلہ نے حاتم کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”آپ بتائیں، میرا قہام کہاں ہے؟“ حمیلہ نے حیدر سے پوچھا۔

”آئی ایم سوری۔“ حیدر نے ایک گہری

کچھ فاصلے پر جا کر اس کی گاڑی پر فائرنگ ہونے لگی۔ قہام گھبرا گیا اور اپنی ریوالور نکال کر وہ بھی جوابی فائرنگ کرنے لگا۔ ایک دم گاڑی تیزی سے اس کے قریب آئی اس میں چار نقاب پوش آدمی بیٹھے تھے۔ قہام کی گاڑی جب ان کے پاس سے گزرنے لگی تو ان سب نے اس پر فائرنگ شروع کر دی۔ ایک گولی قہام کے سینے میں لگی اور ایک اس کے سر پر۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس کے سر اور سینے سے خون انتہائی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ قہام کا موبائل بجتے بجتے خاموش ہو گیا تھا۔ پولیس کی گاڑی ایک جانب سے نمودار ہوئی اور اس گاڑی کا پیچھا کرتے لگی جس سے قہام پر فائرنگ ہوئی تھی پھر باقاعدہ پولیس مقابلہ ہوا اور وہ لوگ مارے گئے۔

”سر فرحان نامی مفرو رہی اپنے گینگ کے ساتھ اس مقابلے میں مارا گیا ہے اور..... اور قہام صاحب بھی.....“ پولیس اہلکار نے وائٹریس پر حیدر کو اطلاع دیتے ہوئے بتایا۔

”اوہ..... تو.....“ حیدر نے شاک کے عالم میں کہا اور ہڑبڑا کر اٹھا اور اپنے آفس سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

قہام کے گھر سے جانے کے بعد حمیلہ کو سانس اور تندہ پر چڑھائی کرنے کا بھرپور موقع مل گیا۔

”اگر میرے قہام کو کچھ ہو گیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ حمیلہ نے ردا کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا۔

”کیا قہام صرف تمہارا شوہر ہے، ہمارا کچھ نہیں لگتا۔ خبردار جو فضول باتیں کیں“ خدیجہ بیگم نے خفگی سے ڈانٹتے ہوئے کہا تو ردا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”حاتم کو فون کرو، اس سے کہو جلدی سے روحیل کی طرف جائے اور قہام کو جھگڑنے سے روکے۔“ خدیجہ بیگم نے گہرا کر کہا تو ردا کانپتے ہاتھوں



کی خبر ملی تو اس نے چلا چلا کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ وہ بھاگ بھاگ کر ردا کی طرف جاتی اور اس کا گلا دیانے کی کوشش کرتی۔ بھی اسے منہوں کھتی اور کبھی فہام کی قاتلہ۔ کبھی اسے بددعا میں دینے لگتی تو کبھی اسے جی بھر کر لعن طعن کرتی۔

فہام کے قل اور چالیسویں تک لوگوں کا آنا جانا لگا رہا۔ روجیل بھی ماں جی کو لے کر آیا تھا مگر ردا سے کوئی بات نہیں ہوئی، وہ ابھی بھائی کے صدمے سے دوچار تھی۔ گھر میں عجیب سی فضا پیدا ہو گئی تھی جس میں دکھ بھی تھا اور انتقام بھی، صدمہ بھی تھا اور حسد و نفرت کے جذبات بھی۔ ردا کے گرد زندگی کا دائرہ روز بروز تنگ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ماں جی روجیل سے بہت ناراض تھیں اور کئی روز سے اس سے بات بھی نہیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے اسے اس شرط پر معاف کیا تھا کہ وہ ان کے ہمراہ ردا کے گھر اسے لینے جائے گا۔ روجیل بہت مشکل سے وہاں جانے پر رضامند ہوا تھا مگر اس کے دماغ میں کچھ اور ہی منصوبہ تھا۔

چالیسویں کے بعد جب وہ اور ماں جی ردا کے گھر گئے تو ردا پر اسے دیکھ کر جنون طاری ہو گیا۔

”یہی ہے میرے بھائی کا قاتل۔ اسی نے ہمارے گھر کی خوشیوں کو لوٹا ہے۔ اس کو پولیس کے حوالے کر دیں۔“ ردا اس کا گریبان پکڑ کر چلاتے ہوئے بولی۔

”چھوڑو مجھے، کیا بکواس کر رہی ہو؟“ روجیل نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

”ردا! ردا! ہوش کرو۔“ خدیجہ بیگم نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا۔

”مما اگر یہ شخص مجھے اس دن مار کر مگرے نہ نکالتا تو فہام بھائی کبھی مگرے سے باہر نہ نکلتے اور نہ ہی مارے جاتے۔“ ردا پھر اس پر جھپٹتے ہوئے بولی۔

”شٹ اپ۔“ روجیل نے ردا کو تھپڑ لگاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے حاتم اور عاصم ان کی آواز سن کر اپنے کمروں سے انتہائی غصے کے عالم میں نکلے۔

”تمہاری یہ جرأت کے ہماری بہن پر ہاتھ اٹھاؤ۔ ذلیل، گھٹیا انسان۔“ حاتم نے بھی روجیل کو زور سے تھپڑ لگاتے ہوئے کہا۔

”ماں جی، میں اسی لیے یہاں نہیں آتا چاہتا تھا۔ یہ گھٹیا عورت اور اس کی فیملی اس قابل ہی نہیں کہ میں یہاں آتا۔“ روجیل چہرے پر ہاتھ رکھ کر ماں جی کی طرف دیکھ کر غصے سے بولا۔

”خدا کے لیے جب ہو جاؤ، ہم یہاں اپنی بو کے لیے آئے ہیں جھگڑنے نہیں۔“ ماں جی نے آرام سے کہا۔

”آپ مجھے کہہ رہی ہیں۔ اس گھٹیا عورت کو نہیں جو فساد کی جڑ ہے۔ جس نے میری زندگی بھی برباد کی ہے اور اس گھر کو بھی ماتم کدہ بنایا ہے۔“ روجیل اس کی طرف دیکھ کر چلاتے ہوئے بولا۔

”روجیل! ردا تمہاری بیوی ہے۔“ ماں جی نے آو بھر کر کہا۔

”نفرت ہے مجھے اس بد چلن، بد کردار اور گھٹیا عورت سے۔“ روجیل غصے سے بولا۔

”یہ! یہ! یہ! جھوٹ ہے، میں بد کردار ہرگز نہیں۔“ ردا گھبرا کر بولی۔

”خبردار، تم نے جو ہماری پاک دامن بہن پر کوئی الزام لگایا۔“ حاتم بھی غصے سے غرایا۔

”ابھی تمہیں ثبوت دیتا ہوں تمہاری بہن کی پاک دامن کا۔“ روجیل یہ کہہ کر اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالنے لگا۔

”یہ ہے تمہاری بہن کی بد چلنی کا تحریری ثبوت۔“ روجیل نے خط ان کے سامنے لہرایا۔ ردا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ روجیل قدم سے بلند آواز سے خط پڑھنے لگا۔

”ڈیر، اب میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں لیکن آج میں اپنے دل کی ساری باتیں تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ تمہاری ہنسی، تمہاری مسکراہٹ، تمہارا وجود اور تمہاری ایک، ایک ادا نے مجھے تمہارا ایسا سیر بنا رکھا ہے کہ اب اس سے فرار ممکن نہیں۔ تم میری زندگی ہو اور میری زندگی کی آخری سانسوں تک اگر کوئی میرے دل میں بسے گا تو وہ تم ہی ہوگی، آئی لو یو ٹو ج۔“

تمہارا توقیر!“ خط پڑھ کر روجیل نے سب کی طرف غصے سے دیکھا۔ عاصم، حاتم، خدیجہ بیگم اور رواسیت سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”ت! ت! ت! توقیر۔“ ردا زبر لب بڑبڑائی۔

”یہ ہے تمہاری بہن کی بد کرداری کا تحریری ثبوت۔ محبت کسی اور سے اور شادی مجھ سے۔ نہ جانے اس کے کون سے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لیے تم نے اس کی شادی مجھ سے کر دی۔“ روجیل نے غصے سے حاتم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ! یہ! یہ! جھوٹ ہے۔“ ردا بے بسی سے چلائی۔

”اس تحریری ثبوت کے بعد بھی تم اسے جھٹلا رہے ہو۔ جھوٹی، دھوکے باز۔“ روجیل زور سے بولا۔

”اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ میں بھی اس سے محبت کرتی تھی؟“ ردا رک کر اپنے دفاع میں بولی۔

”وہ تم سے محبت کرتا تھا تو اس نے یہ خط لکھا تھا!“ روجیل نے اسے جتایا۔

”ہاں، وہ مجھ سے محبت کرتا تھا مگر میں نہیں۔“ ردا نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔

”اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس سے محبت نہیں کرتی تھیں؟“ روجیل نے کہا تو ردا ایک دم خاموش ہو گئی۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ردا کا تمام جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

کھیل کھیل جیسے کھیلن دل

”اب خاموش کیوں ہو، جواب دو اپنی پارسائی اور پاک دامن کی ثبوت دو۔ بلاؤ اس شخص کو اور سب کے سامنے پوچھو کے کون کس سے محبت کرتا تھا؟“ روجیل نے کہا تو ردا نے گھبرا کر ماں کی طرف دیکھا۔

”وہ یہاں نہیں آ سٹر یل میں ہے اور میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں۔“ ردا نے سسکی لے کر آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”اوہ! رابطہ نہیں مگر سب معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے۔“ روجیل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”تم نے اپنی بکواس مکمل کر لی ہے تو دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ حاتم نے روجیل کی طرف دیکھ کر غصے سے کہا۔

”جار ہا ہوں مگر تم لوگوں سے اپنا ہر تعلق توڑ کر جاؤں گا۔ میں سب کے سامنے ردا کو طلاق دیتا ہوں۔“ روجیل نے چلاتے ہوئے کہا۔

”خبردار، تم نے اس کے آگے ایک لفظ بھی کہا تو۔“ ماں جی غصے سے چلائیں اور پھر بے حال ہو کر صوفے پر گر گئیں۔

”ط! ط! ط! طلاق! ردا آہستہ آہستہ زبر لب بڑبڑاتی رہی۔ ہر طرف ایک شور مچ گیا۔

چہ میگو بیاں ہونے لگیں۔ ردا بے ہوش ہو کر گر گئی۔ خدیجہ بیگم کا برا حال تھا۔ شملہ کے دل کو یک گونا سکون ملا تھا۔ دونوں بھائیوں کے دلوں میں ایک دم ردا کے لیے نفرت سی بھر گئی تھی۔ روجیل یہ ڈراما کر کے واپس جا چکا تھا۔

☆☆☆

رات گہری ہو رہی تھی۔ ردا اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی۔ اسے نیند کا انجکشن دے کر ملایا گیا تھا۔ خدیجہ بیگم کی طبیعت بھی بہت خراب تھی۔ عاصم اور حاتم ان کے پاس ہی کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

”ہائے! میری ردا کہاں ہے؟ وہ کس حال







کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ماں کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔  
”خدا تم پر رحم کرے۔“ انہوں نے محبت سے اسے سہلاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

ہمیلہ نے بھی گھر میں خوب ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ وہ بھی کچھ نہ کھاتی جیتی تھی۔ سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہتی تھی یا ہر نکلنے تو کبھی روتا کو مارنے کو لپکتی کبھی خدیجہ بیگم کے ساتھ جھگڑا کرتی اور کبھی ملازموں کے ساتھ الجھتی۔ اس کی صحت بھی چند دنوں میں بہت خراب ہو گئی تھی۔ اس کی ماں ریحانہ اس کے پاس بیٹھی اسے محبت سے سمجھا رہی تھیں اور اس اس آزمائش پر صبر کرنے کو کہہ رہی تھیں اور وہ حیرت سے صبر، صبر بڑبڑاتی مسلسل بول رہی تھی۔

”صبر..... صبر کیا ہوتا ہے؟“

”بیٹا تم بتاؤ، تم عدت کہاں کرنا چاہتی ہو؟ یہاں یا پھر میکے میں؟“ ریحانہ نے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے پوچھا۔

”کیوں..... میں کیوں عدت کروں؟“ ہمیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

”اس لیے کہ اب فہام اس دنیا میں نہیں رہا اور ہر بیوی شوہر کی وفات کے بعد عدت کرتی ہے۔“ ریحانہ نے اپنے دل پر جبر کرتے ہوئے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”میں عدت نہیں کروں گی اور کون کہتا ہے میرا فہام مر گیا ہے۔“ وہ غصے سے چلانے لگی۔

ریحانہ اسے اپنے ساتھ لگا کر چپ کروانے لگیں۔ ان کے رونے کی آواز سن کر خدیجہ بیگم ان کے کمرے میں آگئیں اور دونوں کو روتا دیکھ کر انہوں نے ہمیلہ کو اپنے ساتھ لگایا۔

”بیٹا، ہمت کرو۔ آزمائشیں انسانوں کے لیے ہوتی ہیں۔“

”نہیں ہے مجھ میں ہمت۔ آپ لوگ میرے دشمن ہیں، میرے فہام کو کھا گئے ہیں۔“ انہیں دھکا دے کر غصے سے بولی۔

”ریحانہ تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ۔ یہ بیڑا ہی اپنا دشمن سمجھتی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے بہن کی دیکھ کر بے بسی سے کہا۔

”ہاں، تو آپ لوگوں نے اس کے ساتھ جس سے صرف وہی آشنا تھا..... یہ کیسا الاؤ تھا جس سا اچھا سلوک کیا ہے۔ نہ فہام کی زندگی میں میں صرف وہی مل رہا تھا..... شہر جانے کو تیار ہوا تو سکون لینے دیا اور اب جانے کیا کریں گی۔ اگر دادا نے کچھ رقم اسے تمھاری جیسے چپ چاپ لے کر وہ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔ یہ شہر واپس آگیا۔ بچانے کچھ کپڑوں کا بھی بندوبست میکے میں ہی کرے گی۔“ ریحانہ بیگم تیوری چڑھ کر دیا تھا۔ وہ سیدھا رانا صاحب کی فیکٹری میں چلا بہن سے مخاطب تھیں۔

”لیکن عدت تو اسی گھر میں کی جاتی ہے بغور اس کی جانب دیکھا۔ شوہر کی وفات کی خبر ملے۔“

”چاہے اس گھر میں اس کی جان کو خطرہ پارے میں بتایا تو تھا..... مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کیوں نہ ہو؟“

”ریحانہ تم ہمیں اتنا ظالم سمجھتی ہو؟“ ”صرف سمجھتی نہیں..... مجھے پورا یقین ہے۔“ ریحانہ نے غصے سے کہا اور تیزی سے

ہمیلہ کا سامان اکٹھا کرنے لگیں۔ ”نہیں..... میں کہیں نہیں جاؤں گی، یہ میرے کمرے۔“ ہمیلہ نے اپنا سامان پھینکنا شروع کر دیا۔

”رہو، مرو یہاں..... پھر مجھ سے کوئی تعلق نہ کرنا۔“ ریحانہ نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے

اور وہاں سے چلی گئیں۔ ”نہ کرنا۔“ ریحانہ نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

☆☆☆

آزرب بھی کبھی فون پر ماں سے بات کر ادھر کئی دنوں سے اس کا رابطہ نہیں ہوا پھر گاؤں اس کے چچا کی کال آگئی کہ اس کی ماں اب وہ نہیں..... وہ دکاندار شاہد سے شیں کر کے کچھ لے کر گاؤں روانہ ہو گیا، وہ پہنچ تو ماں کی ہو چکی تھی۔ وہ دادا اور چچا سے مل کر خوب روتا

لوگوں نے اسے کتنی باتیں سنائیں، کتنا طنز کیا اسے..... کیسی کیسی ذلت اٹھانی پڑی تھی، خدا کی شان..... وہ بہت مشکل سے وہاں ایک ہفتہ رہ سکا لیکن یہ دن بھی انتہائی اذیت میں کئے..... اس کے لیے تو زندگی کا ہر لمحہ اذیت سے بڑھا اس کی ہر سانس میں آہیں اور سسکیاں تھیں۔ یہ کیسی اذیت تھی

”ہاں، تو آپ لوگوں نے اس کے ساتھ جس سے صرف وہی آشنا تھا..... یہ کیسا الاؤ تھا جس سا اچھا سلوک کیا ہے۔ نہ فہام کی زندگی میں میں صرف وہی مل رہا تھا..... شہر جانے کو تیار ہوا تو سکون لینے دیا اور اب جانے کیا کریں گی۔ اگر دادا نے کچھ رقم اسے تمھاری جیسے چپ چاپ لے کر وہ میں اسے اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔ یہ شہر واپس آگیا۔ بچانے کچھ کپڑوں کا بھی بندوبست میکے میں ہی کرے گی۔“ ریحانہ بیگم تیوری چڑھ کر دیا تھا۔ وہ سیدھا رانا صاحب کی فیکٹری میں چلا گیا۔ اس نے ان کے منیجر سے ملاقات کی تو اس نے

”ہاں..... رانا صاحب نے مجھے آپ کے ”چاہے اس گھر میں اس کی جان کو خطرہ پارے میں بتایا تو تھا..... مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ آپ ہی ہیں۔“ اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ آزرب نے حیرت سے پوچھا۔ ”کچھ نہیں..... آپ..... آپ اپنی کوالیفیکیشن

اور انٹرنل سٹ بتائیے کہ آپ کیسی جاب کر سکتے ہیں۔“ منیجر نے جلدی سے بات گول کی مگر اس کا لب و لہجہ

صاف بتا رہا تھا کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہا تھا اور اس سے بات کرتے ہوئے وہ کچھ اچھا محسوس نہیں کر رہا تھا۔ آزرب کے لیے یہ بات بہت تکلیف دہ تھی.....

”نہ کرنا۔“ ریحانہ نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

”نہ کرنا۔“ ریحانہ نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

”نہ کرنا۔“ ریحانہ نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

”نہ کرنا۔“ ریحانہ نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

کھینچ کر جب جلیے کھینچ دل

بات کرنے لگے تھے اور یہ بات اسے بہت تکلیف دیتی تھی..... وہ تو ہمیشہ اپنے آپ کو لوگوں سے منفرد اور معزز خیال کرتا تھا..... شاہانہ ٹھاٹ پاٹ نے اس کا دماغ مزید خراب کر دیا تھا اپنے آپ کو کبھی کسی عام اور معمولی انسان کے برابر خیال نہیں کیا تھا اور اب اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کی عزت ایک عام اور معمولی انسان سے بھی کم ہو۔ اپنی ذلت کی، جک اور تحقیر پر اس کا دل بہت کٹتا تھا..... یہ باتیں شاید دوسروں کے لیے بہت معمولی ہوں مگر اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھیں۔

”آپ بتائیے..... آپ کیسی جاب کر سکتے ہیں؟“ منیجر نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھا۔ ”جیسی بھی ہو.....“ آزرب بہ مشکل بولا۔

”ٹھیک ہے..... آپ باہر بیٹھیے..... میں ابھی آپ کو کال کرتا ہوں۔“ منیجر نے قدرے روکھے

لہجے میں کہا تو آزرب خاموشی سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور پھر ایک بیچ پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا جیسی رانا صاحب

ایک خوب صورت، نوجوان لڑکی کے ہمراہ اس کے پاس سے گزرے۔ آزرب سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس نے

ان کی طرف ایک بار بھی نہیں دیکھا، وہ تو اپنی ہی سوچوں میں گم تھا۔ رانا صاحب چند قدم آگے چلے

اور پھر اس کے پاس واپس آئے۔ لڑکی انہیں کوئی بات سنارہی تھی۔ رانا صاحب کے رکتے ہی وہ لڑکی خاموش ہو گئی۔

”آپ..... یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟“ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”میں..... وہ.....“ آزرب ایک دم کھڑا ہوا اور رانا صاحب کی طرف دیکھ کر گھبرا گیا۔ لڑکی نے بھی

بغور اس کی جانب دیکھا اور پھر وہ ایک دم حیرت سے چلائی۔ وہ کوئل رانا تھی۔

”آ..... آزرب..... تم.....؟“ کوئل رانا انتہائی حیرت سے چلاتے ہوئے بولی اور اس کے چہرے پر



پاک سوسائٹی فاٹ کام کی پیشکش  
یہ شانہ پاک سوسائٹی فاٹ کام نے پیش کیا ہے  
ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہمارے ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ پیری کوائف، نارمل کوائف، کمپیٹنڈ کوائف
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✦ ایڈ فرمی لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریویو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پر ویو
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

واحدویب سائنٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan



Like us on  
**Facebook**

B komp'ak'societu

[illegible]

خوشی و حیرت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔  
 ”ک...ک...ک... کوئل... تم؟“ آزر نے  
 بھی حیرت سے پوچھا۔  
 ”تم اور یہاں... آئی ڈونٹ بلوواٹ!“  
 کوئل نے بے یقینی سے کہا۔  
 ”کیا تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟“  
 رانا صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... آنا بابا۔۔۔ ہم دونوں کلاس فیلوز رہ چکے ہیں۔ جب ڈیڈی کی پوسٹنگ یہاں ہوئی تھی اور جس کالج میں، میں نے ایڈمیشن لیا تھا آذر اسی کالج میں تھا۔ ہم سب بہت اچھے فرینڈز تھے۔ باقی سب لوگ کہاں ہیں..... حمزہ، یعنی، جواد؟“ کوئل نے مسکرا کر پوچھا تو آذر گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا مطلب ہے اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔

”بھئی تم لوگ ہمیں کھڑے کھڑے باتیں کرو گے، چلو میرے آفس میں۔۔۔۔“ رانا صاحب نے مسکرا کر کہا۔

”ہاں، ہاں، چلو۔۔۔۔ آج خوب ڈھیر ساری باتیں کرتے ہیں، آئی ایم سوا کیسا سنڈ ٹوسی یو میر۔۔۔۔ او گاڈ۔۔۔۔ آؤر مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔۔۔۔ کہ میں تم سے ملاقات کروں گی اور وہ بھی اتنی اچانک۔۔۔۔“ وہ مسکرا کر بولی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور خاموشی سے کول رانا کے ساتھ چلتے لگا۔

☆☆☆

رات کافی گہری ہو گئی تھی ..... قہمیلہ صوفے پر آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی اور پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھتے ہوئے قہام، قہام پکارنے لگی۔ قہام اسے مسکراتا ہوا دکھائی دیا تو وہ اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے کمرے کے چکر لگانے لگی پھر ایک دم قہام غائب ہو گیا تو وہ اسے ادھر ادھر تلاش کرتے ہوئے پکارنے لگی۔

”میرا قہام کہاں گم ہو گیا ہے۔۔۔ قہام۔۔۔ میرا قہام۔۔۔“ وہ صوفے پر بیٹھ کر سسکنے لگی۔ اس کے اندر

ایک ایل سا اٹھا اور وہ بھاگتے ہوئے کچن میں  
کچھ تلاش کرنے لگی۔ اس نے ایک تیز دھماکا  
پکڑی اور اسے بغور دیکھتے ہوئے وہ کچن سے باہر  
دوا اپنے کمرے میں نیند کی دوا کھا کر  
تھی۔ ہمیلہ چھری پکڑ کر دوا کے کمرے میں  
ہوئی اور اسے حُرے سے سوتا دیکھ کر اس کے  
پراں ہوائی غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے  
گی آنکھیں غصے سے شعلے برسا رہی تھیں۔

”آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“  
میرے فہام کو مجھ سے چھینا ہے..... میں تم سے  
زندگی۔ تمہارا سب کچھ چھین لوں گی.....  
بڑاتے ہوئے آگے بڑھی ہی تھی کہ اسی لمحے کسی  
کے ہاتھ کو پیچھے سے مضبوطی سے پکڑا۔ شملہ نے  
کروڑ لکھا تو زینہ تھی جو ابھی ابھی واش روم سے  
”روا..... بی بی..... جلدی اٹھیں۔“  
زور سے چلائی تو ردا بڑا کراٹھ بیٹھی اور میرے  
ہاتھ میں چھری دیکھ کر وہ گھبرا کر کانپنے لگی۔

”مجھے چھوڑ دو..... میں اسے زندہ نہیں چھوڑ سکتی۔ اس نے مجھ سے میرا فہم چھینا ہے۔“

اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”حاتم بھائی، بیگم صاحبہ... جلدی اندر آ کر دیکھیں۔“

زیرینہ چیخ، چیخ کر سب کو آوازیں دینے لگی وہ بالکل نہیں تھی وہ پوری طاقت سے شمشیر کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر لے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”یہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ خدیجہ نے

اندر آ کر گھبرا کر پوچھا۔

”یہ۔۔۔ رو باجی کی گردن پر چھری چلا  
تھیں۔“ اس نے ہمیلہ کے مڑے ہوئے  
سے چھری چھین کر خدیجہ بیگم کو دیتے ہوئے بتایا  
”کیا۔۔۔؟“ چھری پکڑ کر ان کی  
حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

دین





ناولٹ

## کہیں دیکھ کر جلتے ہیں دل

قصہ حیات

بارہواں حصہ

شمیلہ انتہائی جنوبی اور پاگل ہو رہی تھی۔ وہ بار بار ردا پر جھپٹنے کی کوشش کرتی۔ ردا خوفزدہ کھڑی بری طرح کانپ رہی تھی۔ شمیلہ کے سر پر خون سوار تھا۔  
 زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ "شمیلہ ان دونوں ماں بیٹی کی طرف دیکھ کر چلائی۔ زمین نے اس کے بازوؤں کو پیچھے سے جکڑ رکھا تھا اور وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔  
 "تم سب میرے فہام کے قائل ہو، میں کسی کو



”کیا میں اپنے بیٹے اور ردا اپنے بھائی کو قتل کرے گی؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔“ خدیجہ بیگم نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہاں تم سب اس کے قاتل ہو۔“ حمیلہ نے زربینہ کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی جان کر اپنے آپ کو جھٹکے سے چھڑایا اور خدیجہ بیگم کے گریبان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ انہوں نے اسے زوردار تھپڑ لگایا تو وہ بلند آواز سے رونے چلانے لگی۔

”آپ نے مجھے مارا..... مجھے مارا..... فہام کے بعد اب آپ مجھے مارنے بھی لگی ہیں۔“ وہ گلا پھاڑ کر غصے سے..... بولی تو اس کی آواز سن کر حاتم لاؤنج سے بھاگتا ہوا اندر آیا اور ان سب کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

”یہ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”انہوں نے مجھے مارا ہے، یہ دیکھو تھپڑ مارا ہے۔“ حمیلہ نے اپنا گل اسے دکھاتے ہوئے کہا تو حاتم کی آنکھوں سے حیرت جھلکنے لگی۔

”مما! کیا آپ اتنی ظالم ہو گئی ہیں کہ فہام بھائی کے جاتے ہی آپ بھابی پر ظلم کرنے لگی ہیں۔“ حاتم نے غصے سے ماں کی طرف دیکھا۔

”یہ..... یہ جھوٹ بول رہی ہے بیٹا.....“ خدیجہ بیگم نے بے خیالی میں دوسرے ہاتھ میں پکڑی چھری سے حمیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”چھری اپنے ہاتھ میں پکڑ کر آپ حمیلہ بھابی پر الزام لگا رہی ہیں بہت خوب.....“ حاتم نے غصے سے کہا تو خدیجہ بیگم ایک دم حیرت زدہ رہ گئیں۔ پہلے بھی ایسے کتنے مواقع آئے تھے جب حاتم نے حمیلہ کی زیادتی نہ دیکھی اور ماں، بہن کو الزام دے دیا۔

”حاتم بھئی یہ تو حمیلہ بھابی خود کچن سے لائی ہیں ردا بی بی کو مارنے کے لیے۔“ زربینہ آگے بڑھ کر جلدی سے بولی۔

”یہ..... یہ سب جھوٹ بول رہی ہیں، یہ سب تو مجھے مارنا چاہتی ہیں..... ہاں فہام کے بعد مجھے بھی.....“ وہ سسکی بھر کر بولی تو حاتم غصے سے اُن کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں اچھی طرح جان گیا ہوں، یہاں کون کس کے خلاف کیا گیم کھیل رہا ہے؟“ حاتم نے غصے سے کہا اور حمیلہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ وہ تینوں حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

حمیلہ کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر حاتم چھوٹے بھائی عاصم کے پاس آیا۔ عاصم، فہام کو یاد کر کے بری طرح رو رہا تھا۔ وہ اس کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔

”ہماری ممما..... اتنی جلدی بدل جائیں گی، یقین نہیں آ رہا۔“ حاتم نے افسردگی سے کہا۔

”ک..... کیا مطلب.....؟“ عاصم نے چونک کر پوچھا۔

”مما..... حمیلہ بھابی پر بہت ظلم کرنے لگی ہیں، آج انہوں نے بھابی کو مارا بھی ہے۔“ اس نے افسردہ لہجے میں بتایا۔

”تم کب.....؟“ عاصم نے انتہائی حیرت سے کہا۔

”ہاں..... اگر میں موقع پر نہ پہنچتا تو شاید یقین نہ کرتا..... ممما، ردا کو defend کرنے کے لیے حمیلہ بھابی کو تاراج کرنے لگی ہیں۔“

”اوہ..... تو..... ممما اس حد تک بھی جاسکتی ہیں، آئی ڈونٹ بلیواٹ۔“ عاصم کو افسوس ہوا۔

”عاصم..... ہمیں فہام بھائی کی خاطر حمیلہ بھابی کا خیال کرنا چاہیے۔ مجھے لگتا ہے اب ان کا یہاں رہنا مناسب نہیں..... ممما اور ردا نے ان کے خلاف باقاعدہ محاذ بنا لیا ہے اوپر سے وہ نوکرائی زربینہ..... ہم کل ہی انہیں خالہ کے گھر چھوڑ آتے ہیں۔“ حاتم نے رائے دی تو عاصم عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”یقین نہیں آ رہا..... ممما کیسے اتنا بدل گئی ہیں۔“ اس کی وجہ ردا ہے..... ردا کی وجہ سے انہوں نے مجھ پر بھی ہاتھ اٹھایا تھا اور اب حمیلہ بھابی پر..... اب وہ صرف ردا کی ممما ہیں۔“ وہ پرتاسف لہجے میں بولا۔

”ہاں پھر تو ان حالات میں ان کا یہاں سے چلے جانا ہی ٹھیک ہے۔“ عاصم نے بھی اس کی تائید کی تو حاتم خاموشی سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆  
روحیل ماں جی کے کمرے میں آیا تو وہ بیڈ پر بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھیں۔ وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”کیا آپ مجھ سے ابھی تک خفا ہیں؟ آپ مجھے ہی قصور وار سمجھتی ہیں۔ کیا ردا آپ کی نظر میں بالکل بے قصور ہے؟“ روحیل نے خشکی سے پوچھا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆☆☆  
رات کافی گہری ہو گئی تھی ہر طرف ہوکا عالم تھا۔ ردا اپنے کمرے میں جا نماز پر بیٹھی اپنے رب کے حضور ہاتھ بلند کیے دعا مانگنے میں مصروف تھی۔ وہ بری طرح ہلک رہی تھی۔ گھر کے حالات اور ان کے رویوں کے اسے خاصا توڑ پھوڑ ڈالا تھا۔ وہ نہایت دل برداشتہ ہو رہی تھی اور بس خدا کے حضور گڑ گڑا کر دعا کر رہی تھی۔

”یا اللہ.....! تو جانتا ہے، میں نے روحیل کے علاوہ کسی اور سے محبت نہیں کی۔ میں گنہگار نہیں ہوں تو، تو لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہے، مجھ بے قصور کو سب کے سامنے رسوا کیوں کر ڈالا۔ تو میرے دامن پر لگے اس دھتے کو دور کر دے اور میری مدد کر، مجھ سے میرے اپنوں کی بے رخی اور نفرت برداشت نہیں ہو رہی۔ میرے اپنوں کا غم مجھے مار ڈالے گا..... مجھے مار ڈالے گا۔“ ردا دعا مانگتے مانگتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کافی دیر تو وہ اپنے رب کے حضور جھکی رہی پھر جا نماز سے اٹھی اور اپنے بستر پر لیٹا ہاتھ میں لیے آنکھیں۔ جیسی اس کا سبیل فون بجنا،

## کھیں دسب طے کھیں دل

اس نے دیکھا کوئی اور سیر کالی تھی اس نے بڑھ کر فون اٹھالیا۔ دوسری طرف رشنا تھی۔

”ہیلو ردا! کیسی ہو.....؟ نہ جانے آج کیوں تم مجھے بہت یاد آ رہی تھیں۔ سوری اس وقت میں نے تمہیں ڈسٹرپ کیا، ہاں، بھئی یہاں تو شام ہو رہی ہے ناں..... مجھے ابھی ٹائم ملا تو تمہیں فوراً فون کر ڈالا اور سناؤ، تمہارے فہام بھائی کیسے ہیں، مجھے بہت یاد آتے ہیں۔“ رشنا تیزی سے بات کرنے لگی تو ردا کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، وہ ہچکیاں بھرنے لگی اور موبائل آف کر دیا۔ رشنا پریشان ہو گئی۔ اس نے دوبارہ ردا کا نمبر ملایا مگر اس کا فون اب بند چارہا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر ماں کو فون کیا۔ وہ امریکا میں تھیں اور پاکستان واپسی کی تیاری کر رہی تھیں۔ وہ واپس پاکستان جا رہی تھی اس امید پر کہ تو قیرون تو واپس آ سکتا ہے مگر امریکا نہیں ان کے شوہر نے انہیں بہت سمجھایا مگر نجمہ بیٹی کی وجہ سے بہت پریشان تھیں۔

”رشنا..... تمہیں کیسے خبر ہو گئی کہ میں پاکستان جا رہی ہوں؟“ انہوں نے مسکرا کر بیٹی سے پوچھا۔

”کب.....؟ مگر میں نے تو یونہی فون کیا ہے..... میں ردا کے بارے میں بہت اب پیٹ ہو رہی ہوں۔“ رشنا نے پریشانی سے کہا۔

”کیوں..... سب ٹھیک تو ہے ناں، کیا ہوا اسے؟“ نجمہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

”معلوم نہیں، ابھی میں نے اسے فون کیا تھا تو وہ بات کم اور روز زیادہ رہی تھی۔ ممما آپ پاکستان جاتے ہی ردا کے گھر جائیں..... میرا دل اس کے لیے بہت پریشان ہو رہا ہے۔“ رشنا نے کافی فکر مندی سے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں پہلی فرصت میں ہی اس کی طرف جاؤں گی، تم فکر نہ کرو۔“ انہوں نے اسے تسلی دی۔



آئی کافی دیر ہو کر پوچھنے لگیں۔

”اس لیے کہ روخیل اس دن اگر مجھے گھر سے نہ نکالتا تو قہام بھائی گھر سے نہ جاتے اور نہ ہی ان کا مرڈر ہوتا۔“ رونا نے سسکی بھر کر جواب دیا۔

”کیا..... روخیل نے تمہیں.....؟“ انہوں نے انتہائی حیرت سے پوچھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... اب اس نے مجھے طلاق دے دی ہے۔“ رونا نے نجمہ کی بات کاٹ کر جواب دیا۔

”کیا..... طلاق پتا نجمہ انتہائی پریشانی سے بولی تھیں۔“

”ہاں..... ابھی ایک طلاق ہوئی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے کہا۔

”آف میرا تو بی بی ہانی ہونے لگا ہے۔“ نجمہ نے اپنے سر کو پکڑتے ہوئے کہا۔ ”رنا کو طلاق.....“

نہیں نہیں۔“ وہ سخت صدمے کی کیفیت سے دوچار تھیں۔ نجمہ بیگم نے گھر جا کر رشنا کو رونا کے قہام

حالات بتائے، وہ بھی شدید صدمے کی کیفیت میں آ گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً روخیل

سے بات کرے جس نے اس کی اتنی پیاری دوست کی یہ حالت کر دی تھی۔ رات بھر سوچنے کے بعد اس

نے ماں کو صبح سویرے ہی فون کیا اور انہیں روخیل کے گھر جانے کو کہا۔ رشنا کے بے حد اصرار پر ہی وہ

روخیل کے گھر گئیں۔

”میں رونا کی دوست رشنا کی مٹی ہوں انہوں نے مسکرا کر روخیل اور اس کی ماں سے اپنا

تعارف کرایا۔

”اوہ.....“ روخیل ایک دم چونک پڑا۔

”میں آپ دونوں سے کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔“ نجمہ نے جلدی سے کہا۔

”کیا آپ کو رونا اور اس کی فیملی نے یہاں بھیجا ہے؟“ روخیل نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”نہیں، ان لوگوں کو تو اس کی خبر بھی نہیں کہ

میرا کیا نہیں کر سکتے..... تم جانتے ہو اس سے خاندان بھر میں ہماری کتنی بدنامی ہوگی۔“ خدیجہ بیگم

نے ایک دم غصے سے بیٹے کو ڈانٹا۔

”آپ کی عزت سے زیادہ بھائی کی جان اہم ہے..... اور اب ان کی جان کو خطرہ ہے۔“ اس نے

غصے سے ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”حاتم..... کچھ شرم کرو، اپنی ماں کے بارے میں یہ کہہ رہے ہو۔“ وہ بلند آواز سے چلاتے ہوئے بولیں۔

”ہاں..... آپ کا یہ روپ دیکھ کر میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔“ اس نے غصے سے جواب دیا اور

شمیلہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے باہر لے گیا۔

☆☆☆

”آئی..... آپ.....؟“ رونا نجمہ آئی کو دیکھ کر چونکی تو نجمہ اسے اپنے ساتھ لگا کر پھوٹ پھوٹ کر

رونے لگیں..... رونا بھی سسکیاں بھرنے لگی۔

”میں کل ہی امریکا سے آئی ہوں، رشنا تمہارے بارے میں بہت پریشان ہو رہی تھی..... لیکن تمہیں

دیکھ کر لگ رہا ہے کہ اس کا پریشان ہونا بجا تھا..... اب تمہاری ممانے قہام کی ڈتھ کے بارے میں بتایا ہے تو

یقین نہیں آ رہا۔“ انہوں نے آہ بھر کر کہا۔

”بس اللہ کی طرف سے اس کا وقت آ گیا تھا۔“ خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر افسردگی سے جواب دیا۔

”مما! آپ یہ کیوں کہتیں کہ ان کی موت کی ڈتے دار میں ہوں۔“ وہ سسکی بھر کر بولی تو نجمہ

نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”بیٹا..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو..... قہام تو تم پر جان چھڑک رہا تھا۔“ انہوں نے حیرت سے اس کی

طرف دیکھ کر کہا۔

”اور میں کتنی منحوس ہوں جس نے اتنے پیار

کرنے والے بھائی کی جان لے لی۔ خدا مجھ جیسی

بہن کسی بھائی کو نہ دے۔“ رونا نے سسکی بھر کر کہا۔

”بیٹا..... ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو؟“ نجمہ

بے گناہ ہوں۔“ رونا نے شمیلہ کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”میں تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گی۔ تم میرے سامنے آتی ہو تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔“ اس نے غصے سے رونا کے ہاتھ جھٹکنے

ہوئے کہا تو اسی لمحے خدیجہ بیگم کچن میں آ گئیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ وہ کافی پریشانی سے پوچھنے لگیں۔

”ڈراما..... جو آپ دونوں کرنے میں ماہر ہیں۔“ شمیلہ نے نہایت غصے سے ہنسنے پھلا کر کہا۔

”بکو اس بند کرو اور جاؤ یہاں سے۔“ خدیجہ بیگم سر تاپا کاپ رہی تھیں۔

”حاتم..... حاتم باہر آؤ..... خدا کے لیے کوئی تو مجھے بچائے۔“ شمیلہ نے کچن میں ہی کھڑے ہو کر

بڑی بلند آواز میں کہا تو وہ دونوں پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

”کیوں..... جھوٹ بول رہی ہو..... کچھ تو خدا کا خوف کرو.....“ خدیجہ بیگم نے شمیلہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا

تو اسی لمحے حاتم اور عاصم اپنے کمروں سے باہر نکل آئے..... شمیلہ اور بلند آواز سے رونے لگی۔

”حاتم اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو..... خالہ جان مجھے کس طرح نارچہ کر رہی ہیں۔ یہ دونوں

مجھے چائے کا ایک کپ نہیں لینے دے رہیں، اب اس گھر پر میرا تاحق بھی نہیں رہا۔“ شمیلہ نے نہایت

چالاکی سے ان دونوں کی طرف دیکھ کر حاتم سے کہا۔

”مما..... آپ اتنی ظالم اور بے رحم بھی ہو سکتی ہیں۔ یقین نہیں آ رہا.....“ وہ ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔

”یہ..... یہ جھوٹ بول رہی ہے بیٹا۔“ ماں کی بات پر وہ غصے سے آگے بڑھا۔

”میرا خیال ہے اب شمیلہ بھائی کا یہاں رہنا مناسب نہیں..... عاصم چلو ہم دونوں انہیں ابھی خالہ

جان کی طرف چھوڑ کر آتے ہیں۔“

شدید درد ہو رہا تھا۔ رات بھر رونے سے اس کی آنکھیں سو جی ہوئی تھیں۔ وہ بہ مشکل اٹھی تو اس کے

سر میں ٹیسس اٹھنے لگیں۔ وہ سر کو اٹکیوں کی پوروں سے دھاتی ہوئی لادرنج میں آئی اور ادھر ادھر دیکھتے

ہوئے زریںہ کو آوازیں دیتے لگی مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ جیسی خود ہی کچن میں چلی گئی چولہا جلا کر

اس پر کھیل رکھی اور آگ کی طرف بخور دیکھنے لگی۔

اسے آگ میں اپنا عکس دکھائی دیا اور اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ بھی اسی آگ میں جل رہی ہو..... اس کا پورا وجود آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں

ہو۔ اسی لمحے شمیلہ قدرے بلند آواز میں بولتی ہوئی کچن کی طرف آئی۔ رونا کی پشت اس کی جانب تھی۔

”زریںہ مجھے ایک کپ چائے بنا کر دو۔“ اس نے کچن میں آ کر کہا تو رونا نے مڑ کر دیکھا۔

”میں چائے بنا رہی ہوں بھابی، آپ کے لیے بھی بنا دیتی ہوں۔“

”خبردار..... جو تم نے مجھ سے کوئی بات کی، میری زندگی کو برباد کر کے اب بھی تمہیں چھین نہیں

آ رہا۔ منحوس کہیں کی۔“ شمیلہ ایک دم غصے سے بولی تو رونا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”خدا کے لیے مجھے قہام بھائی کی موت کا ڈتے دار مت ٹھہرائیں۔ میں بھی اتنی ہی دہی ہوں جتنی کہ آپ.....“ اس نے روتے ہوئے کہا۔

”تمہارا تو ایک بھائی مرا ہے مگر دو تو تمہارے پاس ہیں، میرا تو سب کچھ قہام تھا۔“ وہ غصے اور غم کی

لی جلی کیفیت میں بولی۔

”میری محبت..... میری چاہت اور میرا ہم سفر..... دنیا کا کوئی دوسرا انسان قہام کی طرح نہیں

ہو سکتا ہے، اب بتاؤ کس کا زیادہ نقصان ہوا ہے، میرا یا تمہارا.....؟“ شمیلہ اس دم بہت بے چارگی کے

عالم میں پوچھ رہی تھی۔

”خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں..... میں



میں یہاں آئی ہوں، میں نے ردا اور اس کی ماما کو پریشان دیکھا تو پھر آپ سے ملنے کا ارادہ فیصلہ کیا۔“  
”آپ ہمارے معاملے میں انٹرفیر نہ کریں تو بہتر ہے۔“ روحیل نے جلدی سے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”بیٹا..... اگر بڑے نیک بنتی سے بچوں کے مسائل سلجھانے کی کوشش کریں تو ان کی بات ضرور سنی جائے۔“

”کوئی کسی کے لیے اچھا کرنے کی کوشش کرے تو اس کی عزت اور قدر کو کون چاہے۔ ہاں بہن فرمائیں۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“ اب کی دفعہ ماں جی نجمہ بیگم سے مخاطب تھیں۔

”آخر آپ لوگوں کا آپس میں کیا مسئلہ ہے؟“ نجمہ نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

”بے اعتباری اور بے یقینی کا..... جو عورت اپنے شوہر کے ساتھ فیر نہ ہو اور دوسروں کے ساتھ اس کے چکر ہوں تو کیا اس کے ساتھ زندگی گزاری جاسکتی ہے؟“ ان کی بات پر روحیل غصے سے بولا۔  
”نہیں، نہیں ردا ایسی نہیں ہو سکتی..... وہ تو بہت معصوم اور نیک لڑکی ہے۔“ نجمہ نے ایک دم گھبرا کر کہا۔

”آپ نے وہ محبت نامہ نہیں دیکھا ناں جو تو قیر نامی لڑکے نے ردا کو لکھا تھا۔“ روحیل نے غصے سے کہا۔

”ک..... گس نے؟“ نجمہ نے ایک دم انتہائی حیرت سے چلا کر کہا۔

”میں اسے نہیں جانتا..... مگر تو قیر نامی لڑکا اس سے محبت کرتا تھا اور اس نے ہی ردا کو وہ لوٹر لکھا تھا۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ وہ میرے سامنے آئے تو میں اسے گولی سے اڑا دوں مگر کم بخت آسٹر یلیا چلا گیا۔“ روحیل نے غصے سے کہا تو نجمہ ایک دم گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”آئی ایم سوری..... میرا پی پی ہائی ہو رہا ہے، میں پھر آؤں گی۔“ وہ جلدی سے بولیں اور وہاں سے چلی آئیں گھر آ کر انہوں نے ساری بات رشنا کو بتائی تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔

”ک..... کیا مطلب.....؟“ رشنا انتہائی حیرت سے بولیں۔

”تو قیر کا کوئی لوٹر جو اس نے ردا کو لکھا تھا اسی سے سارا فساد کھڑا ہوا ہے، روحیل اس کے اس انٹیر کو معاف کرنے کو تیار نہیں۔“

”اوہ..... تو قیر بھائی ایسا بھی کر سکتے ہیں، یقین نہیں آ رہا۔“

”اگر تو قیر..... ردا سے محبت کرتا تھا تو مجھے صرف ایک بار بتا تو دیتا..... میں خود اس کی ردا سے شادی کروا دیتی۔“ وہ نہایت افسردگی کے عالم میں کہہ رہی تھیں۔

”اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا..... اب یہ سوچیں کہ ردا کا گھر کیسے بچانا ہے ماما، اگر ہم کچھ نہیں کر سکتے تو ہم ردا کے مجرم ہوں گے۔“ رشنا پریشانی سے بولی۔

”کیا کروں..... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ نجمہ سخت پریشان تھیں۔

”اب آپ نہیں..... میں ہی کچھ کرتی ہوں۔“ رشنا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور موبائل آف کر دیا۔

☆☆☆

رشنا نے بہت سوچ سمجھ کر بھائی کو فون لگایا جو اس نے کافی دیر بعد اٹھایا۔

”کیا ہوا بھائی، کہاں تھے؟“ رشنا نے ایک دم پوچھا۔

”بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، لگتا ہے آسٹر یلیا کا موسم اور آب و ہوا شاید مجھے سوٹ نہیں کر رہے، ہر وقت ڈسٹرب رہتا ہوں۔“ تو قیر نے بیزاری سے کہا۔

”موسموں کے علاوہ اور بھی بہت سے

reasons ہیں جو انسان کو ڈسٹرب رکھتے ہیں۔“ رشنا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ تو قیر نے چونک کر پوچھا۔

”کیا آپ ردا سے محبت کرتے تھے اور اسے کوئی لوٹر بھی لکھا تھا؟“ رشنا نے بغیر کسی تمہید کے تو قیر سے پوچھا۔

”ک..... کیا مطلب.....؟“

”آپ کے اس لیٹر کی وجہ سے ردا اور روحیل کی میرڈ لائف ڈسٹرب ہو گئی ہے اور نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے۔“ رشنا نے گویا انکشاف کیا۔

”اوہ..... نو..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ تو قیر نے ایک دم گھبرا کر کہا۔

”اگر آپ نے اس سے محبت کی تھی تو پھر شادی بھی کر لیتے۔ خالی رومانس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ رشنا نے خفگی سے کہا۔

”ہاں..... میں نے اس سے سچی محبت کی ہے..... سمجھ کر ہرگز نہیں..... اور میں اس کے ساتھ میر لیس بھی تھا۔“ تو قیر نے اقرار کیا۔

”تو پھر آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟“ رشنا نے خفگی سے پوچھا۔

”اس نے میری محبت کو رد کر دیا تھا۔“ تو قیر نے صاف صاف بتایا۔

”کیوں.....؟“ رشنا نے چونک کر پوچھا۔

”اس کا دل میری محبت کو قبول نہیں کرتا تھا اور یہ بات مجھے اس نے خود صاف، صاف بتادی تھی۔“ تو قیر نے افسردگی سے کہا۔

”مگر کیوں بھائی.....؟“ رشنا نے جھنجھلا کر کہا۔

”معلوم نہیں..... مگر یہی حقیقت ہے۔“

”تو کیا وہ لیٹر آپ نے اس کے انکار سے پہلے لکھا تھا؟“ رشنا نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں بعد میں..... جب میں..... برتھ

کھیں دہپ طے کھیں دل

میں وہ لیٹر رکھ دیا تھا یہ سوچ کر کہ شاید اس کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ پیدا ہو جائے لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ میری اس لمحے کی خواہش اس کی زندگی پر یوں اثر انداز ہوگی۔“ تو قیر نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

”لیکن..... اب آپ کو کچھ ایسا کرنا چاہیے کہ ردا کا گھر ٹوٹنے سے بچ جائے۔“ رشنا نے گہری سانس لے کر کہا۔

”تم بتاؤ..... کیا کروں؟“ تو قیر نے چونک کر پوچھا۔

”آپ روحیل سے بات کریں اور اسے سمجھانے کی کوشش کریں۔ ماما بھی گئی تھیں مگر وہ شدید غلط فہمی کا شکار ہے۔ کچھ سننے کو تیار نہیں۔“ رشنا نے تفصیل سے بتایا۔

”تو پھر وہ میری بات کیسے سنے گا؟“

”کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر آپ یوں خاموش رہے اور ردا کو طلاق ہو گئی تو کیا آپ یہ برداشت کر سکیں گے؟“

”نہیں..... شاید یہ گلٹ میری جان لے لے گا۔“ تو قیر نے ہرجستہ کہا۔

”میں آپ کو روحیل بھائی کا نمبر سینڈ کرتی ہوں۔ پلیز آپ ان سے ایک مرتبہ ضرور بات کریں۔“ رشنا نے بے حد اصرار سے بھائی سے کہا اور تو قیر ٹھیک ہے کہہ کر رہ گیا۔

☆☆☆

کول، آڈر کے ساتھ رانا صاحب کے آفس میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ رانا صاحب آفس میں موجود نہیں تھے اور آڈر چہرے سے ہی بہت گھبرایا ہوا اور پریشان لگ رہا تھا۔ کول اس کے حلیے اور چہرے کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا..... آڈر یہ تم ہی ہو؟“

”میں بہت کراؤ سے گزر رہا ہوں کول۔“

”تمہارا حلیہ اور تمہارا چہرہ مجھے سب کچھ بتا رہا



نہیں آ رہا تھا وہ پھر موضوع بدل کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔۔۔۔۔ سارا راستہ پونجی کٹا جب وہ جواد کے ہاں پہنچے تو وہ ان دونوں کو اکٹھے دیکھ کر انتہائی حیران ہوا۔ وہ بار بار آزر اور کوئل کو باقاعدگی یقین انداز سے دیکھتا رہا۔

”آزر۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ تم کہاں رہے ہو اتنا عرصہ۔۔۔۔۔ پورے چار سال بعد ہم مل رہے ہیں، مجھ سے کوئی کانٹیکٹ بھی نہیں رکھا۔ مجھے تو یقین ہو گیا تھا کہ تم مجھے بھول گئے ہو۔“ جواد نے آزر سے شکوہ کیا۔

”میں نے کئی بار تمہیں فون کیا مگر تمہارا نمبر ہی آف ملتا تھا۔“ آزر نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ آئی سی۔۔۔۔۔ میرا وہ والا نمبر تو آف ہی رہتا ہے۔ دراصل موبائل کھو گیا تھا تو میں نے سم نکلوا کر نیا رجسٹریشن نہیں کیا۔ لیکن بارہم مجھ سے میرے گھر آ کر تو مل سکتے تھے جیسا کہ اب آئے ہو۔“

ارٹھجھٹ کر دیں۔۔۔۔۔ کوئل نے ایک دم کہا تو آزر نے چونک کر اسے دیکھا اور پوچھا کیا مگر خاموش رہا۔

”اوہ کے بیٹا۔۔۔۔۔ میں انکیسی میں ان کے رہنے کا بندوبست کروا دیتا ہوں۔“ رانا صاحب نے آزر کی طرف دیکھ کر کہا تو کوئل مسکرا دی۔

”تھیک ہو۔۔۔۔۔ نانا ابا۔۔۔۔۔ اب ہم چلتے ہیں چلو آزر۔۔۔۔۔“ کوئل نے آزر سے کہا تو وہ اس کے ہمراہ خاموشی سے چلا گیا اور رانا صاحب دونوں کو جانے ہوئے دیکھنے لگے۔

☆☆☆

آزر۔۔۔۔۔ سارا راستہ زیادہ تر خاموش رہا۔۔۔۔۔ کوئل جو بات پوچھتی تو وہ اس کا جواب دے دیتا۔ کوئل نے ٹوٹ کیا تھا وہ جب بھی یعنی کائنات کا ذکر کرتی تو آزر مضطرب ہو جاتا۔ خاص طور پر حسنہ کے نام پر اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگتے اور وہ اس سے نظریں چرانے لگتا۔۔۔۔۔ کوئل کو کچھ سمجھ میں

قد رے توقف کے بعد پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ کئی بار فون کیا مگر اس کا موبائل ہی آف ملتا ہے۔“ آزر نے جواب دیا۔

”کیا تم اس کا ایڈریس نہیں جانتے کہ اس کے گھر چلے جاتے؟“

”ایڈریس تو جانتا ہوں مگر گیا نہیں۔“ اس نے بے دلی سے جواب دیا۔

”اب تم کہاں رہ رہے ہو؟“ کوئل نے پھر پوچھا۔

”کوئی مستقل ٹھکانا نہیں۔“

”میں نانا ابا سے کہہ کر تمہارے رہنے کا بندوبست کرتی ہوں۔ چلو اٹھو ابھی چلتے ہیں۔“ کوئل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کہاں۔۔۔۔۔؟“ وہ حیرت زدہ تھا۔

”جواد سے ملنے۔۔۔۔۔“ کوئل نے مسکرا کر کہا۔

”ن۔۔۔۔۔ ن نہیں۔“ آزر نے گھبرا کر جواب دیا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو؟ کیا جواد سے بھی کوئی ناراضی چل رہی ہے؟“ کوئل نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔“ آزر نے جواب دیا۔

”تو پھر چلو۔۔۔۔۔ میرے ساتھ۔“ کوئل نے کہا تو آزر خاموش ہو گیا۔ اسی لمحے رانا صاحب آفس میں داخل ہوئے۔

”کیا آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں؟“ رانا صاحب نے کوئل کے ہاتھ میں گاڑی کی چابی دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نانا ابا۔۔۔۔۔ ہم دونوں اپنے ایک کلاس فیلو سے ملنے جا رہے ہیں۔“

”تھیک ہے بیٹا ضرور جاؤ۔۔۔۔۔ مگر رات کو ڈر پر ضرور آ جانا ورنہ تمہاری نانی اماں مجھ سے ناراض ہو جائیں گی۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”رائٹ گرینڈ یا۔۔۔۔۔ آزر بھی میرے ساتھ ہوگا۔۔۔۔۔ اور ہاں آزر کے stay کے لیے بھی کوئی

ہے لیکن یہ سب کیسے ہو گیا۔ تمہارا بیک گراؤ ڈیڑھ تو بہت اسٹریٹنگ تھا۔“ کوئل نے افسردگی سے پوچھا تو آزر نے ایک سرواہ بھر کر اس کی طرف دیکھا۔

”انسان کے ساتھ کیا کچھ ہو جاتا ہے، اسے خود بھی سمجھ نہیں آتی۔ میرے ساتھ بھی جو کچھ ہوا ہے مجھے نہ اس کی سمجھ آ رہی ہے اور نہ ہی یقین۔۔۔۔۔ آزر نے شکستہ لہجے میں کہا۔

”تمہارے پیرئس کہاں ہیں؟“

”دونوں کی ڈیٹھ ہو چکی ہے۔۔۔۔۔ اور میرا سب کچھ ختم ہو چکا ہے، یہاں جاب کے لیے آیا ہوں۔“ آزر نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

”اور تمہاری اسٹڈیز؟“

”وہ بھی incomplete رہ گئی۔“ اس نے مایوسی سے کہا۔

”اور یعنی۔۔۔۔۔ کہاں ہے۔۔۔۔۔ کیا اسے تمہارے حالات کے بارے میں کچھ پتا نہیں؟ یہ کیسے ممکن ہے، وہ تو تم سے بہت محبت کرتی تھی وہ تمہیں بھی اس پجوشن میں نہ رہنے دیتی۔“ کوئل اپنی ہی لے میں بولے چلی گئی۔ آزر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور سر ہٹا لیا۔

آزر۔۔۔۔۔ کیا بات ہے، کیا یعنی اور تم میں کوئی ناراضی چل رہی ہے؟“ کوئل نے تجسس لہجے میں پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔“ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

”یہ۔۔۔۔۔ کیسے ممکن ہے، وہ تو تمہاری وجہ سے ہم سے ناراض ہو جاتی تھی، تم سے کیسے ناراض ہو گئی؟“ کوئل نے نہایت حیرت سے پوچھا۔

”معلوم نہیں۔۔۔۔۔“ آزر یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

کوئل اس کی طرف بخور دیکھتی رہی اور آزر کے چہرے پر آنے والے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتی رہی، وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

”کیا جواد سے بات ہوتی ہے؟“ کوئل نے

### تکمیل خواہش

ادھوری زندگی۔۔۔۔۔ ادھوری خواہشات کے سبب خواہوں کی تعبیر بھی ادھوری رہ جاتی ہے۔۔۔۔۔ آخری صفحات پر نشور ہادی کی ایک دل پذیر تحریر

### خلیوں کی تباہی

سلطنت کی اعلیٰ خلیوں کی بااثریت اور باغیوں کی سازشوں کا حوصلہ۔۔۔۔۔ الیاس سیتا پوری کے قلم سے ابتدائی صفحات پر تاریخ کے رنگ

### مسافر

ناصر ملک کے قلم سے دلوں میں سوز چگاتی۔۔۔۔۔ رگوں میں لبو کی گردش تیز کرتی ایک سنسنی خیز داستان

### کشکول

رفتہ رفتہ کیفر کردار تک پہنچنے والے محاشرتی تاسوروں کی شرانگیزیوں۔۔۔۔۔ انوار صدیقی کے خیالات کی پرواز

### انکشاف

میکتے جذبوں۔۔۔۔۔ مدھرتالوں پر دھڑکتے دلوں کا فسانہ ہر دل عزیز قندکار

### طاہر جاوید مغل کا دلکش انداز

ستمبر 2013ء کا شمارہ

ماہنامہ اشکون کا شمارہ



ماہنامہ اشکون کا شمارہ

ماہنامہ اشکون کا شمارہ

ماہنامہ اشکون کا شمارہ

ماہنامہ اشکون کا شمارہ



اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ اور اب عرصہ دراز سے وہ شہر بھی نہیں گئی تھی۔ ایمن اسے بہت زیادہ مس کرتیں اور جمال صاحب سے ہر وقت شکوے شکایت کرتی رہتیں۔ رفتہ رفتہ وہ خود بھی نفسیاتی طور پر شدید باؤ کا شکار رہنے لگی تھیں۔ ایک طرف انہیں یمنی کے حلے کی فکر رہتی اور دوسری طرف اس کی شادی کے بارے میں سوچ، سوچ کر پریشان رہتیں۔

کافی دنوں کی کوشش کے بعد جواد کو جمال صاحب کا کانٹیکٹ نمبر ملا تو اس نے ان سے فون کر کے ملاقات کا نام لیا اور وہ فوراً ہی کول کو بھی انعام کر دیا۔ کول یہ جان کر بہت خوش ہوئی۔

”کیا تم آزر کو بھی ساتھ لاؤ گی؟“ جواد نے پوچھا۔ ”نہیں..... ابھی فی الحال میں اسے کچھ نہیں بتانا چاہتی..... پہلے میں یمنی سے مل کر ناراضی کی وجہ جانتا چاہتی ہوں پھر آزر کو بتاؤں گی۔“ کول نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے تم کل شام پانچ بجے میرے شوروم میں آ جانا تو پھر یمنی کی طرف چلیں گے۔“ جواد اسے اپنے شوروم کا ایڈریس بتاتے لگا۔

☆☆☆

جمال صاحب مہمانوں کی آمد کے منتظر تھے اور بار بار اپنی گھڑی کو دیکھ رہے تھے..... انہوں نے ایمن کو خصوصی طور پر چائے اور لوازمات تیار کرنے کو کہا تھا۔ ایمن بار بار ان سے مہمانوں کے بارے میں پوچھ رہی تھیں مگر وہ ہر بار خاموش ہو جاتے..... کول اور جواد جب ان کے گھر پہنچے تو جمال صاحب نے ان کا پرتیاک استقبال کیا۔ کول نے جینز کے ساتھ اسٹائلش کمرتہ پہن رکھا تھا اور انتہائی باڈرن گیٹ اپ میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی اور جواد بھی پیٹ کوٹ میں ملبوس بہت ڈیسٹ لگ رہا تھا۔ جمال صاحب نے جب ایمن کو ان سے ملوایا تو ایمن کے چہرے کے تاثرات ایک

”ہاں..... اور شاید وہ چیمبر میں کسی آؤٹ اسٹینڈنگ پوسٹ پر بھی تھے۔“  
”ہاں..... مجھے ان کے بارے میں انفارمیشن لینے دوپھر میں تمہیں کال کر کے بتاؤں گا۔“  
”اوکے..... میں اب چلتی ہوں۔“ کول نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کول..... تم نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں..... اتنا عرصہ کہاں رہی ہو، اچانک تم غائب ہو گئیں اور اب اچانک تم آئی ہو تو تمہیں یمنی کی فکر زیادہ لگی ہے۔“ جواد نے مسکرا کر پوچھا۔

”ڈیڈی کی پوسٹنگ پشاور ہوئی تھی تو میں پشاور چلی گئی..... اس کے بعد ڈیپوشیشن پر وہ یو کے چلے گئے، وہاں سے میں نے ایم بی اے کیا اور ابھی recently ہم پاکستان واپس آئے ہیں۔ ڈیڈی اور می لاہور میں ہیں اور میں نانا ابو سے ملنے یہاں آئی تھی۔ ان کی فیکٹری میں ان کے ساتھ کام کر کے کچھ بزنس experience کرنا چاہتی ہوں۔“  
کول نے اسے بتایا۔

”اس کا مطلب ہے، تم ابھی یہیں رہو گی؟“  
جواد نے پوچھا۔

”لیکن تم یمنی کا نمبر جلدی تلاش کرنے کی کوشش کرنا.....“ کول نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔

☆☆☆

یمنی کے مدد سے کام کافی جلدی مکمل ہو چکا تھا اور اس کی اپنی تعلیم بھی تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اب اس نے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ گاؤں کی بچیوں کو ملٹی قرآن پاک پڑھانا شروع کر دیا تھا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ معروف ہو گئی تھی۔ جمال احمد اور ایمن گاہے بہ گاہے اسے ملنے گاؤں آتے تھے مگر وہ خود بہت کم شہر جاتی تھی..... کسی عید تہوار پر اماں جی کے ساتھ جاتی اور پھر جلدی واپس آ جاتی..... اب وہاں

سر جھکا لیا۔

”جواد..... میں کچھ نہیں جانتی تم یمنی کو سڈر کرو..... میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ حسنہ کی ڈچہ کا سن کر مجھے بہت شاک لگا ہے، مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ حسنہ بھی اچھی اور نیک لڑکی کا کوئی مرڈر بھی کر سکتا ہے یا وہ خود کشی کر سکتی ہے اس امپا بل“  
کول نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے پرنم لہجے میں کہا تو آزر کے اندر احساس جرم بڑھنے لگا..... وہ ایک دم پریشان ہو کر اٹھا۔

”مجھے کچھ کام ہے، کول تم یہیں جواد کے پاس بیٹھو..... مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔“ آزر کہہ کر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں اسے حیرت سے دیکھتے رہ گئے۔

”یار..... اسے کیا ہو گیا ہے..... آزر تو بالکل ہی بدل چکا ہے۔“ جواد نے حیرت سے کول سے کہا۔  
”ہاں..... اس کے حالات بھی بہت بدل چکے ہیں اور خیالات بھی..... آئی ایم شیور..... یمنی اور اس میں کوئی جھگڑا ہوا ہے، جس کے بارے میں یہ ہمیں نہیں بتانا چاہتا۔ جواد کیوں نہ ہم ان دونوں کی صلح کرا دیں۔ دو محبت کرنے والوں کے درمیان اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہو جائے تو اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“ کول نے سادگی سے کہا تو جواد بھی اثبات میں سر ہلانے لگا۔

”ہاں..... مگر اس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر بھی تو ہو۔“  
”اس کے والد اس شہر کے بہت بڑے بزنس مین ہیں، تم ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو، یوں کرتے ہیں ہم دونوں اس کے گھر چلتے ہیں اور اس کے پیرنٹس سے اس کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“ کول نے رائے دی۔

”ٹھیک ہے..... میں یمنی کے والد کے بارے میں انفارمیشن لینے کی کوشش کرتا ہوں، میرا خیال ہے ان کا نام جمال احمد تھا۔“ جواد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اسے تو میں یہاں لائی ہوں۔“ کول نے کہا۔  
”لیکن تم اور کول یہاں کیسے..... تمہارے ساتھ تو یمنی کو ہونا چاہیے تھا؟“ جواد نے مسکرا کر آزر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم بوکھا گیا۔  
”ویسے جواد، یمنی کہاں ہے؟“ کول نے ایک دم پوچھا۔

”میرا خیال ہے یہ تم آزر سے پوچھو تو زیادہ بہتر جواب دے سکتا ہے۔“ جواد نے مسکرا کر کول سے کہا۔

”میرا کئی سالوں سے اس سے کوئی رابطہ نہیں۔“ آزر نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔  
”کیا کہا..... کئی سالوں سے تمہارا کوئی رابطہ نہیں..... تم اور یمنی تو ایک دوسرے کے بغیر ایک منٹ نہیں رہتے تھے اور اب کئی سالوں سے اس امیزنگ یار..... جب تم یو کے گئے تھے تب یمنی کا فون ایک دو بار آیا تھا..... تب وہ تم سے کچھ خفا تھا لگتی تھی..... پھر اس کے بعد میں نے ایک دو بار اس کا نمبر ثرائی کیا مگر وہ آف ملا تھا۔“ جواد نے اسے بتایا۔  
”تو تم حسنہ سے اس کے بارے میں پوچھ لیتے؟“ کول نے کہا۔

”اس بے چاری کے ساتھ تو کوئی مس ہیپ ہو گیا تھا۔ سننے میں آیا کہ کسی نے اس کا مرڈر کر دیا تھا یا پھر اس نے خود کشی کر لی تھی۔ مختلف افواہیں تھیں۔“  
جواد نے کول کے سامنے حیرت انگیز انکشاف کیا۔

”کیا..... کیا حسنہ کی ڈچہ ہو چکی ہے؟“ کول نے انتہائی حیرت سے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... شاید پھر ایگزاحز کے بعد میں بھی آؤٹ آف کنٹری چلا گیا اور ابھی ایک سال پہلے یہاں آ کر میں نے اپنا گاڑیوں کا شوروم کھولا ہے۔ میں بزنس کو اسٹیبلائش کرنے میں اتنا بڑی رہا کہ کسی سے رابطہ ہی نہیں کر سکا۔“ جواد نے تفصیلاً بتایا تو آزر کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے اور اس نے



دم مایوسی میں بدلنے لگے اور ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں اور ایسا ہمیشہ ہی ہوتا تھا۔ جب بھی یمنی کے کوئی فرینڈز اس سے ملنے آتے تو ایمن کو شدید ڈپریشن ہونے لگتا۔ انہیں ماڈرن گیٹ اپ میں دیکھ کر ان کے اندر مایوسی بڑھنے لگتی اور انہیں اپنی بیٹی پر افسوس سا ہونے لگتا۔ اسی لیے جمال صاحب نے انہیں کوئل اور جواد کی آمد کے بارے میں نہیں بتایا تھا کہ وہ وقت سے پہلے انہیں ڈپریشن نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ بار بار کوئل کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

”انگل..... یمنی کہاں ہے، ہم تو اس سے ملنے آئے ہیں؟“ کوئل نے مسکرا کر ان سے پوچھا۔  
”بیٹا وہ تو گاؤں میں رہتی ہے اپنی گریڈ مدر کے ساتھ۔“ جمال صاحب نے جواب دیا تو ایمن کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔  
”کیوں..... کیا وہ وہاں کوئی سوشل ورک کر رہی ہے؟“ جواد نے مسکرا کر پوچھا۔  
”ہاں، یونہی سمجھو.....“ جمال صاحب نے مسکرا کر کہا۔

”واہ، یہ تو بہت اچھا ہے۔“ کوئل نے تعریفی انداز میں کہا۔  
”کوئی سوشل ورک نہیں..... وہ تو وہاں ملاتی بنی بیٹھی ہے، بچوں کو قرآن پاک پڑھاتی ہے۔“ ایمن نے خفگی سے منہ بنا کر کہا۔

”کیا..... یمنی اور قرآن پاک.....“ کوئل نے انتہائی حیرت سے کہا۔  
”ہاں..... واقعی..... یہ تو بہت ہی عجیب سی بات ہے۔ یمنی جیسی ماڈرن لڑکی اور قرآن پاک کی تعلیم.....؟“ جواد نے انتہائی حیرت سے کہا۔

”بیٹا اس میں حیرانی کی کیا بات ہے..... کیا ماڈرن لوگ مسلمان نہیں ہوتے۔ کیا وہ قرآن نہیں پڑھتے؟“ جمال صاحب نے تہایت سنجیدگی سے

پوچھا تو جواد شرمندہ ہو گیا۔

”نہیں انگل..... میں تو یونہی بات کر رہا تھا۔ ایک یونہی یمنی بہت مختلف لڑکی تھی..... آئی یمن..... religion کے بارے میں وہ اتنی strict نہیں تھی کہ ہم اس سے یہ توقع کرتے..... البتہ حمنہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا تھا۔“ جواد نے جلدی سے کہا تو جمال صاحب ایک دم خاموش ہو گئے۔  
”انگل ہم یمنی سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ پلیز ہمیں اس کا کانٹیلٹ نمبر دے دیں۔“ کوئل نے بے حد اصرار سے کہا۔

”اوکے بیٹا۔“ جمال صاحب نے ایک کارڈ پر ایڈریس اور فون نمبر لکھ کر اس کی طرف بڑھایا۔  
”کیا تمہاری شادی ہو گئی ہے؟“ ایمن نے ایک دم کوئل سے پوچھا تو جمال صاحب نے چونک کر بیوی کی طرف خفگی سے دیکھا۔

”نہیں..... اتنی ابھی تو میری اسٹیڈیز کمپلیٹ ہوئی ہیں اور میں اپنا بزنس اسٹیمبلش کرتے جا رہی ہوں۔ اس کے بعد شادی کے بارے میں کچھ سوچوں گی۔“ کوئل نے جواب دیا تو ایمن نے گہری سانس لی۔

”بیٹا..... بہت اچھا سوچا ہے، ہر ایک کو پہلے اپنا کیریئر اسٹیمبلش کرنا چاہیے پھر اپنی لائف.....“ جمال صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو ایمن نے ایک ننگ ان کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔  
”اوکے آئی، اب ہم چلتے ہیں۔“ کوئل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں بیٹا..... آپ چائے پیے بغیر کیسے جاسکتی ہیں۔ آپ میری بیٹی یمنی کے فرینڈز ہیں اور پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں، چائے تو ضرور ہوگی۔“ ایمن نے مسکرا کر پُر اصرار لہجے میں کہا تو سب مسکراتے لگے۔ ایمن چائے کا اہتمام کرنے چلی گئیں۔

☆☆☆

کھیں دسب طے کھیں دل

میں زیر و تھا۔ بعض اوقات باتیں کرتے ہوئے اس کا ذہن کہیں اور ہوتا اور وہ بات کچھ اور کر رہا ہوتا پوری فیکٹری میں اس کے بارے میں چہ گوئیاں ہو رہی تھیں کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ نہ جانے اس کے چہرے کو کیا ہو گیا تھا۔ ہر کوئی دیکھنے والا نفرت سے منہ پھیر لیتا..... اور اس سے گراہیت محسوس کرتا۔ اندر کے حالات اور باہر کے واقعات نے اسے اتنا توڑ کر رکھ دیا تھا کہ وہ اپنا کرب کسی کو نہیں بتا سکتا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گیلی لکڑی کے مانند سلگتا رہتا..... اور اس سے اٹھنے والے دھوئیں سے ہر وقت اس کی آنکھیں نم رہتیں..... عجیب سا درد اور کسک تھی جو اسے مضطرب کر رکھنے کے ساتھ ساتھ کچھ کے بھی لگاتی رہتی تھی۔ کوئل اس کے آفس میں آئی تو وہ کمپیوٹر پر کام کرنے میں مصروف تھا۔

”ہیلو..... کیسے ہو؟“ کوئل نے مسکرا کر پوچھا۔  
”معلوم نہیں.....“ اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

”کیا جاب میں دل لگ گیا.....؟“ کوئل نے پوچھا۔  
”نہیں۔“ اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔  
”شروع، شروع، شروع میں ہر جاب میں پرائیم آتی ہیں پھر سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔“ کوئل نے اسے encourage کرتے ہوئے کہا۔

”شاید.....“ وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔  
”کیوں..... آپ سیٹ ہو..... کیا کبھی بہت یاد آتی ہے؟“ کوئل نے جان بوجھ کر اس کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا۔

”stop it please ہر وقت یمنی..... یمنی تم مجھے ہر بار اس کے بارے میں یاد دلا کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ I hate her“ وہ انتہائی غصے سے چلایا کہ کوئل ہٹاؤ اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

کوئل رات بھر مضطرب رہی اور آذر کے

آذر انکی میں شفٹ ہو چکا تھا گو کہ اس نے بہت جیلے یہاں بنائے تھے لیکن کوئل کے اصرار پر رانا صاحب نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے انکی میں شفٹ کر دیا تھا۔ وہاں ہر طرح کا سکون تھا مگر آذر وہاں شفٹ ہو کر آذر زیادہ مضطرب ہو گیا..... اٹھتے بیٹھتے اسے حمنہ کی چیخیں اور یمنی کی سرگوشیاں سنائی دیتی تھیں اور پھر وہ خوفزدہ ہو کر دروازہ کو دیکھتا ہوا کمرے سے باہر چلا جاتا..... اور یہی اس کے ساتھ مسلسل ہو رہا تھا۔ نہ سونے کے باعث دن بھر اس کی طبیعت بوجھل رہتی..... اور مزاج میں..... چرچہ اپن پیدا ہونے لگا تھا۔ رانا صاحب نے اسے جاب بھی کوئی سخت قسم کی نہیں دلوائی تھی..... لیکن پھر بھی اسے جاب کرنے کا کوئی سلیقہ نہیں آ رہا تھا۔ رانا صاحب کے فیصلے نے ان سے شکایت کی تو وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور سوچ میں پڑ گئے۔

”آپ ایسا کریں کہ انہیں ریسیپشن کی جاب دے دیں جب ان کی لوگوں سے کمیونیکیشن بہتر ہو جائے گی تو پھر میں انہیں کوئی اور جاب دے دوں گا۔“ رانا صاحب نے قدرے توقف کے بعد کہا تھا۔  
ریسیپشن کی جاب آذر کے لیے ہلکے آئیز تھی کچھ نہ ہونے کے باوجود بھی اس کی اکثر ختم نہ ہوتی تو رانا صاحب نے کوئل کے اصرار پر اسے اکاؤنٹس میں ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ اسے اس جاب کا بھی کچھ زیادہ تجربہ نہیں تھا مگر اسے ایک سینئر اکاؤنٹس کے ساتھ ایڈجسٹ کیا گیا تھا۔ وہ اپنے اوپر ان نوازشات کی وجہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے جو کچھ بھی مل رہا تھا وہ کوئل کی وجہ سے تھا مگر اس کا مسئلہ جاب سے زیادہ گمبیر تھا۔ جس شخص کے اندر ہر وقت اضطراب سا رہتا ہو اور احساس گناہ کی وجہ سے شدید ڈپریشن رہتا ہو تو وہ کس طرح مطمئن ہو کر جاب کر سکتا ہے۔ یہی آذر کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔ وہ ایک اچھا اور ذہین اسٹوڈنٹ رہا تھا مگر اب وہ ہر کام



بارے میں سوچتی رہی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آذر اور یحییٰ میں کیا چل رہا تھا۔ آذر اس کا ذکر سن کر اس قدر ہانپا ہوا جیسے گاس کے لیے یہ بہت حیران کن تھا۔ کاج کے زمانے میں آذر ایک شائنگ اسٹار سمجھا جاتا تھا، اس کی بات چیت، چلنے پھرنے اور ڈریسنگ میں ایک ادا ہوتی تھی۔ لڑکیاں اس پر مرقی تھیں اور وہ خود بھی آذر سے بہت متاثر تھی مگر آذر تو صرف یحییٰ پر مرتا تھا اور اب ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ یحییٰ کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس نے اگلے روز اٹھتے ہی جواد کو فون کیا۔

”جواد..... کیوں ناں آج یحییٰ سے ملنے چلیں؟“ کوئل نے پوچھا۔  
”نہیں..... یاد مجھے ایک آرجنٹ ڈیل کے سلسلے میں اسلام آباد جانا پڑ رہا ہے، چار پانچ روز کے بعد آؤں گا تو پھر چلیں گے۔“ جواد نے کہا۔  
”نہیں، مجھے آج ہی اس سے ملنا ہے۔“ کوئل نے کہا۔

”کیا تم چار پانچ روز نہیں رگ سکتیں؟“ جواد نے پوچھا۔  
”نہیں۔“ کوئل نے ٹھوس لہجے میں کہا۔  
”ایسی بھی کیا ایمر جنسی ہے؟“ جواد نے حیرت سے پوچھا۔

”بس ہے ناں..... میں آج اس سے ملنے جا رہی ہوں اور جب تم فارغ ہو جاؤ تو پھر تم چلے جانا۔“ کوئل نے کہہ کر فون بند کر دیا اور جواد حیرت سے سوچتا رہ گیا۔

☆☆☆

ظہر کی اذان ہو چکی تھی کچھ بچیاں حویلی کے صحن میں رکھے بڑے سے تخت پر بیٹھی قرآن پاک پڑھنے میں مصروف تھیں۔ مدرسے کی تعمیر ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے یحییٰ نے انہیں حویلی میں ہی پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ یحییٰ نماز پڑھ کر کمرے سے باہر آئی تو ملازمہ بلیس نے اسے کسی مہمان کی آمد کی اطلاع دی۔

”کون ہے؟“ یحییٰ نے حیرت سے پوچھا۔  
”نام نہیں بتایا..... مگر جیسے سے وہ شہر کی گلی میں..... بلیس نے اسے بتایا۔

”اچھا، انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ میں آتی ہوں۔“ کوئل ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھی حیرت سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔ انتہائی وسیع کمرے، قدیم طرز کا قیمتی فرنیچر اور قالین بچھا تھا۔ کمرے کے آرائش گو کہ پرانی تھی مگر ہر شے میں حسن اور لطافت تھی۔ کوئل بہت متاثر کن انداز میں پینٹنگ اور ڈیکوریشن پیمز دیکھ رہی تھی جیسی یحییٰ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

”ک..... ک..... کوئل..... تم؟“ یحییٰ اپنی حیرت سے چلا تے ہوئے بولی۔ کوئل نے اس کی طرف دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی..... کیا وہ واقعی یحییٰ تھی..... وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔ کاشن کے ہلکے فیروزہ سونے کے اوپر اس نے سفید بڑی سی چادر سر سے پاؤں تک لے رکھی تھی۔ وہ اس یحییٰ سے بالکل مختلف لگ رہی تھی جسے کوئل جانتی تھی۔ اس نے تو اسے ہمیشہ جینز، سیلوئس شرٹس، میں دیکھا تھا اور وہ پتا تو اس نے بھی اور حاسی نہیں تھا اور اب یحییٰ جس حلے میں کھڑی تھی اسے دیکھ کر کوئل حیران بھی ہو گئی تھی اور پریشان بھی۔  
”تم..... یحییٰ؟“ کوئل بہ مشکل بولی۔

”ہاں..... تم کیسی ہو؟“ یحییٰ بہ مشکل اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

”ہاں..... یقیناً تمہیں حیرت ہو رہی ہوگی۔“ کوئل نے کہا۔

”حیرت ہو بھی رہی ہے اور نہیں بھی۔“ یحییٰ نے جواب دیا۔

”حیرت کیوں نہیں ہو رہی؟“ کوئل نے پوچھا۔

”اس لیے کہ زندگی میں سب کچھ ممکن ہے یہ تو ہے ہی ناممکنات کا سفر۔“ یحییٰ نے کہا تو کوئل نے پھر

چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی بہت زیادہ بدل چکی تھی۔  
”کیسے آتا ہوا؟“ یحییٰ نے اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”یونہی.....“ کوئل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کس طرح بات شروع کرے..... وہ شش و پنج میں مبتلا اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی۔ یحییٰ کو احساس تو تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت آئی ہے مگر کچھ کہہ نہیں پا رہی۔

”کھانا کھاؤ گی.....؟“ یحییٰ نے پوچھا۔  
”نہیں.....“ کوئل نے جواب دیا۔

”یہ کیسے ممکن ہے..... کھانے کا ٹائم ہو اور تمہیں بھوک نہیں۔“ یحییٰ نے قدرے مسکرا کر کہا تو کوئل خاموش ہو گئی۔ یحییٰ باہر چلی گئی اور کوئل حیرتوں کے جزیرے میں ڈوب گئی۔ یحییٰ کو دیکھ کر وہ شدید حیران تھی۔

”کیا یہ یحییٰ، آذر کے قابل ہے، لگتا ہے آذر نے اسے اس حلے میں نہیں دیکھا ماؤرن حلے میں تو وہ پھر بھی قابل قبول تھی اور اب تو عام دیہاتی عورت سے بھی کمتر عسوس ہوتی ہے اور آذر پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت اور اسٹارٹ ہو گیا ہے۔ اس یحییٰ کو دیکھ کر کیا اس کا فیصلہ پہلے والا ہی ہوگا۔ کیا وہ اس سے ویسی ہی محبت کر پائے گا جو اس سے کرتا تھا۔“ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ یحییٰ واپس آ گئی۔

”آؤ پہلے کھانا کھاتے ہیں۔“ یحییٰ اسے لے کر حویلی کے اندر چلی گئی۔ نیپل پر دو تین سالن کے ڈوسٹے، چاول، روٹیاں اور سلاد رکھا تھا۔

”اماں جی..... یہ میری کالج کی دوست ہے کوئل مانا..... مجھ سے ملنے آئی ہے۔“ یحییٰ نے کوئل کا تعارف کرایا۔

”ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، بسم اللہ بیٹی..... ہمیں تو خوشی ہوتی ہے جب ہماری بیٹی کا کوئی مہمان اس سے

کھس دسب چلے کھس دل

ملنے آتا ہے، ہمارے سر آنکھوں پر۔“ اماں جی نے کوئل کو محبت سے اپنے ساتھ لگایا اور اس کا ماتھا چوما۔  
”آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔“ کوئل نے محبت سے کہا۔

”آؤ بیٹی کھانا کھا لو۔ بلیس پہلے بیٹی کے ہاتھ دھلاؤ۔“ اماں جی نے ملازمہ کو آواز دے کر بلایا۔

کھانے کے دوران اماں جی کوئل سے اس کے اور اس کے گھر والوں کے بارے میں تفصیلات جانتی رہیں۔ کوئل کو بھی ان سے گفتگو کرنا اچھا لگا۔ اس دوران اس نے یحییٰ سے بہت کم باتیں کیں، کھانے سے فارغ ہو کر یحییٰ کوئل کو اپنے کمرے میں لے آئی۔

”اب آرام سے باتیں کرتے ہیں۔“ یحییٰ نے اس سے کہا۔

”ہاں۔“ کوئل نے آہستہ سے جواب دیا۔  
”تم کچھ پریشان لگ رہی ہو، کیا بات ہے، کیسے آتا ہوا؟“ یحییٰ نے اسے اضطرابی کیفیت میں ڈوبا دیکھ کر دریافت کیا۔

”حسنہ کی ڈیٹھ کا سن کر مجھے بہت شاک لگا، میں انگلینڈ میں تھی تین سال بعد اب واپس آئی۔ اب دل چاہا کہ تم سے ملاقات کی جائے۔“ کوئل نے گول مول انداز میں بات کی۔

”آئی سی..... حسنہ کی ڈیٹھ کا سب سے زیادہ شاک مجھے لگا۔ شاید اس کے گھر والے بھی اتنے ڈسٹرب نہیں ہوئے ہوں گے جتنا کہ میں ہوئی..... وہ میرے.....“ یحییٰ کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اگلے ہی لمحے وہ مسکایاں بھرنے لگی۔

”تم..... نے واقعی اس کی ڈیٹھ کا اب تک بہت اثر لے رکھا ہے، حسنہ بھی ہی ایسی..... بہت اچھی..... بہت محبت کرنے والی۔“ کوئل افسردہ ہو کر بولی۔

”ہاں.....“ یحییٰ نے سر د آہ بھر کر کہا۔  
”یحییٰ ایک بات پوچھوں.....؟“ کوئل نے

سنا

سنا

سنا

سنا



”نہیں یعنی..... وہ تم سے اور صرف تم سے محبت

کرتا ہے دیکھیں نہ تو بے وقوف ہوں اور نہ ہی اچھوڑ کر محبت اور اس کی حقیقت کو نہ سمجھ پاؤں۔ جب کسی کے ذکر پر آنکھیں چمکتی ہیں تو اس کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے اور جب کسی کے غم میں آنکھیں چمکتی ہیں تو ان کے پیچھے چھپا درد اور ہوتا ہے اور جب کسی اضطراب اور بچھتاؤں میں آنکھیں دکھی ہوتی ہیں تو اس دکھ کے رنگ کی حقیقت بھی اور ہوتی ہے۔ اس لیے مجھ سے یہ بحث مت کرو کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتا..... میں تم سے شرط لگانے کو تیار ہوں کہ وہ آج بھی تم سے بے انتہا محبت کرتا ہے اگر تم اس کی محبت کو جھٹلاتی ہو تو یہ تمہاری خام خیالی ہے اور اس وقت تمہاری آنکھوں میں یقین اور بے یقینی کا رنگ نمایاں ہے۔ تم شک میں مبتلا ہو کہ وہ تم سے محبت نہیں کر سکتا۔“ کوئل نے منطقی انداز میں کہا تو یعنی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی اور خاموش ہو گئی۔

”اب میں چلتی ہوں مگر تم سے رابطے میں رہوں گی..... لیکن پلیز تم آزر کے بارے میں پازینڈ ہو کر سوچو۔ میں نہیں جانتی کہ تم دونوں میں کس بات پر ناراضی ہوئی ہے مگر صرف اتنا کہوں گی کہ تم خوش قسمت ہو جسے آزر بہت چاہتا ہے۔ اپنی خوش قسمتی کو بچھتاؤں میں نہ بدلنا ورنہ ساری زندگی مضطرب رہو گی۔“ کوئل نے اسے کہا اور اس کا جواب سنے بغیر باہر نکل آئی۔ یعنی پر حیرتوں کے چراؤں ٹوٹ پڑے تھے۔

”آزر کیسے مجھ سے محبت کر سکتا ہے، کوئل کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے، اُف خدایا! یہ کیسا انکشاف ہے جسے میں نے کبھی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہا تھا جس کے ملنے کی آرزو میں کتنا بڑی تھی۔ اس کے لیے کیسے کیسے مضطرب رہی تھی۔ اس سے ملنے کے لیے کتنی دعا گورتی تھی۔ کیا وہ اب میرے لیے

کے دل میں سوالات کی بھرمار ہونے لگی۔

”وہ کیسے مجھ سے محبت کر سکتا ہے جبکہ اس نے خود اس بات سے انکار کیا تھا اور اس کا ذکر کس قدر تحقیرانہ انداز میں کیا تھا۔ اس کے کیا کیا نام ڈالے تھے..... اور اب وہی شخص مجھ سے محبت کرے گا اور وہ بھی دیوانگی کی حد تک..... کوئل کو دھوکا ہوا ہے، یہ اس بات کی حقیقت نہیں جانتی..... کہ وہ کیوں مضطرب ہے۔ اس نے اسے نہیں بتایا اور وہ اپنی زبان سے کیسے اسے اپنی حقیقت بتاتا۔ کوئل نے سب کچھ خود ہی assume کیا ہے یہ اس کے فریب میں آ گئی ہے، وہ بہت شاطر ہے۔ آزر نے اسے اپنی باتوں کے جال میں پھنسایا ہے اور کوئل سیدھی ساوی لڑکی ہے جو اس مکار انسان کے دھوکے میں آ گئی ہے مگر میں اس کے فریب میں نہیں آؤں گی۔“ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

”تم اس سے کہاں ملیں؟“ یعنی نے ایک دم پوچھا۔ ”وہ نانا ابو کے پاس ملازمت کرتا ہے، اس کا سب کچھ ختم ہو چکا ہے اور تم سوچ بھی نہیں سکتیں وہ کہاں رہتا رہا ہے۔ کبھی بستی کے ایک گندے سے کمرے میں خستہ حال چار پائی پر سوتا تھا، اب وہ فیکٹری کے ساتھ ایکسی میں شفٹ ہوا ہے۔“ کوئل نے اسے بتایا۔

”کیا تم نے اسے یہ بتایا کہ تم یہاں مجھ سے ملنے آ رہی ہو؟“ یعنی نے پوچھا۔

”نہیں، وہ بالکل نہیں جانتا اور شاید وہ مجھ سے خفا بھی ہو جائے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ میں ادھر آئی تھی..... میں تین چار روز قبل اس کے ساتھ جواد کے پاس گئی تو جواد نے تمہارا ذکر کیا اور اسی سے تمہارا ایڈریس لیا۔“ کوئل نے صاف کوئی سے اسے بتایا۔

”کوئل..... میرا اور اس کا ملاپ ناممکن ہے اور جسے تم محبت سمجھ رہی ہو اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔“ یعنی نے اسے ٹالنے کے انداز میں سمجھایا۔

مگر کھنکھن بدگمانیوں کی وجہ سے کسی محبت کرنے والے کی انتہائی چاہت اور جذباتیت کو جھٹلاتا بہت ناراض ہوتی ہے۔ وہ بہت اذیت اور تکلیف میں ہے۔ پلڑے اس کی اذیت کم کرو۔“ کوئل نے بہت جذباتی انداز میں کہا۔

”کیا حمنہ کو بھول جاؤں.....؟“ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

”حمنہ کا آزر سے کیا تعلق؟“ کوئل نے حیرت سے پوچھا تو یعنی ایک دم سنبھل گئی جیسے اسے بھی کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس نے لاشعوری طور پر جو کچھ کہا تھا اس پر نادم ہونے لگی۔

”ہاں..... اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“ وہ خود ہی بولی۔

”یعنی..... زندگی میں محبت بار بار نہیں ملتی اور آزر جیسی محبت تم سے کبھی کوئی نہیں کر سکے گا۔ وہ تمہاری خاطر سب کچھ کر سکتا ہے۔ جان سے بھی جا سکتا ہے۔ یہ اس نے نہیں کہا مگر میں نے اس کی اضطرابی کیفیت دیکھ کر اندازہ لگایا ہے۔“ کوئل نے اپنے سینے سے سمجھایا۔

”کوئل..... تم حقیقت نہیں جانتیں..... بلکہ یعنی بلا واسطہ انداز میں بولی۔

”کیسی حقیقت.....؟ ٹھیک سے میں مان لیتی ہوں کہ میں حقیقت نہیں جانتی..... لیکن میں نے جب تمہارا ذکر کیا تو تمہارے نام پر اس کی جو کیفیت ہوئی وہ صرف اس شخص کی ہو سکتی ہے جو کسی سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے اور اس کے ذکر پر اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگتی ہیں۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اگر تم اسے نہیں تو وہ..... وہ مرجائے گا۔“ کوئل نے عجیب جذباتی انداز میں کہا تو یعنی کے دل میں بھی اضطراب پیدا ہونے لگا۔ اسے بھی اپنے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب محسوس ہونے لگیں۔ اس کے اندر بھی یہی جانی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ اس

استغما یہ لہجے میں اجازت طلب کی۔

”ہاں۔“ یعنی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے آزر ملا تھا۔“ کوئل رک رک کر بولی تو یعنی کو ایک دم جھٹکا سا لگا اور اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”پھر.....؟“ یعنی ایک دم تلخ ہو گئی۔

”وہ بہت ڈسٹرب تھا۔ دیوانگی کی حد تک مضطرب.....“ کوئل نے اسے بتایا۔

”اسے ہونا بھی چاہیے۔“ اس نے تلخی سے جواب دیا۔

”کیا تم جانتی ہو کہ وہ تم سے اب بھی پاگلوں کی حد تک محبت کرتا ہے، میں نے خود اسے تمہارے لیے روتے

دیکھا ہے۔ میں نے آج تک کسی مرد کو کسی عورت کی محبت میں یوں تڑپتے نہیں دیکھا۔ وہ..... وہ اس قدر جذباتی حد تک تم سے محبت کرتا ہے کہ مجھے تم پر رشک آئے لگا ہے۔“ کوئل کی باتوں پر اسے انتہائی حیرت ہونے لگی۔

”کیا یہ تمہیں اس نے خود بتایا؟“ یعنی نے پوچھا۔

”یوں ہی سمجھو.....“ کوئل نے کہا۔

”لیکن میں جانتی ہوں اس کے اضطراب کی حقیقت کیا ہے۔“ یعنی نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔

”تم شاید کچھ نہیں جانتیں..... تم اس سے آخری بار کب ملی تھیں؟“ کوئل نے تفصیلی انداز سے پوچھا۔

”پانچ سال پہلے.....“ یعنی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”کاش تم ایک بار اب اس سے ملو..... اور پھر تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ تمہاری محبت میں کس قدر دیوانہ ہو رہا ہے۔ میں تم سے یہی کہنے آئی ہوں کہ پلیز اسے معاف کرو اور اس کی محبت کو مت جھٹلاؤ..... زندگی میں اکثر بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں



”السلام علیکم... خالہ جان...“ سلمان نے ان کے قریب بیٹھ کر ادب سے کہا تو خدیجہ نے اسے سر پر پیار دیا اور مسکرائے لگیں۔

”بیٹا... آج تم صبح صبح کیسے آگئے۔ گھر میں سب ٹھیک تو ہے ناں؟“ خدیجہ بیگم نے محبت سے پوچھا۔

”خالہ جان میں ساری رات سو نہیں سکا۔ حمیلہ رات بھر چیختی چلاتی رہی اور قہام کو یاد کرتی رہی۔“ سلمان نے خدیجہ بیگم کو بتایا۔

”ہاں... بیٹا... اس کا دکھ ہی اتنا گہرا ہے کہ وہ بیجاری روئے، چلے نہ تو اور کیا کرے؟“ انہوں نے ایک دم آہ بھر کر غم آنکھوں سے کہا۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن اسے اب یہ حقیقت قبول کر لیتی چاہیے اور آپ نے اسے عدت میں ہماری طرف کیوں بھیج دیا؟“ سلمان نے خالہ کی طرف بغور دیکھ کر شکایتی لہجے میں کہا۔

”بیٹا وہ خود گمنی ہے... میں نے اسے نہیں بھیجا۔“ انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

”لیکن... ماما تو یہی کہہ رہی تھیں کہ آپ نے اسے بھیجا ہے...“ سلمان نے حیرت سے کہا تو خدیجہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

”کیا بات ہے خالہ جان؟“ آپ خاموش کیوں ہو گئی ہیں؟“ سلمان نے ان کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔

”جب کہنے کو کچھ نہ رہے تو خاموشی ہی بہتر ہوتی ہے۔“

”اگر حمیلہ ایسی بیوی میں رہی تو مجھے ڈر ہے وہ اپنا ذہنی توازن کھودے گی۔“

”اللہ... اس پر اپنا کرم کرے۔“ خدیجہ بیگم نے جلدی سے کہا۔

”خالہ جان... میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔“ سلمان ہچکچاتے ہوئے بولا۔

”میں... ت... تو قیر... آسٹریلیا سے۔“ تو قیر نے گھبرا کر ہونٹوں پر زبان پھیر کر یہ مشکل کہا۔

”تم... تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھے فون کرنے کی۔“ روحیل ایک دم غصے سے بولا۔

”پلیز آپ میری بات سنیں۔“ روحیل نے التجائیہ انداز میں کہا۔

”شٹ اپ... میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔“ روحیل نے غصے سے جواب دیا۔

”آپ سب کچھ غلط سمجھ رہے ہیں... روا بالکل بے قصور ہے۔“ تو قیر نے نرمی سے کہا۔

”بکواس بند کرو، کیا تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔ تمہارا ہی لکھا ہوا خط مجھے ملا ہے، کیا اس سے انکار کرتے ہو؟“ روحیل نے غصے میں جواب دیا۔

”ہاں... وہ میں نے ہی لکھا تھا مگر...“ تو قیر نے آہ بھر کر نرم لہجے میں کہا۔

”انتہائی بے غیرت انسان ہو، تم نے میری زندگی برباد کر دی ہے... تم ایک بار میرے سامنے آجاؤ پھر دیکھو میں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں۔“ روحیل غصے سے چلایا اور موبائل آف کر دیا۔ تو قیر سخت پشیمان ہوا۔

”اتنی انسلٹ... اتنی توہین... کیا نئی محبت یہی صلہ دیتی ہے۔ روا ہم دونوں suffer کر رہے ہیں، کاش تم مجھ پر اور میری محبت پر اعتبار کرتیں تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔“ تو قیر نے آہ بھر کر سوچا۔

☆ ☆ ☆  
خدیجہ بیگم فجر کی نماز سے فارغ ہو کر لاونچ میں بیٹھی قرآن پاک پڑھنے میں مصروف تھیں جب سلمان لاونچ میں داخل ہوا تو وہ اسے دیکھ کر حیرت سے چوکیں۔ سلمان شاذ و نادر ہی ان کے گھر آتا تھا۔ حمیلہ کی موجودگی میں وہ ایک بار بھی نہیں آیا تھا اور اب اچانک آگیا تو وہ حیران رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆  
خدیجہ بیگم فجر کی نماز سے فارغ ہو کر لاونچ میں بیٹھی قرآن پاک پڑھنے میں مصروف تھیں جب سلمان لاونچ میں داخل ہوا تو وہ اسے دیکھ کر حیرت سے چوکیں۔ سلمان شاذ و نادر ہی ان کے گھر آتا تھا۔ حمیلہ کی موجودگی میں وہ ایک بار بھی نہیں آیا تھا اور اب اچانک آگیا تو وہ حیران رہ گئیں۔

حمیلہ جب سے میکے آئی تھی ہر وقت ریج نہ کے پاس بیٹھ کر رونا کو بددعا میں دیتی۔ کبھی حالہ کو کوئی اور کبھی قہام کو یاد کر کے بری طرح رونے چلانے لگتی۔ ریحانہ بھی اسے سمجھاتی تو بھی اس کے ساتھ مل کر بڑی بہن کے خلاف بولنے لگتیں۔ اس کی بھانج دوٹوں کے شکوے، شکایت من کر بیزاری محسوس کرتی اور سلمان سے اس کی شکایت کرتی۔ سلمان بھی حمیلہ کے اس رویے سے جگ آگیا تھا مگر وہ خاموش رہتا۔ جب بھی موقع ملتا تو ماں کو سمجھانے کی کوشش کرتا کہ حمیلہ کا سسرال میں عدت گزارنا ٹھیک تھا، وہ اس کی باتیں سن کر خاموش رہتیں مگر حمیلہ جیسے ہی کوئی بات سنتی تو ایک دم بھڑک اٹھتی اور بھائی کی خوب بے عزتی کرتی۔ وہ اس سے سخت خائف رہنے لگا تھا۔ بھائی، بھانج اس کا سامن کرنے سے گریز کرتے۔ وہ جیسے ہی دکھائی دیتی دونوں مٹ بٹا کر وہاں سے چلے جاتے اور حمیلہ ماں کو ان کے خلاف خوب بھڑکانے لگتی۔ آئے دن گے جھگڑوں سے ریحانہ خود پریشان ہو گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

تو قیر انتہائی پریشان حالت میں اپنے کمرے میں پکڑ لگا رہا تھا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا وہ روحیل کا نمبر ملتا پھر کال آف کر دیتا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ روحیل سے کیسے بات کرے۔ رشنا کی باتوں سے اسے روحیل کے مزاج کا اندازہ ہو گیا تھا اور اب وہ کال بھی رشنا کے اصرار پر کر رہا تھا۔

”میں... روحیل سے کیا بات کروں اور کیسے...؟“ تو قیر نے پریشانی سے سوچا۔

”اب آپ کو کچھ ایسا کرنا چاہیے کہ ردا کا گھر ٹوٹنے سے بچ جائے۔“ تو قیر کے کانوں میں رشنا کے الفاظ گونجنے لگے اس نے گہری سانس لی اور پھر نمبر ملائے لگا۔

”کون...؟“ روحیل نے پوچھا۔

مضطرب ہو رہا ہے، کیا وہ میری محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ کیا واقعی مجھے چاہئے لگا ہے۔ اس کے دل میں میرے لیے نرم گوشہ پیدا ہونے لگا۔ لیکن اگلے ہی لمحے ذہن نے اس کی ساری جذباتیت کو جھٹلادیا۔ ”یہ شخص کول کی غلط فہمی اور قیاس آرائی ہے اسے حقیقت کا علم نہیں آتا شدید ہوگا جو اسے کسی مل سکون نہیں لینے دے رہا اور کول اس کے اضطراب کو غلط رنگ دے رہی ہے... وہ اس کے اندر کے اضطراب کو محبت کا نام دے رہی ہے۔ کول کو کیا معلوم کہ حقیقت کیا ہے... وہ تو پچھتاؤں کی آگ میں جل رہا ہے۔ میں نے جو اس سے کہا تھا کہ میں مرتے دم تک نہیں ہر روز، ہر لمحہ بددعا میں دیتی رہوں گی... تم موت مانگو گے تو موت بھی نہیں آئے گی اور اب جو قدرت اس سے انتقام لے رہی ہے تو اس سے برداشت کرنا مشکل ہو رہا ہے اور کول اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔“ وہ اپنے آپ کو یہ سارے جواز دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتی مگر اگلے ہی لمحے کول کا دعویٰ آڑے آتا۔

”تم مجھ سے یہ بحث مت کرو کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتا، میں اس کے لیے شرط لگانے کو تیار ہوں۔“

”کول نے ایسا کیا دیکھا اور محسوس کیا۔ کہ وہ بہت پڑا اعتماد ہو کر شرط لگانے کو تیار ہو گئی تھی یقیناً آؤر نے اس سے کچھ نہ کچھ تو ایسا کہا ہوگا کہ وہ اتنی پڑا اعتماد ہو کر اس کی خاطر مجھے کنوئس کرنے آگئی۔ جب تک کوئی کسی کو کچھ نہ کہے وہ کیسے خود ہی اتنی بڑی بات سوچ سکتا ہے۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے، میں کس طرف جا رہی ہوں میں جو اسے تباہ و برباد ہوتے دیکھنے کی تمنا دل میں لیے بیٹھی ہوں اور منتظر ہوں کہ کب اس کی کرہناک موت واقع ہو اور کب میرے دل کو سکون آئے۔ کب جس کی روح کو قرار آئے۔“

☆ ☆ ☆



”کیا.....؟“ خدیجہ نے پوچھا۔

”ہمیلہ کو قہام اور اس گھر سے بہت محبت ہے تو کیوں ناں کچھ ایسا کیا جائے کہ ہمیلہ اس گھر میں ہی رہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ خدیجہ بیگم سلمان کی بات پر ایک دم چونک کر بولیں۔

”ہمیلہ کی عدت کے بعد اگر حاتم سے اس کا نکاح کر دیا جائے تو.....؟“ سلمان نے نظریں جھکا کر بہ مشکل کہا۔ وہ بری طرح پھینکیں۔

”یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”خالہ جان میری اس بات پر ٹھنڈے دل سے سوچو..... اسی میں دونوں گھروں کی بھلائی ہے۔“ سلمان نے نرمی سے کہا تو خدیجہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

”کیا آپ نہیں چاہتیں کہ آپ کے بیٹے کی نشانی اسی گھر میں رہے؟“ سلمان نے ان کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا تو وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

”کیا بات ہے؟ آپ خاموش کیوں ہیں، کیا آپ نہیں چاہتیں کہ ہمیلہ دوبارہ اس گھر میں آئے؟“ سلمان نے اپنی بات پر پھر اصرار کیا تو اسی لمحے زربینہ گھبرا کر ہوئی وہاں آئی۔

”بیگم صاحبہ..... رزائی بی کو بہت تیز بخار ہے۔ انہیں کوئی ہوش نہیں۔“

”کیا ہوا ردا کو.....؟“ سلمان نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا تو خدیجہ بیگم گھبراتے ہوئی ردا کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

خدیجہ بیگم سلمان کی گاڑی میں ردا کو اسپتال لے کر آگئی تھیں سلمان انہیں چھوڑ کر آفس کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اب خدیجہ بیگم سخت پریشانی کے عالم میں تھیں۔

لیڈی ڈاکٹر نے ردا کے بارے میں بتایا تو ان

کے چہرے پر خوشی اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

”کیا بات ہے، آپ یہ خوشخبری سن کر پریشان کیوں ہو گئی ہیں؟“ لیڈی ڈاکٹر نے نہایت حیرت سے ان سے پوچھا۔

”اس لیے کہ میری بیٹی اور ولاد میں کچھ اختلافات چل رہے ہیں اور اس صورت حال میں اس کا کیا رہنمائی ہوگا..... میں کچھ نہیں جانتی۔“ انہوں نے جھجکتے ہوئے اپنی ولی کیفیت بتائی۔

”تو آپ فوراً یہ گڈ نیوز اپنے دادا کو سنائیں۔“

آئی ایم شیور..... تمام ریشمیں دور ہو جائیں گی۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا تو خدیجہ بیگم بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتی رہیں انہیں تسلی دے کر ڈاکٹر دوسرے مریض میں مصروف ہو گئی۔

خدیجہ بیگم، ردا کو لے کر لاؤنج میں داخل ہوئیں تو کمزوری کے باعث اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ حاتم ڈائنگ ٹیبل پر بیٹھا ناشتا کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے انہیں دیکھا اور غلغلے سے منہ پھیر لیا۔ خدیجہ اسے کمرے میں بلڈ برنڈا کر واپس آئیں اور غصے سے حاتم کی طرف دیکھنے لگیں۔

”تم لوگ اتنے پھرول ہو جاؤ گے، مجھے یقین نہیں آ رہا، یہ وہی بہن ہے ناں..... جسے کاٹنا چھتا تھا تو تم لوگ ٹرپ اٹھتے تھے اب وہ اتنی بری ہو گئی ہے کہ تم لوگ اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔“

خدیجہ نے نہایت خفگی سے کہا۔

”کسی کے دل میں محبت اور نفرت پیدا کرنے کا ذمہ دار انسان کا رویہ ہوتا ہے۔ ردا نے ہمارے گھر سے اور اعتبار کو دھوکا دیا ہے۔ اب ہم اس پر کیسے یقین کریں۔ اب وہ ہماری محبت کے قابل نہیں رہی۔“ حاتم نے بوڑھے غصے سے کہا۔

”یہ بہن، بھائی کی محبت اتنی کمزور نہیں ہوتی ہے کہ بظاہر کوئی بات سامنے آنے پر ٹوٹ جائے۔“

خدیجہ بیگم نے ردا کے بارے میں بتایا تو ان

جی محبت کو اعتبار کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی آزمائش میں جانچنی۔ تم لوگوں کی محبت اتنی کھوکھلی نکلی رکھو میں بدل گئی۔“ وہ نہایت یاس سے بیٹوں سے کہہ رہی تھیں۔

”آپ اس سے محبت کر رہی ہیں ناں..... یہی کافی ہے۔“ حاتم نے غصے سے کہا اور ناشتا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔

”میں تو ماں ہوں، مگر کبھی اس سے محبت کروں گی اور تم سب سے بھی۔“ خدیجہ بیگم نے سسکی بھر کر کہا اور چہرے پر ہاتھ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

☆☆☆

ہمیلہ جب سے میکے آئی تھی ہر وقت ریحانہ کے پاس بیٹھ کر روتی رہتی۔

”ہمیلہ خدا کے لیے اب یہ رونا دھونا بند کرو اور قہام کی موت کو ایک تلخ حقیقت سمجھ کر قبول کرو..... تمہارے بھائی، بھائی کو تمہارا یہ ہر وقت کا رونا پسند نہیں۔“ ریحانہ بیگم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”کیا میں اب اپنی مرضی سے رو بھی نہیں سکتی؟“

”نہیں..... یہ زمانہ صرف ہنسنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ رونے والوں کا نہیں..... تم کوشش کیا کرو سلمان کے سامنے نہ رویا کرو۔“ ماں نے اسے سمجھایا تو اس کے چہرے پر تباہ نمایاں ہونے لگا۔ اسی لمحے سلمان لاؤنج میں داخل ہوا اور ماں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

”مما! کیا آپ نے خالہ جان کو فون کیا تھا؟“

”جی ہاں، طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں صبح خالہ جان کی طرف گیا تھا۔“

”میرے اس گھر میں ہوتے ہوئے تو آپ ایک بار بھی نہیں آئے تھے۔ اب کیا لینے گئے تھے؟“

ہمیلہ نے غصے سے بھائی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

کھیں دہلے طے کھیں دل

”مما دیکھ رہی ہیں آپ..... اتنا بڑا حادثہ ہو جانے پر بھی اس کی باتوں میں فرق آیا ہے اور نہ مزاج میں۔“ سلمان نے غصے سے اس کی طرف دیکھ کر ماں سے شکایتی لہجے میں کہا۔

”اچھا تو اب آپ مجھ پر طنز کرنے لگے ہیں۔“

ہمیلہ نے غصے سے کہا۔

”تمہارے اس مزاج کی وجہ سے ہی..... خالہ جان.....“ سلمان نے غصے سے جملہ ادھورا چھوڑا۔

”کیا کہا ہے خالہ جان نے..... لگتا ہے اب وہ نئی چال چلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔“ ہمیلہ نے غصے سے چلا تے ہوئے کہا۔

”شٹ اپ..... خالہ جان کے بارے میں خبردار کوئی فضول بات کہی تو۔“ سلمان غصے سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

”دیکھا آپ نے..... انہیں آپ کے اور میرے خلاف بھڑکا کر خالہ جان ہم سے بدلہ لینا چاہتی ہیں۔“ ہمیلہ نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپا سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔“ ریحانہ بیگم نہایت پریشانی سے بولیں۔

☆☆☆

ردا کی طبیعت کچھ سنبھلی تو خدیجہ بیگم اس کے پاس بیٹھ کر محبت سے باتیں کرنے لگیں۔

”بیٹا..... ڈاکٹر بتا رہی تھی کہ تم.....“ خدیجہ بیگم نے ایک دم ردا کی طرف دیکھتے ہوئے اتنا کہا اور خاموش ہو گئیں۔

”ک..... کیا.....؟“ ردا نے چونک کر پوچھا۔

”یہی کہ تم..... ماں بننے والی ہوں۔“ انہوں نے خوشی سے کہا۔

”کیا.....؟“ وہ اچھائی حیرت سے چلائی۔

”بیٹا..... یہ تو اللہ کے فیصلے ہیں اور اس کی رضا..... ممکن ہے روحیل یہ خبر سن کر ہی اپنا فیصلہ بدل دے۔“ خدیجہ بیگم نے بڑی امید سے کہا۔



## میتھی سے علاج

حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ میتھی ایک میزی ہے اسے کھایا کرو اگر یہ سونے کے بھاؤ بھی ملے۔ اگر جوڑوں میں ٹھنڈ پڑ جائے یا بیٹھ جائے تو اس کا تیز تر علاج یہ ہے کہ ایک مٹھی بھر میتھی اور ایک مٹھی انجیر خشک لے کر دونوں کو پانی میں بھگو دو اور کسی صاف برتن میں پکالو پھر اسے سن (جھان) لو اور ٹھنڈا کر لو ایک دن چھوڑ کر پی لو کم از کم ایک پیالہ ان دنوں میں ضرور ختم ہو۔ اس کے فوائد لاتعداد محسوس کرو گے۔ ٹھنڈا اور درد ختم ہو جائے گا اس علاج سے تونج، کمر کا درد اور جسم کے دوسرے درد بھی ختم ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ریح کا درد بھی ختم ہو جائے گا۔

مرسلہ: جبیں ہاشمی، بھیرہ

بیٹھے دیکھا تو قریب آ کر بولیں۔

”رودا..... امید سے ہے۔“ انہوں نے بتایا تو دونوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

”میں نے ردا کی ساس کو فون کر کے یہ خوشخبری سنا دی ہے وہ اور روحیل ردا کو لینے آئیں گے تو تم لوگ.....“ خدیجہ نے کچھ کہنا چاہا۔

”اگر روحیل یہاں آیا تو میں اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔“ حاتم نے غصے سے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”اب صورت حال کو سمجھو اور خبردار تم میں سے کسی نے کوئی بات کی۔“ خدیجہ بیگم نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”میں اس شخص کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔“ اس لیے آپ خود ہی اسے ٹرے کر لیں۔“ حاتم غصے سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

”اور میں بھی اس بدتمیز انسان کو برداشت نہیں کر سکتا۔“ حاتم نے غصے سے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ خدیجہ پریشان ہو کر انہیں دیکھنے لگیں۔

”ردا اپنے کمرے میں بیٹھی کسی سوچ میں گم تھی کہ

س اس کو فون کر کے یہ خوشخبری سنا دیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ زورینہ پُر امید لہجے میں بولی وہ بھی مطمئن ہو گئیں۔ زورینہ کمرے سے باہر نکل گئی تو خدیجہ بیگم نے ردا کی ساس کا ہنر ملایا اور انہیں یہ خوشخبری سنائی۔

”کیا واقعی.....؟“ آپ سچ کہہ رہی ہیں..... مجھے تو یقین نہیں آ رہا..... کل ہی اسپتال سے گھر آئی ہوں، اتنی بڑی خوشخبری سنا کر آپ نے مجھے پھر سے زندہ کر دیا ہے میں اور روحیل جلد ہی ردا کو لینے آئیں گے۔“ ماں جی خوشی سے پھولی نہیں سار ہی تھیں۔

”ضرور..... ضرور آپ کی امانت ہے جب چاہیں آ کر لے جائیں۔“ خدیجہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

”انشاء اللہ ہم جلد حاضر ہوں گے۔“ ماں جی نے مسکرا کر کہا اور فون بند کر دیا۔ جلدی سے روحیل کا ہنر ملایا اور اسے جلدی گھر پہنچنے کو کہا۔

”بیٹا..... ردا کی ماما کا فون آیا تھا..... اور انہوں نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ تم باپ اور میں دونوں بچنے والی ہوں۔“ روحیل گھر لوٹا تو ماں جی انہماکی خوش ہو کر بے تابی سے بتایا۔

”یہ جھوٹ ہے..... بکواس ہے..... وہ لوگ مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں.....“ روحیل لکا لکھنے سے چلا یا۔

”کیا بکواس کر رہے ہو..... اولاد کی اتنی بڑی نعمت اور خوشی ملنے پر بھی خوش نہیں ہو رہے۔“ ماں نے غصے سے کہا۔

”گوںہ..... اولاد..... نہ جانے وہ کس کا گناہ میرے سر محبوب رہی ہے۔“ روحیل پھر طیش سے چلا یا۔

”خبردار..... تم نے جو اس ٹیک لڑکی پر الزام لگایا.....“ ریح ہو جاؤ یہاں سے۔“ ماں جی نے غصے سے کہا اور روحیل پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم نے دونوں بیٹوں کو لاؤنج میں

اپنے ساتھ لگا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے لگیں اسی لمحے زورینہ کمرے میں داخل ہوئی۔

”یہ کیا بیگم صاحبہ، آپ فہام بھائی کو یاد کر رہی ہیں؟“ زورینہ نے ان کے قریب بیٹھ کر اس سے پوچھا۔

”ہاں..... اس کی کمی مجھے بہت زور دہی ہے وہ ہر دکھ سکھ میں میرا ساتھی تھا۔ اب کس سے راز نیا کروں؟“ خدیجہ بیگم نے اس کی تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”آپ مجھ سے اپنے دل کی بات کہہ کر اسے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتی ہیں۔“ زورینہ نے نرم لہجے میں کہا تو خدیجہ نے چونک کر اس کی طرف بغور دیکھا۔

”ردا ماں بننے والی ہے مگر وہ اصرار کر رہی ہے کہ میں روحیل اور اس کی ماں جی کو یہ خبر نہ سناؤں مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں..... خدیجہ بیگم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کیا واقعی.....؟“ یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے مگر بی بی اسے کیوں چھپانا چاہ رہی ہیں؟“ زورینہ نے حیرت سے پوچھا۔

”شاید..... روحیل سے وہ بہت مایوس ہو چکی ہے۔“ وہ دکھ سے بولیں۔

”میرا خیال ہے کہ آپ انہیں یہ خبر سنا دیں ہو سکتا ہے کہ یہ خوشی کی خبر سن کر وہ خود انہیں منانے آ جائیں۔“ زورینہ نے مسکرا کر کہا۔

”اور اگر ردا ناراض ہو گئی تو؟“ انہیں بھی ایک دھڑکا لگا تھا۔

”ابھی آپ انہیں مت بتائیں جب روحیل بھائی انہیں لینے آ جائیں گے تو خود بخود ان کی ناراضی ختم ہو جائے گی۔“ زورینہ نے اپنے طور پر رائے دی۔

”اور روحیل کو دیکھ کر اگر حاتم اور عاصم بگڑ گئے تو.....؟“

”آپ فکر نہیں کریں..... بس آپ ردا بی بی کی

”نہیں..... خدا کے لیے آپ روحیل کو یہ خبر مت سنائیں۔ وہ.....“ ردا نے گہرا کر کہا اور خاموش ہو گئی۔

”کیوں.....؟“ ایسی خوشی کی خبر سن کر تو پھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے روحیل کا دل بھی بدل جائے اور وہ تمہیں اپنے گھر لے جائے۔“

”جس گھر کی دیواروں میں اتنی وراڑیں پڑ چکی ہوں کیا وہ محفوظ رہ سکتا ہے؟“ ردا نے تاسف سے کہا۔

”بیٹا..... گھر، گھر ہی ہوتا ہے، چاہے وہ تنگوں کا آشیانہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور عورت شادی کے بعد اپنے گھر ہی محفوظ ہوتی ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”یہ گھر اب تمہاری بے بس اور کمزور ماں کا ہے۔ جو نہ تمہیں زمانے کی باتوں سے بچا سکتی ہے اور نہ ہی تمہارے بھائیوں کی نفرت سے..... میں چاہتی ہوں روحیل تمہیں اپنے ساتھ گھر لے جائے..... اس خوشخبری نے مجھے پُر امید بنا دیا ہے۔ میں ابھی اس کی ماں جی کو فون کرتی ہوں۔“ خدیجہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... پلیز.....“ ردا نے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے التجائی انداز میں کہا۔

”مگر..... کیوں بیٹا؟“ انہوں نے حیرت سے پوچھا تو ردا نے کوئی جواب نہیں دیا تو خدیجہ بیگم اور پریشانی کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر سوچنے لگیں کہ وہ کیا کریں اور کس سے مشورہ کریں۔ انہیں اس لمحے فہام بہت یاد آ رہا تھا۔ جس کے ساتھ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اور بڑے بڑے مسئلے مسائل بھی ڈسکس کرتی تھی۔ سائنڈ ٹیبل سے فہام کی تصویر ہاتھ میں لے کر وہ اسے دیکھنے لگیں اور سسکیاں بھرتے لگیں۔

”تم میری بہت مضبوط ڈھال تھے اور آج میں بہت بے آسرا اور کمزور ہو گئی ہوں۔“ تصویر کو



اس کا موبائل بچنے لگا اس نے چونک کر اسکرین دیکھی تو کوئی اجنبی نمبر تھا، روانے ہچکچاتے ہوئے فون ریسیو کر لیا۔

”ہیلو..... روا..... میں تو قیر بات کر رہا ہوں، رشنا نے مجھے آپ کے حالات کے بارے میں بتایا۔ آئی ایم سوری، آپ میری وجہ سے اتنا suffer کر رہی ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری ایک لمحے کی خواہش اور جذباتی سوچ آپ کی زندگی کو یوں اذیت ناک بنا دے گی۔“ تو قیر نے آہستہ آواز میں کہا۔

”آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا۔“ روا سسکی بھرتے ہوئے بولی۔

”آئی..... ایم سو سوری۔ میں ایسا کیا کروں کہ آپ دونوں کے درمیان یہ غلط فہمی دور ہو جائے۔ میں نے تو روحیل کو بھی فون کیا تھا..... مگر.....“ تو قیر نے بتایا تو روا ایک دم بھڑک اٹھی۔

”کیا آپ نے روحیل کو فون کیا تھا؟ آپ میری زندگی کو جہنم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے۔“ وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔

”میں آپ کی وجہ سے بہت پریشان رہتا ہوں۔ ہر وقت میرے اندر ایک آگ سی بھڑکتی رہتی ہے۔“ تو قیر نے افسردگی سے کہا۔

”یہ آگ بھی آپ نے لگائی ہے جسے روحیل نے بھڑکا دیا ہے اور اس میں میں جل رہی ہوں..... اب آپ دونوں میرا تماشا دیکھیں۔“ روانے غصے سے کہہ کر فون بند کر دیا اس کی آنکھیں گرم پانیوں سے بھرنے لگیں وہ ہاتھ مسل رہی تھی۔ خدیجہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے روتا دیکھ کر محبت سے اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔

”کیوں..... رورہی ہو میری جان؟“ وہ دکھ بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

”اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی ہوں۔“ روانے سسکی بھر کر جواب دیا۔

”آنسو کبھی قسمت نہیں بدلتے بس دعا کر ہو سکتا ہے اس سے تمہاری تقدیر بدل جائے۔“ نے تمہاری ماں جی کو فون کر کے خوشخبری سنائی خدیجہ بیگم نے ایک دم بات بدلتے ہوئے کہا: نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

”یہ..... یہ..... آپ نے کیا کیا۔؟“ ایک دم بوکھلا کر بولی۔

”بیٹا اس بات کو چھپانے سے تمہارے اور بھی مسئلے پیدا ہو سکتے تھے اس لیے انہیں ضروری تھا۔ ماں جی بہت خوش ہوئیں وہ جلد رو رو کے ساتھ تمہیں لینے آئیں گی۔ اپنے آپ میں ہر اور حوصلہ پیدا کرو۔ اپنا حلیہ ٹھیک کرو، اللہ سب کو کرے گا۔“ خدیجہ بیگم نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا کر چومتے ہوئے کہا تو روا بے یقینی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

☆☆☆

اگلے روز شام کو ماں جی نے روا کی طرف جانے کا پروگرام بنایا۔ فضیلت نے روحیل کو رات میں ہی بتا دیا تھا اور اب دونوں تیار ہو کر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ روحیل کو بار بار فون کر رہی تھیں وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

ادھر دفتر میں روحیل شش و پنج میں مبتلا تھا ماں جی کے بار بار فون کرنے پر اس نے موبائل آن کر دیا تھا پھر اچانک اسے نہ جانے کیا سوچی کہ اس نے روا کا نمبر ملا لیا۔

روانے کافی بیلز کے بعد موبائل کان سے کہا اور قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں ہیلو کہا تو رونما انتہائی طیش کے عالم میں اس پر چلانے لگا۔

”تم انتہائی مکار اور گھٹیا عورت ہو، مجھے ٹھیک کرنے کے لیے کیسی کیسی چالیں چل رہی ہو..... لیکن میں تمہاری ہر چال ناکام بناؤں گا۔“

”یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ روانے



# پاک سوسائٹی فاٹ کام کی پیشکش

## یہ ٹھکانہ پاک سوسائٹی فاٹ کام کے ٹیبلٹ کیلئے ہے

### ہم خاص کیوں ٹیبلٹ :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ بہم دہانی ... مل کو انٹی ... پیڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ میر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

☆ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

☆ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کھیل دیب جلے کھیل دل

بھرنے لگی۔ ایک دم سے اس کے سر میں شدید درد اٹھا اسے ارد گرد کی ہر شے گھومتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ اس نے قدم اٹھانا چاہا مگر وہ ایسی چکرائی کہ اوندھے منہ فرش پر گر گئی۔ اس کے گرنے سے قریب رکھی کرسی لڑکھرائی اور اس کے اوپر گر گئی۔ گرنے کی آواز سن کر خدیجہ بیگم اور زریںہ دونوں بھاگتی ہوئی ردا کے کمرے کی طرف بڑھیں۔ خدیجہ اسے اس حالت میں دیکھ کر چلانے لگیں۔ جیسے تیسے ڈرائیور کے ساتھ دونوں اسے اٹھا کر اسپتال پہنچیں۔ آئی سی یو کے باہر چکر لگاتے ہوئے وہ بار بار بیٹوں کا تبسم ملا رہی تھیں مگر کوئی بھی ان کی کال نہیں لے رہا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر روم سے باہر نکلی تو خدیجہ بیگم نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

”ڈاکٹر صاحبہ میری بیٹی.....“

”ان کا مس کیرج ہو گیا ہے اور ان کا بی بی اب بھی بہت ہائی ہے۔“ ڈاکٹر نے بتایا تو وہ لرز کر رہ گئیں۔ ”آپ دعا کریں..... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ ڈاکٹر نے انہیں تسلی دی اور وہاں سے چلی گئی۔ خدیجہ بری طرح سسکنے لگیں۔

”بیگم صاحبہ..... ہمت کریں۔“ زریںہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو خدیجہ بیگم نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

☆☆☆

رات کافی گہری ہو گئی تھی جب روحیل قدرے تھکے ہوئے انداز میں ماں جی کے کمرے میں داخل ہوا تو ماں جی نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

”ماں جی..... وہ.....“ روحیل رک رک کر بولا۔

”مجھ سے بات مت کرو۔“ ماں جی نے غصے سے جواب دیا۔

”پلیز..... ماں جی..... سمجھنے کی کوشش کریں،

میرے لیے ردا کے گھر جانا پابل نہیں۔“ روحیل نے شکستہ لہجے میں کہا۔

ہکلاتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگوں نے یہ کیا نیا شوٹا چھوڑا ہے کہ میں باپ بننے والا ہوں، مجھے دھوکا دینے کے لیے تمہیں نیا ہتھکنڈا سوجھا ہے۔“ روحیل نے بری طرح چلاتے ہوئے کہا۔

”یہ میں نہیں..... میری میڈیکل رپورٹس کہہ رہی ہیں۔“ ردا نے آہستہ سے کہا۔

”اور میری میڈیکل رپورٹس بتاتی ہیں کہ میں باپ نہیں بن سکتا۔ تم نہ جانے کس کا گناہ میرے سر ٹھونپنے کی کوشش کر رہی ہو..... جس کے ساتھ منہ کالا کیا ہے اسی کو ٹریپ کرو تو اچھا ہے۔“ وہ نہایت بدتمیزی سے بولا۔

”شٹ اپ روحیل..... اگر آپ نے ایک لفظ بھی کہا تو.....“ وہ غصے سے کانپتے ہوئے چلائی۔

”یوں چلا کر تم حقیقت نہیں بدل سکتیں۔ سوچو میں جب اپنی میڈیکل رپورٹس تمہارے بھائیوں کے سامنے رکھوں گا تو تم کیا کہو گی..... پہلے تو ضرور تمہاری بے عزتی ہوئی ہے اب کی بار ایسی رسوائی ہو گی کہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔“ روحیل نے غصے میں کہہ کر موبائل آف کر دیا اور ردا اس کی باتیں سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ روحیل کی باتیں اس کے سینے میں نشتر چھوٹنے لگیں۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی سانس بند ہو رہی ہو۔ اس کا سر چکرانے لگا۔

”گھشیاہ مکار عورت.....!“ روحیل کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

”میں..... میں نے کیا گناہ کیا ہے، جس کی مجھے اتنی بڑی سزا مل رہی ہے، میں کسی کے اعتبار کے قابل نہیں رہی..... نہ شوہر کے اور نہ ہی بھائیوں کے..... مجھے اتنی رسوائی اور بے عزتی کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہیے، مجھے مر جانا چاہیے۔“ وہ سسکیاں



بنا کر کمرے میں بند رہتی۔  
”خالہ جان یہ دولاکھ روپے ہیں، ہمیلہ بھابی کے اخراجات کے لیے۔“ حاتم نے ایک لقاؤہ خالہ کو پکارتے ہوئے کہا تو ہمیلہ نے ایک دم چونک کر میاں کی طرف دیکھا۔  
”نہیں بیٹا اس کی کوئی ضرورت نہیں۔“ انہوں نے لقاؤہ واپس کرتے ہوئے کہا۔

”مہما..... ہمیلہ پر ان لوگوں کا پورا حق ہے اگر یہ لوگ اس کا خیال رکھ رہے ہیں تو انہیں رکھنے دیں، وہ عدت تک ہمارے پاس ان کی امانت ہے۔ اس کے بعد یہ اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ہمیں قبول ہوگا۔“ سلمان نے معنی خیز انداز میں کہا تو حاتم اور عاصم نے چونک کر اسے دیکھا۔ ریحانہ نے خاموشی سے لقاؤہ پکڑ لیا۔ ہمیلہ اپنے کمرے میں تھی جب ریحانہ لقاؤہ پکڑے کمرے میں داخل ہوئیں۔

”بیٹا..... حاتم اور عاصم آئے تھے۔ تمہارے لیے یہ دولاکھ روپے دے کر گئے ہیں۔“ ریحانہ نے وہ لقاؤہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟ وہ کون ہوتے ہیں میرا خیال رکھنے والے، میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں..... میں ابھی انہیں فون کر کے بتاتی ہوں۔“ ہمیلہ غصے سے بھڑک کر بولی۔

”یہ کیا حماقت ہے، تم ڈرا ڈرا سی بات پر اتنی جذباتی کیوں ہو جاتی ہو، شکر نہیں کرتیں کہ تمہارے اس مشکل وقت میں وہ تمہارا ساتھ دے رہے ہیں، ورنہ بھائی کے مرنے کے بعد بھابیوں کو کون پوچھتا ہے۔“ ماں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”کیا وہ مجھ پر ترس کھا رہے ہیں؟“ اس نے غصے سے کہا۔

”نہیں..... خدا کے لیے غلط مت سوچو۔ سب تمہیں بہت چاہتے ہیں۔“ وہ اسے سمجھانے لگیں۔

”سب میرے دشمن ہیں، میں کسی پر ٹرسٹ نہیں کر سکتی۔ ان سب نے میرے قہام کو مجھ سے چھینا ہے اور اب مجھے بے آسرا کر کے میرا تاشاد کھنا چاہتے ہیں۔“

والوں سے شکایتیں نہیں اور بیوگی کے بعد میکے میں تھے جھکنڈے شروع کر دیے تھے۔ ماں بھی جائز ناجائز اسی کی طرف واری کرتیں۔ گھر میں موجود بھائی بھانجے کا جینا دو بھر کر دیا تھا بر وقت اسے کوئی نہ کوئی مسئلہ ہی رہتا تھا۔ ہمیلہ چونکہ اپنے آپ کو ہی حق پر سمجھتی تھی اس لیے اسے اپنی کسی زیادتی کا احساس ہی نہ ہوتا تھا..... دیوروں کا فون آتا تو ان سے ہمدردیاں بنورنے کی بھرپور کوشش کرتی۔

”کیا بات ہے عاصم..... تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟“ حاتم نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”میں نے ہمیلہ بھابی کو فون کیا تھا..... وہ بہت اب سیٹ ہیں، لگتا ہے انہیں خالہ جان کے گھر میں بھی کوئی پرالیم ہے۔“ عاصم نے بھانج کی ہمدردی میں کہا۔  
”وہاں کیا پرالیم ہو سکتی ہے وہاں ان کی مہما اور بھائی، بھابی ہیں۔“ حاتم نے کہا۔

”ہو سکتا ہے بھائی، بھابی دونوں کے ٹرمز انھیں نہ ہوں۔“ عاصم نے جواب دیا۔

”یار! یہ عورتیں بھی بہت فساد ڈالتی ہیں، اب دیکھو روکی وجہ سے ہماری اپنی فیملی کتنی بکھر گئی ہے، مجھے تو عورت ذات سے ہی نفرت ہونے لگی ہے۔“ حاتم خفگی سے منہ بنا کر بولا۔

”میرا خیال ہے ہمیں ہمیلہ بھابی کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔ جس عورت کے پاس پیسہ اور پیچھے سپورٹ ہو تو لوگ خود بخود اس کی عزت کرنے لگتے ہیں آج شام کو ہم ان کی طرف جائیں گے تاکہ ان کی فیملی کو اندازہ ہو کہ وہ تنہا اور بے آسرا نہیں، ہم ان کے پیچھے ہیں۔“ عاصم گہری سانس لے کر بولا تو حاتم بھی اس کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

شام کو دونوں خالہ کے گھر گئے۔ ہمیلہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی، ویسے بھی وہ بڑے نام عدت میں تھی۔ جب دل چاہتا کسی اجنبی کے سامنے آ جاتی اور جب مرضی نہ ہوتی تو عدت کا بہانہ

”اب یہ پڑھ کر آپ خود فیصلہ کریں کر جھوٹ بول رہا ہے، میں یا ردا؟“ روچیل نے سانس لیتے ہوئے ماں جی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
”ردا کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی، وہ بہت باور پاکباز بچی ہے، اس کے بارے میں کسی غلط کاموچنا گناہ ہے اور ایسی بات کا کہنا اس پر ہر ہوگی۔“ ماں جی نے پروتوق لہجے میں کہا۔

”کیا آپ کے خیال میں..... میں جھوٹ رہا ہوں؟“ روچیل پھر گیا۔

”یہ رپورٹس غلط بھی ہو سکتی ہیں بیٹا! آج کر لیب میں بھی بہت کھیلے ہو رہے ہیں، لوگوں کی رپورٹس میں..... وہ..... وہ بیماریاں سامنے آتی ہیں جو ان میں کبھی ہوتی ہی نہیں..... تم دوبارہ ٹیسٹ کراؤ..... میری ردا جھوٹ نہیں بول سکتی، ماں جی نے پریقین لہجے میں کہا تو روچیل نے چونک کر ماں جی کی طرف دیکھا اور خاموش ہو گیا۔

”کیا تم نے اپنے اس عیب کو چھپانے کے ردا کے ساتھ یہ رویہ اپنایا؟“ ماں جی نے استفہام انداز میں پوچھا تو روچیل نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔  
”اگر تم نے ایسا کیا ہے تو تم بہت ہی کم ظرف انسان نکلے جس نے اپنے عیب چھپانے کے لیے ایک نیک اور معصوم لڑکی کو رسوا بھی کیا اور اسے ذہنی اذیت بھی دی۔ روچیل خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔“ ماں جی نے کہا تو روچیل نے سر اٹھا کر ماں جی کی طرف دیکھا اور پریشان ہو کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ ماں جی پر تاسف نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

میکے میں آ کر بھی ہمیلہ کے رنگ ڈھنگ وہ تھے۔ جس انسان کی سرشت عیاں میں شر ہو وہ ماحول یا کسی بھی حالات میں نہ خود خوش رہتا ہے دوسروں کو خوش دیکھ سکتا ہے۔ شادی سے پہلے ہمیلہ کو بھائی کا رہیہ ٹھنکتا تھا، شادی کے بعد سر

”کیوں.....؟“ انہوں نے خفگی سے پوچھا۔  
”اب میں آپ کو کیا بتاؤں؟“ نادانستہ اس کے منہ سے نکلا۔

”کیا مطلب..... کیا تم مجھ سے کچھ چھپانا چاہ رہے ہو؟“ ماں جی نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”نہ..... کچھ نہیں۔“ روچیل نے گھبرا کر جلدی سے جواب دیا۔

”ادھر بیٹھو..... میرے پاس۔“ ماں جی نے اسے تھکمانہ لہجے میں کہا تو روچیل خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ماں جی نے اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھا۔ روچیل نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

”تمہیں میرے سر کی قسم..... تم آج مجھے صاف صاف بتاؤ کہ تم ردا کے ساتھ یہ سب کیوں کر رہے ہو؟“ ماں جی نے کہا تو روچیل نے گھبرا کر ماں جی کی طرف دیکھا اور جلدی سے اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

”روچیل..... آج تم نے مجھے حقیقت نہ بتائی تو میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔“ ماں جی نے قدرے درشت لہجے میں کہا تو روچیل نے گھبرا کر ماں جی کی طرف دیکھا اور بوجھل قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ماں جی پریشان ہو کر اسے دیکھتی رہ گئیں۔ روچیل اپنے کمرے میں گیا اور میٹرز کے بیچے سے فائل نکال کر سوچ میں پڑ گیا۔

”آج وقت آ گیا ہے کہ مجھے ماں جی کو یہ گڑوا سچ بتانا پڑے گا۔ اس کے بعد وہ خود فیصلہ کریں گی کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا!“ وہ یہی سوچ کر کمرے سے باہر چلا گیا اور ماں جی کے سامنے فائل رکھی۔

”یہ کیا ہے.....؟“ ماں جی نے حیرت سے پوچھا۔  
”میری میڈیکل رپورٹ جس کے مطابق میں کبھی باپ نہیں بن سکتا۔“ روچیل نے کہا تو ماں جی کی آنکھیں حیرت سے پھلنے لگیں۔  
”نہ..... کیا.....؟“ وہ حیرت سے بڑبڑائیں۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ قلمیہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے قلمیہ کیلئے

### ہم خاص کیوں ٹیبلٹ :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے
- ☆ ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریٹ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آف لائن پڑھنے
- ☆ کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف
- ☆ سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپر ہائپر ٹیکسٹ کوڈنگ
- ☆ عمران میری از مظہر کلیم اور
- ☆ ابن صفی کی مکمل ریٹ
- ☆ یڈ فوری لنس، ٹکس کو میس کمانے
- ☆ کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

☆ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

☆ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

For more books visit



twitter.com/paksociety

”مما..... آپ حاتم بھائی کو بچ نہ کیا کریں۔“  
لوگ پہلے ہی شیلہ بھابی کی وجہ سے بہت اس پر  
ہیں۔ ”عامم کے منہ سے بے ساختہ نکلا تو خدیجہ بیگم  
چونک کر اسے دیکھا۔

”کیوں..... اب اسے وہاں کیا کر رہا ہے.....  
یہاں تو میں اسے چین سے نہیں رہنے دے  
رہی تھی۔ اب ماں کے گھر میں بھی اسے سکون نہیں  
رہا؟“ خدیجہ بیگم نے جل کر پوچھا۔

”کیا آپ ان کے دکھ کو نہیں سمجھ رہیں جو  
بات کہہ رہی ہیں۔“

”بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں لیکن افسوس تو  
ہے کہ تم لوگوں کو بھابی کا دکھ تو دکھائی دیتا ہے مگر  
بہن کی تکلیف نہیں۔“

”مما..... آپ ہر بات کو تھما پھرا کر رونا  
کیوں لے آتی ہیں۔“

”کیونکہ مجھے تم لوگوں کی بے حسی اور ردا کی  
بھی بہت کڑی ہے۔ تم لوگوں کے رویے کی وجہ سے  
جس اذیت میں ہوں یہ میں ہی جانتی ہوں۔“

”افوہ..... آپ کے پاس تو بیٹھنا ہی فضا  
ہے، ہر وقت ایسی ہی باتیں کرتی رہتی ہیں۔“ عام  
غصے سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا اور خدیجہ بیگم بیڑا  
کے اس انداز پر تڑپ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

ماں جی لاؤنج میں آہستہ آہستہ شہلی ہوئی تو  
پڑھ رہی تھیں اور بیچ پڑھتے ہوئے وہ ایک دم چھنے  
کی طرف دیکھ کر دعا کرنے لگیں پھر چلے گئیں۔  
روحیل اپنی میڈیکل رپورٹس کی فائل چکڑے لاؤنج  
میں داخل ہوا۔

”ماں جی..... ماں جی میری سب رپورٹس  
نارمل ہیں۔“ روحیل نے قدرے جذباتی انداز میں  
خوش ہو کر کہا۔

(باقی آئندہ)

”کوئی تمہارا دشمن نہیں، فہام کی زندگی ہی اتنی نکستی  
تھی اور انسان کی زندگی اور موت تو خدا ہی لکھتا ہے۔“  
ریحانہ نے آہ بھر کر غم آنکھوں سے کہا۔

”تو کیا..... خدا میرا دشمن ہے، اس نے مجھ سے کس  
بات کا بدلہ لیا ہے۔ آپ پوچھیں اس سے؟“ وہ انتہائی غصے  
سے ہاتھ ہو کر چلانے لگی تو ریحانہ توبہ توبہ کرتے ہوئے  
جلدی جلدی نیند کی گولی نکال کر اسے کھلانے لگیں۔ اس پر  
یکا یک غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

ردا جب سے اسپتال سے گھر آئی تھی حاتم اور  
عامم ایک بار بھی اس کی خیریت پوچھنے اس کے کمرے  
تک بھی نہیں آئے تھے اور اسے اس بات کا بہت افسوس  
ہوتا۔ وہ بار بار ماما اور زریبہ سے ان کے بارے  
میں پوچھتی تو وہ دونوں بھانپتے بھانپتے اسے مطمئن کرنے  
کی کوشش کرتیں مگر وہ سب سمجھتی تھی۔ رات کو خدیجہ بیگم،  
ردا کے کمرے سے باہر نکلیں تو حاتم اور عامم لاؤنج میں  
داخل ہوئے انہیں دیکھ کر انہوں نے منہ پھیر لیا۔

”مما کیا بات ہے، آپ کچھ ناراض لگ رہی ہیں۔“  
عامم نے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”تم لوگوں کو میری کیا پروا ہے اگر پروا ہوتی تو  
میری خاطر ہی تم بہن کو دیکھنے اسپتال ضرور آتے لیکن  
تم لوگوں کے خون ہی سفید ہو گئے ہیں۔“ انہوں نے  
خفگی سے کہا۔

”پلیز ممما.....! آپ اس کا ذکر مت کیا کریں۔“  
حاتم غصے سے بولا۔

”کیوں نہ کروں، ماں ہوں اس کی..... کیا خاموشی  
سے اس کی بے بسی اور اذیت کا تماشا دیکھتی رہوں اگر آج  
مجھے کچھ ہو جائے تو کیا تم لوگ اسے یونہی بے سہارا چھوڑ  
دو گے؟“ خدیجہ نے سسکی بھر کر کہا۔

”آپ بار بار اسے ڈسکس نہ کیا کریں تو بہتر  
ہے۔ اس کی وجہ سے آج ہمارے گھر کا یہ حال ہوا  
ہے۔“ حاتم غصے سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔





# کہیں ویں چلے کہیں دل

قیصر حیات

تیرہواں حصہ



”کیا واقعی...؟“ ماں جی نے انتہائی خوش ہو کر پوچھا۔  
 ”ماں... میری پہلی رپورٹس کسی اور کے ساتھ بدل گئی تھیں۔ وہ لیب والوں کی غلطی تھی۔ میں نے جلدی سے کہا۔  
 ”میں کہتی تھی ناں میری رواجھوٹ نہیں بول سکتی۔ وہ بہت نیک اور پاکہاز بچی ہے۔“ ماں جی نے ان سے خوب جھگڑا کیا۔



”اور میں جس ڈنڈی اذیت سے گزرا ہوں یہ میں ہی جانتا ہوں۔“ روحیل نے آہ بھر کر کہا۔

”مگر تم نے اپنی اذیت کا بدلہ اس معصوم بچی سے لیا۔“ ماں جی نے نہایت حنفی سے کہا۔

”میں اس سے کوئی بدلہ نہیں لینا چاہتا تھا مگر نہ جانے کیوں اسے دیکھتے ہی میں غصے سے بے قابو ہونے لگتا تھا۔“ روحیل نے افسردگی سے جواب دیا۔

”اس لیے کہ تم اس سے محبت کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ تمہارے اس عیب کی وجہ سے وہ تم سے نفرت نہ کرتے لگے اور تمہیں چھوڑ کر نہ چلی جائے۔“ ماں جی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

”ہاں، شاید..... یہی ڈر اور خوف میرے اندر موجود تھا۔“ روحیل نے شرمندگی سے جواب دیا۔

”اور اب تم کیا چاہتے ہو؟“ انہوں نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

”وہی جو آپ چاہتی ہیں۔“ روحیل نے آہستہ آواز میں سر جھکا کر کہا۔

”ٹھیک ہے، میں ابھی ردا کی ماما کو فون کرتی ہوں اور ہم جا کر ردا کو واپس گھر لے آتے ہیں۔ شکر ہے پروردگار نے ہماری عزتوں کا بھرم رکھ لیا۔“ ماں جی نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا اور ردا کا نمبر ملائے لگیں مگر اس نے فون نہ اٹھایا۔ انہوں نے گھر کا نمبر ڈائل کیا تو خدیجہ بہت بچھے، بچھے لہجے میں بات کرنے لگیں۔

”میں معذرت چاہتی ہوں، اس روز میں اور ردا چل نہیں آسکے۔“ ماں جی شرمندہ سے لہجے میں بولیں۔

”اچھا ہی کیا..... آکر بھی کیا کرتے۔“ خدیجہ بیگم مایوسی سے بولیں۔

”کیا مطلب..... ردا بیٹی ٹھیک تو ہے؟“ ماں نے قدرے گھبرا کر پوچھا۔

”نہیں.....“ خدیجہ بیگم نے بھرائے لہجے میں

جواب دیا۔

”کیا ہوا اسے..... سب ٹھیک تو ہے ناں؟“

ماں جی نے جلدی سے پوچھا۔

”سب کچھ ختم ہو گیا ہے، ردا کی امید اور خوشخبری بھی۔ اس کا مس کیرج ہو گیا ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ روئے لگیں۔

”ک..... ک..... کب؟“ ماں جی نے گھبرا کر پوچھا تو روحیل چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”اسی روز جب آپ نے آنا تھا..... ردا کو چکر آیا اور وہ واش روم میں گر گئی..... اور..... پھر.....“ خدیجہ سسکتے لگیں۔

ماں جی کی آنکھوں سے بھی آنسو گرنے لگے اور انہوں نے فون بند کر دیا۔

”ماں جی..... کیا ہوا..... آپ رو کیوں رہی ہیں؟“ روحیل نے گھبرا کر پوچھا۔

”ردا کا مس کیرج ہو گیا ہے۔“ انہوں نے سپاٹ لہجے میں بتایا۔

”کیا.....؟ یہ جھوٹ ہے، ایسا نہیں ہو سکتا۔“ روحیل نے ایک دم غصے سے کہا۔

”یہ سچ ہے، ردا کی ماما یہی بتا رہی تھیں۔“ ماں جی نہایت افسردہ تھیں۔

”وہ لوگ ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں، ہمارے ساتھ ڈراما کھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں، پہلے گڈ نیوٹر بتا کر ہمیں ٹریپ کرنے کی کوشش کی اور اب ہم اسے لینے جا رہے ہیں تو بات ہی ختم ہو گئی۔ میں تو کہتا ہوں وہ ہمیں الو بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ روحیل غصے سے بے تکلف بولے گئے۔

”روحیل..... بس کرو، میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں اور تمہاری فضول باتیں مجھے مزید پریشان کر رہی ہیں کیا تمہاری رپورٹس تمہارے پاس ثبوت نہیں کہ ردا نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔“ ماں جی نے غصے سے کہا۔

”مجھے اب کسی پر یقین نہیں رہا..... انہوں نے puppet سمجھ رکھا ہے، میرے ساتھ وہ جیسا چاہیں تماشا کریں۔“ روحیل نے غصے سے کہا۔

”بس کرو..... کیوں فضول بکواس کر رہے ہو۔“ ماں جی نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”اور اب آپ بھی غور سے سن لیں ماں جی..... میں اب ردا کو لینے بھی نہیں جاؤں گا۔ آپ ان لوگوں کے ہاتھوں بے وقوف بن سکتی ہیں مگر میں نہیں۔“ روحیل نے طیش کے عالم میں کہا اور وہاں سے باہر چلا گیا۔ ماں جی حیران پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

رشنا نے ردا کو فون کیا اور اس کے حالات جان کر وہ بہت پریشان ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہوئے لگا تھا جیسے ردا کے سارے مسائل کا ذمہ دار تو قیر ہے۔ اس نے تو قیر کو فون کیا۔ وہ بھی ردا کے حالات کے بارے میں جان کر بہت پریشان ہو گیا تھا۔

”تو قیر بھائی..... اب آپ کو بھی ردا کے لیے کچھ کرنا ہو گا۔“ رشنا نے فون کر کے بھائی سے کہا۔

”کیا کروں..... میں نے اسے بھی فون کیا اور روحیل کو بھی..... مگر دونوں ہی میری بات سننے کو تیار نہیں..... میں خود اپنے آپ کو قصور وار سمجھتا ہوں اور اس بات کا میرے دل اور دماغ پر بہت گہرا اثر ہوا ہے۔ میری طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی رشنا!“ تو قیر نے اسے حال دل بتایا۔

”بہتر یہی ہے کہ آپ پاکستان چلے جائیں اور ماسٹری بیٹھ کر دونوں کو سمجھانے کی کوشش کریں..... ممکن ہے حالات میں کوئی بہتری پیدا ہو جائے اور آپ کے اندر سے بھی گلٹ کا احساس کم ہو جائے۔“ رشنا نے اپنے تئیں رائے دی۔

”اوکے..... کچھ سوچتا ہوں لیکن یہاں چاب کا بھی مسئلہ ہے۔“

کھیل دہلے کھیل دل

”اس وقت سب سے اہم ردا کی زندگی اور خوشیاں ہیں، پلیز آپ اس کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔“ رشنا نے نہایت گلوگیر آواز میں کہا تو قیر حریف شرمندگی میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

شمیلہ کا موڈ کافی دنوں کے بعد کچھ بہتر ہوا تھا اور وہ ریحانہ کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ ریحانہ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں اور باتوں ہی باتوں میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”بیٹا..... میں جانتی ہوں تم فہام سے بہت محبت کرتی تھیں مگر بیٹا اب وہ اس دنیا سے چلا گیا ہے یہ حقیقت تسلیم کرو، جانے والے تو چلے جاتے ہیں مگر پیچھے رہنے والوں کو تو زندہ رہنا پڑتا ہے۔ اپنی خاطر اور دوسروں کی خاطر..... تم بھی۔“ ریحانہ کہتے ہوئے رکیں۔

”آپ رک کیوں لگیں، کیا کہنا چاہتی ہیں؟“

شمیلہ نے بیٹھ کر ماں سے پوچھا۔

”تم جوان ہو اور زندگی کا سفر بہت لمبا ہے۔ تنہا عورت کے لیے تو یہ سفر بے ہی تکلیف وہ..... مگر عورت جب بیوہ یا مطلقہ ہو تو یہ سفر حریف اذیت ناک بن جاتا ہے۔ لوگ چیل کو دس کی طرح اس پر جھپٹنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے بیٹا سلمان نے تمہارے بارے میں جو سوچا ہے تم بھی سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچو۔“ ریحانہ نے اسے سمجھاتے ہوئے۔

”ک..... کیا مطلب.....؟“ شمیلہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”حاتم کے بارے میں.....“ ریحانہ نے بہ مشکل کہا۔

”آپ نے پھر حاتم کا نام لیا..... میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا..... میں اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتی اور آپ.....“ شمیلہ اب غصے سے بولی۔



اسی لمحے سلمان کمرے میں داخل ہوا تو حمیلہ اسے غصے سے گھورنے لگی۔

”کیا بات ہے، تم مجھے اتنے غصے سے کیوں گھور رہی ہو؟“ سلمان نے حیرت سے پوچھا۔

”اس لیے کہ آپ ہی میری زندگی میں آگ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”حمیلہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ ریحانہ نے گھبرا کر کہا۔

”ان کا بس نہیں چل رہا کہ کس طرح مجھ سے چھٹکارا پائیں۔“ وہ غصے سے چلائی۔

”حمیلہ..... فضول باتیں مت کرو، تم ہمیشہ میرے بارے میں بدگمان رہتی ہو۔ کبھی مجھے بڑا بھائی ہی نہیں سمجھا، کبھی اپنا ہمدرد نہ جانا۔“ سلمان نے شکایتی لہجے میں کہا۔

”کیونکہ آپ اس قابل ہی نہیں۔“ حمیلہ نے قدرے بدتمیزی سے کہا۔

”کیا.....؟“ حمیلہ کی بات پر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

”آپ نے آج تک بھائی ہونے کا کون سا حق ادا کیا ہے جو میں آپ کو بھائی سمجھوں۔“ وہ غصے سے اتنا کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

”ہمما..... کیا میں واقعی اس قابل نہیں کہ حمیلہ؟“ سلمان نے دل برداشتہ ہو کر ماں سے پوچھا۔

”نہیں..... نہیں تم اس کی باتوں کو دل پر نہ لو۔ وہ بہت زیادہ پریشان ہے۔ اسی لیے یہ سب کچھ.....“ ریحانہ نے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ تیوریوں پر بل لیے وہاں سے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

حمیلہ کی بدتمیزیاں بھائی بھادج سے بڑھتی جا رہی تھیں یہاں تک کہ ایک دن نفیسہ مندر کی زیادتیوں اور زبان درازی سے تنگ آ کر گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر بیٹھی۔ حمیلہ دل ہی دل میں خوش

تھی کہ بھادج کا پٹا صاف ہو جائے گا جیسی ریحانہ بیگم کو بیٹے کا گھرا جڑنے کا خدشہ لاحق ہو گیا تو انہوں نے فوری فیصلہ کر لیا۔

”تم..... تم کہیں نہیں جاؤ گی، یہ تمہارا گھر ہے اور تم یہیں رہو گی۔ یہاں سے جائے گی تو حمیلہ۔“

اس روز کے بے انتہا جھگڑے کے بعد ریحانہ نے ٹھوس لہجے میں کہا تو نفیسہ ساس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ ریحانہ اپنے کمرے میں آ کر کافی دیر سوچنے کے بعد حاتم کا نمبر ملائے لگیں۔

”حاتم بیٹا.....! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ کافی دیر بعد اس نے فون اٹھایا تو ریحانہ نے جلدی سے کہا، اسی لمحے حمیلہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی مگر ماں کو حاتم سے باتیں کرنا سن کر وہیں ٹھنک کر ماں کی بات سننے لگی۔

”حاتم بیٹا..... میں حمیلہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔“ انہوں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

”ہاں، ان کے ساتھ حادثہ بھی تو بہت بڑا ہوا ہے ناں!“ حاتم نے نہایت افسردگی سے جواب دیا۔

”وہ دکھا اپنی جگہ پر ہے لیکن تم لوگوں کو حمیلہ کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔“ ریحانہ نے شکایتی لہجے میں کہا تو یہ سن کر حمیلہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا۔

”کیا مطلب..... میں سمجھا نہیں خالہ؟“ حاتم نے حیرت سے پوچھا۔

”بیٹی غیر شاوی شدہ..... ہو تو اس کی میٹھ میں اور حیثیت ہوتی ہے مگر جب وہ بیوہ ہو کر یا طلاق لے کر آتی ہے تو اس کی حیثیت یکسر بدل جاتی ہے۔ وہ ایسا بوجھ بن جاتی ہے جسے کوئی بھی خوشی سے اٹھانے کو تیار نہیں ہوتا۔“ وہ افسردگی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔

”لیکن ہم تو پوری کوشش کر رہے ہیں کہ بھابی آپ پر بوجھ نہ بنیں۔ گھر میں حالات سازگار نہیں تھے اس لیے ہم انہیں آپ کے پاس چھوڑ گئے تھے۔“

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

حاتم نے وضاحت دی۔

”لیکن وہ یہاں اپنے بھائی بھادج کے لیے مسئلہ بنی ہوئی ہے بیٹا..... فہام ثواب زندہ نہیں، ایسے میں تم جی میری امید ہو جو حمیلہ کے دکھ کو کم کر سکتے ہو۔“

”مکانہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو حمیلہ یکبارگی چوکی۔

”ہاں..... ہاں..... خالہ جان میں بھی آپ کا بیٹا ہوں، آپ فکر نہ کریں۔“ حاتم نے تسلی دی۔

”جیتے رہو..... خدا تمہیں لمبی زندگی دے، حمیلہ کی عدت ختم ہو رہی ہے، میں جلد ہی تم سے ملنے آؤں گی۔“ ریحانہ نے کہا اور اسے دعا میں دینے لگیں اور حمیلہ کا بارہ ہائی ہونے لگا اور وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

رات کافی گہری ہو رہی تھی۔ ردا اپنے کمرے میں بیڈ پر سو رہی تھی، وہ چہرے سے بہت کمزور اور مرجھائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے کافی گہرے ہو رہے تھے۔ وہ ایک دم انہی اور اپنے چہرے اور گلے پر ہاتھ پھیرنے لگی اسے سخت پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ سائنڈ ٹیبل پر پانی کی بوتل خالی پڑی تھی۔ تیند اور کمزوری کی وجہ سے اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ وہ چیزوں کو پکڑ کر آہستہ آہستہ لاؤنج میں آئی۔ عاصم بھی اسی وقت کمرے سے باہر نکلا تھا وہ ردا کو دیکھ کر چونکا۔ ردا نے ڈانٹنگ ٹیبل کی چیئر پر ہاتھ رکھا تو بری طرح لڑکھڑانے لگی۔

عاصم نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے تھامتا تو ردا نے انتہائی حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور محبت سے اس کے ہاتھ چومنے لگی۔

”تھنک یو..... ان ہاتھوں نے ہمیشہ مجھے گرمی سے بچایا ہے۔“ ردا نے سسکی بھر کر کہا۔

”تم..... تم کمرے سے باہر کیوں آئی ہو؟“ عاصم نے پوچھا کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

کھیل دیپ جلتے کھیل دن

”پانی..... پینے..... پیاس لگ رہی تھی۔“ ردا نے کہا تو عاصم نے اسے کرسی پر بٹھایا اور گلاس میں پانی ڈال کر اسے دیا۔

”تھنک یو.....“ ردا نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا اور پانی پینے لگی۔

”عاصم بھائی..... کیا آپ کے دل میں واقعی میرے لیے اب محبت نہیں رہی؟“ ردا نے سسکی بھر کر پوچھا۔

”رات کافی ہو چکی ہے تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔“ عاصم نے منہ پھیر کر کہا۔

”کیا..... میں آپ کی نظر میں بھی مجرم ہوں؟“ کیا آپ کو اپنی ردا پر ذرا سا بھی بھروسہ، اعتبار اور یقین نہیں رہا؟“ ردا نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ کوئی جواب دیے بغیر وہاں سے جائے لگا مگر ردا ایک دم اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور اس کے بازوؤں کو پکڑ کر پوچھنے لگی۔

”پلیز ایک بار میری طرف دیکھ کر کہیں کہ آپ مجھے قصور وار سمجھتے ہیں پھر ساری زندگی کچھ نہیں پوچھوں گی۔“ ردا نے روتے ہوئے کہا۔

”میں کیا سارا زمانہ تمہیں قصور وار سمجھتا ہے۔“ عاصم نے نہایت بے رخی سے جواب دیا۔

”میں زمانے کی نہیں..... آپ کی بات کر رہی ہوں بھائی۔ زمانہ کبھی مجھ سے اتنی محبت نہیں کرتا تھا جتنی محبت آپ کرتے تھے۔“ وہ روتے ہوئے بولی۔

”تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی ذمے دار تم خود ہو۔“ وہ دُشٹی سے بولا۔

”کیا..... میں خود.....؟“ ردا نے حیرت سے پوچھا تو وہ اس سے اپنا بازو چھڑا کر واپس کمرے میں چلا گیا اور ردا کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

”اس کا مطلب ہے آپ مجھے ہی قصور وار سمجھتے ہیں۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے روتی لگی اور روتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆

☆ ☆ ☆



☆☆☆

جونہی فجر کی اذانیں بلند ہوئے تھیں۔ سامد  
ٹھیل پر پڑے شمیلہ کے موبائل پر الارم بجا، شمیلہ۔  
بڑا کرانگی اور واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلی  
اس نے چادر لٹٹی اور بیڈ کے نیچے سے اپنا پہلے سے  
تیار شدہ بیگ نکال کر دیے قدموں لاؤنج میں  
آگئی۔ رات میں حاتم سے ماں کی گفتگو سن کر اس  
نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی  
لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ باہر ابھی کافی اندھیرا ہو رہا  
تھا۔ سڑک پر اکاؤنٹا لوگ دکھائی دے رہے تھے۔  
شمیلہ اپنے چہرے کو چادر سے اچھی طرح لپیٹے بیگ  
ہاتھ میں پکڑے سڑک پر جا رہی تھی۔ جیسے ہی وہ مین  
روڈ پر آئی تو سامنے سے پولیس کی گاڑی گشت کرتی  
ہوئی آ رہی تھی۔ جونہی گاڑی کی ہیڈ لائٹس شمیلہ پر  
پڑیں تو فرنٹ سیٹ پر بیٹھے پولیس مین نے چونک  
کر اسے دیکھا اور ڈرائیور کو گاڑی روکنے کو کہا۔  
”اس عورت کے پاس گاڑی روکو۔ اس وقت  
تہا عورت کیوں گھر سے نکلی ہے، معلوم بھی ہے شہر کے  
حالات کتنے خراب ہیں۔ ان لوگوں کی بھی کچھ سمجھ نہیں  
آتی۔“ پولیس مین نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔  
”کوئی مجرم ہوگی۔“ ڈرائیور نے اس کے  
قریب گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ شمیلہ نے گھبرا کر اپنا  
چہرہ مزید ڈھانپنے کی کوشش کی۔ پولیس مین گاڑی  
سے نیچے اتر۔  
”بی بی..... کون ہو تم..... اور اس وقت کہاں  
جا رہی ہو؟“ پولیس مین نے پوچھا۔  
”وہ..... میں..... میں.....“ شمیلہ گھبرا کر  
ہکلاتے ہوئے بولی۔  
”گھبرا تو تم اس طرح رہی ہو جیسے چوری کر  
کے بھاگی ہو۔“ پولیس مین نے معنی خیز انداز میں  
گھور کر اس سے پوچھا۔  
”ج..... ج..... چوری.....“ شمیلہ مزید گھبرا کر

بولی اور اپنے بیگ کی طرف دیکھا۔

”یہ کس کا ہے؟“ اس نے شمیلہ کا بیگ چھینتے  
ہوئے پوچھا۔  
”مم..... مم..... میرا۔“ اس نے رک رک کر  
جواب دیا۔  
”اگر یہ بیگ تمہارا ہے تو گھبرا کیوں رہی ہو،  
چلو پولیس اسٹیشن..... وہیں چل کر تفتیش ہوگی۔“  
پولیس مین نے کہا تو وہ گھبرا کر رونے لگی۔  
”پلیز..... مجھے پولیس اسٹیشن لے کر مت  
جاؤ۔“ شمیلہ نے روتے ہوئے التجا کی۔  
”چلو..... گاڑی میں بیٹھو..... ورنہ.....“  
پولیس مین نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا تو شمیلہ ڈر  
کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور رونے لگی۔

☆☆☆

ریحانہ وضو کر کے شمیلہ کے کمرے کی طرف  
آئیں اور دروازے پر دستک دیتے ہوئے بولیں۔  
”شمیلہ.....! اٹھو، نماز کا ٹائم ہو رہا ہے۔“ مگر  
کمرے سے آواز نہ آئی تو وہ دروازہ کھول کر اندر  
چلی گئیں۔ شمیلہ کمرے میں نہیں تھی۔ انہوں نے  
واش روم دیکھا وہ بھی خالی تھا۔ وہ گھبرا کر اسے  
آوازیں دیتی ہوئی لاؤنج میں آگئیں۔ لاؤنج کا  
پیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ان کے کانوں میں شمیلہ  
کے الفاظ گونجنے لگے۔  
”میں یہ گھر چھوڑ کر دارالامان چلی جاؤں گی۔  
یہاں نہیں رہوں گی۔“ ریحانہ کے چہرے پر ایک دم  
پریشانی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے اور وہ گھبرا کر  
سلمان کے کمرے کے دروازے کو زور زور سے  
بجانے لگیں۔ سلمان اور اس کی بیوی آنکھیں مٹے  
ہوئے کمرے سے باہر آ گئے۔  
”مما..... کیا ہوا..... آپ اتنی گھبرائی ہوئی  
کیوں ہیں؟“  
”شمیلہ گھر پر نہیں..... وہ..... وہ گھر چھوڑ کر

چلی گئی ہے۔“ انہوں نے روتے ہوئے بتایا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ خالہ  
جان کی طرف گئی ہو۔“ سلمان نے کہا۔  
”نہیں..... وہ دارالامان جانے کو کہہ رہی  
تھی۔“ ریحانہ نے سسکتے ہوئے کہا۔  
”کیا..... دارالامان.....؟“ سلمان حیرت  
سے چلا یا۔  
”ہماری عزت خاک میں ملانے میں وہ کوئی  
کسر نہیں چھوڑے گی۔“ نفیسہ غصے سے بولی۔  
”پلیز..... تم تو چپ کرو اور جاؤ اپنے کمرے  
میں۔“ سلمان اسے غصے سے ڈالتے ہوئے بولا تو وہ  
منہ بنا کر وہاں سے چلی گئی۔  
”کیا..... اس نے آپ سے کچھ کہا تھا؟“  
سلمان نے ماں سے پوچھا۔  
”بس کچھ روز پہلے وہ جانے کو کہہ رہی تھی۔  
شاید وہیں چلی گئی ہے۔ وہ گھر کے حالات سے بہت  
پریشان تھی۔ معلوم نہیں اب وہ کہاں گئی ہے۔ شاید  
دیں.....“ ریحانہ سخت پریشان تھیں۔  
”کوناف خدایا..... کیا کروں، اب اسے کہاں  
حلاش کروں۔ اس لڑکی نے تو.....“ سلمان غصے سے  
جھجلا کر بولا۔  
”بیٹا..... ابھی کسی سے کوئی بات نہ کرنا ورنہ  
بہت بے عزتی ہوگی۔ تم اسے کسی دارالامان میں  
حلاش کرو۔“ ریحانہ نے بیٹے کو سمجھایا۔  
”مما..... اگر وہ کسی دارالامان میں پائی گئی تو  
خاندان بھر میں ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں  
گے۔ کتنی شرمندگی ہوگی۔“ وہ غصے سے بولا اور.....  
بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور ریحانہ گڑگڑا کر گڑا کر  
خدا سے دعا میں کرنے لگیں۔

☆☆☆

پولیس مین انسپٹر حیدر علی کورات کے گشت کے  
بارے میں تفصیلات بتا رہا تھا۔ شمیلہ ایک کونے میں

کھین دیب طے کھس دل

چادر سے اپنا چہرہ اچھی طرح لپیٹ کر بیٹھی تھی۔ اس  
کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔  
”سر..... فجر کے ٹائم یہ عورت پکڑی گئی ہے،  
شاید کوئی واردات کر کے نکلی تھی یا کرنے جا رہی تھی۔  
یہ تفتیش کرنا ابھی باقی ہے۔“ پولیس مین نے شمیلہ کی  
طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو حیدر علی نے اسے  
پیش کرنے کو کہا۔ شمیلہ نے سفید سوٹ کے اوپر بڑی  
سی چادر سر تاپا لپیٹی ہوئی تھی۔ حیدر علی نے مشکوک  
انداز میں اس کی طرف بٹور دیکھا۔  
”کون ہو تم..... اور کون سی واردات کرنے  
جا رہی تھیں؟“ حیدر علی نے پوچھا۔  
”ک..... کوئی نہیں۔“ وہ ہکلا کر بولی۔  
”پھر اتنی صبح صبح کہاں جا رہی تھیں؟“ حیدر علی  
نے پوچھا تو شمیلہ خاموش ہو گئی۔  
”بیٹا..... خاموش کیوں ہو؟“ اس نے  
ک سخت لہجے میں پوچھا۔  
”میں..... گھر چھوڑ کر جا رہی تھی۔“ شمیلہ نے  
تم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔  
”کہاں.....؟“ حیدر علی نے پوچھا۔  
”دارالامان۔“  
”کیوں.....؟“  
”میں نہیں بتا سکتی۔“ اتنا کہہ کر وہ خاموش  
ہو گئی۔  
”تمہارے گھر والے؟“ حیدر نے پھر سوال کیا۔  
”میرا کوئی نہیں۔“  
”کیا تم شادی شدہ ہو؟“ حیدر نے پوچھا۔  
”یہ وہ ہوں.....“ شمیلہ نے تم آنکھوں سے  
جواب دیا۔  
”اوہ..... آئی سی۔ کیا سسرال والے تنگ  
کر رہے ہیں اور تم سسرال سے بھاگی ہو؟“ حیدر نے  
مزید کریدتے ہوئے کہا۔  
”نہیں.....“ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔



”ابھی کہاں رہ رہی تھیں؟“ حیدر نے پوچھا۔  
”میکے میں۔“ حمیلہ نے جواب دیا تو حیدر خاموش ہو گیا۔

”انہیں دوسرے کمرے میں بٹھاؤ۔“ حیدر نے پولیس مین سے کہا تو وہ اسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو حیدر کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

”یہ کسی اچھے گھر کی لگ رہی ہے، کیا اس کا کوئی سامان ہے؟“ حیدر نے پولیس مین سے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔ یہ بیک ہے۔“ پولیس مین نے حمیلہ کا بیک اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔ حیدر نے وہ بیک کھولا تو اس میں حمیلہ کے چند جوڑوں کے علاوہ فہام کی تصویر بھی تھی۔ فہام کی تصویر دیکھ کر وہ بری طرح چونکا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ اس کا مطلب ہے یہ؟“ حیدر نے پولیس مین کو تصویر دیتے ہوئے کہا تو وہ بیک لے کر چلا گیا۔ حیدر نے جلدی سے حاتم کا نمبر ملا لیا۔ وہ سو رہا تھا۔

”حاتم۔۔۔۔۔ میں انسپٹر حیدر علی بات کر رہا ہوں۔ کیا تم اس وقت پولیس اسٹیشن آسکتے ہو؟“  
”کیوں۔۔۔۔۔ خیریت تو ہے؟“ حاتم نے گھبرا کر پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں خیریت ہے، بس تم فوراً پہنچو۔۔۔۔۔“ حیدر نے کہہ کر فون بند کر دیا تو حاتم کچھ سوچتے ہوئے تیار ہوتے چل دیا۔

☆☆☆

”حیدر بھائی۔۔۔۔۔ خیریت تو ہے ناں۔۔۔۔۔ آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟“ حاتم نے حیدر علی کے سامنے بیٹھ کر پریشانی سے پوچھا۔

”فہام کی ڈیڑھ کا مجھے بہت انوس ہے۔ وہ اکثر بہت یاد آتا ہے۔“ حیدر علی نے معنی خیز انداز میں فہام کا ذکر کیا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ان کے جانے سے تو ہم سب ڈسٹرب ہو گئے ہیں۔“ حاتم نے تاسف سے کہا۔  
”آپ کی مدد اور بھائی کے لیے تو یہ صدمہ برداشت کرنا بہت مشکل ہو گا؟“ حیدر نے جان بوجھ کر ذمہ داری انداز میں اس سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ بھائی تو اپنے senses میں ہی نہیں۔“ حاتم نے قدرے جھجکتے ہوئے بتایا۔

”آئی سی۔۔۔۔۔ ویسے آج کل وہ کہاں ہیں؟“ حیدر نے تفتیشی انداز میں پوچھا۔

”اپنی مہم کے پاس۔۔۔۔۔“ حاتم نے ایک گہری سانس لے کر جواب دیا۔

”انہیں وہاں کوئی پرابلم تو نہیں؟“ حیدر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”نہیں بظاہر تو ایسا نہیں مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ حاتم نے نہایت حیرت سے کہا۔

”انہیں لے کر آؤ۔“ حیدر نے سپاہی کو کہا تو حاتم نے چونک کر اسے دیکھا۔

سپاہی، حمیلہ کو لے کر آیا تھا۔  
”تشریف رکھیے۔۔۔۔۔ سسر فہام۔۔۔۔۔“ حیدر علی نے قدرے احترام سے کہا تو حمیلہ اور حاتم دونوں بری طرح چونکے۔

”بھئی۔۔۔۔۔ آپ اور یہاں۔۔۔۔۔؟“ حاتم حیرت سے بڑبڑایا۔ حمیلہ نے چہرے سے چادر ہٹا کر بری طرح سسکنے لگی۔

”حیدر بھائی یہ سب کیا ہے؟“ حاتم نے خاصی تشویش سے پوچھا۔

”تم نے خود ہی بتایا ہے کہ یہ بہت اہم سیٹ ہیں، شاید اسی ٹینشن میں مجھ پر گھر سے نکلیں تو پولیس انہیں پکڑ کر یہاں لے آئی۔ ان کے بیک سے فہام کی تصویر نکل تو میں نے تمہیں فون کر دیا۔“ حیدر علی نے بتایا تو حاتم حیران رہ گیا۔

”بھائی آپ کہاں جا رہی تھیں؟“ حاتم نے

حمیلہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔  
”حاتم بی الجال تم انہیں گھر لے جاؤ۔۔۔۔۔ یہ کافی گھبرائی ہوئی ہیں۔“ حیدر نے حمیلہ کے پریشان چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو۔۔۔۔۔ حیدر بھائی!“ حاتم نے اٹھ کر حیدر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”چلیے بھائی۔۔۔۔۔“ حاتم نے حمیلہ سے کہا تو وہ اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے بغیر کچھ بولے اس کے ہمراہ باہر چلی گئی۔

☆☆☆

حمیلہ، حاتم کے ہمراہ گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی خاموشی سے ونڈو سے باہر دیکھ رہی تھی۔ حاتم کن انکسوں سے بار بار اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کافی دیر خاموش رہے۔

”بھائی! آپ تو عدت میں تھیں پھر گھر سے باہر کیوں نکلیں؟“ بالآخر حاتم نے پوچھا۔

”دارالامان جانے کے لیے۔“ حمیلہ نے منہ پھیرے پھیرے جواب دیا۔

”کیا۔۔۔۔۔ دارالامان۔۔۔۔۔ کیوں؟“ حاتم نے حیرت سے پوچھا۔

”جس بے آسرا عورت کے قدموں تلے نہ زمین اپنی ہو اور نہ سر پر چھت تو اسے دارالامان ہی پناہ دیتا ہے۔“ حمیلہ نے سسکی بھر کر جواب دیا۔

”سیا آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں، آپ فہام بھائی کی نشانی ہیں، ہمارا سب کچھ آپ کا بھی ہے۔“

”ہمارے فہام بھائی۔۔۔۔۔“ حاتم نے کچھ کہنا چاہا۔  
”مجھے فہام کے پاس لے چلو۔ اس کی قبر پر۔“

حمیلہ نے روتے ہوئے کہا۔  
”اوسکے۔۔۔۔۔“ حاتم نے گہری سانس لے کر

اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور گاڑی کا رخ قبرستان کی طرف موڑ دیا۔ فہام کی قبر کو دیکھتے ہی حمیلہ دھاڑیں مارتی ہوئی اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

مباحثہ پاکستان 67 اکتوبر 2013

کھیل دیب چلے کھیل دل

”فہام۔۔۔۔۔ آپ یہاں آ کر آرام سے سو رہے ہیں اور میں آپ کے بغیر کتنی تنہا اور بے سہارا ہو گئی ہوں، در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہوں، کوئی بھی مجھے اپنے پاس رکھنے کو تیار نہیں۔ میں سب پر یو جھ بن گئی ہوں۔ فہام اٹھیے۔۔۔۔۔ چلیے۔۔۔۔۔ یہاں سے۔۔۔۔۔ میں آپ کو لینے آئی ہوں۔“ حمیلہ نے قدرے جذباتی ہو کر قبر کی مٹی ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا تو حاتم گھبرا گیا۔

”حمیلہ بھائی یہ۔۔۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہی ہیں۔ چلیں، انہیں یہاں سے۔“ حاتم نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

”تہیں، نہیں۔۔۔۔۔ میں نہیں جاؤں گی۔“ حمیلہ چلاتے ہوئے بولی۔

”پلیز۔۔۔۔۔ بھائی خدا کے لیے، چلیے یہاں سے ابھی یہاں ایک تراشا کھڑا ہو جائے گا۔“ حاتم اسے زبردستی کھینچتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

”مسلمان۔۔۔۔۔ حمیلہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک کر تھکا ہارا گھر لوٹا تو ریحانہ بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”بیٹا۔۔۔۔۔ اس کا کچھ پتا چلا۔۔۔۔۔؟“ ریحانہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ تمام ایڈیسی سینٹرز اور دارالامان میں بھی گیا ہوں مگر کچھ پتا نہیں چلا۔“ وہ انتہائی تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”بیٹا۔۔۔۔۔ اگر وہ نہ ملی تو۔۔۔۔۔؟“ انہوں نے بے حد پریشان ہو کر پوچھا۔

”پھر پولیس میں رپورٹ لکھوانی پڑے گی۔“ مسلمان بیزار سی سے کہنے لگا۔

”نہیں، نہیں بیٹا۔۔۔۔۔ پولیس میں رپورٹ لکھوانے سے بڑی بدنامی ہوگی۔“ ریحانہ نے گھبرا کر کہا تو اسی لمحے نفیسہ بھی وہاں آ گئی۔

”ویسے تو وہ بڑے نیک نای کے چھٹے گاڑ

مباحثہ پاکستان 66 اکتوبر 2013



رہی ہے ناں۔ ”وہ ناک چڑھا کر بولی۔  
”نفیسہ..... تم خاموش رہو.....“ سلمان غصے سے بولا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

☆☆☆

حاتم، ہمیلہ کو چھوڑنے خالہ کے گھر آیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”نہیں..... میں اب یہاں نہیں رہوں گی، مجھے یہاں ڈراپ مت کرو، نفیسہ بھابی نے میری زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔“

”ابھی آپ کا نہیں رہنا بہتر ہے، چند دنوں کی بات ہے پھر میں آپ کے لیے وہی کروں گا جو آپ چاہیں گی اگر الگ گھر میں رہنا چاہیں گی تو وہ بھی آپ کو لے کر دوں گا۔“ حاتم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”کیونکہ آپ ہمارے فہام بھائی کی محبت اور ان کی نشانی ہیں۔ آپ کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ آپ کو کوئی بے سہارا اور لاوارث نہیں۔ آپ کو کوئی بھی پرالیم ہو تو پلیز مجھے فوراً کال کریں، چلیے اب میں آپ کو اندر چھوڑ کر آتا ہوں۔“ حاتم نے گاڑی گیٹ کے سامنے روکتے ہوئے کہا تو ہمیلہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا اور پچھلی سیٹ سے بیگ نکالنے لگی۔

”اسے یہیں رہنے دیں اور کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ آپ کہاں سے آرہی ہیں۔ آئی مین..... پولیس اسٹیشن کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ورنہ نفیسہ بھابی کو پھر باتیں بتانے کا موقع مل جائے گا۔ پلیز اس مشکل وقت کو ہمت سے گزاریں۔ میں جلد آپ کو یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔“ حاتم نے ٹری سے سمجھاتے ہوئے کہا اور اس کے ہمراہ اندر چلا گیا۔ وہ جو فی لاونچ میں داخل ہوئے تو تینوں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

”ہمیلہ..... ہمیلہ تم کہاں چلی گئی تھیں۔ حاتم بیٹا..... تم اسے کہاں سے لائے ہو؟“ ریحانہ نے بے صبری سے پوچھا۔

”خالہ جان..... میں انہیں فہام بھائی کی قبر پر لے گیا تھا۔ انہوں نے صبح، صبح مجھے فون کیا تو میں انہیں وہاں لے کر چل گیا۔“ حاتم نے جلدی سے بات بتائی۔

”اتنے اندھیرے میں قبرستان جانے کی کیا ضرورت پیش آگئی کہ گھر میں کسی کو بتانا تک مناسب نہیں سمجھا۔“ نفیسہ نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا تو سب چونک گئے۔

”آئی ایم سوری..... میں نے سمجھا بھابی نے بتایا ہوگا اس لیے۔“

”یہ تو عدت میں ہے پھر؟“ نفیسہ قدرے طنزیہ انداز میں بولی۔

”نفیسہ بھابی آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟“ حاتم نے حیرت سے پوچھا۔

”نہ ہم بچے ہیں نہ ہی تم لوگ..... جو ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہو۔ تم جوان بیوہ بھابی کے ساتھ صبح کے گئے اب آ رہے ہو..... کیا ہے یہ سب؟“ وہ قدرے غصے سے بولی تو سلمان کو غصہ آ گیا۔

”نفیسہ..... دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“ وہ غصے سے چلایا تو نفیسہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ حاتم بھی خاموشی سے وہاں سے چلا گیا اور ہمیلہ روٹی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

روانے کی روت سے کھانا پینا بالکل چھوڑ رکھا تھا۔ بس ہر وقت بیڈ پر لیٹی اپنے بدلتے ہوئے حالات اور اپنے ہی لوگوں کے بدلتے ہوئے رویوں کے بارے میں سوچتی رہتی اور آنسو بہاتی رہتی۔ اس سے انہوں کی یہ بے رخی بالکل برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

فہام کی جدائی، روٹیل کی بے وفائی، حاتم اور عاصم کی بے اعتنائی، ہمیلہ کی بے اعتباری نے اسے اندر ہی اندر اتنا کھوکھلا کر دیا تھا کہ وہ بس زندہ لاش دکھائی دیتی تھی۔ بہت منت سماجت سے ماں خود سے زبردستی چند لقمے کھلاتیں تو کھالیتی ورنہ کھانے کو منہ نہ لگتی..... اب بھی خدیجہ بیگم اس کے پاس بیٹھی زبردستی دودھ کانگ اس کی طرف بڑھا کر اسے پینے کو کہہ رہی تھیں مگر اس کا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

”بیٹا..... اٹھو..... تھوڑا سا دودھ ہی پی لو..... دیکھو تو اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔ اٹھو میری جان۔“ انہوں نے زبردستی ٹک اس کے ہونٹوں کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”مما..... انسان کی زندگی کے لیے سب سے اہم کیا ہوتا ہے؟“ روانے مگ پکڑ کر انہیں بخوردیکھتے ہوئے پوچھا۔

”انسان کا اپنا وجود..... اگر وہ زندہ ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔“ انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پیار سے کہا۔

”اور وجود کے لیے سب سے ضروری کیا ہوتا ہے؟“ یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟“ خدیجہ بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

”مما..... بتائیں ناں..... وجود کے لیے سب سے اہم کیا ہوتا ہے؟“ روانے اصرار کیا۔

”اس کی بقا..... اور بقا کے لیے سب کچھ..... پھر اس کا خدا پر ایمان..... اپنی عزت و آبرو اور دوسروں کا اس پر اعتبار.....“ خدیجہ بتاتے لگیں۔

”اور جو انسان میری طرح بے اعتبار ہو جائے اس کی کوئی عزت نہ رہے تو وہ کیا کرے؟“ روا نے ان کی بات کا نٹے ہوئے کہا۔

”مت ایسی باتیں کیا کرو..... اسے بس اپنی ہمت سے سمجھو اور آزمائش میں انسان کا ایمان خدا پر اور زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔“ خدیجہ بیگم نے اس کا

کھس دیب طے کھیں دل

ہاتھ پکڑ کر نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔  
”میں بہت کمزور انسان ہوں، جس کا ایمان بھی کمزور ہو رہا ہے اور وجود بھی۔“ روانے سسکی بھر کر ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اسی لمحے زریںہ دروازہ کھول کر قدرے پرجوش انداز میں اندر داخل ہوئی۔  
”بیگم صاحبہ..... روائی بی کی ساس آئی ہیں۔“ اس نے خوش ہو کر بتایا۔

”کیا..... ماں جی.....؟“ ایک دم روانے چونک کر پوچھا۔ خدیجہ بھی حیران ہونے لگیں ورنہ ماں جی اسٹک کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی فضیلت کے ہمراہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ روا جلدی سے بیڈ سے اتری اور ماں جی کے گلے لگ کر رونے لگی۔

”میری بیٹی..... روا میری جان..... یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے، میری گڑیا سی روا کہاں گم ہو گئی ہے؟“ ماں جی نے والہانہ انداز میں اسے چوما اور اسے سر تاپا دیکھتے ہوئے بولیں۔  
”وہ روا تو سر جکی ہے۔“ وہ سسکی بھرتے ہوئے بولی۔

”اللہ نہ کرے، جب تک میں زندہ ہوں، میری روا کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ آج میں اپنی روا کو خود لینے آئی ہوں۔“ ماں جی نے محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ جمبی حاتم قدرے بلند آواز میں ماما ماما پکارتا ہوا روا کے کمرے کے سامنے سے گزرنے لگا مگر کھلے دروازے کے سامنے رک گیا۔

”حاتم..... اندر آؤ..... ہم سب یہاں ہیں۔“ خدیجہ بیگم نے جان بوجھ کر اسے اندر بلایا۔

”اوہ..... آپ.....؟ آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟“ حاتم نے اندر داخل ہو کر ماں جی کی طرف دیکھ کر حلق سے پوچھا۔

”میں اپنی روا کو لینے آئی ہوں۔“ ماں جی نے جلدی سے کہا۔



## تب ہم نے یہ حانا ہمدم

جب لہجے تبدیل ہوئے  
اور جذبوں میں وہ گرئی نہ رہی  
آنکھوں میں اتر آئی سرد مہری  
ہاتھ پر شکنیں ابھرنے لگیں  
تب ہم نے یہ جانا ہمدم  
کہ قربتیں قاصدے بن گئیں  
اور سرد جنگ ہی ٹھن گئی  
اب نہ لہجے میں وہ نرمی ہے  
نہ جذبوں میں وہ گرمی ہے  
تب ہم نے یہ جانا ہمدم  
کیوں اپنے انمول جذبے  
خلوص و وفا کے قیمتی گوہر  
تم پر آخر لٹائے کیوں  
تمہارے اصل کو جان نہ پائے کیوں؟  
شاعرہ: شملہ سہیل جاوید، کراچی

”بیٹا..... میں شمیلہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں، نفیسہ اور شمیلہ کا بہت جھگڑا ہوا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر رہیں۔“ انہوں نے روتے ہوئے کہا۔  
”خالہ جان..... اس کا یہی حل ہے کہ آپ کوئی رشتہ دیکھ کر شمیلہ بھابی کی فورا شادی کر دیں۔“ حاتم نے اپنی طرف سے مناسب رائے دی۔  
”بیٹا..... میں نے اسی لیے بلایا ہے کہ..... تم۔ تم..... شمیلہ سے شادی کر لو۔“ ریحانہ نے رک رک کر حاتم کے سر پر ہم پھوڑا تھا۔  
”کیا.....؟“ حاتم ایک دم حیرت سے چلاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔  
”حاتم بیٹا..... اس وقت تم ہی شمیلہ کو اس آزمائش سے نکال سکتے ہو۔ میں بہت بے بس اور مجبور ہو کر تمہارے آگے التجا کرتی ہوں۔“ ریحانہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے اس سے کہا۔  
”خالہ جان یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟“ حاتم نے گھبرا کر ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔  
”مجھ مجبور پر رحم کرو، میں تم سے بھیک مانگتی ہوں۔“ ریحانہ نے اس کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ گھبرا کر ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔  
”مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، میں کیا کروں؟“ حاتم نے خالہ کو کندھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔  
”بیٹا..... ان حالات میں تم ہی ہماری امید اور آسرا ہو۔ شمیلہ فہام کی بیوہ ہے اس کے دکھ کو جتنا تم سمجھ سکتے ہو کوئی اور نہیں۔“ انہوں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”اور دیکھو اس میں برائی بھی کوئی نہیں، تمہارے بھائی کی عزت گھر میں ہی رہے گی۔“  
”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیں۔“ حاتم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
”بیٹا..... سوچنے کا وقت ہی تو نہیں..... نفیسہ نے شمیلہ کو تمہارے ساتھ منسوب کر کے اس پر

صاف کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

”آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟“ ماں جی گھر پہنچیں تو روحیل نے ان سے پوچھا۔  
”ہم لوگ ردا کے گھر گئے تھے اسے لینے۔“ ماں جی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
”یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں.....“ روحیل غصے سے بولا۔  
”چھوڑ دو اپنی ضد اور جھوٹی انا.....“ ماں جی اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے بولیں۔  
”وہ مجھے بار بار دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہے اور میں اتنا بے غیرت نہیں کہ اس پر بار بار ٹرسٹ کروں۔“ روحیل بدلتا لٹکتا سے بولا۔  
”وہ بہت بیمار ہے بیٹا..... وہ جھوٹ نہیں بول رہی خدا کے لیے اپنی ضد چھوڑ دو اور اسے منا کر لے آؤ۔“ ماں جی نے محبت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔  
”میں اور اسے لینے جاؤں..... ایسا سب.....“ روحیل غصے سے کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ فضیلت اور ماں جی پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

آج پھر شمیلہ کا نفیسہ بھابی سے زیر دست جھگڑا ہوا تھا، نوبت ہاتھ پائی تک آن پہنچی اور یہ سارا منظر سلمان نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس نے شمیلہ کو ایک تھپڑ رسید کر کے بیوی کو اس کے چنگل سے نکالا تھا۔ ریحانہ بھی سب کچھ دیکھ چکی تھیں دونوں نے شمیلہ کو زبردستی کھینچ تان کر اس کے کمرے میں پہنچایا اور باہر سے دروازہ لاک کر دیا۔ وہ اندر چنچ، چنچ کر دروازہ کھٹکی رہی۔ ادھر ریحانہ بیگم نے جلدی سے فون کر کے حاتم کو بلا لیا۔ وہ جیسے تیسے دفتر کا کام سمیٹ کر خالہ کے ہاں پہنچا تھا۔  
”کیا بات ہے، آپ کیوں رو رہی ہیں؟“ حاتم نے ان کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

”روحیل نے خاندان بھر میں ہماری جتنی عزت کی ہے، کیا اس کے باوجود بھی آپ یہ امید کرتی ہیں کہ ہم ردا کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے؟“ حاتم غصے سے بولا۔  
”بیٹا..... روحیل اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہے۔“ ماں جی نے نرمی سے جواب دیا۔  
”اگر وہ شرمندہ ہے تو خود کیوں نہیں آیا؟“ حاتم نے اسی خشکی سے بولا۔  
”وہ..... وہ تو آتا چاہ رہا تھا۔“ ماں جی نے بوکھلا کر کہا۔

”خاندان بھر کے سامنے ردا کی جتنی بدنامی اور بے عزتی ہوئی ہے اس کا یہی تقاضا ہے کہ روحیل سب کے سامنے ردا سے اور ہم سے معافی مانگے..... پھر ہم ردا کو بھیجنے کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔“ حاتم نے ماں جی کی بات کاٹ کر ٹھوس لہجے میں کہا تو ماں جی نے گھبرا کر فضیلت کی طرف دیکھا۔  
”لیکن..... بیٹا.....“ ماں جی نے کچھ کہنا چاہا۔  
”یہی میرا آخری فیصلہ ہے اور اب قہام بھائی کی جگہ مجھے ہی سب کچھ کرنا ہے۔ سمجھیں یہی ہماری شرط ہے۔“ حاتم نے ان کی بات کاٹ کر قطعییت سے کہا تو خدیجہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ حاتم غصے سے باہر چلا گیا۔

”میں بھی بہت مجبور ہو چکی ہوں، بیٹوں کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ بس آپ روحیل کو منانے کی کوشش کریں۔“ خدیجہ بیگم نے ماں جی کی طرف دیکھ کر بے بسی سے کہا۔  
”چلو..... فضیلت۔“ ماں جی نے مایوسی سے فضیلت کی طرف دیکھ کر کہا اور دونوں کمرے سے باہر چلی گئیں ردا ماں کے گلے لگ کر سسکیاں بھرنے لگی۔  
”شاید..... تمہاری اور آزمائش ابھی باقی ہے۔ حوصلہ کرو، میری بیٹی!“ انہوں نے اسے ساتھ لگا کر روتے ہوئے کہا۔ ذریعہ بھی اپنی فم آنکھوں کو



”حاتم آیا تھا۔“ حمیلہ نے من کر کوئی جواب نہ دیا۔  
 ”وہ تم سے شادی کے لیے مان گیا ہے۔“  
 ریحانہ بیگم نے اتنا کہا تو حمیلہ چونک پڑی۔  
 ”تمہاری مجبوری اور میری بے بسی کو جان کر وہ  
 مانا ہے۔“ ریحانہ کا یہ کہنا تھا کہ حمیلہ نے مڑ کر ان کی  
 طرف دیکھا۔

”کیا مطلب..... کیا وہ ہم پر ترس کھا کر مانا ہے؟“  
 ”ترس سمجھو یا کچھ اور..... حاتم کا یہ ہم پر  
 احسان ہوگا۔“ ریحانہ بیگم نے زور سے کہا۔  
 ”کیا میں آپ پر اتنا بھاری بوجھ بن گئی  
 تھی؟“ حمیلہ سسک اٹھی۔

”جو مرضی سمجھو تمہارے پاس اب انکار کرنے  
 کا کوئی جواز ہے اور نہ ہی اختیار۔“ وہ ٹھوس لہجے میں  
 کہہ کر کمرے سے باہر جانے لگیں۔  
 ”آپ مجھے یوں مجبور کر کے زبردستی اپنی مرضی  
 مجھ پر ٹھونس نہیں سکتیں۔“ حمیلہ غصے سے چلائی۔

”میری مرضی..... کیا مجھ بے بس ماں کی کوئی  
 مرضی ہے؟ میں جو بھی کر رہی ہوں، تمہاری بہتری  
 کے لیے کر رہی ہوں۔ میں تمہاری دشمن نہیں۔“ اتنا  
 کہہ کر وہ باہر چلی گئیں اور حمیلہ عجیب کیفیت میں مبتلا  
 ہو کر اپنے ہاتھ مسلنے لگی۔

☆☆☆

آزاد کمپیوٹر پر کام کرنے میں مصروف تھا مگر  
 بار بار اسے پرائیمر آ رہی تھیں۔ وہ بری طرح جھنجھلا  
 رہا تھا۔ خفگی اور جھنجھلاہٹ کے تاثرات اس کے  
 چہرے پر نمایاں ہو رہے تھے۔ وہ کام چھوڑ کر کہنیاں  
 نیل پرٹکا کر اور ہاتھوں میں سر کو تھام کر بیٹھ گیا۔ منیجر  
 نے اسے تیسری بار فائل واپس کی تھی کیونکہ اس میں  
 بہت زیادہ غلطیاں تھیں۔

”آزاد صاحب..... کام کرتے ہوئے اپنے  
 ذہن کو حاضر رکھیں۔“ منیجر نے خفگی سے کہا اور شہر کا  
 کہا ہوا جملہ بار بار اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ وہ

اب اسے کیا بتاتا کہ وہ جب بھی کمپیوٹر پر کام کرنے  
 کے لیے بیٹھتا ہے تو اسے یمنی کی بھیجی ہوئی سیلرز  
 یاد آنے لگتی ہیں۔ اس کی کہی ہوئی باتیں اس کا تسخیر  
 اڑاتی ہیں..... اور اس کے لکھے ہوئے جملے اس کے  
 اندر اضطراب پیدا کرتے لگتے ہیں۔ وہ بہت زیادہ  
 پریشان ہو رہا تھا۔ جیسی کول دروازہ کھول کر اس کے  
 آفس میں داخل ہوئی۔

”ہیلو..... کیسے ہو تم؟“ کول نے مسکرا کر پوچھا۔  
 آزاد نے اس کی طرف بغور دیکھا اور خاموش رہا۔  
 ”میں تمہیں ایک سر پر اتار دینا چاہتی ہوں، کل  
 میں یمنی سے ملنے اس کے گاؤں گئی تھی اور.....“ اس  
 نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا۔

”ک..... ک..... کیا؟“ وہ ایک دم ہڑبوا کر  
 اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین  
 نہیں آ رہا تھا۔ وہ حیرت سے کول کی طرف دیکھنے لگا۔  
 ”اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے؟“ کول  
 نے چونک کر پوچھا۔

”نہیں..... میں تو اس بات پر حیران ہو رہا  
 ہوں کہ تم اچانک وہاں کیسے چلی گئیں۔“ آزاد نے  
 بے ربطی سے بوکھلا کر کہا۔  
 ”تم دونوں کی صلح کرانے۔“ کول نے مسکرا

کر کہا۔  
 ”صلح..... کیسی صلح.....؟“ اس نے ایک دم  
 گھبرا کر پوچھا۔

”مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم دونوں میں کسی بات  
 پر شدید ناراضی چل رہی ہے۔“ کول نے اس کے  
 چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”ناراضی..... ک..... ک..... کیسی ناراضی؟“  
 آزاد بری طرح گھبرا گیا تھا۔

”بھئی تم دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت  
 کرتے تھے..... اور یمنی تو تمہارا ذہن کرن کر رہی مسکرائی  
 رہتی تھی۔ تم سے وہ جتنی شدید محبت کرتی تھی اس کا

عکس اس کے چہرے اور آنکھوں میں صاف دکھائی  
 دیتا تھا..... اور اگر اتنی محبت کرتے والا کوئی شخص ایک  
 دم دوسرے سے بے خبر ہو جائے تو یقیناً دونوں کے  
 درمیان کوئی نہ کوئی ناراضی تو ہوگی ناں..... بس میں  
 یہی جانتا چاہتی تھی۔“ کول نے اس کی جانب بغور  
 دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ اس نے آہستہ آواز  
 میں جواب دیا۔

”یمنی بھی اسی طرح تمہارے ذکر پر خاموش  
 ہوئی تھی۔ اس نے بھی مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اس کا  
 مطلب ہے کہ بات واقعی سیریس ہے۔“ کول نے  
 مشکوک لہجے میں کہا۔

”تم کیوں اتنی کیڑ نہیں ہو رہی ہو، اس کی کیا  
 وجہ ہے؟ بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے معاملے میں  
 انوالونہ ہو.....“ آزاد نے قدرے خشکی سے کہا تو کول  
 نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم یوں ری ایکٹ  
 کر دے گے۔ میں نے تو پورے خلوص سے تم دونوں  
 کے دوہان صلح کرانے کا سوچا تھا۔“ کول نے  
 صاف گوئی سے کہا۔

”کیا میں نے تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟ تم  
 کون ہوئی ہو، ہمارے معاملے میں بولنے والی۔“  
 آزاد نے انتہائی درشت لہجے میں کہا تو کول اسے ہٹکا  
 دیا دیکھتی رہ گئی۔ اسے امید نہیں تھی کہ آزادیوں ہاتھ  
 ہو جائے گا۔

”میں نے تو صرف فریڈ شپ میں تم دونوں کو  
 ایک دوسرے سے ملانے کی کوشش کی ہے، اس لیے  
 کہ تم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔“  
 کول نے کہا۔

”محبت..... محبت؟ میں اس سے کبھی محبت نہیں  
 کر سکتا تھا، میں صرف اس سے نفرت کرتا تھا اور کرتا  
 رہوں گا اور میں نے محبت کا وہ کھیل اس سے انتقام

کھیل دے چکے تھے دل

لینے کے لیے کھیلا تھا۔“ وہ ایک دم غصے سے چلا  
 ہوئے بولا۔

”یو..... چیئر!“ کول نے زور سے اس کے  
 چہرے پر پھینک دیا تو آزاد ایک دم بوکھلا کر اسے دیکھنے لگا۔  
 ”آئی تھک..... تم یہ پھینک..... ڈیزرو کرتے  
 ہو..... کیونکہ تم نے یمنی جیسی شخص لڑکی کو محبت کے

نام پر دھوکا دیا، اب مجھے تمہارے اضطراب کی سمجھ  
 آئی ہے، کسی معصوم کے احساسات کو ایکسپلائٹ  
 کرنے اور انہیں ہرٹ کرنے پر انسان کے اندر ایسا  
 ہی اضطراب پیدا ہوتا ہے..... میں تمہارے حالات  
 کی وجہ سے تم سے ہمدردی ظاہر کر رہی تھی مگر تم اس  
 قابل ہی نہیں..... تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے

بالکل ٹھیک ہو رہا ہے..... اور ابھی تو تمہارے ساتھ  
 بہت کچھ ہوگا..... کیونکہ میں نے یمنی کو جتن خدا کے  
 قریب دیکھا ہے اگر اس کی ایک بددعا بھی تمہیں لگ  
 گئی تو تم زندہ در گور ہو جاؤ گے۔“ کول نے نہایت  
 طیش کے عالم میں اس سے کہا اور اس کے آفس سے  
 باہر نکل گئی۔

آزاد اس کے جانے کے بعد اپنی میز پر زور زور  
 سے سکے مارنے لگا، بال نوچنے لگا۔ وہ عجیب وحشت  
 زدہ لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں،  
 جب منیجر انتہائی غصے میں اس کے آفس میں آیا۔  
 ”مسٹر آزاد..... آپ کی فائل ابھی تک میرے  
 پاس نہیں پہنچی۔“

”سوری..... میں یہ جاب نہیں کر سکتا، میں اسی  
 وقت جاب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔“ یہ کہہ کر وہ آفس  
 سے باہر چلا گیا۔ منیجر حیرت سے اسے دیکھا رہ گیا۔  
 اس نے فوراً رانا صاحب کو فون کیا، وہ بھی اس کی  
 بات سن کر چونک گئے۔ انہوں نے کول کو کال کی اور  
 اسے ساری بات بتائی۔

”ٹھیک ہے اگر وہ جاب چھوڑ کر چلا گیا ہے تو  
 ہم اسے روک نہیں سکتے۔ let him go“



کول نے سرد لہجے میں کہا۔  
”کیا تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ ورنہ تم تو اسے بہت زیادہ سپورٹ کرتی رہی تھیں؟“ رانا صاحب نے حیرت سے پوچھا۔  
”ہاں کرتی تھی..... مگر اب نہیں۔“ کول نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

آزر..... کول کی باتیں سن کر بہت زیادہ اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ اس کے اندر بھٹی سے ملنے کی شدید خواہش پیدا ہو رہی تھی۔ یعنی اسے ملے گی یا نہیں اور ملنے کے بعد انجام کیا ہوگا.....؟ وہ ان میں سے کسی ایک بات کے بارے میں بھی نہیں سوچ رہا تھا اگر سوچ رہا تھا تو صرف یہی سے ملنے کے بارے میں..... اپنی سوچوں میں گم وہ جواد کے شوروم چلا گیا مگر جواد شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے اسے فون ملایا تو جواد حیرت میں رہ گیا۔  
”آزر خیریت تو ہے؟“

”مجھے یہی کا ایڈرس چاہیے..... ابھی اور اسی وقت۔“  
”ٹھیک ہے..... میں تمہیں ابھی sms کرتا ہوں۔“ جواد نے کہا اور آزر نے فون بند کر دیا۔  
تھوڑی دیر بعد اسے یہی کا ایڈریس اور فون نمبر مل گیا تھا اور وہ اسی وقت اس سے ملنے روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

یعنی صبح سے کافی زیادہ مصروف تھی۔ شہر سے این جی اوڑکی ممبرز اس سے ملنے آئی تھیں۔ اس کے مدرسے کی شہرت گاؤں سے نکل کر شہر تک پہنچ چکی تھی کہ ایک دینی مدرسے کو انتہائی ماڈرن اور سائنٹیفک بنیادوں پر قائم کیا جا رہا ہے۔ اس میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی سہولتوں کے ساتھ ساتھ انتہائی لائق اساتذہ کو تعینات کیا جا رہا تھا۔ اماں جی نے اپنے شیجر کے ہمراہ ان تمام ممبران کو مدرسے کا وارڈ

کر دیا۔ لُنج کے بعد وہ لوگ چلی گئیں تو اماں جی آرام کرتے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ یعنی بھی اپنے کمرے میں جا کر ایک ریسرچ رپورٹ تیار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بلیکس نے اسے کسی کے آنے کی اطلاع دی۔

”کیا نام بتایا ہے؟“ یعنی نے پوچھا۔  
”نام نہیں بتایا..... بس کہا ہے کہ ملنا چاہتے ہیں۔“ مدرسے کے سلسلے میں اکثر لوگ اس سے ملنے آیا کرتے تھے۔ کبھی کوئی صحافی تو کبھی کوئی پروفیسر یا ریسرچ اسکالرز۔ اس نے اپنی چادر اچھی طرح لپیٹی اور ڈرائنگ روم میں چلی گئی اور جیسے ہی اس نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا اس کے قدم وہیں کے وہیں رک گئے۔ آزر انتہائی برے حلیے میں اس کے سامنے موجود تھا۔ یعنی کا خون کھولنے لگا اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے اپنے پیچھے ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کیا اور دیوار پر اس کے دادا جان کی بڑی بڑی رائفلز کے ساتھ لٹکی ہوئی چوڑے کی بیلنوں میں سے ایک بیلٹ اتار کر وہ آزر کی طرف بڑھی۔ آزر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ سفید چادر میں اس کا لپٹا وجود اسے انتہائی نورانی دکھائی دے رہا تھا۔ اسے اس کی سیاہ رنگت دکھائی نہیں دے رہی تھی..... نظر آ رہا تھا تو ایسا نورانی وجود جس سے عجیب سی نورانی شعاعیں جھلک رہی تھیں۔

یعنی نے بھیج کر بیلٹ زور سے اس کی کمر پر ماری اس کے منہ سے چیخ تو نکلی مگر اس نے کوئی مدافعت نہیں کی۔

”ذلیل، گھٹیا درندے..... آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تو انسان نہیں وحشی درندہ ہے۔ آج میں تیری ساری درندگی نکال دوں گی۔ تو نے یہاں آکر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اس دن تو میں نے تجھے زندہ چھوڑ دیا تھا مگر آج نہیں

چھوڑوں گی۔ آج تیری لاش ہی یہاں سے جائے گی۔“ کہتے کہتے یعنی نے گھما گھما کر بیلٹ اس کے جسم پر زور زور سے ماری۔ وہ کراہ ضرور رہا تھا مگر زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ جب وہ اسے مار مار کر تھک گئی تو وہ اس کے قدموں میں گرا اور گڑ گڑا کر معافی مانگنے لگا۔

”مجھے معاف کر دو۔ میں جس آگ میں جل رہا ہوں اس کی تکلیف اس سے کہیں زیادہ ہے جس سے اس وقت میرا جسم دکھ رہا ہے۔ میں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں کہ تم مجھے اپنے ہاتھوں سے مارو تاکہ میں ایک بار ہی مر کر سکوں میں آ جاؤں۔“ وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”سکون اور تمہیں..... وہ تو تمہیں کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ تمہارے لیے تو میری ایک، ایک سانس بدعہ کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ تمہیں حسد یاد ہے ناں..... کیا، کیا تھا تم نے اس کے ساتھ۔ اس معصوم سے کس بات کا انتقام لیا تھا تم نے، کیا تمہیں اس پر رحم آیا؟ وہ بھی تو تمہارے سامنے رونی اور گڑ گڑاتی رہی تھی کیا اس کے آنسو تمہیں دکھائی دیے تھے؟ کیا اس کی چیخیں تمہارے کانوں تک بھی پہنچی تھیں۔ کیا اس وقت تم انسان تھے؟ تم تو اس وقت شیطان بنے ہوئے تھے۔ اب مجھ سے یعنی کالی چمکاؤ سے معافی مانگ رہے ہو؟ آہ آزر عظیم، خوب صورت انسان مجھ جیسی معمولی، حقیر انسان سے معافی مانگ رہا ہے۔ کہاں گیا تمہارا تکبر کہاں گیا وہ غرور..... کہاں ہے؟“ یعنی نے انتہائی حقارت سے اسے دھکا دیا۔

”سب خاک میں مل گیا..... یعنی لوگ مجھے سمجھتے ہی نفرت سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ مجھ سے کراہت محسوس کرتے ہیں اور میں اس کی وجہ جانتا ہوں۔ میرا گناہ..... جو بہت بڑا ہے اتنا بڑا کہ شاید خدا بھی مجھے کبھی معاف نہ کرے۔ میں بھی خدا سے معافی مانگنے کی ہمت نہ کر سکا اگر مجھے کوئی معاف

کھیں دے دے جسے دل

کر سکتا ہے تو وہ صرف تم ہو۔“ آزر نے سکتے ہوئے کہا۔  
”اور میں تمہیں ہرگز..... ہرگز معاف نہیں کروں گی۔“

”ٹھیک ہے پھر خوب جی بھر کر مارو۔“ آزر اس کے سامنے کھڑا ہو کر بولا۔ یعنی نے اسے مارنے کے لیے بیلٹ اٹھائی تو اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور بیلٹ اس کے ہاتھ سے گر گئی۔  
”رک کیوں گئی ہو؟“ آزر نے پوچھا۔  
”تمہارے سامنے حسد آکھڑی ہوئی ہے۔“

یعنی نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھتے ہوئے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔  
”حسد.....؟“ وہ بڑبڑایا۔  
”حسد کتنی معصوم اور نیک تھی۔ تمہیں کیا معلوم اللہ کے نیک بندوں کا طرف تم جیسے بچ انسانوں سے کہیں بڑا ہوتا ہے۔ اگر ان کا طرف وسیع نہ ہو تو تم جیسوں کی خباثت..... اس میں کیسے سانسکے۔ اس وقت حسد تمہیں بچانے آگئی ہے۔“ یعنی نے روتے ہوئے کہا تو آزر حیرت سے آنکھیں پھیلائے کبھی اسے اور بھی ادھر ادھر دیکھنے لگا اور اس کی سانس جیسے اکھڑنے لگی۔

”حم..... حسد..... حسد.....“ اس کا جسم بری طرح کاپٹنے لگا اور پھر وہ وہاڑیں مار مار کر روئے لگا۔ ہاتھ باندھ کر گڑ گڑانے لگا۔

”حسد..... مجھے معاف کر دو۔ حسد مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ ہاں اسی طرح جس طرح تم نے میرے آگے جوڑے تھے مگر مجھے تم پر رحم نہیں آیا تھا۔ میں بہت گھٹیا انسان ہوں۔ حسد تم تو بہت اچھی اور نیک ہو پلیز مجھے معاف کر دو۔“ آزر گڑ گڑاتا ہوا اور معافی مانگتا ہوا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے زمین پر پیشانی رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یعنی نے ایک تک اس



کر بولا۔

”مطلب اور وجہ تو آپ بہتر جانتے ہیں، مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے آپ کو کسی سے شدید محبت ہوگئی ہے۔“ رانا صاحب نے کہا تو آذر حیرت سے آنکھیں پھیلائے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”جی ہاں، محبت اور کون ہے وہ جس نے آپ کے اندر اتنا شدید طوفان برپا کر رکھا ہے؟“ رانا صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

”وہی جس سے میں کبھی شدید نفرت کرتا تھا اور اسی نفرت میں اس سے محبت کا ڈھونگ مچایا۔ اس کی کالی صورت کو نہ جانے کیا، کیا طرہ نام دیتا تھا اور اب وہی صورت میرے اندر سما گئی ہے۔ اچانک اس سے نفرت اتنی شدید محبت میں بدل جائے گی مجھے یقین نہیں آ رہا۔ نہ جانے یہ سب کیسے ہو گیا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، میں کیا کروں؟“ وہ شرمندگی سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”آئی ایم شیور، وہ کوئی معمولی انسان نہیں جس کے لیے نفرت کو خدا نے آپ کی محبت سے بدل دیا ہے۔ کسی کے لیے جذبات کو بدلنا کوئی معمولی بات تو نہیں۔“ رانا صاحب نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”ہاں، وہ خود بھی بہت بدل گئی ہے۔ ایک ماڈرن لڑکی سے اللہ والی بن گئی ہے۔“ آذر نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”اسی لیے تو۔۔۔“ رانا صاحب نے قدرے جذباتی انداز میں ٹیبل پر ہاتھ مارا تو آذر نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

”میں سمجھ نہیں سکتا؟“

”جب خدا کسی سے محبت کرتا ہے تو اسے زمین والوں کے لیے محبوب بنا دیتا ہے لوگ خود بخود اس کی جانب کھینچے چلے آتے ہیں۔ اس سے قربت اور محبت محسوس کرتے ہیں۔ جب آپ نے اس سے محبت کا

میں بلایا ہے۔ ابھی آپ انکیسی چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔“ چوکیدار نے کہا تو وہ خاموشی سے انکیسی میں چلا گیا۔ فریج میں کھانے پینے کی ہر شے رکھی تھی۔ اس نے تھوڑا بہت کچھ کھایا اور پانی پی کر نڈر حال ہو کر بیڈ پر گر گیا۔ اس نے آنکھیں بند کرنے کی کوشش کی تو یقینی اس کی آنکھوں کے سامنے تھی وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور سر تھام کر بیڈ پر گھبراہٹ سے کچلنے لگا۔

”میرے دل کو کیا ہو رہا ہے، اس کی محبت میں اتنا بے تاب کیوں ہو رہا ہے۔“ وہ کافی بے چین تھا۔ صبح سویرے وہ رانا صاحب کے آفس کے باہر جا کر بیٹھ گیا۔ رانا صاحب کافی دیر بعد آئے۔ انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”آپ کب سے یہاں بیٹھے ہیں؟“ رانا صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

”صبح سے، چوکیدار نے مجھے آپ کا پیغام دیا تھا۔“ آذر نے نظریں جھکا کر کہا۔

”اندر تشریف لائیں۔“ رانا صاحب نے کہا تو وہ ان کے پیچھے پیچھے ان کے روم میں چلا گیا۔

”آپ جاب کیوں چھوڑ رہے ہیں؟“ انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے سامنے لکھے الفاظ دکھائی نہیں دیتے کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ ایسی چیزیں میں کیسے جاب کروں؟“ آذر نے عجیب بے بسی سے کہا۔

وہ اس کی جانب بغور دیکھ کر اس کے چہرے پر کسی تحریر اور اندر کی کیفیت کو جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کانے باول کافی چھٹ گئے ہیں پھر اتنا خطر اب کیوں؟“ رانا صاحب نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”ک۔۔۔ کیا مطلب؟“ وہ ایک دم بوکھلا

میں تم سے کبھی نہیں ملوں گی۔“ یعنی تے کہا اور دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔ آذر حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا اور اپنے آنسو صاف کر کے بوجھل قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے باہر نکل گیا۔ ☆☆☆

آذر جب سے یقینی سے مل کر آیا تھا اس کے اندر اضطراب پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا جسے دور کرتے وہ اس کے پاس گیا تھا۔ بظاہر تو وہ معافی نامہ لے آیا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اس کا دل میں ایک اور بوجھ ایک نئی صورت میں اسے تڑپا رہا تھا۔ اسے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ پہلے اسے یقینی کی غصے بھری صورت اور حسد کی چٹخیں سنائی دیتی تھیں اب یقینی کی چادر میں لپٹی نورانی صورت اس کے اندر ٹپ پیدا کر رہی تھی۔ اسے یقینی سے شدید محبت محسوس ہونے لگی۔ اتنی محبت جو اس نے زندگی میں کسی کے لیے پہلے بھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ تو اپنی اویٹ سے چھٹکارا پاتے گیا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ اس سے بھی زیادہ اذیت کا بوجھ اپنے دل میں لیے واپس آئے گا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھر یقینی کے پاس جائے مگر اب وہ اس سے کبھی نہیں ملے گی۔ یقینی میں ایسی کیا خاص بات ہوگئی تھی کہ وہ پہلے جیسی بد صورت نہیں لگ رہی تھی یا پھر اس کا اسے دیکھنے کا زاویہ بدل گیا تھا۔

”نہیں۔۔۔ اس میں ضرور کوئی خاص بات ہے۔ وہ پہلے سے بہت مختلف اور پرکشش دکھائی دے رہا ہے۔“ آذر نے تو اسے نظر بھر کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ جب بھی اسے دیکھتا تو فوراً ہی نظریں جھا لیتا۔ وہ سارا دن پارک میں بیٹھا سوچتا رہا۔ شام گئے وہ انکیسی میں آیا تا کہ چوکیدار کو بتا دے کہ وہ اسے چھوڑ کر جا رہا ہے۔

”رانا صاحب نے کل صبح آپ کو اپنے آفس

کی جانب دیکھا۔“ کسی کے سامنے جب کوئی انسان گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے تو وہ فرعون بن جاتا ہے اور اس کی انا کو تسکین ملنے لگتی ہے۔ رحمن کا انسان کو معاف کرنا بہت آسان ہے مگر انسان کا انسان کو معاف کرنا بہت مشکل ہے۔ رحمن کے سامنے سر جھکا کر انسان کو اندر سے تسکین ملتی ہے اور اپنے جیسے انسان کے سامنے جھکنے سے اندر ہی اندر تذلیل کا احساس ہوتا ہے۔“ یہی سب کچھ وہ اپنی رپورٹ میں پہلے سے لکھ رہی تھی اور اب اس پر عمل کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ آیت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

”کتنا مشکل ہو جاتا ہے خدا کے فرمان پر عمل کرنا۔“ یقینی کے ہاتھ کاپنے لگے۔

”تم یہاں سے چلے جاؤ۔“ یقینی نے منہ پھیرتے ہوئے اشارہ کر کے اس سے کہا۔

”کیا تم نے مجھے معاف کر دیا ہے؟“ آذر نے جلدی سے پوچھا۔

”میں نے نہیں اس نے جس کی محبت کا تم نے مجھے واسطہ دیا ہے۔“ یقینی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”ک۔۔۔ کس تے؟“ آذر نے چونک کر پوچھا۔

”میرے خدا تے۔“ یقینی نے آہستہ آواز میں کہا۔

”کیا؟“ آذر کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

”ہاں، وہ کبھی کبھی ہماری محبتوں کو بھی آزما تا ہے اور نفرتوں کو بھی۔“ یقینی نے تم آنکھوں سے کہا۔

”کیا تم خدا سے بہت محبت کرنے لگی ہو؟“

آذر نے حیرت سے دیکھا۔

”ہاں، جب تم جیسے لوگ محبت میں دھوکا دیتے ہیں تو رب کی سچی اور حقیقی محبت پر ایمان مزید بڑھنے لگتا ہے۔ تم خوش قسمت ہو جو مقصد لے کر یہاں آئے اس میں کامیاب ہو گئے۔ اب جاؤ یہاں سے اور دوبارہ یہاں آنے کی کبھی کوشش بھی نہ کرنا۔ اب



ڈھونگ رچایا اور اس سے اظہار محبت کیا تو کیا وہ بھی آپ سے محبت کرنے لگی تھی؟“ رانا صاحب نے استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں، شاید بہت زیادہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔“ آزر نے سر جھکا کر کہا۔

”اور آپ نے اس سے نفرت کی، اس کی محبت کا مذاق اڑایا اور اس کا دل توڑا۔ اب آپ کو اس کی پُر خلوص محبت کا تاوان تو دینا پڑے گا نا۔“

”تاوان؟“ آزر ایک دم گھبرا کر بولا۔

”جی ہاں، جب خدا کے معصوم بندوں کے دل ٹوٹتے ہیں تو وہ اس کا تاوان ضرور لیتا ہے۔ وہ بڑے گناہوں کو تو معاف کر سکتا ہے مگر دلوں کو توڑنے کے جرم کو کبھی معاف نہیں کر سکتا جنہیں ہم معمولی خطائیں سمجھتے ہیں اور تاوان ہر انسان کو کسی نہ کسی صورت میں دینا پڑتا ہے۔ اب اس محبت کا تاوان آپ کیسے بھریں گے یہ تو آپ کو سوچنا ہے۔“ رانا صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

”وہ..... وہ تو میری صورت، ہی نہیں دیکھنا چاہتی۔ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتی تو پھر کیسے میری محبت پر اعتبار کرے گی۔ میں بہت بڑی اذیت میں ہوں سر، میں کیا کروں پلیز آپ ہی کچھ بتائیے۔“ آزر سسکتے ہوئے بولا۔ اسی لمحے آفس کا دروازہ کھلا اور کوئل اندر داخل ہوئی اور آزر کو اس طرح دیکھ کر وہ ایک دم چونکی پھر حیرت سے وہ رانا صاحب کو دیکھنے لگی۔

”ک..... ک..... کیا ہوا؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”آئی ایم سوری کوئل، میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا۔ آئی ایم ویری سوری۔“

”اٹس اوکے..... لیکن تم رو کیوں رہے ہو؟“ کوئل نے گھبرا کر پوچھا۔

”میں.....“ وہ کچھ کہنے لگا مگر اس سے کہا نہیں

گیا اور وہ جلدی سے آفس سے باہر چلا گیا۔

”نانا اب اسے کیا ہوا ہے؟“

”شاید بہت زیادہ ڈپریشن ہے۔“ انہوں نے بتایا تو کوئل کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی اسے اس کے الفاظ یاد آئے گئے ”آؤ کیریکٹر“ وہ آزر کے بارے میں کہتا تھا واقعی آزر ایسے کردار کا مالک اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

”جمال، یعنی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ جلدی گاؤں پہنچنے کی کوشش کرو۔“ اماں نے قدرے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ جمال احمد ایکن اماں جی کے رات تین بجے فون آنے پر انتہا پریشان ہو گئے۔

جمال ایکن کو تسلی دے کر اسی وقت گاؤں کے روانہ ہو گئے۔ اماں جی سے مزید پوچھ گچھ وہیں کرنا تھی۔ وہ انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی فون کرتے ہوئے وہاں پہنچے تو یعنی کو بے حال ایسولینس وہ کال کر چکے تھے۔

اماں جی اس کے قریب بیٹھی فکر مندی سے اس کے سر پر بار بار ہاتھ پھیرتے ہوئے وعائیں پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔

”کیا ہوا یعنی کو؟“ جمال احمد نے گھبرا کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”ڈاکٹر نے ٹینڈ کا انجکشن دے کر سلا یا۔ بہت شدید درد تھا۔ اب تم اسے فوراً شہر جاؤ۔ ایسولینس تیار کھڑی ہے۔“

شہر کے بڑے اور جدید اسپتال پہنچنے ہی کے ٹیسٹ شروع ہو گئے۔ دو دن بعد حتمی اور رپورٹس آگئیں جن کے مطابق اس کا ایک گردہ ناکارہ ہو چکا تھا جبکہ دوسرا بھی بے مشکل کام کر رہا تھا۔

جمال صاحب یہ سب جان کر فوراً اپنا دینے پر تیار ہو گئے مگر ان کے اندر کچھ ایسی سلیکیٹ



# پاک سوسائٹی فاٹ کام کی پیشکش

## یہ شملہ پاک سوسائٹی فاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ ہر ای بک کو الٹی، منڈی، کچھ سڈ کوائی
- ☆ عمران میریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ یڈ فیری لنکس، لنکس کو پیسے کم کرنے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا لگ سیشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورمٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook <https://www.facebook.com/paksociety>



<http://www.com/paksociety>

کھنکھن دھب طے کھنکھن دل

قمر علی عباسی کے نام

تحریر کے رشتے بھی کیا خوب ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ لوگ جن سے کبھی نہیں ملے ہوتے ہیں اور نہ ملنے کی امید۔۔۔۔۔ ان کی تکلیف پر دل تڑپ اٹھتا ہے۔۔۔ قمر علی عباسی کی وفات کا سن کر کتنی ہی دیر سورۃ اخلاص پڑھتی رہی۔۔۔ اور پھر قلم لے کر بیٹھ گئی۔۔۔ منیر نیازی کہتے ہیں ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں۔۔۔ اور میں اس کی عملی تفسیر ہوں۔۔۔ وہ جو اک بہت بڑا افسانہ نگار۔۔۔ سفر نامہ نگار تھا۔۔۔ پاکیزہ کی تقریبات کا احوال لکھنے والی، نئی رائٹر کی بھی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔۔۔ خواہش تھی کہ کبھی بحیثیت تبصرہ نگار ہی میں کسی تقریب میں شرکت کروں گی اور پھر احوال لکھوں گی اور قمر علی عباسی کو کہوں گی کہ میں بھی حیدر آباد کی ہوں۔۔۔ میرا احوال کیسا لگا۔۔۔ مگر۔۔۔ میں ہمیشہ دیر کر دیتی ہوں۔۔۔ اللہ جی ان کو جنت میں بہت اوپر اوپر جگہ دے اور نیلوفر کو صبر۔۔۔۔۔ آمین۔۔۔

تحریر: ڈاکٹر کوئل عبدالستار  
لیاقت میڈیکل یونیورسٹی جام شورو

زیادہ ہمیں مریض کی فکر ہے۔۔۔ ڈاکٹر شہریار نے نرمی سے انہیں سمجھایا تو جمال صاحب نے ایک گہری سانس لی۔

”ٹھیک ہے مجھے ہر حال میں اپنی بیٹی کو بچانا ہے۔ جیسا آپ بہتر سمجھیں۔“ یہ کہہ کر جمال صاحب ایم ایس کے کمرے سے باہر نکل گئے۔

وہ نو جوان۔ یعنی کا نام بار بار ذہن میں ڈہرا رہا تھا پھر اسے نہ جانے کیا خیال آیا کہ ایم ایس سے اس کی کنڈیشن پوچھنے لگا اور ڈاکٹر شہریار جو اس نو جوان کے واقف کار تھے وہ اسے پوری تفصیل دینے لگے۔ ان سے معلومات لے کر وہ آئی سی یو میں چلا گیا

سڈاکٹرز نے یہی تجویز کیا کہ پہلے کسی جوان انسان کا گردہ حاصل کرنے کی کوشش کریں اگر وہ نہیں ملتا تو پھر آن کے بارے میں سوچیں گے۔ ایمین کو شوگر تھی اس لیے وہ گردہ نہیں دے سکتی تھیں۔

جمال صاحب نے ٹی وی اور اخبارات میں اشتہارات دیے۔ کچھ مجبور اور کچھ لالچی لوگوں نے ان سے رابطہ بھی کیا مگر ہر ایک کے ساتھ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آتا کہ ڈاکٹر زانگار کر دیتے۔ جمال احمد بھاری سے بھاری قیمت پر بھی گردہ حاصل کرنے پر رضامند تھے مگر ڈاکٹروں کا انکار انہیں جھنجھلا رہا تھا۔

اس روز وہ سخت مایوسی کے عالم میں اسپتال کے ایم ایس ڈاکٹر شہریار کے آفس میں گئے جو کافی بائیل انجی کیٹیڈ تھے اور چند سال پہلے ہی فارن ڈگریز لیے اپنے ملک کے لوگوں کی خدمت کا عزم لیے لوٹے تھے۔ جمال احمد نے ان کے بارے میں کچھ باتیں سن رکھی تھیں مگر وہ ملے پہلی بار تھے۔ اتنی ایک آج کے اتنے قابل ڈاکٹر سے مل کر وہ کافی متاثر ہوئے۔

”ڈاکٹر صاحب، مجھے آپ کے ڈاکٹر کی کچھ سمجھ۔۔۔ نہیں آ رہی۔ میں نے کڈنی کے لیے جن لوگوں کو بھی کال کیا ہے آپ کے ڈاکٹر نے انہیں رفقہ کر دیا۔ آپ جانتے ہیں ناں یعنی کو کچھ ہو گیا تو۔۔۔؟“ جمال احمد نے آنسو روکتے ہوئے یہ مشکل کہا۔

”یعنی۔۔۔ ڈاکٹر شہریار کے آفس میں پہلے سے بیٹھے نو جوان نے مٹی کا نام سن کر زبردستی دہرایا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”آپ فکر نہیں کریں، میری ڈاکٹر سے میٹنگ ہوئی ہے۔ آپ کے مریض میں کچھ ایسی پیچیدگیاں ہیں کہ ہم کسی کا کڈنی اسے نہیں لگا سکتے۔ بہت سوچ سمجھ کر ہر اسٹیپ لینا ہوگا۔ انشاء اللہ کل شام تک ہم کوئی نہ کوئی فیصلہ لے لیں گے۔ آپ سے



ساتھ اب کیا سلوک کرنے لگی ہیں۔ وہ بھی مجھے قبول نہیں کریں گی۔“ شمیلہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔  
”وہ آپ کو قبول کریں گی اور بہو بنانے بھی بہت جلد آئیں گی۔ یہ میرا مسئلہ ہے آپ کا نہیں۔ آپ فکر نہیں کریں۔“ حاتم نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

یعنی کا کامیاب آپریشن ہو چکا تھا۔ قدرت نے ہر مرحلے کو اس کے لیے بہت آسان بنا دیا تھا۔ وہ ہوش میں آ چکی تھی اور اب آہستہ آہستہ ایمن اور اماں جی سے باتیں کر رہی تھی۔ جمال صاحب بے حد خوش تھے اور اس نوجوان کا بہت زیادہ خیال رکھ رہے تھے جو فرشتہ بن کر ان کی مدد کو آیا تھا۔ انہیں اب یحییٰ سے زیادہ اس کی فکر تھی۔ وہ بھی آپریشن کے بعد قدرے بہتر تھا۔ جمال صاحب نے ایک انٹرنٹ اس کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کر دیا تھا اور گاہے بگاہے اس کی خیریت پوچھتے آتے تو باتوں باتوں میں اس کے بارے میں پوچھتے مگر وہ ہر بار بات گول کر جاتا۔ وہ بتانے سے زیادہ یحییٰ کے بارے میں پوچھتا اور جمال صاحب سے اس کی خیریت کا سن کر ذہن پر لب مسکرا دیتا۔

اسے اسپتال سے ڈسچارج کیا جا رہا تھا اور جانے سے پہلے وہ یحییٰ سے ملنا چاہتا تھا۔ جمال صاحب اسے یحییٰ کے روم میں لے کر آئے۔ نوجوان کی شیوہ قدرے بڑھی ہوئی تھی اور چہرہ بھی قدرے مرجھایا ہوا اور زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں پر نظر کی عینک تھی۔ یحییٰ کے پاس ایمن کرسی پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں اور اس کے ارد گرد ہر طرف بہت خوب صورت پھولوں کے گلدستے رکھے تھے جو عیادت کرنے والے اس کے لیے لارہے تھے۔ وہ جمال صاحب کے ہمراہ روم میں داخل ہوا۔  
”یحییٰ ان سے ملو میرے اور تمہارے محسن۔ انہوں نے تمہیں اپنا کڈنی ڈونٹ کیا ہے۔“ جمال

جی محبت کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس کی ہر بیماری، ہر تکلیف دور کر دے۔ اسے ہر اذیت سے نجات دے۔“ وہ درخت تلے بیٹھ کر ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے روتے گزر گزرتے ہوئے دعا مانگنے لگا۔

☆☆☆

حاتم گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا ویران سڑک پر جا رہا تھا۔ اس کا ذہن بہت بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اچانک جو فیصلہ کیا تھا وہ درست بھی تھا یا نہیں۔

”میں اور شمیلہ.....؟ میں نے کبھی ان کے بارے میں.... اس انداز سے نہیں سوچا تھا۔ قدرت مجھے کس موڑ پر لے آئی ہے۔“ اس نے گاڑی روک کر پریشانی سے سوچا۔

”میں نے جو بھی فیصلہ کیا ہے وہ صرف خالہ جان کی تکلیف کو دیکھ کر کیا ہے۔ ان کا رونا، گزر گزانا بہت دردناک تھا۔“ حاتم نے آہ بھر کر سوچا اور اسی لمحے شمیلہ کا فون اس کے موبائل پر آنے لگا۔

”حاتم..... تم نے یہ کیا فیصلہ کیا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں تم سے بڑی ہوں.....“

”محسنو میں چھٹے انسان کو صرف بچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے اور کچھ نہیں پوچھا جاتا۔“ حاتم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔  
”کیا تم مجھ پر ترس کھا کر مجھے بچانے کی کوشش کر رہے ہو؟“ وہ غصے سے بولی۔

”میں صرف اپنے فہم بھائی کی محبت اور آپ کی عزت کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“  
”کیا تم مجھ پر ترس کھا کر مجھے بچانے کی کوشش کر رہے ہو؟“ وہ غصے سے بولی۔

”مجھے آپ کی محبت پانے کی بھی کوئی خواہش نہیں۔“ اس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔  
”کیا تم نہیں جانتے کہ خالہ جان میرے

اور نہ ہی انہوں نے کڈنی دینے کے لیے کہا تھا کیے فوراً آگے بڑھ کر اس نے اپنا کڈنی آفر کیا تھا اور پکے پیسے بھی نہیں لیے تھے۔

☆☆☆

آز رہت زیادہ مضطرب تھا۔ اس کے اندر ایک ایسی آگ لگی تھی جو اسے بری طرح اندر ہی اندر جھلسا رہی تھی۔ بس اس کا دل چاہ رہا تھا وہ صرف ایک بار ایک نظر یحییٰ کو دیکھ لے۔ اسے اپنے اندر کی کیفیت بتا دے چاہے وہ اس پر یقین کرے یا نہ کرے۔ مضطرب ہو کر ایک دفعہ پھر وہ اس کے گاؤں جانے والی بس پر سوار تھا۔

سارے راستے وہ یہی سوچتا رہا کہ وہ اس سے جا کر کیا کہے گا۔ کس طرح بات شروع کرے گا؟ بتائے گا، کیا اس کے پاس وہ الفاظ ہیں جو اس کے اندر کی انتہائی مضطرب حالت کو بیان کر سکیں گے۔ آہیں بھر کر یہی سوچتا رہا۔

نہایت بوجھل قدم اٹھتا جب وہ حویلی پہنچا تو یحییٰ کے بارے میں پوچھا تو اس کا دل گویا دھڑکنے لگا۔ بھول گیا۔ چونک کر اس کے بتانے پر وہ مضطرب دل سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔

”یا اللہ میں نے کبھی تجھ سے کچھ نہیں مانگا تھا۔ تجھ پر کبھی بھروسہ کیا اور نہ ہی مجھے یہ معلوم تھا کہ ایمان کیا ہوتا ہے مگر یحییٰ سے ملاقات کے بعد میرے اندر تجھ پر یقین بھی پیدا ہونے لگا اور ایمان بھی کی جھجھکیاں گناہ گار کو صرف تیری محبت کی خاطر معاف کر سکتی ہے۔ یقیناً تیری محبت بہت خاص ہوگی جو کسی وجہ سے یحییٰ نے مجھے معاف کر دیا۔ میرا دل بہت بڑا تھا کوئی بھی نہ معاف کرتا۔ مجھے جیسا کہ گناہ گار حسنہ کا قاتل اور یحییٰ کا مجرم جس نے اسے دل بھی توڑا تھا، اس کی محبت کا مذاق بھی اڑا دیا۔ اس کے وجود پر طنز بھی کیا۔ اتنے بڑے خطاوار کو اس نے صرف تیری محبت کی خاطر معاف کر دیا۔ میں

جہاں یحییٰ بڑیوں کا ڈھانچا بنی بے سندھ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ جمال احمد بھی وہیں کھڑے تھے۔ نوجوان نے یحییٰ کی طرف دیکھا اور گہری سانس لیتے ہوئے اپنی عینک اتاری اور اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنی نم آنکھوں کو صاف کرنے لگا۔ جمال احمد حیرت سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

”میں انہیں اپنا کڈنی ڈونٹ کرنے کو تیار ہوں۔“

”آپ؟“ جمال صاحب نوجوان کی بات سن کر بے یقینی سے بولے۔

”جی ہاں، میں ابھی ایم ایس صاحب سے مل کر آ رہا ہوں اینڈ آئی ایم شیوہ میرا کڈنی ان سے بیچ کر جائے گا۔“ نوجوان نے قطعیت سے کہا۔

”لیکن آپ.....“ جمال صاحب نے مزید کچھ پوچھنا چاہا مگر وہ ان کی بات سننے بغیر آئی سی یو سے باہر چلا گیا۔ جمال صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے۔

ڈاکٹر نے نوجوان کے سارے ٹیسٹ کیے اور جمال صاحب کو خوش خبری سنائی کہ کڈنی ٹشوز بیچ کر گئے ہیں۔

”آپ..... آپ..... کو میں وہی پرائس دوں گا جو آپ چاہیں گے۔“ جمال صاحب اپنے ہینڈ بیک سے چیک نکالنے لگے۔

”ابھی اس کی ضرورت نہیں جب پیڈنٹ ٹھیک ہو جائیں گی تب میں آپ سے پرائس بھی لے لوں گا۔“ نوجوان نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا تو جمال صاحب حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔

”وہ کون تھا اور کتنا عجیب تھا ورنہ اس سے قبل آنے والا ہر شخص پہلے پرائس کی بات کرتا بعد میں کڈنی کی۔“ جمال صاحب بہت زیادہ حیران ہو رہے تھے۔ ایک اجنبی شخص جسے نہ وہ جانتے تھے



پاک سوسائٹی ٹاٹ کام کی پیشکش  
یہ شانہ پاک سوسائٹی ٹاٹ کام نے پیش کیا ہے  
ہم خاص کیوں ملیں :-

☆ ہر ای بک گاڈ انریکٹ اور ریڈیو امیل لنک  
☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر پریو  
☆ ہر پوسٹ کے ساتھ  
☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے  
☆ ساتھ تبدیلی

✧ مشہور مصنفین کی کتب کی نمکس ریت ✧  
✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن ✧  
✧ ویب سائٹ کی آسان برؤسنگ ✧  
✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں ✧

## We Are Anti Waiting WebSite

واحدہ ریب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤن لوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤن لوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

 Like us on Facebook

[fb.com/paksociety](http://fb.com/paksociety)



Ladder components only

”میں دراصل ورلڈ بینک میں جاب کرتا ہوں۔ آج قدرت نے مجھے اتنا توازا ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ میں لاہور میں ڈاکٹر شہید سے ملنے آیا تھا۔ یو کے میں ہم دونوں نے پڑھائی کے دوران اچھا ٹائم گزرا اور وطن آنے سے پہلے میں سوچتا تھا کاش مجھے یہی کہیں مل جاتیں ایک بار اور میں ان کا شکریہ ادا کروں۔“ محسن رضانے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”اور خدا نے آپ کی وعاسن لی۔“ جمال صاحب نے مسکرا کر کہا۔

”دعا تو میں ہر پل ہر لمحہ ان کے لیے کرتا رہا ہوں۔ جو لوگ دوسروں کو زندگی دیتے ہیں وہ سانسوں کی طرح انسان کے اندر سما جاتے ہیں اور ویسے بھی ان کی ایک یاد مجھے انہیں کبھی فراموش کرنے نہیں دیتی تھی۔“ محسن رضانے اپنی جیب سے موبائل نکال کر انہیں دکھایا جو یمنی نے اسے دیا تھا۔ یمنی بھی حیرت سے اس موبائل کی طرف دیکھنے لگی۔

”یمنی! آپ کو اپنا یہ موبائل یاد ہے نا؟“ محسن رضانے مسکرا کر موبائل اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ یمنی نے حیرت سے اسے ہاتھ میں لیا اور مسکراتے ہوئے۔

”ابھی تک یہ آپ کے پاس ہے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ابھی تک..... کیا مطلب ہے یہ تو میری زندگی کی آخری سانسوں تک میرے ساتھ رہے گا۔“  
حسن رضائے مسکرا کر کہا تو اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ جمال صاحب اور ایمین نے چونک کر بچی کی طرف دیکھا جو بہت عرصے بعد مسکرا رہی تھی اور مسکراتے ہوئے اس کے چہرے اور آنکھوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ خوشی کی حسین جھلک دیکھ کر وہ دونوں بھی مسکرائے گئے۔

(باقی آئندہ)

صاحب نے مسکرا کر نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا تو نبی نے انتہائی حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور یوں جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ وہ اپنے ذہن پر زور ڈالنے لگی نوجوان بھی مسکراتا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ تو فرشتہ بن کر تمہاری مدد کو آئے ہیں۔ اللہ نے تمہیں دوبارہ زندگی انہی کی بدولت دی ہے۔“ جمال صاحب اسے بتاتے رہے اور وہ بغور اسے دیکھتی رہی اور پھر ایک دم بڑبڑانے لگی۔

”م۔۔۔م۔۔۔محسن رضا“ اس نے ایک دم ہڑبڑا کر کہا تو وہ نوجوان مسکراتے لگا۔ جمال صاحب حیرت سے دونوں کی طرف دیکھنے لگے۔

”کیا آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟“ جمال صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

”اگر آج میں زندہ ہوں، سانس لے رہا ہوں تو ان کی وجہ سے ہے۔“ محسن رضا نے مسکرا کر بتایا تو ایمین اور جمال دونوں حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

”کیا مطلب...؟ مگر یہی ہے تو کبھی آپ کا کوئی ذکر کیا اور نہ ہی میں نے کبھی آپ کے بارے میں سنا اور آپ اتنی بڑی بات بتا رہے ہیں؟“ جمال صاحب شدید حیرت زدہ تھے۔

”کبھی کبھی انسان بنا سوچے سمجھے کوئی نیکی  
 کر دیتا ہے اور خود ہی اسے بھول جاتا ہے مگر خدا کبھی  
 نہیں بھولتا۔ وہ تو انسان کے چھوٹے سے چھوٹے  
 عمل کو بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے اور پھر اس عمل کو  
 کبھی جزا اور کبھی سزا کی صورت میں انسان کی طرف  
 لوٹاتا ہے۔ یعنی کی اس نیکی کو بھی آج اس نے انعام  
 کی صورت میں لوٹایا ہے۔“ پھر محسن رضا انہیں اپنے  
 بارے میں تفصیل سے بتاتے لگا کہ کیسے یعنی نے  
 کراچی میں اس کی جان بچا کی تھی۔ آج ایمن کو بھی سب  
 کچھ یاد آ رہا تھا۔





ٹاؤن

# کہیں دیکھ کر کہیں دل

قیصر حیات

چودھوان حصہ



ردا سخت مایوسی کے عالم میں اپنے کمرے میں لیٹی سکیاں لے رہی تھی اور ذرینہ اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔  
 ”روا بی بی ..... اتنی مایوسی کی باتیں مت کریں۔۔۔۔۔ اللہ بہتر کرے گا۔“ ذرینہ نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔  
 ”محبت چھن جائے تو انسان زندہ رہ سکتا ہے مگر عزت چھن جائے تو بھینا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔“



اس کا اندازہ مجھے اب ہو رہا ہے۔" ردا نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ کیوں ایسے سوچتی ہیں۔ میری باجی! سب آپ کی اب بھی عزت کرتے ہیں۔" زریںہ نے اسے پکارتے ہوئے کہا۔

"کون کرتا ہے میری عزت..... روحیل؟ جس نے دھکے مار کر مجھے گھر سے باہر نکال دیا..... حاتم اور عاصم بھائی جو مجھے گھر میں رکھنے کو کیا..... مجھے دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے۔ خاندان کے لوگ..... جن کے سامنے میں رسوا ہوئی۔ زریںہ دعا کرو میں مر جاؤں۔" ردا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر التجائیہ انداز میں کہا اور اسی لمحے خدیجہ بیگم کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آنے لگیں مگر اس کی باتیں سن کر وہیں رک گئیں۔

"اللہ نہ کرے ردا بی بی..... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟" وہ گھبرا کر بولی۔

"مجھے شہزادی بنا کر میرے سر پر محبت کا تاج رکھ کر..... اب جوتوں سے ٹھوکریں لگا کر مجھے قدموں تلے روند جا رہا ہے، اپنی اتنی ناقدری پر میں روؤں نہیں تو اور کیا کروں؟" ردا اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تو خدیجہ بیگم کا دل کٹنے لگا اور وہ سسکی بھر کر وہاں سے چلی گئیں۔

اپنے کمرے میں آ کر خدیجہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اسی لمحے عاصم ایک قائل پکڑے ان کے کمرے میں داخل ہوا تو انہیں روتے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"آپ رو کیوں رہی ہیں ماما؟" "کچھ نہیں بس۔" وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"پھر یہ آنسو کیوں.....؟" عاصم نے ان کے قریب بیٹھ کر نرمی سے پوچھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو..... ان آنسوؤں کا سبب کیا ہے۔"

"ماما آپ کب تک ردا کی خاطر یوں اپنی جان ہلکان کرتی رہیں گی؟" وہ غصے سے کہنے لگا۔

"وہ بیٹی ہے میری..... میرا خون..... میری لخت جگر ہے، کیا اس کے آنسو اور دکھ مجھے نہیں رلاتے گے۔ تم لوگوں کا دل پتھر کا ہو سکتا ہے میرا نہیں۔"

عاصم کچھ کہنے ہی لگا کہ حاتم کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ماں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"ماما کل آپ کو خالہ جان کی طرف جانا ہے۔ میرا اور شہیلہ کا رشتہ پکا کرنے۔" حاتم نے کہا تو وہ دونوں ہکا بکا اسے دیکھنے لگے۔

"ہرگز نہیں..... میں دوبارہ اس مصیبت کو اپنے گھر میں لا کر نئی آفت اپنے گلے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔" خدیجہ بیگم نے قدرے توقف کے بعد انتہائی غصے سے کہا۔

"آپ کو یہ کرنا ہی ہوگا کیونکہ میں خالہ جان سے وعدہ کر کے آ رہا ہوں۔" حاتم ٹھوس لہجے میں بولا۔ "تم بغیر سوچے سمجھے کیوں اتنے بڑے، بڑے فیصلے کرتے لگے ہو۔ کیا بھول گئے ہو کہ اس لڑکی نے پہلے دن سے آتے ہی کتنا فساد ڈالا تھا۔" وہ تہایت غصے سے کہہ رہی تھیں۔

"میں سب کچھ بھول چکا ہوں اگر یاد ہے تو صرف یہ کہ وہ فہام بھائی کی بیوہ ہیں اور اس وقت تکلیف میں ہیں۔" حاتم نے تہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہاں تو اسے مجھ سے اور ردا سے تکلیف تھی، اب وہاں کیا مسئلہ ہے؟" انہوں نے غصے سے پوچھا۔ "تم کان کھول کر سن لو..... میں یہ رشتہ ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔"

"اگر آپ نہیں مانیں گی تو پھر بھی میں یہ شادی کر کے رہوں گا کیونکہ میں خالہ جان کو زبان دے

چکا ہوں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ اس رشتے کے لیے مان جائیں ورنہ میں کورٹ میرج کر لوں گا۔" حاتم نے ٹھوس لہجے میں کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ خدیجہ بیگم ہکا بکا اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"عاصم..... تم ہی اسے سمجھاؤ۔ تم تو شہیلہ کے بارے میں سب جانتے ہو۔" انہوں نے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماما..... حاتم بھائی نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے، آپ بھی اسے مان لیں۔" عاصم بھی کہہ کر چلا گیا تو وہ کچھ دیر پریشان ہو کر دروازے کی سمت دیکھتی رہیں پھر گھبرا کر ردا کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"کیا ہوا بیگم صاحبہ خیر تو ہے؟" زریںہ نے انہیں اتار پریشان دیکھا تو فوراً پوچھ بیٹھی۔

"اس گھر پر ایک اور نئی قیامت آنے والی ہے..... حاتم، شہیلہ سے شادی کرنے جا رہا ہے۔" انہوں نے گویا ان کے سر پر بم گرایا۔

"ماما..... یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" ردا نے گھبرا کر پوچھا۔

"بیگم صاحبہ..... خدا کے لیے ایسا مت ہونے دیں..... ورنہ....." زریںہ بھی گھبرا کر بولی۔

"میرے پاس کوئی اختیار نہیں رہا کہ اس کام کو روک سکوں..... حاتم نے اپنا حتمی فیصلہ منا کر مجھے بے بس کر دیا ہے۔" انہوں نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"تو کیا آپ مان جائیں گی؟" ردا نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ سوال مجھ جیسی بے بس ماں سے مت پوچھو۔" وہ ایک آنسو بھر کے رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆  
ماں جی، روحیل سے ناراض تھیں اور اس سے بات نہیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے کئی بار روحیل کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ردا کو منا کر لے آئے

کھیں دیب جلع کھیں دل

مکروہ اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔ اس کی ضد کی وجہ سے ماں جی خائف ہو گئی تھیں اور انہوں نے اس کے ساتھ بات چیت ترک کر دی تھی۔ روحیل کو اس بات کا بہت قلق تھا وہ ماں جی کی ناراضی برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ صبح آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ان کے کمرے میں آیا تو انہوں نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

"ماں جی..... پلیز..... مجھ سے بات تو کریں۔" روحیل نے ان کے قریب بیٹھ کر التجائیہ انداز میں کہا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور منہ پھیرے رکھا۔

"ٹھیک ہے، آپ کی خوشی کی خاطر میں ردا کو لینے چلا جاؤں گا۔"

"سچ....." وہ ایک دم خوش ہو کر بولیں۔

"ہاں آپ تیار رہیے گا، شام کو ہم چلیں گے۔" روحیل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن ان لوگوں کی ایک شرط بھی ہے۔" ماں جی نے آہستہ آواز میں کہا تو روحیل نے باہر نکلے ہوئے فوراً مڑ کر دیکھا۔

"دیکھی شرط.....؟" روحیل نے چونک کر پوچھا۔

"یہ کہ تم ان سب سے۔ میرا مطلب ہے حاتم..... عاصم اور سب سے معافی بھی مانگو گے۔"

ماں جی نے آہستہ آواز میں کہا۔

"کیسی معافی..... اور کس بات کی؟" روحیل نے غصے سے پوچھا۔

"اس بے عزتی کی جو تم نے سب کے سامنے ردا کی، کی تھی۔" ماں جی نے اسے بتایا۔

"ہرگز نہیں، میں اب اتنا بے غیرت بھی نہیں ہوا کہ ردا کو اس کے ٹوائفیر پر شاباش دوں۔" روحیل ایک دم طیش میں آ گیا۔

"بیٹا..... اسے اپنا مسئلہ مت بناؤ، اپنے گھر کو آباد کرنے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔" ماں جی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔



بات سننے کو تیار نہیں تھا۔  
رات کو رو جیل اپنے کمرے میں لیٹا تھا کہ ماں  
جی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ رو جیل انہیں  
دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

”رو جیل آج میں آخری بار تم سے کہنے آئی  
ہوں کہ ردا کو گھر لے آؤ۔“ ماں جی نے ٹھوس لہجے  
میں کہا۔

”مگر میں کسی سے معافی نہیں مانگوں گا۔“  
”دیکھو غلطیاں اور خطائیں انسانوں سے ہی  
ہوتی ہیں اگر ایسی غلطیوں سے کسی دوسرے کو تکلیف  
پہنچے تو معافی مانگنے میں کیا حرج ہے؟“ ماں جی نے  
نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

تمہاری ساری بد تمیزیوں کے باوجود وہ تمہیں بہو  
بنانے پھرے آگئی ہیں۔“  
”وہ بھی حاتم کے مجبور کر لے پر۔“ شمیمہ نے  
منہ بنا کر کہا۔

”دیکھو..... اب سب کچھ بھلا دو۔ صرف یہ  
یاد رکھو کہ وہ حاتم کی ماں ہیں اور حاتم نے اس مشکل  
میں میری عزت اور بات کا بھرم رکھا ہے، کچھ اسی کا  
خیال کر لو۔“ ریحانہ نے لہجہ بدل کر اسے نرمی سے  
سمجھاتے ہوئے کہا۔

”حاتم کا احسان آپ کے سر پر ہوگا۔ میرے  
سر پر نہیں۔“ اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔  
”تم اس قدر احسان فراموش اور بد لحاظ ہو،  
مجھے آج یقین ہو گیا ہے، خدا نے تم سے فہام کو۔۔۔  
تجسین کر گئی ہو آرمائش میں ڈالا ہے مگر تم نے اس  
سے کوئی سبق نہیں سیکھا لیکن یاد رکھو..... اب تم نے آپا  
کے ساتھ کوئی بد تمیزی کی تو میں ہرگز تمہارا ساتھ نہیں  
دوں گی۔“ انہوں نے باقاعدہ اسے دھمکی۔

”تو نہ دیں..... اب کی بار میں بھی اس گھر  
سے ساری کشتیاں جلا کر جاؤں گی۔ آپ لوگوں سے  
سارے تعلق ختم کر کے..... میرا کوئی کچھ نہیں لگتا.....  
آپ بھی نہیں۔“ وہ سخت طیش کے عالم میں انہیں  
دیکھتے ہوئے بولی۔

”کیا.....؟“ ریحانہ نے انتہائی حیرت سے  
اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ منہ بنا کر پاؤں پینچتی ہوئی  
وہاں سے چلی گئی۔ ریحانہ حیرت اور پریشانی سے  
اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

ماں جی کو کہ رو جیل سے ناراض تھیں مگر اپنے  
طور پر وہ پوری کوشش کر رہی تھیں کہ کسی طرح رو جیل  
کو قائل کر لیں کہ وہ ردا کو گھر لے آئے۔ انہوں نے  
اس کے جگری دوست یاور کو بھی فون کیا۔ فضیلت کو  
بھی کہتی رہیں کہ وہ اسے سمجھائے مگر رو جیل کسی کی

”جی... ہاں... ہاں۔“ ریحانہ نے یوکر  
جواب دیا۔

”تو پھر تم نے اور حاتم نے اس کے نکاح  
بارے میں جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ بھی بتا دو۔“ انہوں  
نے بے بسی سے پوچھا۔

”نہیں، نہیں وہ تو آپ ہی بتائیں گی۔“  
”میں کیا بتاؤں، تم بتاؤ کب نکاح کرنا چاہتی ہو؟“  
”میرا خیال ہے اسی جیسے کو.....؟“ ریحانہ نے  
جلدی سے کہا۔

”اتنی جلدی.....؟“ انہوں نے چونک کر  
کہا۔ ”ٹھیک ہے تم نے جو فیصلہ کیا ہے مجھے منظر  
ہے..... اب میں چلتی ہوں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔  
”آپا..... بیٹھیں، جائے تو پی لیں۔“ ریحانہ  
بنگم نے کہا مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور  
خاموشی سے باہر چلی گئیں۔ ریحانہ غصے سے شمیمہ  
کے کمرے میں گئیں تو وہ منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔

”آپا کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو تم سمیت  
میری وہ عزت کر کے جاتی کہ تمہارا دماغ ٹھکانے  
آجاتا۔ تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟“ ماں نے غصے  
سے شمیمہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”وہ آپ کی بہن ہے، آپ اس کی عزت  
کریں، میرے ساتھ اس نے کیا اچھا کیا تھا کہ میں اس  
کی عزت کروں؟“ شمیمہ نے قدرے بد تمیزی سے  
جواب دیا۔

”ارے جس سے محبت کرتے ہیں ناں اس کی  
ہر چیز سے محبت ہوتی ہے، وہ تو پھر فہام کی ماں چہا  
یہی سوچ کر ان کی عزت کر لیا کرو۔“ ریحانہ بیٹی کے  
تیور دیکھ کر مزید بگڑیں۔

”ہوتی..... پہلے یہ تو بھلا پاؤں کس اس عورت  
نے فہام کو کبھی مکمل طور پر میرا نہیں ہونے دیا تھا۔“  
شمیمہ نے قدرے نخوت سے جواب دیا۔  
”شرم کرو شمیمہ..... یہ آپا کا طرف ہے کہ

”میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے گھر پر۔“ رو جیل  
غصے سے کہہ کر چلا گیا اور ماں جی پھر پریشان ہو کر  
سوچ میں پڑ گئیں۔ کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے  
خدیجہ بیگم کا فون نمبر ملا یا۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم لاؤنج میں داخل ہوئیں تو ریحانہ بیگم  
ایک دم کھل اٹھیں اور بہت تپاک سے طپس۔ خدیجہ  
بیگم کے چہرے پر پریشانی اور بے بسی کے تاثرات  
تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر شمیمہ کے سر پر پیار دینا  
چاہا تو وہ قدرے اکڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔

”شمیمہ یہ کیا بد تمیزی ہے، آگے بڑھ کر آپا کو  
سلام کرو۔“ ماں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ خدیجہ بیگم نے آہستہ سے کہا۔  
”بس صدمے کی وجہ سے اس کے دماغ پر اثر  
ہو گیا ہے۔ آپ بیٹھیے، شمیمہ جاؤ آپا کے لیے چائے لے کر  
آؤ۔“ ریحانہ جلدی جلدی بات سمیٹتے ہوئے بولیں۔  
”مجھے حاتم نے یہاں بھیجا ہے اور کیوں بھیجا  
ہے یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔“ انہوں نے صوفے پر  
بیٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”ہاں، ہاں، حاتم اپنے وعدے کا بہت پکا  
ہے، میں شمیمہ کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ شکر ہے  
حاتم نے میری پریشانی دور کر دی۔ آپا میں نے  
آپ سے جو کچھ بھی کہا پلیز مجھے معاف کر دیں۔“  
ریحانہ بیگم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر التجائیہ انداز میں کہا۔

”ریحانہ..... میرا دل تو قبرستان بن چکا ہے۔  
کوئی کچھ بھی کہے اس میں فتن ہو جاتا ہے۔“ انہوں  
نے آہ بھر کر نرم آنکھوں سے بہن کو دیکھتے ہوئے  
جواب دیا۔

”اللہ نہ کرے..... آپ کسی باتیں کر رہی  
ہیں۔“ ریحانہ جلدی سے بولیں۔  
”شمیمہ کی عدت تو ختم ہو چکی ہے؟“ خدیجہ  
بیگم نے پوچھا۔

**SOLE DISTRIBUTOR  
of U.A.E**

**WELCAME BOOK SHOP**

**SUSPENSE**  
**PAKEEZA**  
**SARGUZASHT**

P.O. Box 27869 Karama, Dubai Tel: 04-3961016  
Fax: 04-3961015 Mobile: 050-6245817  
E-mail: welbooks@emirates.net.ae

**Best Export From Pakistan**

**WELCAME BOOK PORT**

Publisher, Exporter, Distributor

**Kind of Magazines, General Books  
and Educational Books**

Main Urdu Bazar, Karachi Pakistan  
(92-21) 32639151, 32639601 Fax: (92-21) 32639098  
Email: welbooks@hotmail.com  
Website: www.welbooks.com



”میں نے کوئی غلطی نہیں کی؟“ روحیل نے ڈھٹائی سے کہا۔

”میاں بیوی کو اللہ نے ایک دوسرے کا لباس اسی لیے کہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی خامیاں اور عیب چھپاتے ہیں۔ تم کیسے شوہر نکلتے کہ اپنی بیوی کو خود ہی سارے زمانے کے سامنے بے عزت کر کے رسوا کر دیا۔ سوچو اگر ردا کو تمہارے عیب کے بارے میں معلوم ہوتا اور وہ اس وقت سارے زمانے کے سامنے تمہیں بے عزت کرتی تو تمہیں کیسا لگتا؟“ ماں جی نے غصے سے کہا۔

”اسے خیر ہوتی تو پھر ناں!“ روحیل نے نظریں چرا کر کہا۔

”بیٹا جب اللہ انسانوں کا پردہ رکھتا ہے تو وہ چاہتا ہے انسان بھی آپس میں ایک دوسرے کا پردہ رکھیں۔ تم اچھے شوہر تو ثابت نہیں ہوئے اب اچھے انسان ہونے کا ثبوت دے دو ایک بار سب سے معافی مانگ لو، بات ختم ہو جائے گی۔“ ماں جی نے اسے سمجھاتے ہوئے۔

”ہرگز نہیں..... میں معافی مانگ کر اپنے آپ کو چھوٹا بنالوں۔ ہرگز نہیں۔“ وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ ”معافی مانگنے سے کوئی چھوٹا نہیں ہو جاتا۔ انسان جب گناہوں کے انبار لے کر خدا سے معافی مانگتا ہے تو وہ بھی اس کے سارے گناہ معاف کر کے سب کچھ بھلا دیتا ہے اور اس کو پاک صاف کر دیتا ہے۔“ ماں جی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”وہ خدا ہے، سب کا خالق و مالک ہے وہ سب کو معاف کر دیتا ہے مگر انسان میں اتنا حوصلہ نہیں۔“ ”بیٹا جب انسان اللہ کی خاطر کوئی بے عزتی یا ذلت برداشت کرتا ہے تو اللہ اپنی نظر میں اس کا مقام اور مرتبہ بلند کر دیتا ہے تم اللہ کے لیے ردا اور اس کے گھر والوں سے معافی مانگ لو۔“ ماں جی نے پھر

سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

اس روز رات مجھے روحیل گھر لوٹا تو گھر میں لگا ہوا تھا۔ وہ چونک گیا۔

”ایسا تو کبھی نہیں ہوا اللہ خیر کرے.....“ اس نے پہلے ماں جی کے موبائل پر فون کیا، فون بند جا رہا تھا پھر وہ فضیلت کے موبائل پر فون کرنے لگا وہاں سے بھی کوئی جواب نہ ملا..... اس کے پاس چابی بھی نہیں تھی وہ کچھ سوچتے ہوئے فضیلت آپا کی طرف چلا گیا۔ ”ماں جی میرے پاس ہیں اور اب وہ سیکھا رہیں گی۔ جب تک تم ردا کو لے کر گھر نہیں آتے کہ وہ تم سے بات کریں گی اور نہ ہی یہاں سے جائیں گی، یہ آپا کا فیصلہ ہے جو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔“ فضیلت نے اس کے پوچھنے پر بتایا۔

”کیا مطلب.....“ انہیں میں خود اُن سے بات کرتا ہوں۔“ وہ پھر گیا۔

”وہ تم سے بات نہیں کریں گی اگر تم ضدی ہو تو وہ بھی اپنی ضد پر قائم ہیں۔ روحیل..... تمہاری ماں جی نے اپنی ساری زندگی تمہیں سنوارنے میں گزار دی۔ جوانی میں بڑھاپا گزارا، آپا ہارٹ پشٹنٹ ہیں، نہ جانے ان کی کتنی زندگی باقی ہے ان کی زندگی کو مزید اذیت میں مت ڈالو، ردا کو گھر لے آؤ۔“ فضیلت نے قدرے جذباتی لہجے میں کہا تو روحیل نے ایک نظر اسے دیکھا اور وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

حاتم کے نکاح کی وجہ سے گھر میں کچھ گہما گہمی تھی۔ خدیجہ بیگم بھی بہت مصروف تھیں۔ چند بہت قریبی لوگوں کو انوائٹ کیا تھا اور ان کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ ردا بہت محبت سے ایک گفٹ پیک کر رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔

حاتم لاؤنج میں بیٹھا تھا کچھ مہمان بھی ارد گرد بیٹھے تھے۔ ان کے قریبی رشتے داروں نے طرح

طرح کی باتیں کی تھیں مگر انہی میں سے چند نے حاتم کے اس فیصلے کو سراہا بھی تھا۔ خدیجہ بیگم نے تم آنکھوں سے اسے دیکھا اور پھولوں کا ہار پہنا کر اسے کلاہ پہنا یا جسے ہی محبت سے اس کی پیشانی چومی تو دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

”خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔“ خدیجہ بیگم نے اپنی آنکھیں صاف کر کے اسے واپس بٹھاتے ہوئے کہا۔

ردا گفٹ پیک اور پھولوں کا ہار پکڑے وہاں آئی..... اور گفٹ حاتم کے سامنے ٹیبل پر رکھ کر اسے پھولوں کا ہار پہناتے ہوئے بولی۔

”مبارک ہو حاتم بھائی!“ ردا نے درود سنی مسکرا کر کہا تو حاتم نے اس کا ہاتھ روک کر ہار اس کے ہاتھ سے پکڑ کر دور پھینکا۔

”سب کی زندگیوں کو بر باد کر کے ان کی زندہ میتوں پر اب پھول چڑھا کر مبارک باد دینے آ گئی ہو۔ جاؤ یہاں سے۔“ حاتم غصے سے بولا تو سب ہکا بکا رو گئے۔ ردا کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

”حاتم آج کے دن تو اسے معاف کر دو۔“ خدیجہ بیگم نے بے چارگی سے کہا۔

”میں اسے مر کر بھی معاف نہیں کر سکتا۔ اس سے کہیے کہ یہاں سے چلی جائے۔“ حاتم نے غصے سے کہا تو وہ روتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ حاتم نے غصے سے اپنا کلاہ ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

”حاتم بھائی، آج تو اتنا غصہ مت کریں۔“

عاصم نے اسے زبردستی صوفے پر بٹھایا تو خدیجہ بیگم نے پھر اسے کلاہ پہنایا اور باقی ساری رسمیں بے دلی کے ساتھ کر کے انہیں گاڑیوں میں بٹھا کر وہ ردا کے کمرے میں آئیں جو بیڈ پر اونڈھے منہ لیٹی بری طرح سسک رہی تھی۔ ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں، وہ انہیں صاف کر کے ردا کے پاس آئیں اور محبت

سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

”بیٹا..... میرا ردا اور ہمت سے کام لو۔“

”ممہا..... کتنا صبر کروں، کیا میرا گناہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی کوئی حلانی ممکن ہی نہیں..... آپ ہی بتائیں میں کیا کروں۔ کیسے سب سے معافی مانگوں؟“ وہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بولی۔

”تمہارے کسی سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔“ خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”خدا تمہاری مشکل آسان کرے، میں زریہ کو تمہارے پاس چھوڑے

حساب رہی ہوں۔ پریشان مت ہونا.....“ خدیجہ نے رک رک کر کہا تو ردا نے چونک کر ماں کی طرف

استغما یہ نظروں سے دیکھا اور حیرت سے بڑبڑائی۔

”کیا..... آپ لوگ.....؟“ ردا بولی تو خدیجہ بیگم نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

”کوشش کرنا تم شمیلا کے سامنے نہ آؤ۔“

خدیجہ نے کہا تو ردا نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔

”بیگم صاحبہ..... سب لوگ جانے کے لیے تیار کھڑے ہیں، آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ زریہ نے کمرے میں داخل ہو کر جلدی جلدی بولی۔

”تم..... ردا کے پاس ہی رہنا اور.....“

خدیجہ بیگم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

”فہام بھائی کی بارات میری وجہ سے لیٹ ہوئی تھی۔ میں پارلر سے لیٹ آئی تھی اور فہام بھائی گاڑی میں نہیں بیٹھ رہے تھے اور آج..... میں اور

میرا جو سب کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔“

کاش..... فہام بھائی کی جگہ میں مرجانی.....

کاش.....“ ردا سسکیاں بھرنے لگی۔

”ردا بی بی حوصلہ کریں، وقت کسی ایک ماٹھیوں رہتا۔“ زریہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ.....



”تم دونوں کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ میں چارہ ہی ہوں، تم دونوں کے جو دل میں آئے کرو۔“ خدیجہ بیگم نے غصے سے کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی باہر چلی گئیں۔

”مولوی صاحب آپ نکاح پڑھیں۔“ حاتم نے کہا۔

”جی بہت بہتر۔۔۔“ مولوی صاحب رجسٹرار اٹھا کر اندر چلے گئے تو شمیلہ نے فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بھائی اور ماں کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

جب سے حاتم کی بارات گئی تھی، ردا اپنے کمرے میں لیٹی مسلسل رورہی تھی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کی زندگی میں بھی ایسا ممکن تھا۔ وہ اس قدر رڈھکاری جائے گی کہ سب سے رشتے بھی اس پر اعتبار نہیں کریں گے۔ بہت زیادہ رونے سے اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی جب رشنا، زریںہ کے ہمراہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

”ردا بی بی۔۔۔ دیکھیے تو کون آیا ہے، رشنا بی بی آئی ہیں۔“ زریںہ نے کہا تو ردا نے ایک دم آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر ایک دم اس کے ساتھ لیٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یوں جیسے اس مشکل وقت میں اسے کسی کے کندھے کی ضرورت تھی۔

”ردا میری جان۔۔۔ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔۔۔ مجھ سے تمہارے آنسو برداشت نہیں ہو رہے۔“ رشنا نے محبت سے اسے چومتے ہوئے کہا تو ردا سسکیاں بھرتے لگی۔

”تم تو اتنی بہادر تھیں، کیسے ہمت ہار بیٹھی ہو۔۔۔“ رشنا نے پرتا سف لہجے میں کہا۔

”جب قسمت روٹھ جائے تو ہمت خود بخود ٹوٹ جاتی ہے۔ رشنا میرا سب کچھ ختم ہو گیا۔۔۔ مجھ میں بھی۔۔۔ رشتے بھی۔۔۔ عزت بھی اور اعتبار بھی۔۔۔“

”مجھے اپنے لیے جو ٹھیک لگے گا وہی کروں گی۔“ وہ کہہ کر باہر جانے لگی تو ریحانہ بیگم نے اسے زبردستی روکا مگر وہ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ مولوی نے حاتم کو شمیلہ کی شرط کے بارے میں بتایا تو حاتم اور عاصم بری طرح چونک گئے۔

”حاتم۔۔۔ میں تمہیں برگزیہ نہیں کرنے دوں گی، وہ ہم سے ہماری چھت بھی چھیننا چاہتی ہے۔ ہم سب ٹرل جائیں گے بیٹا۔“ خدیجہ نے غصے سے حاتم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بھائی کو یہ سب کچھ پہلے ڈسکس کر لینا چاہیے تھا۔“ عاصم نے بھی پریشانی سے کہا۔

”لیکن اب کیا کریں، یہ بتاؤ؟“ حاتم نے عاصم سے سرگوشی میں پوچھا۔

”یہ گھر آپ کا، میرا اور ماما کا ہے، ردا کا حصہ اسے پہلے ہی دیا جا چکا ہے۔“ عاصم نے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ حاتم نے چونک کر پوچھا۔

”شمیلہ بھائی فہام بھائی کی وجہ سے پہلے ہی بہت اذیت میں ہیں اگر اب اس پجوشن میں ہم انہیں جھوڑ کر جاتے ہیں تو یہ ان کے لیے بہت انسٹ کی بات ہوگی۔ میرا خیال ہے آپ یہ گھر ان کے نام کر دیں۔“ عاصم نے اپنی جانب سے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”عاصم، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ خدیجہ بیگم اس کی بات سن کر غصے سے بولیں۔

”ماما اس وقت مسئلہ ان کی عزت کا ہے۔“ عاصم نے جھنجھلا کر کہا۔

”اور اسے ہمازی عزت کی کوئی پروا نہیں۔“ خدیجہ نے غصے سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے مولوی صاحب آپ حق مہر میں گھر بیٹھی لکھ دیجیے۔“ حاتم نے مولوی صاحب کی طرف دیکھ کر ٹھوس لہجے میں کہا۔

”ہاں۔۔۔ بیٹا بتاؤ تمہاری کیا مرضی ہے؟“ مولوی نے تیسری بار پوچھا۔

”نہیں۔۔۔“ شمیلہ نے گہری سانس لے کر ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

”کیا۔۔۔ کہا۔۔۔؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔“ ریحانہ بیگم غصے سے بولیں۔

”آپ کیا چاہتی ہیں؟“ مولوی نے نرمی سے شمیلہ سے پوچھا۔

”مجھے حق مہر میں وہ گھر چاہیے جس میں حاتم رہ رہے ہیں۔“ شمیلہ نے قطعیت سے کہا تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ گھر سب کا ہے، اکیلے حاتم کا نہیں، تمہیں لکھ کر دے۔“ خدیجہ بیگم یہ سن کر فوراً بولیں۔

”شمیلہ۔۔۔ کچھ تو عقل کرو، تمہارا تو دارا خراب ہو گیا ہے۔“ ریحانہ نے بھی اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”دس لاکھ روپے حق مہر کچھ کم تو نہیں۔“ سلمان نے بھی خفگی سے کہا۔

”ہاں، کم ہے، مجھے اپنا گھر چاہیے، جس میں سے کوئی مجھے بھی باہر نہ نکال سکے۔“ شمیلہ نے طنز لہجے میں کہا۔

”اور یہ ناممکن ہے۔“ خدیجہ بیگم نے بڑے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”آپ حاتم صاحب کو میری یہ شرط بتا دیں اگر انہیں منظور ہے تو میں نکاح کے لیے تیار ہوں۔“ شمیلہ نے مولوی صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے سختی سے کہا تو مولوی صاحب رجسٹرار کرکمرے سے باہر چلے گئے ان کے پیچھے باقی لوگ بھی باہر چلے گئے۔ صرف ریحانہ وہیں رہ گئیں۔

”شمیلہ، شمیلہ کچھ خدا کا خوف کرو۔۔۔ چاہا آپ کا احسان ہے کہ وہ تمہیں بیاہنے آگئی ہیں۔“ ورنہ تم۔۔۔“ ریحانہ نے غصے سے کہا۔

☆☆☆

رسم نکاح کے لیے سب لوگ شمیلہ کے گھر لاؤنج میں جمع تھے۔ حاتم اور عاصم بہت خاموش تھے۔ خدیجہ بیگم کی آنکھیں ہار بار غم ہو رہی تھیں۔ کسی کے چہرے پر بھی خوشی کے تاثرات نہیں تھے۔ سلمان اور نفیسہ بھی خاموشی سے ان کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ ریحانہ بیگم نے بہن کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے پر افسردگی اور مایوسی کے تاثرات دیکھ کر خود ان کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں۔ وہ اٹھ کر شمیلہ کے کمرے میں آگئیں جو دلہن بنی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اس کے چہرے پر قدرے غصہ اور خشونت تھی۔ ریحانہ بیگم نے گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔

”بیٹا۔۔۔ خدا کے لیے اب اپنے دل سے تمام متقی باتیں نکال کر جاؤ۔ آپا کے ساتھ کوئی اونچ نیچ نہ کرنا۔۔۔ وہ پہلے ہی بہت دھکی ہیں، آج میں نے ان کے چہرے پر جو دکھ اور افسردگی دیکھی ہے اس سے میرا دل کٹنے لگا ہے، اپنے دل سے تمام نفرتیں مٹا کر جانا۔۔۔ عورت کی عزت اپنی سسرال اور شوہر کے ساتھ وفا کرنے میں ہے۔ حاتم کی بہت عزت کرنا اور آپا کی خدمت۔۔۔“ وہ کہتے کہتے رو دیں۔ شمیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی لمحے نکاح خواں سلمان کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ ان کے ساتھ خدیجہ بیگم اور نفیسہ بھی تھیں۔ نکاح خواں نے رجسٹر کھول کر شمیلہ کی طرف دیکھا اور پوچھنے لگا۔

”شمیلہ بی بی۔۔۔ بہت صاف حسین کیا آپ کو حاتم علی ولد امجد علی کے ساتھ بیوہ دس لاکھ حق مہر مؤجل نکاح منظور ہے؟“ مولوی صاحب نے پوچھا شمیلہ کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ مولوی نے دوبارہ پوچھا۔ شمیلہ نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ریحانہ بیگم نے گھبرا کر بیٹے کی طرف دیکھا اور اس نے مولوی کی طرف۔



### مصبت

جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے لیے دل میں ایک قبرستان بھی بنا دیا جاتا ہے جس میں اپنے محبوب کی ساری خامیاں دفن کر دی جاتی ہیں اور ان پر کتبے بھی نہیں لگائے جاتے۔

### ہائے رے شوہر

طوقانی بارش میں ایک شخص ریسٹورنٹ میں بیٹا لینے آیا۔ نیچر نے پوچھا۔ ”سر کیا آپ غیر شادی شدہ ہیں؟“ اس شخص نے جواب دیا۔

”اللہ کے بندے تم خود سوچو ایسے طوقان میں کون سی ماں اپنے بیٹے کو پیر لینے بھیجتی؟“

### سفید جھوٹ

☆ 60 سالہ ارب پتی کافی دن بعد کلب میں اپنی اٹھارہ سالہ بیٹی ٹویلی پیوی کے ساتھ داخل ہوا تو ایک دوست نے علیحدہ لے جا کر پوچھا۔ ”یہ کیسے تم سے شادی کے لیے راضی ہو گئی؟“

آوی نے جواب دیا۔ ”میں نے اپنی عمر کے ہارے میں جھوٹ بولا تھا۔“ دوست۔ ”کیا تم نے چالیس سال بتائی تھی؟“

”آوی، نہیں، نہیں میں نے نوے سال بتائی تھی۔“

مرسلہ: فرحت احمد، گلشن حدید

عادت بن چکے تھے اگر نادانستہ میری زبان سے کچھ ایسا نکل جائے جو تمہیں اچھا نہ لگے تو پلیز مائنڈ نہ کرنا۔“ حمیلہ نے التجا سے انداز میں کہا۔

”اوکے۔۔۔۔۔ تو پر اہم۔۔۔۔۔“ حاتم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”حاتم۔۔۔۔۔ آپ سے ایک بات کہوں، پلیز وہ بات آپ کسی سے نہیں کہیں گے۔۔۔۔۔ خالہ جان سے بھی نہیں۔۔۔۔۔“ حمیلہ نے کہا تو حاتم نے چونک کر اسے دیکھا۔

”اوکے۔۔۔۔۔ میں کسی سے نہیں کہوں گا۔“ حاتم نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”حق مہر میں، میں نے یہ گھر صرف اپنے بھائی اور بھائی پر رعب ڈالنے کے لیے لکھوایا ہے ورنہ مجھے کوئی لالچ ہے اور نہ ہی ہوس۔۔۔۔۔ یہ گھر آپ کا ہے اور آپ کا ہی رہے گا۔“ حمیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ریسٹی۔۔۔۔۔ اور اگر میں اس وقت انکار کر دیتا تو۔۔۔۔۔؟“ حاتم نے چونک کر پوچھا۔

”مجھے آپ پر پورا یقین تھا کہ میں جو کہوں گی وہ آپ ضرور مانیں گے۔ اسی لیے تو میں نے یہ شرط لگائی تھی اور ایسا ہی ہوا۔“ حمیلہ نے مسکرا کر کہا تو حاتم بھی مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

### ☆☆☆

روحیل کے ذہن میں فضیلت کے کبے ہوئے جیلے یا بارگونیج رہے تھے۔

”آیا ہارٹ پیشنٹ ہیں، اب ان کی کتنی زندگی باقی ہے۔ انہیں ازیت میں نہ ڈالو۔“ روحیل سخت پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ردا کا مسکراتا ہوا چہرہ گھومتے لگا۔

”اگر میں ردا کو کسی بھی طرح کنوئس کر لیتا ہوں اور وہ میرے ساتھ آنے کے لیے مان بھی جاتی

نہیں۔۔۔۔۔ معلوم نہیں میری قسمت میں کیا لکھا ہے اور کیا ہونا باقی ہے لیکن مجھ سے میرے اپنوں کی نفرتیں برداشت نہیں ہو رہیں۔۔۔۔۔ میں کیا کروں رشنا؟“ وہ پھر سسکنے لگی تھی۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔۔۔ میں پوری کوشش کروں گی کہ تمہارے حالات نارمل ہو جائیں۔“ رشنا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ذریعہ چائے کی ٹرالی لے آئی تھی وہ انہیں چائے دے کر جیسے ہی لاونچ میں آئی تو خدیجہ بیگم انتہائی پریشان حال روتے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔ ”بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ باقی سب لوگ کہاں ہیں اور آپ رو کیوں رہی ہیں؟“ اس نے آگے بڑھ کر انہیں صوفے پر بٹھایا اور فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

”ذریعہ ہم اس گھر سے بے گھر ہونے والے ہیں۔ حمیلہ نے حق مہر میں یہ گھر لکھوایا ہے۔“ انہوں نے روتے ہوئے بتایا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

ردا ان باتوں سے بے خبر رشنا سے حالِ دل کہتی رہی۔

### ☆☆☆

”اس وقت میرا دل پھٹ رہا ہے، میں نے جس مجبوری میں یہ فیصلہ کیا ہے، یہ میں ہی جانتی ہوں۔“ حمیلہ جو بیاہ کر حاتم کے ساتھ آگئی تھی اب اس کے کمرے میں بیٹھی رو رہی تھی۔

”فہام بھائی کے جانے سے آپ کی زندگی میں جو بھی کمی آئی ہے وہ میں ساری تو دور نہیں کر سکتا مگر کوشش کروں گا آپ کو سکون اور خوشیاں دے سکوں۔“ حاتم نے بوی مشکل سے ہمت کر کے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو حاتم۔۔۔۔۔ بچپن سے میں فہام کے ساتھ منسوب تھی۔ وہ محبت کے ساتھ ساتھ میری

سب کچھ۔“ ردا نے ہچکیاں بھرتے ہوئے کہا۔ ”ایسا مت کہو۔۔۔۔۔ اللہ سب ٹھیک کرے گا۔“ رشنا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”وہی تو مجھ سے روٹھ گیا ہے، اسی لیے سب مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں، کوئی بھی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔“ ردا بے انتہار رو رہی تھی۔

”سب کرتے ہیں محبت۔۔۔۔۔ پلیز تم ٹیکھو مت سوچو۔“ رشنا نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”میں ابھی آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔“ ذریعہ نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

”کیا روحیل آیا۔۔۔۔۔؟“ رشنا نے قدرے توقف کے بعد ردا وارا انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ اور نہ ہی آئے گا۔“ ردا نے آہ بھر کرتی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟“ رشنا نے حیرت سے پوچھا۔ ”وہ بہت ضدی ہے اور مجھ سے شدید بدگمان ہو چکا ہے۔“ اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

”اور تم۔۔۔۔۔ کیا تم اب بھی اس سے محبت کرتی ہو؟“ رشنا نے پوچھا۔

”معلوم نہیں۔“ ردا نے مایوس گن لہجے میں جواب دیا اور ایسے ہاتھ ملنے لگی۔ رشنا اس کی ہر کیفیت نوٹ کر رہی تھی۔

”ردا ایک بات پوچھوں۔۔۔۔۔ میرے تو قیر بھائی میں کیا کمی تھی جو تم نے انہیں قبول نہیں کیا؟“ رشنا نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ مگر میرا دل انہیں قبول نہیں کرتا تھا۔ شاید مجھے انہی کی کوئی بد دعا لگ گئی ہے۔“ ”ایسا مت کہو جو خود suffer کر رہے ہوں وہ دوسروں کو کیا بد دعا دیں گے۔ اب بتاؤ، تم کیا چاہتی ہو؟“ رشنا نے اس کے ہاتھ تھام کر محبت سے پوچھا۔

”میرے پاس کسی بھی بات کا کوئی اختیار



اور پاؤں جھٹکتے ہوئے اندر کمرے میں چلی گئی۔  
روحیل کو اپنی بہت زیادہ انسٹل محسوس ہوئی۔  
روا کافی دیر بعد جب اپنے کمرے میں آئی،  
اس نے اپنے موبائل پر روحیل کی کافی مس کالز  
دیکھیں تو بری طرح چونک گئی۔

”روحیل کی اتنی زیادہ مس کالز.....؟“ اس  
نے حیرت سے سوچا اور اس کا نمبر ڈائل کیا مگر روحیل  
نے پہلی ہی بل پر اس کی کال رنجیکٹ کر دی۔ وہ  
پریشان ہو گئی اور دوبارہ فون کرنے لگی۔ اب کے  
اس نے موبائل ہی آف کر دیا تھا۔

”اس کا کیا مطلب ہے، وہ پہلے خود ہی کال  
کر رہا تھا اور اب خود ہی کال رنجیکٹ کر رہا ہے۔“ وہ  
پریشان ہو کر چہرے پر ہاتھ پھرنے لگی۔

روحیل نے فضیلت آپا کو فون کر کے ساری  
بات تفصیل سے بتائی اور ہمیلہ نے اسے جو کچھ کہا تھا  
وہ سب سن کر وہ بھی پریشان ہو گئی۔

”روحیل تم نے اچھا کیا جو مجھے ساری بات  
بتا دی ہے، تم ابھی کوئی قدم نہ اٹھانا میں سوچتی ہوں  
ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔“ فضیلت نے اسے  
زری سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے..... لیکن اب حالات ہم نہیں وہ  
لوگ بگاڑ رہے ہیں۔“ روحیل نے کہہ کر فون بند  
کر دیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی پھر ایک دم اس نے  
خدیجہ بیگم کا نمبر ملا یا۔

”السلام علیکم..... میں روحیل کی آپا فضیلت  
بات کر رہی ہوں۔“

”اوہ آپ.....؟“ خدیجہ بیگم نے چونک کر  
جواب دیا۔

”ہاں..... میں..... دراصل آپا کی طبیعت  
ٹھیک نہیں اور میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا  
چاہتی ہوں۔“ اس نے رک رک کر کہا۔

”جی، جی فرمائیں۔“ خدیجہ بیگم نے حیرت سے کہا۔

ہوگا..... بیٹا میں تو چاہتی ہوں کہ روحیل تمہیں لینے  
آجائے اور تم اپنے گھر چلی جاؤ تو میں پرسکون  
ہو جاؤں ورنہ ہمیلہ نہ جانے کیا کرے..... ویسے بھی  
وہ اب اس گھر کی مالکین میں سے ہے۔“ انہوں نے  
انسروٹی سے اسے بتایا۔

”کیا..... مطلب.....؟“ روانے حیرت سے پوچھا۔

”ہمیلہ نے حق میں یہ گھر لکھوا لیا ہے۔“  
خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر غم آنکھوں سے اسے بتایا۔

”بس..... کیا.....؟“ روانے بری طرح  
چونک کر کہا۔

”ہاں..... اور اب وہ ہم سے کیا سلوک کرتی  
ہے معلوم نہیں۔“ خدیجہ بیگم نے ایک ٹھنڈی آہ بھری  
تو روانے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

روحیل بار بار روا کا نمبر ملا رہا تھا مگر وہ کمرے  
میں موجود نہیں تھی۔ روحیل نے لینڈ لائن نمبر ملا یا تو  
کافی زیادہ پیلز کے بعد ہمیلہ نے فون اٹھالیا۔

”ہیلو..... میں روحیل بات کر رہا ہوں۔ مجھے  
روا سے بات کرنی ہے۔“ روحیل نے گلا کھنکھارے  
ہوئے کہا۔

”کیوں اور کس ناتے سے؟“ ہمیلہ نے خشکی  
سے پوچھا۔

”میں اس کا شوہر ہوں۔“ روحیل نے غصے  
لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا..... بہت جلدی آپ کو یا د آ گیا کہ آپ  
اس کے شوہر ہیں۔“ ہمیلہ نے جی سے کہا۔

”پلیز..... میں آپ سے کوئی بحث نہیں کرنا  
چاہتا..... آپ روا کو بلا لیں.....“ روحیل غصے سے بولا۔

”اس کا آپ سے اب کوئی تعلق نہیں..... اگر  
آپ روا کو خورم طلاق بھجوا دیتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ  
ہم کورٹ کے ذریعے خود لے لیں گے..... اب  
دوبارہ کونٹیکٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہی ہمارا  
فیصلہ ہے۔“ ہمیلہ نے غصے سے کہہ کر فون بند کر دیا

”بیٹا..... تمہیں اس سے بات تو کرنی چاہیے  
تھی۔ میرا خیال ہے اس کی ماں جی نے اسے سچ

ایک دم غصے سے ہمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا  
”بس خالہ جان میں آپ سے اپنی مزہ  
بے عزتی کروانے نہیں آئی۔ دیکھ لیا حاتم، اب  
مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف آپ  
کہنے پر یہاں آئی تھی۔“ ہمیلہ نے غصے سے  
پاؤں جھٹکتے ہوئے باہر چلی گئی۔

”مما مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ آپ  
ماں ہو کر اتنی تنگ دلی کا ثبوت دیا ہے۔“ وہ تم  
خفگی سے بولا۔

”ہاں..... جب تم جیسی اولاد ماں کو جوتی،  
اہمیت دیتی ہے تو وہ تنگ دل ہی ہو جاتی ہے  
انہوں نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلکا  
کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

جب سے حاتم اور ہمیلہ کا نکاح ہوا تھا خدیجہ  
بیگم کی طبیعت سنبھل نہیں پا رہی تھی۔ ہمیلہ کی بار  
اور رویے نے انہیں بہت بد دل کر دیا تھا۔ روا  
کے کمرے میں آئی تو ان کے چہرے پر پریشانی  
تاثرات تھے۔ وہ خاموشی سے خدیجہ بیگم کے پاس  
بیٹھ گئی۔

”کیا بات ہے بیٹا.....؟ تم کچھ پریشان  
رہی ہو؟“ انہوں نے اس کے چہرے کی طرف بڑھ  
دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مما..... وہ..... رات کو میرے موبائل  
روحیل کا فون آ رہا تھا۔“

”اچھا..... تو کیا تم نے اس سے کوئی بات  
کی.....؟“ خدیجہ نے چونک کر پوچھا۔

”نہیں..... میں نے تو موبائل ہی آف کر دیا  
مجھے ڈر تھا کہ وہ پھر مجھے ڈانٹے گا اور میری بے عزت  
کرے گا۔“ روانے معصومیت سے جواب دیا۔

”بیٹا..... تمہیں اس سے بات تو کرنی چاہیے  
تھی۔ میرا خیال ہے اس کی ماں جی نے اسے سچ

ایک دم غصے سے ہمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا  
”بس خالہ جان میں آپ سے اپنی مزہ  
بے عزتی کروانے نہیں آئی۔ دیکھ لیا حاتم، اب  
مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف آپ  
کہنے پر یہاں آئی تھی۔“ ہمیلہ نے غصے سے  
پاؤں جھٹکتے ہوئے باہر چلی گئی۔

”مما مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ آپ  
ماں ہو کر اتنی تنگ دلی کا ثبوت دیا ہے۔“ وہ تم  
خفگی سے بولا۔

”ہاں..... جب تم جیسی اولاد ماں کو جوتی،  
اہمیت دیتی ہے تو وہ تنگ دل ہی ہو جاتی ہے  
انہوں نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلکا  
کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہے تو مجھے اس کی فیملی سے معافی نہیں مانگنی پڑے گی  
مگر کیا روا مان جائے گی؟“ روحیل نے سگریٹ کا  
گہرا کش لگاتے ہوئے سوچا۔

”ہاں وہ بہت معصوم ہے، اب بھی مجھ پر یقین  
رکھتی ہوگی۔“ اس نے یہ سوچتے ہوئے روا کا نمبر ملا یا۔

”اس وقت روحیل کی کال.....؟“ روا حیرت  
اور پریشانی سے بڑبڑاتے ہوئے بولی۔ موبائل پر  
مسلسل پیلز ہو رہی تھیں۔

”روحیل ہمیشہ مجھے ڈانٹنے کے لیے ہی فون  
کرتا ہے، اب نہ جانے کیا کہنا چاہتا ہے، میں اس  
سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔“ روانے پریشان ہو کر  
سوچا اور موبائل آف کر کے سائنڈ ٹیمپل پر رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆

حاتم اور ہمیلہ اگلی صبح اٹھ کر خدیجہ بیگم کے  
کمرے میں داخل ہوئے تو درینہ انہیں ناشتا کرنے  
کو کہہ رہی تھی مگر وہ انکار کر رہی تھیں۔ درینہ کو پیچھے  
کر کے حاتم خود آگے بڑھا۔

”انٹھیے ناں ممما..... ناشتا کر لیں۔“ حاتم نے  
ماں کے قریب بیٹھ کر زری سے کہا۔

”مجھے بھوک نہیں۔“ تم دونوں جاؤ یہاں  
سے۔“ خدیجہ بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے بغیر  
دیکھے ان دونوں سے کہا۔

”مما..... ہمیلہ..... آپ سے۔“ حاتم نے  
رک رک کر کچھ کہنا چاہا۔

”کیا اب کوئی اور ڈراما کرنا باقی رہ گیا ہے؟“

مما ایک دم غصے سے چلاتے ہوئے یو لیں تو حاتم نے  
پریشان ہو کر ہمیلہ کی طرف دیکھا۔

”مما..... ہمیلہ نے آپ کے بارے میں دل  
سے تمام نیکی باتیں نکال دی ہیں..... پلیز آپ بھی  
سب کچھ بھلا دیں۔“ حاتم نے گھبرا کر کہا۔

”کیا کچھ بھلاؤں اس کی چڑکیاں.....  
مکارتیاں..... اور کل کی بے عزتی؟“ انہوں نے

☆ ☆ ☆



لوگوں کے کہنے پر فون کیا تھا مگر نتیجہ کیا نکلا..... اگر وہ لوگ طلاق لینے پر تھے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“  
روحیل غصے سے بولا۔

”بیٹا..... طلاق کی بات ان کی بہونے کی ہے اور وہ ردا سے بدلہ لیتا چاہتی ہے جبکہ ردا کی ممانعت چاہتی ہیں۔ انہوں نے خود تمہاری ماں جی کو فون کیا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم دونوں آج شام کہیں باہر مل کر آپس کی غلط فہمیاں اور دشمنیں دور کر لو، تمہاری ماں جی کا بھی یہی حکم ہے۔ بیٹا قسمت بار بار یوں مواقع نہیں دیتی۔“ فضیلت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو روحیل خاموش ہو گیا۔

”ٹھیک ہے..... میں اب آخری بار اسے فون کروں گا اگر اب اس نے میرے ساتھ کوئی گیم کھیلنے کی کوشش کی تو پھر میں جو فیصلہ کروں گا وہ آپ کو ماننا ہوگا۔“ روحیل نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے..... تم اسے فون تو کرو۔“ فضیلت نے اطمینان بھری سانس لیتے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

ردا اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی تھی جب اس کے موبائل پر روحیل کا فون آنے لگا۔ وہ موبائل پر اس کی کال دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

خدیجہ بیگم قدرے پریشان اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو ردا کی طرف چونک کر دیکھنے لگیں۔  
”مما..... روحیل کا فون آ رہا ہے۔“ ردا نے گھبرا کر انہیں بتایا۔

”بات کرو..... سنو وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔“ خدیجہ بیگم نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تو ردا نے موبائل کان سے لگا لیا۔

”جی، ہیلو.....“

”ماں جی نے آج مجھے تم سے ملنے کو کہا

وہ ہم سے کھل کر دشمنی کرے۔ فہام کی زندگی حاتم نے سہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
اسے جو مواقع نہیں ملے تھے اب وہ حاتم کی بیڑا کر ان سے بھرپور فائدے اٹھانا چاہتی ہے۔  
خدیجہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سمجھاتے ہوئے کہا۔

”میں آج ردا کی ذاتیوں کے سلسلے میں وکیل مجھے تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کیوں سے بات کرنے لگا ہوں۔“ حاتم نے سنجیدگی سے بتایا۔  
”تمہیں یہ حق کس نے دیا ہے کہ تم اس کی علاقہ کی باتیں کرو، میں ابھی زندہ ہوں، تم نے اپنی

”حسد..... بیٹا حسد سے بڑھ کر دشمنی کی مزید گی کا وہ فیصلہ کیا جو تم نے بہتر سمجھا اور میں اپنی ردا وجہ اور کوئی نہیں..... تم فہام کی لاڈ لٹی تھیں۔ اس لیے وہ فیصلہ کروں گی جو میں بہتر سمجھوں گی۔“  
اسے ہمیشہ کھٹکتی تھیں۔ فہام اس سے چھن گیا ہے نہیں نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

وہ تمہیں بھی بے آسرا کرنا چاہتی ہے۔ ان حال میں اب ضروری ہو گیا ہے کہ تم اور روحیل کہیں نہ ملنا بیٹھا چاہتی ہیں؟“ حاتم نے ابرو چڑھائی۔  
آپس میں بدگمانیاں دور کر لو۔ گھر میں تو یہ ممکن نہیں۔“ اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔“ خدیجہ بیگم نے ہمیلہ نیا قناد کھڑا کر دے گی۔“ خدیجہ بیگم نے انہوں نے لہجے میں جواب دیا۔

”لیکن..... یہ یاد رکھیے گا کہ میں اسے اس گھر میں..... اور..... روحیل؟“ ردا نے چہنچہاں تک برداشت نہیں کروں گا جب تک وہ معافی کر پوچھا۔  
”ہاں..... بیٹا میں تمہاری ماں جی کو فون کے ان سے ساری بات طے کرتی ہوں۔ بیٹا اس میں اب تمہارا کوئی مستقبل نہیں۔ اپنے شوہر کے گناہ کو کرنے کی کوشش کرو۔“

خدیجہ بیگم نے اسے نرمی سے سمجھایا تو ردا اسے کہہ کر باہر جانے لگا۔  
بھر کر خاموش ہو گئی۔  
”حاتم اتنے ظالم مت بنو۔“ وہ غصے سے چلائی مگر حاتم کوئی جواب دے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا تو خدیجہ بیگم پریشان ہو گئیں اور موبائل اٹھا کر روحیل کی ماں جی سے ساری بات کی اور انہیں ”کیا بات ہے..... تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟“ حاتم نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔  
”مما میں نے روحیل کی ماں جی سے کہا تھا کہ روحیل نے ردا کو فون کیا اور اسے ردا سے ملنے کے ساتھ بھیجیں گے مگر اس کی طرف سے کوئی رپا نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے روحیل صلح نہیں چاہتا۔“

☆☆☆

خدیجہ بیگم فجر کی دعاؤں اور وظائف فارغ ہوئی تھیں کہ حاتم ان کے کمرے میں آیا۔  
”کیا بات ہے..... تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟“ حاتم نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔  
”مما میں نے روحیل کی ماں جی سے کہا تھا کہ روحیل نے ردا کو فون کیا اور اسے ردا سے ملنے کے ساتھ بھیجیں گے مگر اس کی طرف سے کوئی رپا نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے روحیل صلح نہیں چاہتا۔“

روحیل، ردا اور ہم سے معافی مانگے تو پھر ہم ردا کو فون کیا اور اسے ردا سے ملنے کے ساتھ بھیجیں گے مگر اس کی طرف سے کوئی رپا نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے روحیل صلح نہیں چاہتا۔“

”میں اور آپا..... روحیل کو بہت قائل کر رہے ہیں کہ وہ ردا کو گھر لے آئے اور اس نے ردا سے کوئی ٹکٹ بھی کرنا چاہا..... ردا سے تو بات نہیں ہو سکی..... مگر.....“ فضیلت کچھ کہتے ہوئے رگ گئی۔  
”مگر..... کیا.....؟“ خدیجہ بیگم نے چونک کر پوچھا۔  
”مگر کسی نے اس سے یہ کہا ہے کہ آپ لوگ صرف طلاق ہی چاہتے ہیں، سمجھو نا نہیں۔“ فضیلت نے صاف گوئی سے اسے بتایا۔

”کس نے یہ بات کہی ہے؟“ انہوں نے ایک دم گھبرا کر پوچھا۔

”آپ کے گھر میں کون ایسا ہے جو ردا کی خوشی نہیں چاہتا؟“ فضیلت نے معنی خیز انداز میں کہا تو خدیجہ بیگم نے سہری سانس لی۔

”تو کیسے بہن..... آپ اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں، دونوں کی زندگیوں کو انا اور ضد کی بجائے نہ چڑھاؤں تو اچھا ہے۔“ فضیلت نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

”میں تو خود ہی چاہتی ہوں کہ میری بیٹی کا گھر بے سار ہے۔ میں تمام صورت حال دیکھ کر آپ سے رابطہ کرتی ہوں۔“ خدیجہ بیگم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔  
”شکریہ..... آپ میری بات سمجھ گئیں۔ ہماری تو کوشش اور دعا ہے کہ دونوں کا گھر ٹوٹنے سے بچا رہے۔“ فضیلت نے کہا تو خدیجہ بیگم نے اس کے جواب میں جلدی سے آمین کہا اور پرامید انداز میں ایک دوسرے کو خدا حافظ کیا اور فون آف کر کے خدیجہ بیگم ردا کے کمرے میں آ گئیں۔

”کیا بات ہے ممما، آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں؟“ ردا نے فکر مند ہو کر پوچھا تو انہوں نے اسے فضیلت کے ساتھ کی گئی تمام گفتگو بتا دی۔

”کیا ہمیلہ بھائی نے خود سے ہی طلاق کی بات کہہ دی؟“

”ہاں..... بیٹا اب تو اسے موقع ملا ہے کہ اب



ہے۔۔۔۔۔ بتاؤ کب اور کہاں آسکتی ہو؟“ روئیل نے قدرے خشک لہجے میں اس سے پوچھا۔  
 ”م۔۔۔۔۔م۔۔۔۔۔م۔۔۔۔۔ میں آؤں؟“ روائے گھبرا کر کہا تو خدیجہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اجازت دے دی۔

”آ۔۔۔۔۔ آپ بتادیں؟“ روائے رک رک کر کہا۔  
 ”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ شام پانچ بجے اسی چائینر ریسٹورنٹ میں آ جانا جہاں ہم ڈنر کرنے جایا کرتے تھے۔“ روئیل نے جلدی سے کہا۔

”اوکے۔۔۔۔۔“ روائے کہا اور ماں کی طرف پریشانی سے دیکھنے لگی۔ فون بند ہو چکا تھا۔

”کیا روئیل نے تمہیں کہیں ملاقات کرنے کے لیے بلایا ہے؟ یہ روئیل کی ماں جی کا ہی آئیڈیا ہوگا کہ تم اور روئیل آپس میں مل کر ایک دوسرے کی غلط فہمیاں دور کر دو۔“ خدیجہ بیگم نے ایک گہری سانس لے کر اسے بتایا۔

”مگر۔۔۔۔۔ مما۔۔۔۔۔؟“ روائے گھبرا کر کہا۔

”بیٹا۔۔۔۔۔ اب یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کیونکہ اب تمہارے گھر کو آباد نہیں۔۔۔۔۔ برباد کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ ان حالات میں ہمارے پاس کوئی اور آپشن نہیں۔ جب اپنے خون کے رشتے خلاف ہو جائیں تو دوسروں پر کیا بھروسہ۔“ خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر کہا تو روائے کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

”حاتم خدا کے لیے اتنی فینشن مت لیں۔۔۔۔۔ میرا سب کچھ آپ ہیں۔۔۔۔۔ میں فہام کو کھو چکی ہوں۔۔۔۔۔ میکے کے ور بھی بند سمجھیں آپ کو کچھ ہوا۔۔۔۔۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔“ شمیلہ۔۔۔۔۔ انتہائی محبت اور اپنائیت سے حاتم سے کہہ رہی تھی جو دفتر سے اچانک گھر واپس آ گیا تھا کہ صبح سے اس کے سر میں شدید ورد ہو رہا تھا۔ دراصل بزنس کی فینشن سے حاتم کا پی پی ہائی ہوئے لگا تو عاصم نے

بھائی کو گھر بھیج دیا تھا۔

”کیا آپ مجھ سے اتنی محبت کرنے لگی حاتم نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔۔۔ ڈوسہ پتے

جب تنکے کا سہارا ملتا ہے تو وہ ہی اس کا سبب جانتا ہے۔ اس کی طاقت بھی۔۔۔۔۔ اور اس کی بھی۔“ شمیلہ نے فرط جذبات سے کہا تو حاتم کے اس احساس سے مسرور ہونے لگا اور اس چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ (ابھی آپ ریسٹ کریں

میں آپ کے لیے فریش جوس لے کر آتی ہوں

شمیلہ نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی

کے چہرے پر بھی اطمینان سا پھیلنے لگا۔ جوس

جگ اور دو گلاس ٹرے میں لیے وہ کچن سے باہر

چونک گئی۔ روائے ستری شدہ سادہ سا سوٹ پہنے

لہجے بالوں کی چٹیا بنائے بیگ کندھے پر لٹکائے

سر پر اوڑھے خدیجہ بیگم کے کمرے کی طرف گئی تو

ماتھا ٹھنکا۔۔۔۔۔ وہ ٹرے وہیں ٹیبل پر رکھ کر

آہستہ چلتی ہوئی خدیجہ بیگم کے کمرے کے پاس

آئی اور تھوڑا سا دروازہ کھول کر ان کی بات

لگی خدیجہ بیگم اسے ہدایات دے رہی تھیں۔

”میں نے ڈرائیور کو کہہ دیا ہے وہ ریسٹورنٹ

کے باہر گاڑی میں ہی تمہارا انتظار کرے گا۔۔۔۔۔

مت۔۔۔۔۔ اور کھل کر اس سے ساری بات کر

خدیجہ بیگم نے کہا تو شمیلہ کے چہرے پر حیرت

تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

”ممما مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ روائے

کر کہا۔

”ڈر۔۔۔۔۔ کس بات کا۔۔۔۔۔ تم اپنے شوہر

تو ملنے جا رہی ہو کسی اور سے نہیں۔“ انہوں نے

کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو

کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ پیریم کوالٹی، نارل کوالٹی، کمپریمڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو امیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر پو پو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان برؤنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety

کھنڈ دیب جلے کھنڈ دل

ایک ڈریس نکال کر واش روم میں چلی گئی۔

☆☆☆

شام گہری ہو رہی تھی رواریسٹورنٹ کے ایک کونے میں ٹیبل پر بیٹھی روحیل کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں مسلسل دروازے پر لگی تھیں۔ روحیل نے پانچ بجے آنے کو کہا تھا مگر اب چھ بج رہے تھے اور اس کا کوئی اتنا پتا نہیں تھا۔ اس نے ایک دو بار روحیل کو کال بھی کی مگر اس نے اس کی کال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ روارینتائی پریشان اپنی سوچ میں گم تھی کہ وہ کیا کرے بہت سوچنے کے بعد اس نے روحیل کو موبائل پر میسج لکھا اور پھر انتظار کرنے لگی۔

روحیل ایک انتہائی مصروف سڑک پر ٹریفک جام میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ سڑک پر ایک ٹریفک ہولنے کی وجہ سے ٹریفک بری طرح ڈسٹرب تھا۔ کوئی آگے گاڑی نکالنا تو کوئی پیچھے سے۔ روحیل بری طرح جھنجھلا گیا تھا۔ ایسے میں روار کی کال لینا بھی اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا جیسے ہی روار کا میسج آیا تو اس نے غصے سے بغیر پڑھے ہی موبائل آف کر دیا اور ٹریفک سے گاڑی نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

شمیلہ گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی اور حاتم اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ شمیلہ بہت ٹھیکے انداز میں حاتم کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”حاتم..... پلیز آپ اس وقت کوئی ٹینشن نہ لیں، اپنے مائنڈ کو ریلیکس رکھیں۔ میرے لیے آپ کی زندگی زیادہ اہم ہے، بزنس نہیں۔“ شمیلہ نے مسکرا کر کہا۔

”کوشش تو کر رہا ہوں مگر وہ ٹینشن بھی تو اپنی جگہ ایک فیکٹ ہے ناں۔“ حاتم نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

”فیکٹس تو اور بھی بہت ہیں، کیا آپ ہر ایک

”اوپہ..... تو یہ روحیل سے ملنے جا رہی ہے میں نے تو روحیل سے کہا تھا کہ روار کو طلاق چاہیے اور یہ سب بیٹی اس سے مل کر تعلق بڑھانا چاہتی ہیں.....“ روار دونوں کی صلح ہو گئی تو روار کو طلاق دلا کر ذلیل کرنے کی میری ساری پلاننگ فیل ہو جائے گی۔“

”مما..... اگر روحیل نے کوئی گٹھڑ بڑ کی.....؟“ روار نے گھبرا کر پوچھا۔

”بیٹا..... اگر اسے غصہ آ بھی جائے تو تم ماموشی سے سنتی رہنا۔ جب لڑکی کی نیت گھریسے لگی ہوتی ہے تو اسے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ میں چاہتی ہوں تم جلد از جلد اپنے گھر چلی جاؤ..... جاؤ بیٹا، میں تمہارا لیے دعا کرتی رہوں گی۔“

شمیلہ نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا پھر روار جیسے ہی کمرے سے باہر نکلنے لگی شمیلہ جلدی سے وہاں سے چلی گئی اور روارے اٹھا کر اپنے کمرے میں داخل ہو گئی۔ ریسٹورنٹ کا نام وہ سن چکی تھی۔

شمیلہ نے گلاس بھر کر جوس حاتم کو دیا پھر خود بھی پینے لگی۔ حاتم کا مطمئن چہرہ دیکھ کر وہ بڑی گلاٹ سے بولی۔

”حاتم کیوں ناں کچھ دیر کے لیے ہم باہر چلیں..... آؤنگ بھی ہو جائے گی اور آپ فریش بھی ہو جائیں گے۔“ اپنی بات کہہ کر شمیلہ نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

”نہیں..... نہیں میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ حاتم نے منہ بٹا کر جواب دیا۔

”اسی لیے تو کہہ رہی ہوں، چلیے ناں پلیز۔“ شمیلہ نے پھر اصرار کیا۔

”اوپہ..... آپ بہت اصرار کر رہی ہیں تو ٹھیک ہے۔“ حاتم نے مسکرا کر کہا۔

”ٹھیک ہے..... میں ابھی چنچ کر کے آتی ہوں۔“ شمیلہ نے مسکرا کر کہا اور وارڈ روم سے





گمشدہ شہزادی

سالگرہ نمبر میں آنٹی انجم نے تمام بہنوں کو اُن کی خصوصیات کے حوالے سے شہزادیوں کا ٹائٹل دیا تو ہم نے اپنے آپ کو گمشدہ شہزادی کا ٹائٹل دے ڈالا چونکہ کچھ عرصے سے پاکیزہ سے آؤٹ تھے اس لیے بہنوں کو ہم شاید یاد نہیں رہے، چلیں ہم خود ہی یاد دلا دیں جی کہ ہم وہی شہلا نواز فرام لاہور ہیں جنہوں نے ہمارا کراچی کے عنوان سے مختصر سا سفر نامہ لکھا تھا اور اپنے آپ کو ابنِ انشا کی بیٹی سمجھتے رہے۔ پاکیزہ سے ہمارا تعلق 13 سال پرانا ہے پاکیزہ پڑھتے تو تھے مگر ایک ڈیڑھ برس تیسرہ نہ لکھا مگر کوئی بات نہیں جی اب ہم۔۔۔ اپنے قلم کی جولانیوں سمیت واپس آگئے ہیں کس کس بہن کو ہماری کمی محسوس ہوئی تھی بتائیے گا ضرور اور ہاں لگ رہے ہیں نہ ہم شہزادی یہ بھی ضرور بتائیے گا۔

تمام پاکیزہ بہنوں کو ہماری جانب سے سلام قبول ہو۔

از: شہلا نواز، لاہور

”وہیں دیکھ کر ردا یوں گھبرا گئی تھی جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔ نہ جانے کس سے ملنے آئی تھی۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ روجیل اس پر ٹھیک ہی شک کرتا تھا۔ یہاں، بیوی میں جو برائی اور غلطی ہوتی ہے وہ فوراً ایک دوسرے کو پتا چل جاتی ہے۔“

ہمیلہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو حاتم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”آپ مائیں یا نہ مائیں اس کا فرحان کے ساتھ بھی کوئی پکڑ ہی ہوگا ورنہ صرف رشتے کے انکار پر کون کسی کو اتنا تنگ کرتا ہے، تو قیر کے ساتھ افسوس تو سب کے سامنے آگیا مگر اندرونِ خانہ وہ کیا کچھ کرتی رہی کسی کو کیا خبر۔۔۔ آج تو آپ نے خود ہی اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔“

ہمیلہ نے اسے اچھی طرح بھڑکاتے ہوئے کہا۔

”میں کسی طور اب نظر انداز نہیں کر سکتا۔“ حاتم غصے سے چلاتے ہوئے بولا۔

”آپ خالہ جان سے تو پوچھیں کہ اس وقت ردا کہاں ہے آپ کو پتا چل جائے گا کہ کون کس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔“

ہمیلہ نے جان بوجھ کر اسے پس کرتے ہوئے کہا تو حاتم نے فوراً اپنا موبائل نکال کر ماں کا نمبر ملا یا۔

”وہ۔۔۔ وہ یہیں ہے۔“ خدیجہ بیگم نے گھبرا کر کہا تو حاتم نے غصے سے موبائل آف کر دیا۔

”یقیناً انہوں نے کہا ہوگا کہ وہ گھر پر ہی ہے یا پھر گولی مول جواب دیا ہوگا۔ حاتم۔۔۔ ردا کو خراب کرنے میں خالہ جان برابر کی شریک ہیں۔ آج تو ثابت ہو گیا۔“

ہمیلہ نے غصے سے کہا تو حاتم کو اور بھی غصہ آئے لگا۔

☆☆☆

روجیل انتہائی تیزی سے ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔ نظریں دوڑا کر ادھر ادھر دیکھا اسے ردا کہیں دکھائی نہیں دی۔ اس کا چہرہ لال بھوکا ہو گیا۔ اس

پوچھوں۔۔۔۔۔؟“ حاتم قدرے غصے میں جذباتی میں ردا کی طرف بڑھنے لگا تو ہمیلہ نے جلدی اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

”یہاں تماشا مت بنائیں، ابھی گھر چلیں۔“

زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئی۔

ردا ان دونوں کو دیکھ کر بری طرح کمزور تھی۔ ان کے جانے کے بعد اس نے ماں کا نمبر اور انہیں ساری بات بتائی۔

”اوہ۔۔۔۔۔ یہ تو بہت برا ہوا۔۔۔۔۔ مگر حاتم وہاں کیسے پہنچ گئے۔۔۔۔۔؟“ خدیجہ بیگم نے اسے کہا۔

”معلوم نہیں۔۔۔۔۔ مگر حاتم بھائی مجھے بہت سے دیکھ رہے تھے۔ ماما مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ردا نے قدرے گھبراتے ہوئے کہا۔

”روجیل کہاں ہے؟“ خدیجہ بیگم نے پریشان کر پوچھا۔

”وہ ابھی تک نہیں آئے۔۔۔۔۔ میں انہی کا انتظار کر رہی تھی کہ یہ لوگ آگئے۔“

”یہ تو بہت برا ہوا۔“ یقیناً اسے ہمیلہ ہی یاد لے کر گئی ہوگی۔ وہ بہت حاسد عورت ہے۔ جس وجہ سے سب کچھ کر سکتی ہے، تم ایسا کرو فوراً واپس آ جاؤ۔“ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اور۔۔۔۔۔ روجیل۔۔۔۔۔؟“ ردا نے حیرت سے پوچھا۔

”میں اس کی ماں جی کو فون کر کے سمجھاؤ گی، تم کوشش کرو کہ حاتم سے پہلے گھر آ جاؤ۔“

بہت مسئلہ ہو جائے گا۔“ خدیجہ نے اس سے کہا تو موبائل آف کر کے جلدی سے باہر چلی گئی اور گاڑی میں بیٹھ کر جلدی سے ڈرائیور کو چلنے کو کہا۔

☆☆☆

حاتم انتہائی غصے میں ریش ڈرائیونگ کرتا تھا۔ ہمیلہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی انہیوں سے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

کی ٹینشن لیں گے۔“ ہمیلہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو حاتم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“ حاتم نے حیرت سے پوچھا۔

”ردا گھر بیٹھی ہے، روجیل نے اس کی لائف کو کتنا miserable بنا دیا ہے۔“

ہمیلہ نے اسے روک دیا۔

”پلیز اس وقت اُن کا ذکر مت کریں، میں پہلے ہی بہت اپ سیٹ ہوں۔“ حاتم نے جھنجھلا کر کہا تو ہمیلہ نے گہری سانس لی اور خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے گاڑی چائینرز ریسٹورنٹ کے سامنے روکی تو حاتم نے چونک کر اس سے وجہ پوچھی۔

”میں آپ کو یہاں رہائش کرنے کے لیے لائی ہوں، چلیے اندر کچھ کھاتے ہیں اور اچھی، اچھی باتیں کرتے ہیں۔“

ہمیلہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”میرا موڈ نہیں۔۔۔۔۔“ حاتم نے ناگواری سے کہا۔

”چلیں ناں پلیز۔“ ہمیلہ نے ٹھٹھناتے ہوئے کہا تو حاتم مجبوراً گاڑی سے اتر ا اور ادھر ادھر دیکھ کر ریسٹورنٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ ہمیلہ نے اندر جا کر متلاشی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا تو اسے ردا ایک کونے میں بیٹھی دکھائی دی۔

”ردا یہاں کیا کر رہی ہے؟“ ہمیلہ نے قدرے خشکی سے حاتم سے سرگوشی کی تو حاتم کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔

”یہ۔۔۔۔۔ یہاں کیا کر رہی ہے؟“ حاتم غصے سے بڑبڑایا۔

”لگتا ہے کسی کا انتظار کر رہی ہے۔“ ہمیلہ نے معنی خیز انداز میں آنکھیں گھما کر کہا۔

”انتظار۔۔۔۔۔ کس کا۔۔۔۔۔؟“ اس نے چونک کر پوچھا۔

”یہ تو آپ خالہ جان سے ہی پوچھیے گا جو بیٹی کے ہر عیب پر پردے ڈالتی ہیں۔“

ہمیلہ نے ”ان سے کیوں، ردا سے ہی کیوں نہ



نے ردا کا نمبر ملایا مگر وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں تھی۔ ڈرائیور نہایت تیزی سے گاڑی چلاتا ہوا چلا جا رہا تھا خوف کے مارے ردا کا برا حال ہو رہا تھا۔ بیگ میں پڑا اس کا موبائل بچا اس نے نمبر دیکھا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ روجیل کو کیا کہے، روجیل اس کی کسی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ اس نے خوف زدہ ہو کر اس کی کال ریسیو ہی نہیں کی۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم انتہائی پریشانی میں لاؤنج میں چکر لگا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ دعائیں کر رہی تھیں۔ حاتم اور حمیلہ قدرے تیزی سے لاؤنج میں داخل ہوئے تو خدیجہ بیگم نے قدرے گھبرا کر انہیں دیکھا۔

”مما..... ردا کہاں ہے؟“ حاتم نے غصے سے ان کے قریب آ کر پوچھا۔

”یہیں ہے..... تمہیں اس سے کیا.....؟“ خدیجہ بیگم نے بوکھلا کر شکل سے جواب دیا۔

”میں جانتا ہوں وہ گھر پر نہیں ہے مگر آپ ہیں کہ اس کے کرتوتوں پر پردے ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔“ حاتم انتہائی غصے سے چلاتے ہوئے بولا۔

”یہ..... تم..... کس لہجے میں مجھ سے بات کر رہے ہو وہ جہاں بھی گئی ہے مجھ سے پوچھ کر گئی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے غصے سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تو حمیلہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

پورچ میں گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی اور ردا گھبرائی ہوئی تیز تیز چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ حمیلہ اور حاتم کو دیکھ کر وہ بری طرح گھبرا گئی۔

”تم..... کس سے مل کر آ رہی ہو.....؟“ حاتم نے اس کے قریب آ کر انتہائی غصے سے پوچھا۔

”ک..... کسی سے نہیں۔“ ردا نے گھبرا کر جواب دیا۔

”جھوٹی..... دھوکے باز..... مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو۔“ حاتم نے اسے زور سے تھپڑ لگاتے

ہوئے کہا تو سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ بھی اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ سب سکتے مچھوڑوں گا۔“ حاتم نے غصے سے کہا اور بھاگتا ہوا گئے۔ ردا نے اپنے گال پر ہاتھ رکھا اور اپنے کمرے میں گیا اور جلدی سے دراز سے رپو الور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حاتم نے غصے سے نکال کر باہر لایا اور جیسے ہی ردا پر گولی چلانے لگا تو ماسم نے قوری آگے بڑھ کر رپو الور کا رخ چھت کی طرف کر دیا۔ گولی چل گئی ردا سہم کر ماں کے ساتھ

”مجھے سچ، سچ بتاؤ کہ تم کس سے ملنے کی تمہاری پھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔“ حاتم بھائی..... یہ کیا حماقت ہے اگر مارنا دوں گا۔“ حاتم نے انتہائی غصے سے اسے جھنجھوڑے ہوئے پوچھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔

”میں آگ لگی ہے۔“ حاتم غصے سے اسے بازوؤں کے چہرے پر طنز یہ مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔ خدیجہ بیگم انتہائی طیش میں آ گئیں اور آہ میں اسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا اور اسے بڑھ کر حاتم کو پرے کیا۔

”پچھے ہٹو..... آج تک کسی نے میری ہڈی بھڑکائی۔“ وہ ردا کی طرف دیکھ کر غصے سے دانت کچکا

”ہاں..... آج تک کسی نے میری ہڈی بھڑکائی۔“ پلیر حمیلہ بھائی..... آپ انہیں کمرے میں لے جائیں..... یہ بہت غصے میں ہیں۔“

”مما..... آپ بیچ میں مت بولیں۔“ حاتم اندر کمرے میں چلے۔ جن اس سے پوچھ کر ہوں گا کہ یہ کس سے ملنے رہیں تو انہوں کو اپنی عزت..... بے عزتی کا خود ہی خیال

گئی تھی۔“ حاتم غصے سے دھاڑتے ہوئے بولا۔ میں..... آپ انہیں کیا احساس دلانا چاہتے ہیں۔“

”ر..... روجیل سے۔“ ردا نے گھبرا کر ہکا حیلہ نے قدرے نفرت سے ردا اور خدیجہ بیگم کی طرف ہوئے جواب دیا تو دونوں بھائی بری طرح چونکے۔

”یہ..... تم..... کس لہجے میں مجھ سے بات کر رہے ہو وہ جہاں بھی گئی ہے مجھ سے پوچھ کر گئی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے غصے سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا

”مما..... ردا نے کہا تھا۔“ ردا نے مسکرائی۔ ”مما..... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

”اللہ ہی بہتر جانتا ہے، میں تو تمہارے لیے ہاں..... میں نے ہی اسے روجیل سے ملنے دعائیں کر کر کے تھک گئی ہوں۔ خدا جانے تمہاری

حالات ٹھیک کرنے کو کہا تھا..... رہی عزت کی بات آزمائش کیوں ختم نہیں ہو رہی۔“ خدیجہ بیگم نے تم اسے کون سی عزت دے رہے ہو۔“ خدیجہ بیگم نے ہوتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر چپ

غصے سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”عزت..... عزت..... عزت..... کیا.....“

”چلو بیٹا..... اپنے کمرے میں۔“ وہ اسے عزت کے قابل رہی ہے، میں آج اسے زندہ اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اسے کمرے میں لے گئیں۔

کھنکھناتے کھنکھناتے دل

ردا کے بیگ میں پڑا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ روجیل انتہائی غصے میں اسے کال کر رہا تھا مگر ردا خود اتنی زیادہ ڈسٹرب تھی کہ اسے اپنے آپ کا ہوش تھا نہ ہی موبائل کا..... خدیجہ نے اسے بیڈ پر بٹھایا اور اس کی نیکی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگیں۔

”آج حاتم نے تم پر پہلی بار ہاتھ اٹھایا ہے، میرے دل پر جو گزری ہے میں بتا نہیں سکتی مگر جس

کے کہنے پر وہ یہ سب کر رہا ہے، دیکھنا اللہ اس سے ضرور حساب لے گا۔“ خدیجہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

”اللہ.....! وہ بھی تو ان کے ساتھ ہے۔ شاید میری اس ذلت پر وہ.....“ ردا نے روتے ہوئے

”نہیں بیٹا..... ایسے نہیں کہتے..... پریشانی کے عالم میں بھی کفر کا کوئی کلمہ نہیں بولنا چاہیے۔“

خدیجہ بیگم نے گھبراہٹ سے کہا۔ ”مما..... اللہ نے کہاں میرا ساتھ دیا..... کیا

میں اتنی ہی گناہ گار تھی، میں نے ساری ساری رات رو رو کر اس سے دعائیں مانگیں مگر مجھے پہلے سے

زیادہ ذلت اور رسوائی ملی۔“ ردا نے ہنسی بھرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا..... وہ آزمائش میں انسان کا صبر دیکھتا ہے اور جب انسان کے صبر کی حد نوٹ جاتی ہے تو پھر

وہ اپنا کرم کرتا ہے۔ وہ بھی تمہارا صبر ہی دیکھ رہا ہے۔“ خدیجہ بیگم نے اسے محبت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”آج میرا صبر نوٹ گیا ہے ممما.....“ ردا نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا..... وہ اپنے معصوم اور بے گناہ بندے کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی

کسی بے گناہ پاک نبی بی بی پر کسی نے تہمت لگائی تو اللہ رب العزت نے خود اس کی عصمت کی گواہی دلائی۔ یہ

کبھی نہیں ہوا کہ اس کا کوئی نیک انسان تہمت اور



میرے اشکوں میں روانی آگئی ہے  
یاد ایک پرانی کہانی آگئی ہے  
میں لاکھ اس سے پھراؤں دامن  
محبت کو بھی آنکھ دکھانی آگئی ہے  
ضبطِ گریہ سے جو آنکھ سے لال  
قلبِ دجاں میں ایک موجِ طوفانی آگئی ہے  
کوئی تو اسے یہ جا کے بتلائے  
اوتیوں کی زد میں زندگانی آگئی ہے  
اواس رتوں کے زرد موسم میں  
ہمیں بھی چاہت مٹانی آگئی ہے  
مہبوت سا رہ گیا وہ اچانک  
ستانے جو یاد ایک سہانی آگئی ہے  
زمانے کا اس پہ بھی ہوا ہے اثر  
اسے بھی یارو، آنکھ چرائی آگئی ہے

شاعرہ: نصیر آصف خان، ملتان

پریشی دعا مانگ رہی تھیں اور ساتھ ساتھ سسکیاں  
بھر رہی تھیں۔

”یا اللہ..... مجھ سے یا میری بیٹی سے ایسی کیا  
خطا ہوگئی ہے کہ تو اسے آزمائش سے نکال ہی نہیں  
رہا..... اس کی آزمائشیں بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ پہلے  
بر کوئی اس کے نصیب پر رشک کرتا تھا اور آج وہ  
سب سے زیادہ بد نصیب ہوگئی ہے..... اتنی محبتوں  
کے بعد اتنی نفرتیں..... برداشت کرنا بہت مشکل ہے  
اپنوں کی نفرت کے ساتھ ساتھ ذلت اور رسوائی بھی  
اس کے مقدر میں لکھ دی..... یا اللہ! وہ معصوم ہے،  
بے گناہ ہے، اسے معاف فرما دے اور ساری دنیا  
کے سامنے اسے تمام بہتانوں اور الزامات سے بری  
کر دے۔ اسے پہلی جیسی عزت اور محبت عطا کر۔“  
خدیجہ بیگم دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر  
روتے لگیں۔

☆☆☆

روا شد یہ ذہنی اذیت کا شکار تھی..... بھائیوں

آپ نے کیا..... وہ بھی آپ کی طرح عزت دار اور  
عزت مند تھے۔ جب آپ لوگ روہیل سے کوئی  
تعلق رکھنا ہی نہیں چاہ رہے تو پھر روا اس سے ملنے  
کیوں گئی، آپ کی عزت کا کوئی خیال نہیں؟“ شمیلہ  
نے تنک کر کہا۔

”اسی بات پر تو مجھے زیادہ غصہ آیا۔“ حاتم غصے  
سے بھڑک کر بولا۔

”حاتم بھائی وہ کسی غیر سے نہیں اپنے شوہر  
سے ملنے گئی تھی اس میں اتنا ہائپر ہونے کی کیا  
ضرورت تھی آج آپ نے روا کے ساتھ بہت زیادتی  
کی ہے۔“ عامر نے اسے اور شمیلہ کو خفگی سے دیکھتے  
ہوئے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ حاتم شرمندگی  
سے ہونٹ کاٹنے لگا۔

”حاتم آپ اطمینان رکھیے اور ٹینشن لینے کی  
کوئی ضرورت نہیں آپ نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک کیا،  
کوئی بھی غیرت مند بھائی ایسا ہی کرتا۔“ شمیلہ نے  
اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”نہ جانے کیوں..... میرے دل پر بوجھ سا  
بڑھنے لگا ہے۔ دل چاہ رہا ہے کہ ابھی جا کر روا سے  
معافی مانگ لوں۔“ حاتم نے ڈھیلے سے انداز میں  
اپنے کمرے میں جاتے ہوئے کہا۔

”ہرگز نہیں..... اگر ابھی معافی مانگی تو اسے  
اور شہ ملے گی کل کو وہ روہیل کا ہاتھ پکڑ کر لے آئی تو  
کیا آپ اسے برداشت کر سکیں گے؟“ شمیلہ نے  
خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں بالکل نہیں۔“ حاتم جلدی سے بولا۔

”تو پھر ریلیکس کریں، مطمئن رہیں، آپ نے  
کچھ غلط نہیں کیا..... میں ابھی آپ کے لیے جانے لے  
کراتی ہوں۔“ شمیلہ یہ کہہ کر چکن کی طرف چل دی۔

☆☆☆

رات کافی زیادہ گزر چکی تھی۔ ہر طرف گہری  
خاموشی چھائی تھی۔ خدیجہ بیگم اپنے کمرے میں جانناز

میں جاٹیں۔ میں کچھ دیر کے لیے آرام کرنا چاہتا  
ہوں۔“ روا نے گلوگیر لہجے میں کہا تو انہوں نے  
خاموشی سے اس کی طرف دیکھا اور کمرے سے  
نکل آئیں۔

☆☆☆

رشنا نے سارا دن ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر  
خوب صفائی ستھرائی کی تھی۔ نجمہ بار بار اس سے  
پوچھتیں تو وہ مسکرا کر ٹال دیتی اور اس نے نہ  
اہتمام سے کھانے بھی پکوائے تھے۔ اب وہ کھانا  
لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی کسی کی منتظر تھی اور بار بار  
کلاک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نجمہ اپنے کمرے سے  
باہر نکل کر آئیں تو اسے دیکھ کر چونک گئیں۔

”بیٹا..... اتنی رات ہوگئی، تم سو کیوں نہیں  
رہیں.....؟ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔“

”بس یونہی.....“ رشنا نے بہانہ بناتے ہوئے  
کہا۔ اسی لمحے ڈور بیل کی آواز آئی تو نجمہ بری طرح  
چونک گئیں۔

”اس وقت کون آگیا؟“ نجمہ حیرت سے بڑبڑا کر  
”چلیں..... باہر چل کر دیکھتے ہیں۔“ رشنا نے  
مطمئن سے لہجے میں جواب دیا۔ وہ دونوں باہر آئیں  
تو دیکھا سامنے تو قیر کھڑا تھا۔ نجمہ بیگم خوش ہو کر آ  
بڑھیں اور اسے گلے سے لگا کر پیار کرنے لگیں۔

☆☆☆

”حاتم بھائی.....! آج آپ اتنے ہائپر کیوں  
ہو گئے تھے؟ جب آپ نے روا کو مارا تو یہی  
میرے دل کو بہت تکلیف ہوئی۔“ دونوں لاؤنج میں  
بیٹھے نیوز سن رہے تھے جیسی عاصم نے حاتم کے قریب  
آ کر افسردگی سے کہا۔

”ہاں..... افسوس تو مجھے بھی اب ہو رہا ہے  
فہام بھائی زندہ ہوتے تو شاید میرا ہاتھ ہی نہ  
ڈالتے.....“ حاتم نے شرمندگی سے جواب دیا۔

”فہام زندہ ہوتے تو وہ خود بھی یہی کرتے

بہتان کی ذلت لے کر دنیا سے چلا جائے اگر وہ  
آزماتا ہے تو پچاتا بھی وہی ہے، تم پر امید رہو۔“  
خدیجہ بیگم نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”معلوم نہیں..... کیا ہوتا ہے؟“ روا نے  
انتہائی مایوسی سے جواب دیا۔ جیسی خدیجہ بیگم کا دھیان  
بیک میں بیٹنے والے موبائل کی طرف گیا۔ روا نے  
موبائل نکالا تو اس پر روہیل کی کال آ رہی تھی۔

”مما..... روہیل کی کال ہے، اب میں اسے  
کیا کہوں؟“ روا نے گھبرا کر ماں سے پوچھا۔

”بات تو کرو..... دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔“  
خدیجہ بیگم نے اسے حوصلہ دیا تو اس نے موبائل آن کر  
کے آہستہ آواز میں بیلو کہا۔

”جھوٹی..... دھوکے باز..... مکار مجھے ہر بار  
آلو بنانے کی کوشش کرتی ہوا گردہاں نہیں آتا تھا تو مجھے  
بلانے کی کیا ضرورت تھی..... تم اور تمہاری ماں.....

ہمارے ساتھ ڈرامے کرنے کی کوشش کر رہی  
ہو..... یہ آخری بار تھی..... جو میں ماں جی کے کہنے پر  
تم سے ملنے آیا..... ورنہ تمہاری اتنی اوقات ہی نہیں  
کہ میں تم پر ٹرسٹ کرتا، تم انتہائی بے اعتبار، جھوٹی

اور دعا باز ہو بیس میرے اور تمہارے تعلقات  
ختم..... آئندہ نہ میں تم سے ملنے آؤں گا اور نہ ہی  
لینے..... تم جیسی گھٹیا عورت کی مجھے کوئی ضرورت  
نہیں..... I hate you.....“ روہیل نے غصے سے

کہہ کر فون آف کر دیا۔ روا اس کی باتیں سن کر سکتے  
میں آگئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

”روہیل نے کیا کہا ہے.....؟“ خدیجہ بیگم نے  
گھبرا کر اس سے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں.....“ اس نے آہ

بھر کر آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”پھر تم اتنی خاموش کیوں ہو؟“ انہوں نے  
گھبرا کر اصرار کر کے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... پلیز آپ اپنے کمرے



کی محبت جانے کہاں سو گئی تھی۔ شوہر نے بھی ذلت کے گڑھے میں ڈھکیل دیا تھا۔ ماں اس کی وجہ سے الگ پریشان تھیں اور ایسے میں منفی خیالات کا لگا مار آتا وہ شدید کرب کے عالم میں تھی۔ تبھی کوئی فیصلہ کیا۔۔۔۔۔ لیٹر پیڑ اٹھایا اور کچھ لکھنا شروع کیا۔ اس نے تین لیٹرز لکھے تو قیر، روحیل اور اپنے بھائیوں کے نام پھر ڈائری میں کچھ درج کرنے لگی۔ یہ عمل انجام دیتے ہوئے وہ بری طرح گریہ کر رہی تھی۔ تہجد کا نام تھا اس نے جائناز بچھا کر نماز ادا کی اور اپنے رب کے حضور سر رکھ کر گڑ گڑانے لگی۔ بچپن سے لے کر لڑکپن اور پھر جوانی کے تمام حالات زندگی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔

”میرے خدا مجھے معاف کر دینا۔ میں اتنی نفرتوں اور ذلتوں کے درمیان اب زندہ نہیں رہ سکتی۔ میرا مرجانا اگر اس گھر میں بہتری لا سکتا ہے تو میں اپنے آپ کو خود ہی ختم کر دیتی ہوں، میرے رب مجھے معاف کر دے۔“ وہ قدرے جذباتی انداز میں سوچتے ہوئے جائناز سے اٹھی اور سائڈ ٹیبل کی دراز میں سے ایک شیشی نکالی اور اس میں سے ساری گولیاں ایک ہی بار نکال کر کھالیں۔ شیشی سائڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ بیڈ پر لیٹ گئی اور چھت کو گھورتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہونے لگے۔

خدیجہ بیگم کے دل کو نہ جانے ایک دم گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ وہ سبج پڑھتے پڑھتے سو گئی تھیں کہ اچانک ہڑبڑا کر اٹھیں۔

”نہ جانے کیوں میرا دل اتنا گھبرا رہا ہے۔۔۔۔۔ خدا خیر کرے۔۔۔۔۔ میرے دل کو ایسی بے چینی پہلے تو کبھی نہیں ہوئی۔“ خدیجہ بیگم پریشانی سے۔۔۔۔۔ لڑوائیں۔ ہر طرف فجر کی اذانیں بلند ہونے لگیں تو وہ واش روم میں وضو کرنے چلی گئیں۔ زریہ بھی وضو کر کے ردا کے کمرے کی طرف آئی اور آہستہ سے دستک دے کر کمرے میں داخل ہو گئی اور لائٹ آن

کر کے ردا کے پاس گئی۔

”ردا بی بی اٹھ جائیں، فجر کی نماز کا وقت ہے، نماز قضا ہو گئی تو پھر آپ شکوہ کرتی ہیں کہ ردا نے اٹھایا کیوں نہیں۔“ وہ اپنی ہی لے میں بولتی رہی مگر ردا نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ اس کے پاس بیٹھ کر جیسے ہی اسے ہلانے لگی تو ردا اکھڑی اکھڑی سانسیں لینے لگی۔ اس نے گھبرا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو بہت نیلا ہٹ مائل ہو رہا تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ بے جان ہو کر تپے گر گیا۔ گھبرا کر اسے زور زور سے ہلانے لگی لیکن ردا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گھبرا کر عاصم کے کمرے کی طرف گئی اور اس کے دروازے پر دستک دی۔ عام آنکھیں ملتا ہوا باہر نکلا۔

”زریہ تم۔۔۔۔۔ خیریت تو ہے؟“ اس نے حیرت سے اس سے پوچھا۔

”وہ۔۔۔۔۔ وہ ردا بی بی بات نہیں کر رہیں، نماز کے لیے انہیں اٹھانے گئی، انہیں آواز میں دی اور انہیں بلایا بھی مگر وہ کچھ بول ہی نہیں رہیں۔ زریہ نے گھبرا کر اسے بتایا۔

”میں۔۔۔۔۔ دیکھتا ہوں۔“ عاصم نے پریشان سے کہا اور اس کے ہمراہ ردا کے کمرے میں چلا گیا اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے ہلانے لگا مگر ردا بے ہوش بڑی تھی جیسی وہ اس کی نبض چیک کرنے لگا اس کی نظر سائڈ ٹیبل پر رکھی شیشی پر پڑی، شیشی دیکھ کر وہ بری طرح گھبرا گیا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ تو!“ وہ پریشانی سے بڑبڑایا اور بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ زریہ پریشان حال اسے دیکھتی رہی۔ عاصم نے گھبرا کر حاتم کے کمرے کا دروازہ بجایا۔

”حاتم۔۔۔۔۔ بھائی دروازہ کھولیں، ردا نے suicide کر لی ہے۔“ عاصم کے زور سے چیخ پر حاتم بھی گھبرا گیا۔

”ہس۔۔۔۔۔ کیا suicide کیسے؟“

حاتم نے گھبرا کر پوچھا۔ شمیمہ بھی اُن کے قریب آ گئی۔

”اس نے تمام سلیپنگ پلو کھالی ہیں اور وہ بالکل بے حال سی ہے۔“ عاصم نے سرگوشی میں بتایا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ چلو میں دیکھتا ہوں۔“ حاتم نے پریشانی سے کہا اور تینوں بھاگتے ہوئے اس کے کمرے میں پہنچے۔

خدیجہ بیگم جو وضو کر کے کمرے سے باہر آرہی تھیں، تینوں کو ردا کے کمرے کی طرف یوں جاتے دیکھ کر گھبرا گئیں اور خود بھی اس کے کمرے کی طرف بڑھیں گمشدہوں کے درد کی وجہ سے وہ کراہ بھی رہی تھیں۔

”کیا ہوا تم لوگ اتنے پریشان کیوں ہو؟“ کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے پوچھا۔

”مما۔۔۔۔۔ ردا نے تیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کی کوشش کی ہے۔“ عاصم نے آہستہ آواز میں بتایا تو خدیجہ بیگم نے حیرت سے چیخ مار کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

”م۔۔۔۔۔ میری ردا۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔“

خدیجہ بیگم پھٹی پھٹی نگاہوں سے آگے بڑھ کر ردا کو دیکھنے لگیں اور پھر یکایک بے ہوش ہو گئیں۔ عاصم پریشان ہو کر انہیں ہلانے لگا۔ حاتم نے آگے بڑھ کر ردا کی نبض چیک کی۔

”pulse بہت بہت سہلو چل رہی ہے۔ میں اسے اسپتال لے کر جاتا ہوں۔ عاصم تم مما کو دیکھو۔“ اس نے عاصم سے کہا اور خود گاڑی نکالنے چلا گیا۔ شمیمہ بھی اس کے ہمراہ چلی گئی۔ عاصم ماں کو ہوش میں لانے لگا۔

حاتم اور شمیمہ ردا کو لے کر اسپتال ایمر جنسی ہی پہنچے تو ڈاکٹروں نے اسی وقت اس کا معدہ واش کیا مگر پھر بھی اس کی حالت کافی سیریس تھی وہ ہوش میں نہیں آرہی تھی۔ وہ دونوں آئی سی یو کے باہر چکر لگا رہے تھے۔ عاصم ماں کا قریبی ڈاکٹر کو بلوا کر چیک

کھینچ کر دیکھنے کے لیے کھینچ کر دیا۔

اب کروا چکا تھا اور ڈاکٹر نے انہیں سکون اور دوا کا انجکشن لگا دیا تھا۔۔۔۔۔ ان کی جانب سے تسلی ہوئی تو وہ اسپتال روانہ ہو گیا۔ عاصم نے وہاں پہنچ کر ردا کا حال دریافت کیا۔

”کافی سیریس ہے، ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔“ حاتم نے افسوس سے کہا۔

”آپ اپنے آپ کو کیوں قصور وار ٹھہرا رہے ہیں، بڑے بھائی ہونے کے ناتے کیا آپ اسے ڈانٹ بھی نہیں سکتے اور یوں خودکشی کر کے وہ ساری دنیا کے سامنے آپ کو ذلیل اور رسوا کر کے چارہا ہے۔“ شمیمہ نے غصے سے زہرا گلے ہوئے کہا۔

”خدا کے لیے شمیمہ بھابی۔۔۔۔۔ اب تو آپ اسے بخش دیں۔۔۔۔۔ بات کو بڑھانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔“ عاصم، شمیمہ کی بات پر غصے سے بولا۔

”چپ کرو۔۔۔۔۔ شمیمہ۔“ حاتم نے بھی غصے سے اسے ڈانٹا۔

”مجھے چپ کرانے سے لوگوں کی زبانیں بند نہیں ہو جائیں گی۔ خودکشی کر کے اس نے تم لوگوں کو کتنا بدنام کرنے کی کوشش کی ہے، تم لوگوں کو بہت جلد پتا چل جائے گا۔“ شمیمہ نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

”بکواس بند کرو۔۔۔۔۔ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔“ حاتم نے اسے غصے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”جارہی ہوں۔۔۔۔۔ میری طرف سے تم سب جہنم میں جاؤ۔“ شمیمہ نے غصے سے کہا اور پاؤں پیٹتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ ابی لمبے ایک ڈاکٹر آئی سی یو سے باہر نکلا تو دونوں نے بڑھ کر ردا کے بارے میں پوچھا۔

”ابھی وہ بے ہوش ہیں، ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا، آپ دعا کریں۔“ ڈاکٹر انہیں تسلی دے کر چلا گیا۔

”میں کیا دعا کروں۔۔۔۔۔ میری ردا اسے تو میری وجہ سے ہی خودکشی کی ہے۔ اس کی حالت کا تو میں ہی



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ قلمیہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ویڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپڈیٹنگ
- ✧ ہریم کوالٹی، نارل کوالٹی، سپریم کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فوراً سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✧ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیگر متعارف کرائیں

**WWW.PAKSOCIETY.COM**

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



http://www.paksociety.com

بات سن کر چونک گئی تھیں۔ ماں جی کو خدیجہ بیگم باتوں پر پورا یقین تھا کہ وہ کوئی غیم نہیں کھیل رہی تھیں پھر نہ جانے حالات کس طرف جارہے تھے وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں۔

”میں اب ردا کو دوبارہ بھی ملنے نہیں چاؤں اب اسے صرف طلاق جائے گی۔“ روحیل غصے سے کہا کر چلا گیا تو وہ دونوں بہت پریشان ہو گئیں۔ ماں نے ساری رات بہت پریشانی میں گزاری۔ صبح اٹنے ہی انہوں نے فضیلت سے کہا کہ وہ ردا کے گھر فون کمرے اور خدیجہ بیگم سے اُن کی بات کرائے فضیلت فون کر کے قدرے پریشان اور گھبرائی ہوئی ماں جی کے کمرے میں آئی تھی۔

”آپا..... آپا..... میں نے ردا کے گھر فون کیا ہے..... ردا..... اسپتال میں ہے۔ اس نے خود کمری ہے۔ یہ اس کی ملازمت نے بتایا ہے۔“

”نہیں..... نہیں..... خود کشی.....! میری ردا..... نہیں..... نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا۔“ ماں جی بلا طرح سسکتی لگیں۔

”آپا..... اپنے آپ کو سنبھالیں..... ہمت کریں..... ضرور..... روحیل نے اسے کچھ کہا ہوگا۔“

فضیلت ذرا روحیل کا نمبر ملاؤ۔“ ماں نے جی کہا جلدی سے اس نے نمبر ملا کر موبائل ماں جی کو پکڑایا ”گھٹیا انسان..... تم نے میری ردا کو کیا کہا۔“

کہ اس نے تمہاری وجہ سے خود کشی کر لی ہے۔ اسے موت کے منہ میں دھکیل کر اب تو بہت خوش ہو گیا۔ تم۔“ ماں جی نے غصے سے جھاتے ہوئے کہا۔

”ک..... کیا..... خود کشی.....؟“ روحیل حیرت سے چلاٹے ہوئے بولا۔

”اگر میری ردا کو کچھ ہو گیا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔“ ماں جی نے روتے ہوئے فون بند کر دیا۔ روحیل بھی پریشان ہو گیا۔

(باقی آئے)

ڈرتے دار ہوں۔“ حاتم ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

”پلیز..... حوصلہ کریں..... ہم دونوں ہی اس کے مجرم ہیں۔“ عاصم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

خدیجہ بیگم کو ہوش آیا تو وہ ردا، ردا پکارتی ہوئی زور زور سے چیختی لگیں۔ ذرینہ سے انہیں قابو کرنا مشکل ہو گیا۔ جیجی اس نے پریشان ہو کر عاصم کو فون کیا۔ کچھ ہی دیر بعد عاصم، خدیجہ بیگم کو لے کر واپس اسپتال جا رہا تھا۔

”مما..... ردا اب ٹھیک ہے، بس آپ اس کے ہوش میں آنے کی دعا کریں۔“ عاصم نے انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے ڈاکٹر آئی سی یو سے باہر نکلا تو عاصم اور خدیجہ بیگم بھاگتے ہوئے اس کی طرف گئے۔

”ڈاکٹر صاحب..... میری ردا کیسی ہے؟“ خدیجہ بیگم نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

”ابھی تو وہ بے ہوش ہیں، بس دعا کیجیے کہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں، آپ ماں ہیں آپ کی دعائیں ہی اُن کے کام آئیں گی۔“ ڈاکٹر نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”میری دعائیں.....؟ اگر ان میں اثر ہوتا تو میری ردا اس حال تک کبھی نہیں پہنچتی۔“ خدیجہ بیگم نے سسکی بھر کر کہا۔

”آپ حوصلہ رکھیں..... ماں کی دعاؤں میں بہت اثر ہوتا ہے۔“ ڈاکٹر نے تسلی دی اور آگے بڑھ گیا۔ خدیجہ بیگم روتے ہوئے دونوں ہاتھ بلند کر کے دعائیں کرنے لگیں۔

☆☆☆

روحیل نے فضیلت آپا کے گھر جا کر خوب جھگڑا کیا تھا کہ اُن کے کہنے پر وہ ردا سے ملنے گیا تھا مگر اب کی بار ردا نے پھر اس کے ساتھ ڈراما کھیلا تھا اور اسے بے وقوف بنایا تھا۔ ماں جی اور فضیلت اس کی





داؤد

# کہیں دیکھ کر جے کہیں دل

قصہ حیات

آخری حصہ



ریحانہ بیگم کی طبیعت کئی روز سے ٹھیک نہیں تھی۔ جب سے حمیلہ کا نکاح ہوا تھا اُن کے دل پر بھاری پتھر آن پڑا تھا۔ انہیں ہر وقت محسوس ہوتا تھا کہ حمیلہ نے اُن کی آپا کے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی یہی کچھ سوچ کر وہ ہر وقت بیڈ پر لیٹی رہتیں کبھی انہیں بخار آنے لگتا تو بھی شدید ٹھنڈ سے کا پنے لگتیں۔ سلمان نے ہاں کو ڈاکٹروں کو بھی دکھایا مگر انہیں کچھ افادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس روز ان پر غنودگی کی سی کیفیت طاری تھی۔ جب سلمان اُن کے



پاکستانی بیٹھاؤں کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔

”بیٹا بس کرو اور مجھے کھیل اور حادو مجھے بہت ٹھنڈ لگ رہی ہے۔“ ریحانہ نے ٹانگیں کھینچ کر کانپتے ہوئے کہا تو سلمان نے جلدی سے انہیں کھیل اور حادو۔ اسی لمحے نقیبہ ٹرے میں سوپ کا باؤل رکھ کر لے آئی اور سلمان کی طرف متنی خیر انداز میں اشارہ کیا۔

”مما..... انھیں سوپ پی لیں، نقیبہ آپ کے لیے اسٹیل سوپ بنا کر لائی ہے آپ کو بہت سردی لگ رہی ہے ناں۔“ سلمان نے محبت سے کہا۔

”نہیں بیٹا میرا کچھ کھانے پینے کو دل نہیں چاہ رہا۔“ ریحانہ نے پڑاری سے منہ بنا کر کہا۔

”پلیز..... ممما..... تھوڑا سا پی لیں۔“ نقیبہ نے قدرے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ ریحانہ یہ مشکل انھیں تو سلمان انہیں خود سوپ پلانے لگا۔ سوپ پلانے کے بعد سلمان نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک پیپر اور بین نکال کر ماں کی طرف بڑھایا۔

”مما پلیز اس پیپر پر سائن کرویں، میں نے ہاؤس بلڈنگ سے لون اپلائی کیا ہے یہ گھر آپ کے نام ہے اس لیے آپ کی پر مشین ضروری ہے، بس آپ اس پر سائن کرویں۔“ سلمان نے بین زبردستی انہیں تھماتے ہوئے کہا تو انہوں نے جلدی سے اس پر سائن کیے اور خود لیت گئیں۔ نقیبہ نے مسکرا کر سلمان کی طرف دیکھا اور دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔ دونوں انہیں بیڈ پر لٹا کر کمرے سے نکل آئے۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ سوئچیں۔ انہوں نے خواب میں خدیجہ آ پا کو روئے ہوئے دیکھا اور پھر روئے ہوئے وہ ایک دم غصے سے ریحانہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ ریحانہ ان کی نظروں سے گھبرا کر آ پا، آ پا پکارنے لگیں اور شدید بے چینی سے ایک دم بڑا کر اٹھ بیٹھیں ان کا چہرہ پسینے سے تر ہو رہا تھا۔

کافی زیادہ بلز کے بعد خدیجہ بیگم نے ”ہیلو“ کہا ان کی آواز میں نمی اور بے حد دکھ تھا۔

”آپا..... آپا آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ ریحانہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”کیا یہ پوچھنا چاہتی ہو کہ میں ابھی تک زندہ کیوں ہوں؟“ خدیجہ بیگم نے تسکین بھر کر جواب دیا۔

”اللہ خیر کرے..... آپا آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟“ ریحانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

”کیسی خیر.....؟ ریحانہ تم نے نہ جانے مجھ سے کن باتوں کا بدلہ لیا ہے، میں نے تو تمہارا کبھی برا نہیں پایا تھا..... اور تم نے.....! خدیجہ بیگم ہونٹ کھینچ کر سسکیں بھرنے لگیں اور فون بند کر دیا۔ ریحانہ بیگم تو پہلے ہی مضطرب تھیں آپا کی باتوں نے تو بالکل ہی بے حال کر دیا یکا یک ایسا درد اٹھا کہ دل تھام کر رہ گئیں۔ دو گھنٹے ایسے کمرے میں موت و زیست کی اذیت میں جتنا رہ کر موت کو گلے لگا لیا اور اس بات سے بے خبر ہی رہیں کہ بیٹے نے مکان کے کاغذات پر سائن کروا کر ماں کا پتا پہلے ہی کاٹ دیا تھا۔

خدیجہ بیگم کو بہن کی اچانک موت کی خبر ملی تو وہ بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ اسپتال سے سب لوگ وہاں پہنچے اور انتہائی سوگواروں کے عالم میں ریحانہ بیگم کی تدفین کی گئی۔ ریحانہ بھانجی کی اس حالت سے بھی بے خبر رہیں، غمیلہ تو پہلے ہی میکے پر قاتحہ پڑھ آئی تھی۔ ماں کی موت کا افسوس تو بہت ہوا مگر جلد ہی گھر واپس آ گئی۔۔۔ تم تو پہلے ہی بہن کی وجہ سے پریشان تھا۔

☆☆☆

توقیر، رشنا کے بے حد اصرار پر پاکستان پہنچ چکا تھا اور اسی کی اطلاع دینے کے لیے رشنا نے ردا کو فون کیا جسکی ملازمت سے ردا کے اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کی خبر ملی۔ رشنا بہت دل گرفتہ ہوئی اور بھائی اور ماں کو لے کر اسپتال کے لیے روانہ ہوئی۔ وہاں ردا کے بھائیوں کو دیکھ کر توقیر ذرا ٹھک گیا تھا۔

”حاتم بھائی اب ردا کیسی ہے؟“ رشنا نے گھبرا کر پوچھا تو حاتم نے قدرے غصے سے اسے اور توقیر کو دیکھا۔

”اسے اس بھائی سے پوچھو۔ جس کی وجہ سے ہماری بہن نے خودکشی کی ہے۔“ حاتم نے غصے سے جواب دیا۔

”خودکشی..... میری وجہ سے؟“ توقیر نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... تمہاری وجہ سے..... تم نے ہی اس کی زندگی میں زہر گھولا ہے، تم ہی اس کی خوشیوں کے قاتل ہو، اگر وہ مر گئی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ حاتم نے باپ پر ہو کر اس کا گریبان جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ حاتم اور بھائی اسے چھڑایا۔

”ٹھیک ہے اگر آپ مجھے گنہگار سمجھتے ہیں تو میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔“ توقیر بے بسی سے بولا۔

”اب کیوں انعام دے رہے ہو..... ردا کو تم نے تھپڑ مارا..... اور تمہاری وجہ سے میری ردا نے خودکشی کی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے آگے بڑھ کر غصے سے حاتم کو کہا تو سب چونک گئے۔ حاتم نے شرمندگی سے منہ پھیر لیا۔

تھوڑی دیر بعد ماں جی بھی فضیلت اور عبید کے ہمراہ اسپتال پہنچ گئیں۔ ماں جی، خدیجہ بیگم کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ رشنا، نجمہ اور توقیر ایک جانب کھڑے دیکھ رہے تھے۔ حاتم اور عبید کچھ فاصلے پر تھے۔ فضیلت، ماں جی اور عبید، خدیجہ بیگم کے پاس کھڑے انہیں تسلیاں دے رہے تھے۔

”بہن! حوصلہ کریں..... اللہ ماؤں کی دعائیں رو نہیں کرتا۔ ہم رو رو کر اور گڑ گڑا کر اپنے رب سے اپنی معصوم بچی کو واپس لے کر رہیں گے۔ میرا دل کہتا ہے وہ ٹھیک ہو جائے گی۔“ ماں جی نے تسلی بھرے لہجے میں کہا۔

”کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں، میری ردا ٹھیک ہو جائے گی؟“ خدیجہ بیگم نے پُر امید نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہمارا رب ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔“ ماں جی نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ سب اپنی اپنی جگہ گڑ گڑا کر غصے دعا میں کر رہے تھے۔

☆☆☆

محسن رضا کراچی جانے سے پہلے یعنی سے ملنے

کھینچ دیا طے کھینچ دل

اس کے گھر آیا۔ وہ ابھی بیڈ پر تھی مگر اس کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ محسن بہت جلد سم لگ رہا تھا۔ وہ یعنی کی طرف محبت بھری نگاہوں سے بخود دیکھتا رہا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟“ یعنی نے چونک کر پوچھا۔

”اپنی دعاؤں کا ثمر.....“ وہ مسکرا کر بولا۔

”کیا مطلب.....؟“ یعنی نے حیرت سے پوچھا۔

”جس دن آپ نے میری جان بچائی تھی..... اور جس توجہ سے میرا ٹریٹمنٹ کرایا تھا تب سے آج تک میں اپنے آپ کو آپ کا مقررہ نسخہ سمجھتا رہا ہوں اور ہمیشہ خدا سے یہی دعا کرتا تھا کاش آپ مجھے ایک بار مل جائیں..... اور پھر.....“ وہ کہہ کر رکھا۔

”پھر کیا.....؟“ یعنی نے مسکرا کر حیرت سے پوچھا۔

”تو پھر..... میں آپ سے اپنے دل کی بات کہہ سکوں۔“ وہ اہستہ سے بولا۔

”کیا بات.....؟“ یعنی نے چونک کر پوچھا۔

”یہی کہ..... آپ ایک خوشیوں کی طرح میرے اندر ایسی ہیں..... ایک ایسی خوب صورت اور حسین یاد..... جس سے میں اپنی تنہائیوں میں سرگوشیاں کرتا تھا اور محبت کی باتیں کرتا تھا۔“ محسن رضائے مسکرا کر کہا۔

”م..... محبت.....“ یعنی ایک دم بیڈ پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”ہاں..... میں اسی دن سے آپ سے محبت کر رہا ہوں اور آپ یقین کریں گی کہ اپنے رب سے صرف آپ کو ہی اپنی دعاؤں میں، نگتا تھا۔ یعنی ریلی آئی لویو۔ میں اللہ سے دعا کرتا تھا کہ وہ مجھے آپ سے ملا دے اور یہی میری سب سے بڑی آرزو تھی۔“ محسن رضائے فرط جذبات سے لہر بڑا آواز کے ساتھ کہا تو یعنی حیرت سے آنکھیں پھیلا کر بے یقینی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

خود اس نے تو محبت میں اتنا بڑا دھوکا کھایا، تھیک اور ذلت اٹھائی تھی اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ زندگی بھر نہ تو کسی سے محبت کرے گی اور نہ ہی کسی کی محبت پر اعتبار..... اور اب محسن رضا اس کے سامنے بیٹھا اقربا محبت کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں اور باتوں سے خلوص جھلک رہا تھا۔ شدت جذبات سے اس کی آنکھیں غم



ہو رہی تھیں اور آواز میں ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی باتوں پر یقین کر رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ حسن رضا کو اس کا سوکھا، سہا و جود کا سیاہ رنگت کیوں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے دل میں دوسرے بھی ساتھ ساتھ سر اٹھا رہے تھے اور وہ حیرت سے گنگ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”یہی..... اگر آپ کہیں اور کھینڈ نہیں ہیں اور آپ کو میرے ساتھ پر کوئی اعتراض نہیں ہو تو میں آپ کے والد صاحب سے آپ کو مانگنا چاہتا ہوں۔“ وہ بہت شستہ لہجے میں آہستہ آہستہ بول رہا تھا اور وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”آپ..... وہ بہ مشکل بولی۔  
”ہاں..... کیسے..... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“ حسن رضا نے پوچھا۔

”کیا آپ.....؟“ وہ کہتے ہوئے رکی۔ حسن رضا نے اس کی طرف دیکھا اور محبت سے اس کے کالے، ہڈیوں سے چٹختے ہاتھ کو اپنے سفید خوب صورت ہمرے ہمرے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دیا۔

”آپ مجھ پر مکمل اعتبار کر سکتی ہیں..... حسن رضا کی یہ زندگی اور سانسیں صرف اور صرف آپ کی امانت ہیں۔“ حسن رضا نے محبت سے کہا تو یقینی کی آنکھیں جھلملانے لگیں اس نے ہونٹ ہچکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”میں..... میں محبت پر اعتبار نہیں کرتی.....“ یہی نے ہر درد لہجے میں کہا۔

”کیوں.....؟ کسی نے آپ کے ساتھ کوئی بے وفائی کی ہے؟“ حسن رضا نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”صرف بے وفائی.....؟ اس نے تو بہت بڑا دھوکا دیا..... میرے اعتبار کو میرے یقین کو کربھی کرچی کر دیا۔ اب میں کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتی۔“ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ دنیا کے سب انسانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہیں؟ کیا سب انسان ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔“

کیا آپ کے قادر..... میں..... اور وہ شخص جس نے آپ کو دھوکا دیا سب ایک جیسے ہیں؟“ حسن رضا نے کہا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”یہی نہ تو سب انسان ایک جیسے ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی محبتیں..... اگر کسی نے آپ کو دھوکا دیا ہے تو دوسرا آپ کے اس فوٹے ہوئے اعتماد کو بحال کرنے ہی تو آیا ہے۔ میرا یقین کریں..... میں آپ سے بھی یہ نہیں پوچھوں گا کہ وہ شخص کون تھا اور اس کے خیر مزاج آپ کے ساتھ کیسے تھے..... آپ کو میں خدا کی ایک نعمت اور رحمت سمجھ کر آپ کی قدر کروں گا۔“ حسن رضا نے نہایت خلوص دل سے مسکراتے ہوئے اسے اپنی وفاؤں کا یقین دلایا۔

”کیا آپ..... مجھے.....؟“ یہی نے اپنا اندیشہ ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

”یہی..... آپ تو بہت مراعات نہیں..... آپ میری خاطر اپنی جان پر بھی کھیلنے کو تیار ہو گئی تھیں..... اب اب کیا ہو گیا ہے کہ آپ بار بار بات کرتے ہوئے رک رہی ہیں۔ آپ کی زبان..... آپ کے لفظوں کا ساتھ کیوں نہیں دے رہی؟“ حسن رضا نے چونک کر اس سے پوچھا۔

”میرا وجود..... میری رنگت..... کیا آپ کو اس میں.....؟“ یہی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”مجھے آپ سے پیار ہے..... آپ کے اندر کے اچھے انسان سے محبت ہے، آپ کی روح سے میرا ناتا ہے..... آپ کا وجود اور آپ کی رنگت یہ مجھے matter نہیں کرتی..... میں تو ساری دنیا میں صرف آپ کو تلاش کرتا رہا ہوں۔ آپ جیسا خوب صورت دل رکھنے والا انسان تو پوری دنیا میں ایک بھی نہیں۔“ حسن رضا نے مسکرا کر کہا تو یہی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”کیا آپ کو مجھ پر..... اور میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا؟“ حسن رضا نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو یہی خاموش ہو گئی۔ حسن کی باتوں میں اتنا دھیما پن، شائستگی اور محبت تھی کہ وہ خود بخود اس پر یقین کر رہی تھی۔ اس کی باتوں پر ایمان لا رہی تھی۔

”جانتی ہیں..... آپ کو اس شخص نے کیوں دھوکا

دیا..... اور خدا نے آپ کو اس کی محبت سے کیوں نہیں نوازا.....؟“ حسن رضا نے کہا تو یہی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”میری دعاؤں کی وجہ سے..... جو شخص اپنے رب سے بے مدخلوں کے ساتھ صرف آپ کو مانگ رہا تھا تو پروردگار کیسے دوسرے شخص کو آپ جیسے انمولی موتی سے نوازا سکتا تھا..... جس کی قدر صرف میں جانتا ہوں، خدا آپ سے بہت محبت کرتا ہے اور آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں آپ کو اس حالت میں ملتا کہ آپ کسی اور کی ہو چکی ہوتیں تو جانتی ہیں میرے ساتھ کیا ہو جاتا.....؟“ وہ اس کی باتوں پر حیرت زدہ تھی۔

”میں خدا نخواستہ اپنا ایمان ہی کھودتا..... میں پچھلے آٹھ سالوں سے آپ کو مسلسل خدا سے مانگ رہا ہوں۔ شاید ساری زندگی ہی آپ کو خدا سے مانگتا رہتا مگر شکر ہے اس نے مجھے آپ سے ملا دیا۔ اب میں آپ کو کھوٹا نہیں چاہتا..... آپ کو پانے کی امید پر ہی میں نے اپنی کوشش جاری رکھی اور آج جس مقام پر میں ہوں وہ بھی آپ کو پانے کی امید کی ایک کڑی ہے..... کیا آپ میری اس امید کا بھرم رکھ سکتی ہیں؟“ حسن رضا نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا تو یہی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو بہت پر شوق نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ سوچا اور مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ حسن رضا ایک دم خوشی سے دیوانہ ہونے لگا تھا۔

”میرا انتظار کرتا..... یہی.....“ حسن رضا نے مسکرا کر دروازے کے قریب جا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ یہی احمدان ہو رہی تھی مگر انتہائی خوش بھی..... کوئی شخص اس سے اس قدر شدید محبت بھی کر سکتا ہے، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی اتنی پُر خلوص اور گہری محبت۔

☆☆☆

آزاد سے پاگلوں کی طرح تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس کی ہر سانس، ہر سوچ میں سوتے، جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے..... یہی سانی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی زندگی کا حاصل اور مقصد صرف یہی ہو..... یہی مل

## کھیل دیب جلع کھیل دل

جائے گی تو وہ اس کے قدموں میں گر جائے گا اور جب تک سر نہیں اٹھائے گا جب تک وہ اسے معاف کر کے اس کی محبت کے نذرانے کو قبول نہیں کرے گی۔ یہی کے گھر جانے کی وہ ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ کئی دن اسی کشمکش میں گزر گئے اور ایک روز جب اس کی ذہنی خلش حد سے سوا ہو گئی تو اس کے قدم جمال صاحب کے گھر کی طرف اٹھ گئے۔ جہاں وہ یہی سے معافی مانگنے جانا چاہتا تھا۔

”مجھے معاف کر دو۔“ وہ نہایت بے بسی کے عالم میں اس کے سامنے فرش پر گھٹنے ٹیکے بیٹھا تھا۔ وہ تمہیں جس کی معافی کی ضرورت تھی..... اس نے تمہیں معاف کر دیا ہے اب کیسی معافی چاہتے ہو؟“ یہی نے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس گناہ کی معافی جسے بہت معمولی سمجھتا تھا..... میں نے تمہارا بہت دل دکھایا..... تمہاری سچی محبت کا بہت مذاق اڑایا۔ تمہاری بہت تذلیل کی..... میں نے صدمہ کے ساتھ زیادتی کی، تمہارے اعتماد کا خون کیا مجھے معاف کر دو۔“ آزدرو تے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”کیوں میرا ظرف اور صبر آزمانے بار بار آ جاتے ہو؟“ یہی نے چیخ کر کہا۔

”اس لیے کہ کم ظرف اور بے صبروں کو اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک ظرف والے انہیں معاف نہیں کر دیتے۔“ وہ چہرے پر ڈھیروں شرمندگی لیے اس کے سامنے بیٹھا کہہ رہا تھا۔

”میرے سامنے مت آیا کرو..... میرا ماضی مجھے ٹولانے لگتا ہے۔“ وہ سسکی بھر کر بولی۔

”معافی کی کوئی صورت.....؟“ آزدرو نے ہاتھ جوڑ کر پوچھا۔

”کیسی معافی.....؟“ یہی نے چونک کر کہا۔

”ہم..... پھر..... سے ایک ہو جائیں.....“ وہ رک رک کر بولا۔

”امپابل..... میں نے تمہارا ہر گناہ..... ہر غلطی اور خطا اپنے اللہ کے لیے معاف کر دی۔ اب دوبارہ یہ الفاظ زبان پر مت لاتا اور نہ ہی مجھ سے ملنے آنا، تمہارا میرا ہر تعلق بہت پہلے ختم ہو چکا ہے بہتر یہی ہے تم فوراً



یہاں سے چلے جاؤ اور کبھی بھولے سے بھی یاد رکھنا کہ رخ نہیں کرنا۔" یعنی نے ٹھوس لہجے میں کہا اور ڈرائنگ روم سے اٹھ کر چلی گئی۔

آزرا سے جاتے دیکھتا رہا۔ یعنی نے اسے کبھی نہ ملنے اور ہر تعلق ختم کرنے کا جو حکم دیا تھا اس نے اسے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔ وہ تو یہی سوچ کر آیا تھا کہ وہ یعنی سے معافی مانگے گا اور دونوں پھر سے ایک ہو جائیں گے مگر اس نے آزرا کو معاف تو کر دیا تھا مگر ہر تعلق توڑنے کا اعلان کر کے اسے زیادہ بے قرار کر دیا تھا اب وہ کیا کرے..... کس کے پاس جائے..... کس سے کہے کہ وہ یعنی کو سمجھائے، کس سے کہے کہ یعنی صرف ایک موقع دے اس پر اعتبار کرے۔

☆☆☆

محسن رضا کراچی چلا گیا تھا اور یعنی کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اس کی کوئی قیمتی شے اس سے لپٹ کر دور چلی گئی ہو..... اس کے اندر اداسی ہی چھانے لگی..... وہ بار بار اپنا موبائل دیکھتی۔ بیڈ پر آنکھیں بند کر کے بیٹھتی تو محسن رضا کی محبت بھری باتیں سرگوشیوں کی صورت میں اسے سنائی دینے لگتیں اور وہ خود بخود زرباب مسکرانے لگتی۔ وہ پہروں بیٹھ کر سوچتی..... یہ کیسی محبت تھی جو وہ محسن رضا سے کرنے لگی تھی۔ کیا محبت یوں بھی ہوتی ہے جو لہجوں میں دل کی دنیا کو بدل کر رکھ دے۔ محسن رضا اچانک آیا اور اس کے دل کو فتح کر کے چلا گیا۔ وہ تو کبھی آزرا سے بہت محبت کرتی تھی اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھی مگر آزرا نے اس کی قدر نہ کی۔ کہتے ہیں عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی..... مگر ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ آزرا کو بھولنے لگی تھی۔ آزرا اور اس کی محبت اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ گئی۔ آزرا نے رورو کر گڑ گڑا کر اسے اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی مگر اب اس نے آزرا کی محبت پر اعتبار نہیں کیا تھا بلکہ اسے غصہ آنے لگا تھا جب آزرا بار بار اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ اسے خود پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے آزرا کی محبت کو جھٹل کر محسن رضا کی محبت کے لیے کیسے اپنے دل کو کھول دیا تھا شاید اس لیے کہ..... وہ آزرا کے لیے بہت کچھ قربان

کرنے کو تیار تھی مگر محسن رضا نے تو اس دعویٰ پر عمل کر کے دکھایا تھا..... محبت یہ تو نہیں ہوتی کہ صرف زبان سے اقرار کیا جائے بلکہ محبت کرنے والے کا عمل ہی اس کے اقرار کا اظہار بن جایا کرتا ہے۔ محبت ایک گورکھ دھند ہے، نہ سمجھ آئے والا جگ سا پزل، نہ کھلنے والا ایک شہری جال..... اور محبت کرنے والے اس سے بھی زیادہ عجیب..... جن کے دلوں کی کیفیت لہجوں میں بدلتی اور بگڑتی ہے۔

یعنی، محسن رضا کی محبت سے مسرور ہو رہی تھی اور آزرا اتنا ہی زیادہ مضطرب..... آزرا اب اور زیادہ گڑ گڑا کر گڑا کر خدا سے یعنی کو مانگ رہا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں یہ یقین ہونے لگا تھا کہ خدا اسے مایوس نہیں کرے گا شاید وہ یعنی کے دل میں اپنی محبت دوبارہ سے جگانے میں کامیاب ہو جائے..... وہ شاید جنونی ہو گیا تھا۔ اپنی اس کیفیت کو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یہ محبت نہیں تھی..... یہ کچھ اور ہی تھا..... شاید جنوں..... دیوانگی یا پھر حاصل کرنے کی دھن.....!

محسن رضا کے جانے کے بعد یعنی نے کچھ دن تو اس کے فون کا انتظار کیا پھر یہ انتظار نہایت بے چینی میں بدلنے لگا..... مہینہ بھر ہونے کو رہا تھا اس کا محسن رضا سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا، وہ فون کرتی تو نمبر بند ملتا..... یعنی کے پاس اور کوئی رابطہ کا ذریعہ نہیں تھا۔ اس کا دل چاہتا کہ کبھی اسی اسپتال کے ایم ایس سے جا کر وہ محسن رضا کے بارے میں پوچھے مگر وہ کچھ سوچ کر رہ جاتی۔ اس کے دل میں وسوسے سر اٹھانے لگے کہ..... "شاید محسن رضا نے اس احسان کا بدلہ اتارا ہو جو میں نے اس کی جان بچا کر کیا تھا..... وہ کہیں مجھ جیسی بد صورت لڑکی کو چاہ سکتا ہے....." یعنی کی سوچیں کبھی منہ کی منہ اور کبھی بے حد مایوس..... انداز اختیار کر لیتیں۔

شوخی قسمت کہ محسن رضا کراچی آتے ہی شدید بخار میں مبتلا ہو گیا..... اس کا چھوٹا بھائی مشہور سرجن بن چکا تھا۔ محسن رضا کے جب ٹیسٹ ہوئے تو حقیقت کھلی کہ گردے کے آپریشن کی وجہ سے اس کے اندر انفیکشن ہو گیا اس نے پراپر آرام نہیں کیا تھا۔ اس کے بہن بھائی

سخت تشویش میں مبتلا تھے کہ بھائی جان کو کیا ہو گیا تھا جو ایک گرو remove کروانا پڑا اور جب محسن رضا نے بتایا تو وہ شدید حیرت میں مبتلا ہو گئے۔

"بھائی جان وہ..... وہ یہی آپ؟" سب حیرانی سے بولے۔

"ہاں، وہی اچانک مجھے لاہور میں ملی جب اسے کڈنی کی شدید ضرورت تھی اور اسے میں نے اپنا کڈنی دے دیا۔ تم لوگ بتاؤ کیا میں ایسا نہ کرتا..... تم آج جو بھی ہو وہ اسی کی وجہ سے ہو..... اگر وہ اپنی جان پر تکمیل کر مجھے نہ بچاتی اور میں آج زندہ نہ ہوتا تو تم لوگ کہاں ہوتے..... سوچو ذرا....." محسن رضا نے تاسف بھرے لہجے میں کہا تو سب خاموش ہو گئے۔

"تم لوگ بتاؤ میں نے ٹھیک کیا یا غلط.....؟"

محسن نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"شاید آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا....." اس کے بھائی نے کہا۔

"شاید نہیں بھئی....." محسن نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

سرجن احسن اپنی فیم کے ساتھ پوری کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح وہ ایک بار پھر صحت مند ہو جائے۔ اس کے مسلسل چیک اپ اور ٹیسٹ وغیرہ چل رہے تھے۔ ایک طرف محسن کے بہن بھائی گڑ گڑا کر خدا سے اس کی زندگی مانگ رہے تھے اور دوسری جانب آزرا رورو کر خدا سے یعنی کو مانگ رہا تھا اور یعنی..... وہ اپنے رب سے صرف اس کی رضا مانگ رہی تھی کیونکہ اسے کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے لیے کیا بہتر تھا۔

وہ تینوں مثلث کے تینوں کونوں پر کھڑے خدا سے کہتے کچھ طلب کر رہے تھے۔ اب کس کو کیا ملنا تھا یہ خدا کا فیصلہ تھا اور یہ فیصلہ کس کے حق میں ہوگا..... اس کی کسی کو خبر نہیں تھی۔

☆☆☆

شام ہو رہی تھی جب زرینہ، ردا کے کمرے میں گئی اور تمام بکھری چیزوں کو ٹھیک کر کے رکھنے لگی۔ بیڈ ٹیسٹ ٹھیک کرتے ہوئے بجے کے نیچے سے اسے تین لفافے

کھینچ کر جیسے جیسے دیکھا۔

اس نے انہیں چونک کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ ایک پر حاتم بھائی اور عاصم بھائی کے نام دوسرے پر تو قیر کے نام..... اور تیسرے پر رونیل کے نام..... لکھا تھا۔ وہ لفافے پکڑے کمرے سے باہر نکل آئی۔ ڈرائیور لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔

"میں اسپتال جا رہا ہوں۔ کچھ بھجوانا تو نہیں.....؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"تھوڑا کھانا پیک کر دیا ہے وہ لے جاؤ اور یہ ردا بی بی کے کمرے سے تین لفافے ملے ہیں یہ لے جا کر بیگم صاحبہ کو دے دینا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ ضروری باتیں ان میں لکھی ہوں۔" اس نے ڈرائیور کو ٹکٹن لاکر دیا اور ساتھ ہی وہ لفافے پکڑائے۔ ڈرائیور نے کپڑا لگا کر زرینہ ڈرائیور کے جانے کے بعد مغرب کی نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ نماز تمام کر کے ابھی وہ دعا مانگ رہی تھی کہ حمیلہ کمرے سے نکلی اور زرینہ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ زرینہ زور دے کر بہ آواز بلند خدا سے دعا کر رہی تھی۔

"یا اہلہ! ہماری ردا بی بی کو بچالے اور ان پر رحم فرما..... میری جان لے لے..... مگر ردا بی بی کی جان بخش دے۔" زرینہ گڑ گڑاتے سن کر حمیلہ کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"وہ مر تو نہیں رہی جو تم یوں رورو کر درخواست پھیلا رہی ہو۔" حمیلہ نے غصے سے کہا۔

"انہ نہ کرے..... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔"

زرینہ نے وہ ختم کر کے گھبرا کر کہا۔

"کیوں.....؟ اگر وہ مر گئی تو کون سی قیامت آجائے گی۔" حمیلہ چمک کر بولی۔

"قیامت ہی آجائے گی اس گھر پر..... اور....."

اس نے آہ بھر کر کہا۔

"ہونہ..... کسی کو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے بھی زندہ رہ کر اس نے بڑے کارنامے کیے ہیں جو سب اسے یاد کریں گے۔ ایسی ذلت کی زندگی سے تو موت ہی اچھی ہے اس کے لیے۔" حمیلہ نے نخوت سے منہ بنا کر کہا۔

"کچھ خدا کا خوف کریں بی بی..... اور اس کی لالچی سے ڈریں جب وہ برے سے پر آتی ہے تو کسی ظالم کو نہیں بخشتی....." زرینہ نے غصے اور دکھ سے ایک دم بے قابو ہو



کر کہا۔

”کیا..... بکواس کر رہی ہو..... کیا تم مجھے ظالم کہہ رہی ہو..... ابھی تو خالہ جان اور ردا اپنے آپ کو بچائیں جن پر تھر ٹوٹ رہا ہے۔“ ضحیلہ نے نہایت نفرت سے کہا تو زینہ آنکھوں میں آنسو بھر کر رہ گئی۔

خدیدہ بیگم آئی سی بو کے باہر بیٹھ کر بیٹھی سورہ یسین پڑھ رہی تھیں..... ماں جی کے ہاتھ میں تسبیح تھی حاتم اور عاصم ایک دوسرے کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے جبکہ نجمہ اور توقیر بھی ایک کونے میں کھڑے تھے۔ جمعی روحیل تیز تیز قدموں سے اندر داخل ہوا تو سب ایک دم اسے دیکھ کر چوسکے۔ اسے عبید ماموں بہ مشکل منہ کر لائے تھے۔

”تم..... یہاں کیا لینے آئے ہو.....؟ ظالم بچہ انسان..... میری بہن کی زندگی تم نے برباد کر کے رکھ دی۔“ حاتم نے آگے بڑھ کر غصے سے روحیل کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”جسٹ شٹ اپ..... میں تم لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہتا۔“ روحیل نے بھی شدید غصے سے حاتم کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ عبید ماموں نے آگے بڑھ کر دونوں کو چھڑاتے ہوئے سمجھایا۔

”یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو..... کم از کم وقت کی نزاکت کو تو دیکھو..... دنیا کو تم شامت دکھاؤ۔“ عبید نے ارد گرد گزرتے لوگوں پر نظر دوڑاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”دنیا کو تم شامت تو اس نے دکھایا ہے..... اپنی بیوی کو سر عام رسوا کر کے..... روانے اس کی وجہ سے ہی خودکشی کی کوشش کی۔“ حاتم نے روحیل کی طرف دیکھ کر غصے سے چلاتے اور بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

”خودکشی تو اس نے اپنے کرتوتوں اور بیبیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کی ہے۔“ روحیل بھی غصے سے مشتعل ہو کر بولا۔

”خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔“ عبید نے فری سے دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”میں کوئی بے غیرت انسان نہیں..... جو ان کی گھٹیا باتیں سن کر چپ رہوں۔“ روحیل نے غصے سے بھڑکتے

ہوئے کہا۔

”it's enough..... زیادہ fuss کرنے کی ضرورت نہیں..... بہتر یہی ہے کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔“ عاصم نے آگے بڑھ کر غصے سے روحیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں خود بھی یہاں نہیں آنا چاہتا تھا۔“ روحیل سر جھٹک کر بولا۔

خدیدہ بیگم، ماں جی، توقیر، رشما اور فضیلت سب پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”ہاں، میں روحیل کو یہاں لایا ہوں۔“ عبید نے کہا۔

”تو پھر آپ ہی انہیں یہاں سے جانے کے لیے کہہ دیں۔“ عاصم نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔

”بیٹا! ردا اس کی بیوی ہے اور.....“ عبید نے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

”ردا کو ایسے بے غیرت شوہر کی کوئی ضرورت نہیں جس نے اس کی زندگی کو جہنم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ حاتم نے غصے سے عبید کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”بے غیرت تو تم لوگ ہو جو اس ٹو لیٹر اور ردا کے اقرار کے باوجود بھی اسے بے گناہ کہہ رہے ہو جبکہ سارے زمانے کو ردا کے مشکوک کردار کا پتا چل چکا ہے۔“ روحیل کسی طور خاموش نہیں ہو رہا تھا۔

”بکواس بند کرو، ورنہ میں تمہیں ابھی پہلی زمین میں گاڑ دوں گا۔“ حاتم نے غصے سے دہاڑتے ہوئے کہا تو توقیر پریشان ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔ وہ کچھ تذبذب کے عالم میں آگے بڑھا اور خدیجہ بیگم کے ہاتھ سے سورہ یسین لے کر کہنے لگا۔

”مجھے اس کلام پاک کی قسم..... ردا بالکل بے قصور ہے..... وہ خط میں نے ہی ردا کو لکھا تھا..... مگر اس نے کبھی مجھ سے ”اقرارِ محبت“ نہیں کیا۔ اس نے مجھے صاف انکار کر دیا کہ اس کا دل میری محبت کو نہیں مانتا تو میں اس کے راستے سے ہٹ گیا..... ردا بالکل بے گناہ..... معصوم اور پاک ہے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ نے میرے خط پر تو اعتبار کر لیا مگر اپنی بیوی کی محبت پر نہیں جو صرف آپ سے محبت کرتی ہے۔“ توقیر نے روحیل کی طرف دیکھا۔

کھینچ دیا طے کھیل دل

خدیدہ بیگم کے قریب آ گیا۔

”بی بی یہ کھانا لیں اور یہ لٹافے ردا بی بی کے کمرے سے ملے ہیں۔“ حاتم نے بھی سنا اور روحیل کو چھوڑ کر وہ لٹافے دیکھنے لگا۔ سب کے نام کے الگ، الگ لٹافے تھے، وہ حیران تھا اس نے ماں سے لے کر اپنے نام کا لٹافہ سب سے پہلے کھولا..... لکھا تھا۔

”حاتم بھائی اور عاصم بھائی! جب آپ کو یہ خط ملے گا تب میں آپ سے بہت دور جا چکی ہوں گی۔ حاتم بھائی آپ نے مجھے اپنی ہی نظروں میں اتنا گرا دیا ہے کہ ذلت کا یہ بوجھ میری برداشت سے باہر ہے، مجھے اپنی زندگی حقیر اور بے مایہ لگ رہی ہے اور ذلت کا یہ بوجھ بہت زیادہ بھاری..... اس لیے میں نے اپنی زندگی کی بساط پلٹنے کا فیصلہ کر لیا ہے..... میں بے گناہ ہوں، اس بات کا پتا آپ کو بہت جلد چل جائے گا..... میں نے آپ لوگوں سے بہت محبت کی ہے مگر شاید آپ لوگ مجھ سے ویسی محبت نہیں کر پائے بھی فہام بھائی کرتے تھے، وہ میری ہر خطا معاف کر دیتے تھے اور آپ میرے ناکردہ کو گناہ اور مجھے گنہگار ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اب مجھے آپ سے کوئی معافی نہیں چاہیے لیکن آپ لوگوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا، میں وہ سب معاف کرتی ہوں۔“

نظر ردا۔“ حاتم پڑھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور وہی خط عاصم کو پکڑا دیا۔ وہ بھی پڑھنے لگا اور باقی کے دو لٹافے روحیل اور توقیر کو پکڑا دیے۔

”روحیل!“ ”زندگی کا سفر ہم نے جس قدر محبت، خوشی اور خوش امیدیں سے شروع کیا تھا وہ یوں نفرت اور مایوسی پر ختم ہوگا اس کا نہ تو یقین تھا اور نہ ہی امید..... خدا گواہ ہے میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد آپ ہیں، جس سے میں نے شدید اور سچی محبت کی مگر دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے میرے دل میں آپ کے لیے صرف نفرت ہی نفرت ہے۔“ اور بھی بہت کچھ لکھا تھا مگر اس سے پڑھا نہ گیا۔

روحیل وہ خط پڑھ کر دیوار پر کھٹکے مارے ہوئے شدید پچھتاوے کا شکار ہونے لگا۔

”بکواس بند کرو..... گھٹیا انسان..... اتم سب کو میرے خلاف کرنے کے لیے پھر چال چل رہے ہو، اصل مجرم تو تم خود ہو۔ تم نے ہی ہماری زندگی میں آگ لگانے کی کوشش کی، آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ یہ کہہ کر روحیل نے توقیر کی گردن کے گرد اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں رکھ کر گلا دہانے کی کوشش کی تو سب لوگ گھبرا کر شور مچانے لگے۔ ماں جی کو غصہ آ گیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر روحیل کے گال پر زور دار پھینک دیا۔ روحیل توقیر کو چھوڑ کر ماں جی کو ہٹا کر دیکھنے لگا۔

”ماں جی..... آپ نے مجھے مارا.....“ روحیل اپنے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے حیرت سے کہہ رہا تھا۔

”ردا کے اصل مجرم اور گنہگار تو تم خود ہو، اپنا عیب چھپانے کے لیے تم نے اس معصوم اور پاکیزہ لڑکی پر تہمت لگائی تاکہ تمہارا عیب چھپا رہے۔“ ماں جی نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ماں..... جی آپ یہ..... یہ کیا کہہ رہی ہیں؟“ روحیل نے مدی طرح بوکھلا کر ماں سے کہا۔

”اگر میں آج بھی سچ نہیں بولوں گی تو قیامت کے روز میرا خدا مجھے معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی میری ردا.....“ ماں جی نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ سب لوگ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے گھبراہٹ سے روحیل کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ ماں جی نے سب کے سامنے روحیل کی میڈیکل رپورٹس والا واقعہ بتایا کہ اسے چھپانے کے لیے وہ ردا پر زیادتیاں کرتا رہا۔

”تم نے ردا کو رسوا کرنا چاہا اور آج تو قیر کو بھیج کر خدا نے میری ردا کو بے گناہ ثابت کر دیا اور تمہیں گناہگار..... خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔“ خدیجہ بیگم نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا۔

حاتم غصے سے اس کی طرف بڑھا اور اس کا گریبان پکڑ کر اسے جھنجھوڑنے لگا۔

”بے غیرت..... غبیث..... انسان..... تم فہام بھائی کے ہاتھوں مرنے سے بچ گئے مگر میں تمہیں اب زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ اسی لمحے ڈرائیور شوکت فتن اور زینہ کے دپے گئے خطوط پکڑے وہاں پہنچا اور سیدھا



میں حتی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ وہ کتنے خواب آنکھوں میں سجا کر کراچی آیا تھا۔ وہ کتنا زیادہ خوش تھا کہ اس کا خدا اس پر کتنا مہربان ہو رہا ہے کہ اس کی برسوں کی دعا بھی پوری کر دی اور اب اس کی وہ شدید خواہش بھی پوری ہونے جا رہی تھی مگر انسان کو کیا معلوم کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور آنے والے لمحے اس کے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر آتے ہیں یا دکھوں کا..... اس کی خوشیاں کیسے نکھوں میں افسردگی میں بدل گئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر نیم دراز، نم آنکھوں کے ساتھ چھت کی جانب دیکھ کر دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

”نہ جانے میری قسمت میں ادھوری خوشیاں ہی کیوں نکھی گئی ہیں۔ ساری زندگی اتنی طویل جدوجہد کے بعد اگر ایک خوشی ملنے لگی تھی۔ تو وہ بھی اس انجانی بیماری کی نذر ہونے جا رہی ہے..... نہ جانے یہی میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی..... میں اپنی رپورٹس لے جا کر اسے دکھاؤں گا تاکہ اسے یقین آجائے..... مجھے کوئی حق نہیں کہ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے کسی

دعا میں مانگا رہتا۔“  
”صرف ایک بار اے اللہ جو بہت طاقت والا ہے، میری کے دل میں میرے لیے ویسی محبت پیدا کر دے جو کسی سچ عاشق کے لیے ہوتی ہے۔ میں نے پہلے اس کی محبت کی قدر نہیں کی تھی مگر اب میں اس کی بہت قدر کروں گا۔ اس کی محبت کو اپنے لیے قیمتی اثاثہ سمجھ کر دل سے لگا کر حفاظت کروں گا۔ بس ایک بار..... صرف ایک بار.....“

☆☆☆

حسن رضا ساری رات بہت مضطرب رہا تھا۔ وہ اسپتال سے گھر شفٹ ہو چکا تھا گو کہ اس کے بخار کی شدت میں کچھ کمی آگئی تھی مگر اس کا انفیکشن ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا تھا اور اس انفیکشن سے اس کا دوسرا گردہ بہت بری طرح متاثر ہو رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے کوئی امید افزا رپورٹ نہیں دی تھی۔ اس کی چھٹی بھی ختم ہو رہی تھی اور وہ اس حالت میں چاب پر بھی واپس نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے بہن بھائی اس کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھے۔ ڈاکٹر ذبھی اس کی صحت کے بارے

حاتم کی طرف دیکھا۔  
”کاش ہمیں ایک موقع مل جائے اور ہم ردا سے تمام زیادتیوں کی معافی مانگ لیں۔“ عاصم نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔  
”ہاں..... میں ہی شاید اس کا نتیجہ رہوں۔“ حاتم بھی کف افسوس مل رہا تھا۔ ردا کے خطوں نے سب کے دلوں میں انقلابی جذبات پیدا کر دیے تھے۔ اس کے دل نرم ہو گئے تھے مگر کب، جب ردا موت و زیست کے درمیان تھی۔

”ماں جی..... دعا کریں ردا ٹھیک ہو جائے پھر آپ جو کہیں گی میں وہی کروں گا۔ میں خود اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا۔“ ردا میل سک رہا تھا تو دوسری طرف تو قیر کو تو حد کتنا تھا۔

”ردا میں تم سے اقرار بہت سننے کے لیے کتنا بے تاب تھا اور تم نے اس وقت اقرار کیا جب میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ خدا کے لیے تم ایک بار زندگی کی طرف لوٹ آؤ، میں دنیا بھر کی خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔“

ردا کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا وہ انجانی بے قراری سے اپنے ہاتھ پاؤں بند پر مار رہی تھی۔ اس نے اسے جلدی سے انفیکشن لگانے کی کوشش کی مگر اس نے انجانی مضطرب ہو کر منہ سے ماسک اتار پھینکا اور زور سے چیخی۔

”مم..... مم..... مم.....“ اس نے زور سے ہچک بھری اور کھینچ کر سانس لی پھر ایک دم خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

آدر کی دلی کیفیات بدل کر رہ گئی تھیں۔ وہ خدا کے حضور سجدہ ریز رہتا، آدھی آدھی رات کو اٹھ کر آسمان کے نیچے اس رب العزت سے فریاد کرتا کہ کسی طرح بھنی کا دل اس کی جانب پھیر دے۔ وہ اپنے دل کی تمام تر گہرائیوں اور پُر خلوص محبت کی شدت کے ساتھ اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگتا اور نہ جانے کون، کون سے واسطے دے کر آتسو بھا کر سسکیاں بھرتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتے ہوئے پروردگار سے توبہ طلب کرتا رہتا اور

”ہاں، میں ہی تمہارا گنہگار ہوں..... مجرم ہوں..... میں نے یہ اپنے ہاتھوں سے کیا کر دیا.....“  
رودیل اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔ اس کا خط زمین پر گرنا تو عید نے بڑھا اور آہ بھر کر ماں جی کو پکڑا دیا وہ بھی پڑھ کر رونے لگیں۔ کچھ فاصلے پر تو قیر کھڑا اپنا خط پڑھ رہا تھا۔

”تو قیر“  
رودیل نے آپ کے خط کو ایٹو بنا کر مجھ پر جھوٹا الزام لگانے کی کوشش کی مگر اس کی حقیقت کو میں جانتی ہوں۔ اس لیے آپ کو کسی بھی بات کے لیے تصور وار نہیں ٹھہراتی۔ آج دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایک بات کا بہت پچھتاوا ہو رہا ہے کہ کاش..... میں اپنے دل کا انکار نہ بنے بغیر آپ کی محبت پر آنکھیں بند کر کے اختیار کر لیتی تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا مگر رودیل کے ہاتھوں ذلت اور پھر ذلت کی موت ہی میرے مقدر میں لکھی تھی۔ میں اس سے کیسے بچ سکتی تھی مگر آج..... اس لمحے میرا دل کہتا ہے کہ اگر آپ یہاں ہوتے تو مجھے ضرور بچا لیتے آپ کی محبت مجھے بھی مرتے نہ دیتی..... لیکن آپ نے میری محبت کی وجہ سے شادی نہ کر کے بہت بڑی قربانی دی۔ آپ نے سچی محبت کا ثبوت دیا۔ میں آپ کی مجرم ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دیں اور میرے لیے مغفرت کی دعا ضرور کریں، کہتے ہیں کہ خدا سچی محبت کرنے والوں کی دعائیں رد نہیں کرتا۔ ممکن ہے آپ کی دعائیں میرے لیے آسانیاں پیدا کر سکیں۔

بد نصیب ردا“  
تو قیر سسکیاں بھرنے لگا۔ رشنا نے خط اس کے ہاتھ سے لے کر جلدی سے پڑھا وہ بھی سکھنے لگی۔  
اندرواد کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر ذب کو بلا یا گیا۔ خدیجہ بیگم بھی تیزی سے اُن کی جانب لگیں۔  
”ڈاکٹر میری بیٹی.....؟“ خدیجہ بیگم نے سسکتے ہوئے پوچھا۔

”آپ دعا کریں، اُن کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“ ایک ڈاکٹر نے ان کی بات کاٹ کر کہا اور جلدی سے اندر چلا گیا۔  
عاصم نے بھی خط پڑھ لیا تھا اس نے روتے ہوئے



## ماہنامہ جاسوسی

سرڈیوں کی طویل راتیں  
الوداعیہ دھبہ کی یادگاریں

- اولین صفحات: اس پہلی کی داستان جسے صرف باتوں سے تخیل و مسہار کیا جاسکتا ہے... ایچ اقبال کے انداز نگارش کا شاہکار نامہ
- گرداب: واقعات کے غلاب میں گرفتار واروں کا آغاز و انجام اسما قادری کا سلسلہ
- جواہری: احمد اقبال کے شریہ قلم سے ایک جواہری کے کھیل کے تحت نئے انداز
- مغرب کے نرالی انداز: مغرب کی تہذیب و ماحول کی عکاسی اور محبت کی ناقابل فراموش کہانیاں

### سرورق کی کہانیاں

- ہفتی کہانی: رنگ نور کے اجالوں سے تھیں میں بھٹک جانے والوں کی دلچسپ کہانی
- دوسری کہانی: پولیس اور جرائم پیشہ افراد کے گرد گھومتی ایک تیز رفتار پرجسس کہانی



آپ کے گھر...  
خوشی...  
اور نئی نئی دلچسپ باتیں... کھاتیں



معصوم انسان کی زندگی برباد کر دوں اور وہ بھی یہی جیسی عظیم انسان جس کے میری زندگی پر کتنے احسانات ہیں..... وہ ٹھیک ہوگئی ہے اور اسے کوئی بھی صحت مند انسان مل جائے گا..... مجھے جیسے بیمار شخص کا ساتھ اسے کیا خوشی دے گا۔“ اس نے دل گرفتگی سے سوچا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

☆☆☆

یعنی کوئینڈ نہیں آ رہی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹی تھی اور اس کے ہاتھ میں موبائل تھا۔ وہ بار بار محسن کا نمبر مار رہی تھی مگر اس کا موبائل آف مل رہا تھا۔ وہ بہت اپ سیٹ ہونے لگی تھی اور جھنجھلا کر اس نے موبائل بیڈ پر پھینکا اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

”اگر وہ میرے نصیب میں نہیں تھا تو پھر وہ کیوں آیا.....؟ مجھے پھر سے اذیت میں ڈالنے..... کتنی کوشش سے میں آذر کی محبت کو اپنے دل سے مٹانے کی سعی کر رہی تھی اور وہ نہ جانے کہاں سے آ گیا اور پھر سے میرے دل میں محبت کی دم توڑتی شمع کو جلانے کی کوشش کی۔ اس نے اگر چلے ہی جانا تھا تو پھر میرے ساتھ کیوں یہ مذاق کیا.....“ یعنی نے سسکتے ہوئے سوچا۔

”نہیں، اس نے مذاق نہیں کیا..... اس کی آنکھوں میں خلوص تھا اور باتوں میں سچائی کی جھلک تھی۔ میرا دل کہتا ہے اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا تو..... پھر وہ کیوں ایسے کر رہا ہے اگر کوئی پراہم ہے تو مجھے بتا کیوں نہیں دیتا۔“ اس نے جھنجھلا کر سوچا۔

”کہیں..... آذر.....؟“ ایک دم آذر اس کے ذہن میں نمودار ہوا تو وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔ ”وہ بھی تو کیسے گزر گا اگر مجھ سے محبت کی بجائے مانگ رہا تھا۔ مجھے دوبارہ اپنے اوپر اعتبار کرنے کو کہہ رہا تھا۔ محبت کے دعوے کر رہا تھا۔ اللہ کے واسطے دے رہا تھا۔ کہیں وہ تو ہمارے راستے میں حائل نہیں ہو رہا۔ میں بھی تو خدا سے دعا مانگتی تھی کہ مجھے اس شخص کا ساتھ نصیب ہو جو مجھ سے سچی اور شدید محبت کرے..... اور اب آذر میرے لیے بہت زیادہ مضطرب رہنے لگا ہے اسی طرح جیسے سچی میں اس کے لیے بے قرار اور بے چین ہوا کرتی تھی۔ آذر

عظیم..... اور محسن رضا.....!“ اس نے ہوش سکوڑے اور پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ اسی مضطرب حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری نیند سو گئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں پھولوں کا ایک خوب صورت گلہستہ ہے اور اس کے سامنے محسن اور آذر کھڑے ہیں اور وہ کبھی آذر کی طرف بنور دیکھتی ہے تو کبھی محسن کی طرف..... اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔

”میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔“ آذر نے کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ گلہستے کی جانب بڑھائے۔ ”اور میں تو تمہیں پانے کے لیے دعا میں کرتا رہا ہوں۔“ محسن رضا نے بھی گلہستے کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تو یعنی حیرت سے دونوں کی طرف دیکھنے لگتی ہے اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہوتا کہ وہ کیا کرے۔

”یعنی تم بھی تو مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں..... اور اب بھی کرتی ہو میں جانتا ہوں تمہارے دل میں صرف میں ہوں۔“ یکا یک آذر بولا۔

”یعنی تم نے میرے لیے اپنی جان کی بھی پروا نہ کی..... اور کسی کے لیے جان قربان کرنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہوتی۔ تم نے مجھ پر احسان کیا..... گوکہ میں نے بھی تمہارے اس احسان کا بدلہ چکا دیا ہے..... اب میں اور آذر تمہارے سامنے کھڑے ہیں۔ اپنی اپنی محبت کا مشکوٰۃ تھا۔ تمہیں صرف انتخاب کرنا ہے کہ تم کس کو زیادہ چاہتی ہو..... یا پھر کون تم سے زیادہ محبت کرتا ہے؟“ محسن نے محبت بھرے لہجے میں استفہامیہ انداز میں اس سے سوال کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں م..... میں..... میں کچھ نہیں جانتی..... وہ ایک دم بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔

”یہ..... یہ کیسا خواب تھا.....؟“ وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر سوچنے لگی۔

”مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا..... اس خواب کا کیا مطلب ہے اور میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟“ اس نے جھنجھلاتے ہوئے خود کلامی کی۔

☆☆☆

”اپنی ایم سواری..... ہم..... ردا بی بی کو نہیں بچا سکے۔“ ڈاکٹر کے چلے گئے تھے کہ گزر جو حاتم کے اوپر پڑے تھے۔ یہی کیفیت روئیل اور تو قیر کی بھی تھی۔ ردا ایک مرتبہ ہوش میں آ کر پھر کوسے میں چلی گئی تھی اور اس دفعہ وہ مسلسل چاروں بے ہوش رہی جیسی ریحانہ بیگم کا صدمہ بھی اس خاندان کو پہنچا تھا ردا کی جانب سے بے فکری نہیں ہوئی تھی۔ ریحانہ بیگم کے قتل کے بعد حمیلہ واپس گھر آ چکی تھی۔ آج سب اسپتال میں پھر جمع تھے۔ جیسی ردا کی حالت بگڑنے لگی بس اس نے ہوش میں آ کر فہام بھائی اور عمار کے الفاظ ادا کیے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُن کی زندگیوں سے نکل گئی۔ خدیجہ بیگم ہڈیانی انداز میں چیخ رہی تھیں۔ ماں جی پر الگ غم کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ روئیل، حاتم اور تو قیر جو چاروں سے ردا کے خطوط پڑھ کر بچھتاؤں کی آگ میں جل رہے تھے آج اس سے معافی مانگنے جمع ہوئے تھے جب ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ اسے ہوش آیا ہے مگر یہاں آ کر تو کوئی اور ہی قیامت ان کی منتظر تھی۔

ردا انہماک خاموشی سے دنیا چھوڑ کر جا چکی تھی۔ تینوں گھروں میں یکساں سوگ کی کیفیت تھی الیہ حمیلہ کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہیں گرا تھا۔ وہ فہام کی موت کا ڈسے ڈار ردا کو تراو رہی تھی اور اب اس کے دل کو سکون مل گیا تھا۔

☆☆☆

ماں جی ردا کی رسم قیل میں گئی تھیں۔ وہاں پر ہر کوئی ردا کی تعریف کر رہا تھا۔ روئیل اس کے جنازے میں شرکت کے بعد گھر سے باہر نہیں نکلا تھا ہر وقت اپنے کمرے میں بیٹھا آنسو بہاتا رہتا۔ اس کے ضمیر کی خلش اسے کابل چھین نہیں لینے دے رہی تھی۔

ماں جی خدیجہ بیگم کے پاس بیٹھ کر روئیل کی طرف سے معافی مانگ رہی تھیں۔ حمیلہ پاس ہی بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات تھے۔

”مجھے آپ سے کبھی شکوہ نہیں رہا۔ آپ نے میری ردا کو ماں کا ہی بیٹا دیا۔ گلہ تو صرف روئیل سے ہے۔“ خدیجہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

کھنکھل چلے کھنکھل دل

”جانتی ہوں وہ معافی کے قابل نہیں..... پھر بھی اس کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔“ ماں جی نے آہ بھر کر التجائیہ انداز میں کہا۔

”انسان دوسروں پر زیادتیاں کرتے ہوئے بھول جاتا ہے کہ وہ بھی خدا کا بنایا ہوا انسان ہے اور کسی بھی وقت خدا کی پکڑ میں آسکتا ہے۔ سب نے میری ردا کے ساتھ بہت زیادتیاں کیں۔“ خدیجہ بیگم بری طرح رو رہی تھیں۔ ”خدا ہی ان لوگوں کو پوچھے جنہوں نے میری معصوم بیٹی کو ناحق اذیتیں دیں۔“ خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر حمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”خالہ جان..... آپ بار بار میری طرف دیکھ کر کیوں بات کر رہی ہیں۔ اس کی موت کی ڈتے دار میں نہیں وہ خود ہے، اس نے خود کشی کر کے حرام موت کو خود گلے لگایا ہے اور وہ اتنی نیک پاک بھی نہیں تھی جو آپ اس کی شان میں تعیدے پڑھ رہی ہیں۔“ حمیلہ نے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھ کر انتہائی بدتمیزی سے کہا۔

”تم کمن لہجہ میں اپنی ساس سے بات کر رہی ہو۔ میری ردا نے یوں..... کبھی اونچی آواز میں مجھ سے بات نہیں کی تھی۔“ ماں جی نے قدرے خشکی سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تو تمام عورتیں چہ گویاں کرنے لگیں۔

”ردا آپ کے ساتھ اچھی تھی، اس لیے کہ آپ اس کے ساتھ اچھی تھیں اور.....“ حمیلہ نے خشکی سے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا۔

”تمہارے کہنے کا مطلب ہے خدیجہ بہن تمہارے ساتھ اچھی نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے جس عورت نے اپنی بیٹی کی اتنی اچھی تربیت کی ہے وہ بہو کے ساتھ کیسے اچھی نہیں ہو سکتی۔ بیٹا بدگمانیاں اور نفرتیں رشتوں کو کمزور بنا دیتی ہیں اور زندگی میں رشتے بہت اصول ہوتے ہیں، ان کی قدر کرنی چاہیے۔ تم نے بھی ابھی اپنی ماں کو کھویا ہے، ردا تو چلی گئی ہے اب تم خدیجہ بہن کی عزت اور قدر کرو۔“ ماں جی نے حمیلہ کو سمجھایا۔

”کیا آپ نے یہ سب باتیں اپنے بیٹے کو نہیں سکھائی تھیں؟“ حمیلہ نے طنز یہ کہا۔

”سکھائی تھیں..... لیکن..... ماں جی نے افسردگی



ہوئے بولا۔

”کہاں.....؟“ کوئل نے حیرت سے پوچھا۔  
”آزر کے پاس..... اور اسے لے کر پھر مینی کے پاس۔“ جواد نے قطعیت سے کہا تو کوئل حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی اور خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

دونوں آزر کے پاس انیسویں میں پہنچے تو وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ سوتے میں بھی اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی اور اداسی تھی۔ وارمی کافی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں بہت زیادہ سو جی ہوئی تھیں انہوں نے اسے جگایا تو وہ دونوں کو دیکھ کر چونکا۔

”یار..... یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟ تم ٹھیک تو ہونا.....؟“ جواد نے پریشانی سے پوچھا۔ کوئل بھی حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔  
”ٹھیک ہی تو نہیں ہوں۔“ آزر نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”کیوں، کیا ہوا.....؟“ چلو ہم تمہیں اسپتال لے چلتے ہیں۔“ آزر نے کہا۔  
”نہیں، مجھے اسپتال نہیں جانا بلکہ.....“ وہ کہتے کہتے رکا۔

”تو پھر کہاں جانا ہے.....؟“ جواد نے پوچھا۔  
”مینی کے پاس.....“ اس نے رک رک کر کہا تو کوئل نے حیرت سے جواد کی طرف دیکھا۔

”یار..... میں بہت زیادہ اذیت میں ہوں۔ بہت زیادہ مضطرب..... پلیز تم میری ہیلپ کرو..... میں بہت بے بس ہو گیا ہوں۔“ آزر نے کہہ سکتے ہوئے کہا تو دونوں پریشان ہو گئے۔

”کیسی ہیلپ.....؟“ جواد نے حیرت سے پوچھا۔  
”کسی طرح یعنی کو یقین دلا دو کہ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں، وہ میری محبت پر یقین نہیں کر رہی..... اور وہ کیوں کرے..... میں نے اسے بہت دھوکے دیے..... میں بہت برا ہوں..... بہت برا.....“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ جواد پریشان ہو کر کوئل کی طرف دیکھنے لگا۔

کرتے ہوئے بولا۔

”میں تمہیں دیکھ لوں گی۔ ایک، ایک کو کورٹ میں بھیجوں گی۔“ شمیمہ غصے سے چلاتے ہوئے بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ اچانک کیا ہو گیا تھا۔ وہ تو ہمیشہ دوسروں کے جذبات کے ساتھ کھیل کر انہیں مات دینے کی عادی تھی اور آج اسے مات ہوئی تھی۔ وہ اپنے اندر نفرت اور انتقام کے جذبات لیے، آنسو پونچھتی ہوئی سڑک پر چلتے گئی۔ رات گہری ہو رہی تھی۔ اس کے پاس کوئی چیز نہیں تھی۔ گلی میں چھوٹا سا اسٹول بھول رہا تھا۔ چلتے ہوئے وہ ایک ویران سڑک پر آ گئی۔ لگاؤ کا گڑیاں گزر رہی تھیں۔

حاتم نے شمیمہ کو جتنی جلدی فیصلہ کر کے زندگی میں شامل کیا تھا اس سے جلدی کر کے اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا..... رات کو بیٹا، بہو میں کیا ہوا خدیجہ بیگم اس سے بے خبر اپنے کمرے میں خواب آور گولیوں کے ویراثر سو رہی تھیں۔ اگلی صبح ان کے کمرے میں کیا قیامت آنے والی تھی وہ اس سے انجان تھیں۔

☆☆☆

”آزر آج کل بہت زیادہ اپ ہیٹ ہے..... یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنے senses میں نہیں۔“ کوئل نے جواد کو بتایا جو کوئل کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔  
”کیوں.....؟“ جواد نے حیرت سے پوچھا۔  
”شاید..... مینی کی وجہ سے۔“ کوئل نے ہونٹ سکڑاتے ہوئے جواب دیا۔

”کیوں.....؟ کیا اس نے تمہیں کچھ بتایا ہے؟“ جواد نے پوچھا۔

”نہیں..... مجھے نانا ابا نے بتایا ہے کہ وہ اپنی کسی دوست کی وجہ سے بہت پریشان ہے اور میرا خیال ہے وہ دوست مینی ہی ہو سکتی ہے۔ کسی اور سے اتنی گہری دوستی بھی نہیں۔“ کوئل نے جواب دیا۔

”آئی سی..... اور اب وہ کہاں ہے؟“ جواد نے پوچھا۔  
”انیسی میں ہی ہوگا۔ سارا وقت وہیں بند رہتا ہے، آفس بھی بہت کم آتا ہے۔“ کوئل نے بتایا۔  
”چلو اٹھو چلتے ہیں۔“ جواد ایک دم کچھ سوچے

”اسی بات کا تو دکھ رہے گا ساری عمر..... نہ میں اس پر ہاتھ اٹھاتا اور نہ وہ خودکشی کرتی۔ یہ سب کچھ نہ ہوتا اگر تم مجھے ریسٹورنٹ نہ لے کر جاتیں..... اس کی اصل قائل تم ہی ہوں..... دفع ہو جاؤ..... یہاں سے اور دوبارہ اس کمرے میں نہ آنا۔“ حاتم نے اسے کمرے سے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

”ک..... ک..... کیا تم مجھے یہاں سے نکال رہے ہو؟“ شمیمہ نے حیرت سے چلاتے ہوئے کہا۔  
”ہاں، تمہیں دیکھنا ہوں تو میرے اندر آگے لگ جاتی ہے، تم ہی قسادی چڑھو..... تم نے ہی ہمارا گھر برباد کیا ہے۔“ حاتم غصے سے چلایا۔

”شٹ اپ..... تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ تم پاگل ہو گئے ہو۔“ شمیمہ نے نفرت سے سر جھکا۔  
”ہاں، ہاں پاگل ہو گیا ہوں اور پاگل ہو کر تم جیسی عورت کی حقیقت سے آشنا ہوا ہوں۔ تم انتہائی گھٹیا اور حاسد عورت ہو۔ تم ہی ردا کی دشمن تھیں۔ اب میں تمہیں اس گھر میں ایک منٹ برداشت نہیں کروں گا۔“ حاتم نے غصے سے کہا۔

”گھر..... یہ گھر میرا ہے..... میں اس کی مالک ہوں۔“ وہ طنز پر مبنی۔ “تم نے مجھے یہ گھر حق مہر میں لکھ کر دیا ہے۔ تم کون ہوتے ہو مجھے اس گھر سے نکالنے والے؟“  
”میں وہ ہوں، جس کی وجہ سے تم اس گھر میں ہو، چلو آج میں تمہاری وہ حیثیت بھی ختم کر رہا ہوں۔“ حاتم غصے سے بولتا ہوا اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر لے گیا۔ وہ مسلسل چلا رہی تھی، وہ اسے گھسیٹتا ہوا گیٹ کے قریب لے گیا اور قدرے بلند آواز میں بولا۔

”میں تمہیں طلاق دیتا ہوں..... میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اب دوبارہ اس گھر میں قدم نہ رکھنا۔“ حاتم نے اسے طلاق دے کر باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

”ط..... طلاق.....“ شمیمہ بے یقینی سے۔  
”بڑبڑاتے ہوئے بولی اور مچھلی مچھلی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔  
”ہاں..... دفع ہو جاؤ یہاں سے..... تم جیسی گھٹیا عورت اس گھر کے قائل کیسی نہ تھی۔“ حاتم گیٹ بند

سے ایک آہ بھری۔

دیبا نہ بیگم کے چالیسویں کے بعد سلمان نے گھر بڑی اچھی قیمت پر بیچا تھا۔ فیصلہ پکٹنگ کرنے میں مصروف تھی۔ دونوں کے ویزے بھی آگئے تھے اور وہ جلد از جلد شمیمہ کو بتائے بغیر ملک سے باہر جا رہے تھے۔ شمیمہ ردا کی ڈی۔تھ کی وجہ سے گھر سے باہر نکل نہیں پا رہی تھی۔ دونوں نے اس موقع کو قیمت جانا اور جلد سے جلد مکان بیچنے کا بندوبست کیا۔

☆☆☆

”کب تک یونہی اس کے غم میں ٹھہرتے رہیں گے؟“ ردا کی موت کو کتنے دن گزر گئے مگر حاتم نارمل نہ ہو سکا اور شمیمہ مزید چڑچڑی ہو گئی تھی۔

”کیا مطلب کب تک.....؟ میں ہی تو اس کا قائل ہوں۔“ حاتم نے کہا اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”اس نے خودکشی کی ہے، حرام موت مری ہے، دنیا میں بھی ذلیل اور آخرت میں بھی رسوا۔ خدا بھی اسے نہیں بخشے گا اس میں آپ کا کیا قصور.....؟“ شمیمہ طنز پر انداز میں بولی تو حاتم کو غصا آ گیا۔

”خبردار جو تم نے کوئی ٹیکو اس کی.....“ حاتم نے اسے غصے سے پھنٹر لگاتے ہوئے کہا اور ایک دم ہاتھ ہو کر چلائے لگا۔

”اسے خودکشی پر کس نے مجبور کیا..... میں نے..... اور تم جان بوجھ کر مجھے ریسٹورنٹ لے کر گئی تھیں کیونکہ تم سب کچھ جانتی تھیں اور تم نے ہی مجھے اس کے خلاف آکسایا۔ اصل مجرم تو تم ہو..... تم ہی ردا سے حسد کرتی تھیں۔ قہام بھائی کی زندگی میں بھی ان کے کان بھرتی رہتی تھیں، نہ جانے کون سے بدلے اس سے لینا چاہتی تھیں۔ میں ہی بے وقوف نکلا جو تمہاری باتوں میں آ گیا۔ تم بہت ظالم ہو۔“ حاتم نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر سسکتے ہوئے کہا۔

”مجھ پر کوئی بھی الزام لگانے کی ضرورت نہیں..... ردا پر ہاتھ تم نے اٹھایا تھا، میں نے کب تمہیں ایسا کرنے کو کہا تھا؟“ شمیمہ نے بھی غصے سے چلائے ہوئے کہا۔



”چلو..... ہمارے ساتھ۔“ جو ایک دم اٹھتے ہوئے بولا۔

”ک..... کہاں.....؟“ آزر بہ مشکل بولا۔

”یہی کہ پاس.....“ جو اپنے جواب دیا۔

”کیا.....؟“ آزر نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں..... اب اس کے پاس جا کر ہی سب باتیں ہوں گی۔“ جو اپنے کہا تو آزر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”آزر پلیز..... اپنے آپ کو سنبھالو..... شیو کرو۔“

اور مشاورے کر فریش ہو جاؤ۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر یہی کہہ دیتے ہی غصہ آ جائے گا۔“ جو اپنے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... میری یہ حالت دیکھ کر اسے یقین آ جائے گا کہ میں کتنا مضطرب ہوں..... اور ویسے بھی فریش ہونے کے لیے اندر سے فریش ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس وقت میرے دل کی جو کیفیت ہے تم بھی نہیں سمجھ پاؤ گے۔“ آزر نے بے چارگی سے کہا۔

”کیا تم یہی کہتی ہو؟“ جو اپنے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں سارے اختلافات بھلا کر اسے معاف کر چکی ہوں.....“

”ہاں..... لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم دونوں ایک دوسرے سے پہلے کی طرح محبت..... میرا مطلب.....“

”کول نے پھر کہا۔

”محبت؟ مت نام لو..... محبت کا..... اس شخص کو کیا معلوم کہ محبت کیا ہوتی ہے..... اس کے لیے تو محبت بس ایک..... ہوس تھی جو اس نے پوری کی..... اب اور کیا چاہتا ہے..... کیا ابھی کوئی ہوس باقی رہ گئی ہے؟“ یہی ایک دم غصے سے ہاتھ ہو گئی۔

”یہی..... پلیز کول ڈاؤن..... اتنی ہائپر سٹ ہو.....“ کول نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دیکھ کر کہنا چاہا تو یہی بری طرح سسکتے لگی۔

”اس نے محبت کے نام پر میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے..... میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔“ یہی نے روتے ہوئے کہا۔

”پلیز یہی..... اپنے آپ کو سنبھالو.....“ کول نے اسے اپنے ساتھ لے کر کہا تو یہی نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ آزر اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

”میں نے محبت کے نام پر میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے..... میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔“ یہی نے روتے ہوئے کہا۔

”پلیز یہی..... اپنے آپ کو سنبھالو.....“ کول نے اسے اپنے ساتھ لے کر کہا تو یہی نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ آزر اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

”میں نے محبت کے نام پر میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے..... میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔“ یہی نے روتے ہوئے کہا۔

”پلیز یہی..... اپنے آپ کو سنبھالو.....“ کول نے اسے اپنے ساتھ لے کر کہا تو یہی نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ آزر اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

”میں تمہارا مجرم ہوں..... جو چاہے سزا دے دو..... مجھے ایک بار صرف..... ایک بار..... ایک موقع اور دو..... مجھے اپنے دل میں دیکھنی چاہیے دو..... جو تمہارے دل میں بھی میرے لیے ہوا کرتی تھی..... مجھے تمہاری محبت چاہیے.....“ آزر نے بے قرار ہو کر اس کے قدموں میں کار پٹ پر بیٹھتے ہوئے انتہائی بے بسی سے کہا تو جو اور کول کو بھی اس پر ترس آنے لگا۔

”خدا کے لیے بس کرو..... مجھے تم پر یقین نہیں رہا..... کیا شیشہ دراڑ آنے کے بعد پہلے کی طرح بڑھ سکتا ہے؟ میرے دل کے شیشے میں بھی دراڑ آ چکی ہے۔“ یہی نے قلعیت سے کہا۔

”یہی..... دل اور شیشے میں بہت فرق ہوتا ہے..... دل جتنی بار ٹوٹ کر بڑھتا ہے..... اتنا ہی زیادہ مضبوط ہوتا ہے..... اور ویسے بھی شیشے میں دل جیسی گہرائی کہاں؟ ہم انسان ہیں..... گناہوں اور خطاؤں کے مجسمے..... لحوں میں ٹوٹتے بکھرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں..... کبھی کبھی جنہیں دل سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں بزار کوشش کے باوجود وہ دل میں ہی پائے جاتے ہیں..... نہ کسی کو دل سے نکالنا آسان ہے اور نہ ہی ذہن سے..... محبت کبھی ختم نہیں ہوتی.....“

”آکر بھی آزر تمہارے دل میں موجود ہے..... تمہاری لاکھ ٹھٹھ کے باوجود تمہاری آنکھیں اور دل اس کے منتظر رہتے ہوں گے..... پلیز..... اسے ایک موقع اور دے دو۔“

جو اپنے آزر کی پر زور حمایت کی تو آزر کو امید ہونے لگی کہ شاید یہی اسے معاف کر دے۔ یہی کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی پھر اچانک ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور محسن رشتہ اندر داخل ہوا تو یہی ایک دم حیرت سے چلا تے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”محسن آپ..... آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ یہی نے اس کے قریب آ کر قدموں پر بے مبری سے پوچھا تو محسن ان کی جانب دیکھنے لگے۔ محسن کا جسم بری طرح کاٹھ پڑا تھا اور وہ اب بھی بخار کی کیفیت میں تھا۔

”آزر وہیں بیٹھا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کول اور جو ابھی حیران ہو رہے تھے۔

”محسن آپ..... آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ یہی نے اس کے قریب آ کر قدموں پر بے مبری سے پوچھا تو محسن ان کی جانب دیکھنے لگے۔ محسن کا جسم بری طرح کاٹھ پڑا تھا اور وہ اب بھی بخار کی کیفیت میں تھا۔

”آزر وہیں بیٹھا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کول اور جو ابھی حیران ہو رہے تھے۔

”محسن آپ..... آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ یہی نے اس کے قریب آ کر قدموں پر بے مبری سے پوچھا تو محسن ان کی جانب دیکھنے لگے۔ محسن کا جسم بری طرح کاٹھ پڑا تھا اور وہ اب بھی بخار کی کیفیت میں تھا۔

”آزر وہیں بیٹھا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کول اور جو ابھی حیران ہو رہے تھے۔

”محسن آپ..... آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ یہی نے اس کے قریب آ کر قدموں پر بے مبری سے پوچھا تو محسن ان کی جانب دیکھنے لگے۔ محسن کا جسم بری طرح کاٹھ پڑا تھا اور وہ اب بھی بخار کی کیفیت میں تھا۔

”آزر وہیں بیٹھا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کول اور جو ابھی حیران ہو رہے تھے۔

”محسن آپ..... آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ یہی نے اس کے قریب آ کر قدموں پر بے مبری سے پوچھا تو محسن ان کی جانب دیکھنے لگے۔ محسن کا جسم بری طرح کاٹھ پڑا تھا اور وہ اب بھی بخار کی کیفیت میں تھا۔

”آزر وہیں بیٹھا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کول اور جو ابھی حیران ہو رہے تھے۔

”محسن آپ..... آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ یہی نے اس کے قریب آ کر قدموں پر بے مبری سے پوچھا تو محسن ان کی جانب دیکھنے لگے۔ محسن کا جسم بری طرح کاٹھ پڑا تھا اور وہ اب بھی بخار کی کیفیت میں تھا۔

”آزر وہیں بیٹھا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کول اور جو ابھی حیران ہو رہے تھے۔

”محسن آپ..... آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ یہی نے اس کے قریب آ کر قدموں پر بے مبری سے پوچھا تو محسن ان کی جانب دیکھنے لگے۔ محسن کا جسم بری طرح کاٹھ پڑا تھا اور وہ اب بھی بخار کی کیفیت میں تھا۔

کھنکھناتے چلے کھنکھناتے

”یہی..... میں..... میں آپ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ میں آپ کے قابل نہیں رہا..... میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکتا۔“ محسن نے اسے آنسو روکتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ یہی نے اسے اس کے منہ سے اچانک لگا۔

”بس آپ یہ سمجھیں میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ ایسے میں، میں آپ کو اندر سے ہی نہیں رکھ سکتا۔ آپ کسی صحت مند انسان کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر شروع کر سکتی ہیں۔ میرا اور آپ کا ساتھ ہمیں تک کا تھا۔“

محسن نے اس سے بیماری کی تفصیل شیئر نہیں کی۔

”کیا مطلب..... آپ کی صحت تو ٹھیک ہے نا.....؟“ مجھے کڈنی ڈونٹ کرنے کے بعد کیا.....

کوئی complications ہو گئیں؟“ یہی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... مجھے شدید انفیکشن ہو گیا تھا اور اب دوسرا کڈنی effect ہو رہا ہے اس نے ہتھیچکا تے ہوئے بتایا۔“ مجھے نہیں معلوم کہ میری زندگی کتنی ہے اور میرے ساتھ کیا ہوتا ہے..... مگر میں سب کچھ جانتے بوجھتے بھی آپ کی زندگی برباد کیوں کروں..... نہیں..... یہی نہیں۔“

محسن نے سنجیدگی سے کہا۔

”آپ نے جو فیصلہ کرنا تھا..... وہ کر لیا..... اب آپ کو میرا فیصلہ سننا ہوگا۔ محسن..... یہی وہ شخص ہے جس نے مجھے محبت کے نام پر دھوکا دیا اور میری زندگی لے لی۔“

یہی نے آزر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محسن سے کہا۔

”آج یہ مجھ سے وہی محبت مانگنے آیا ہے جو اس نے کھو دی ہے..... اور ادھر آپ مجھ میں محبت کا خوب صورت احساس چکا کر پھر سے اسے مانگ کر آئے ہیں..... اب آپ بتائیں میں کیا کروں.....؟ کس کے حق میں فیصلہ دوں..... آزر کو منتخب کروں..... یا آپ کو؟“ یہی نے محسن سے پوچھا تو وہ نظریں جھکا کر خاموش رہا پھر وہ آزر سے مخاطب ہوئی۔

”آزر..... یہ وہ شخص ہے جن کی میں نے کبھی جان بچائی تھی اور اب انہوں نے میری جان بچائی ہے..... یعنی اپنا کڈنی مجھے ڈونٹ کر کے..... اور اب انہیں جو بیماری لگی ہے وہ بھی میری وجہ سے..... تمہی بتاؤ..... میں

میں

میں

میں

میں

میں



تمہارا انتخاب کروں یا ان کا.....؟“ یعنی نے آزر کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”م..... میرا..... کیونکہ میں تم سے..... اس شخص کے آنے سے پہلے سے محبت کرتا تھا اور میرا اضطراب ان کی بیماری سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یعنی میں تمہیں بہت چاہتا ہوں..... پلیز مجھے مت جھٹلاؤ۔“ آزر نے بے بسی سے کہا۔

”ہاں..... آپ کو انہی کا انتخاب کرنا چاہیے، یہ آپ کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کے اندر کا اضطراب میں اچھی طرح دیکھ سکتا ہوں۔ یہ مجھے آپ سے کہیں زیادہ خوش رہیں گے۔ مجھے صرف آپ..... اور آپ کی خوشیاں عزیز ہیں۔ آپ خوش رہیں..... تو میرے لیے یہی سب سے بڑی خوشی کی بات ہوگی۔“ محسن رضا نے اتنا کہا اور اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

”میرا فیصلہ سنے بغیر آپ کیسے جاسکتے ہیں؟“ یعنی نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا..... ”اگر آپ کو میری ذات اور اس سے وابستہ خوشیاں عزیز ہیں تو پھر آپ کو میری یہ خواہش بھی عزیز ہونی چاہیے..... اور میری خواہش آپ..... ہیں..... میں آپ کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔“ یعنی نے محسن رضا کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا تو سب حیرت میں رہ گئے۔

”یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے ساتھ کیا پر اہلم ہے؟“ محسن نے اسے پھر سمجھانا چاہا۔

”کیا آپ نے اپنا کڈنی مجھے ڈونٹ کرتے ہوئے سوچا تھا کہ آپ اپنی آدمی زندگی ختم کرنے جا رہے ہیں؟“ یعنی نے پوچھا۔

”میری تو ساری زندگی ہی آپ کی امانت تھی۔ میں کیسے یہ سوچتا بھلا.....؟“ محسن نے آہ بھر کر کہا۔

”اور اب میں آپ کی پوری زندگی مانگ رہی ہوں..... جو آپ کے پاس میری امانت ہے۔“ یعنی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”آپ جذباتی ہو رہی ہیں..... پلیز ایک لمحے کو سوچیں کہ مجھ جیسے بیمار شخص کے ساتھ.....“ محسن نے کچھ

کہنا چاہا۔

”آپ بیمار میری وجہ سے ہوئے ہیں۔“ یعنی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”تو کیا اب میں آپ سے اس کا تادان لوں؟“ آپ کی زندگی کو اذیت میں ڈال کر..... نہیں سمجھی نہیں..... مجھے اپنی نظروں میں مت گرائیں۔“ محسن نے قدرے نرمی سے کہا۔

”مجھے صرف آپ کی محبت چاہیے۔“ یعنی نے قطعیت سے کہا۔

”وہ تو میں پہلے ہی آپ کے نام کر چکا ہوں۔“ محسن نے برکت کہا اور وہاں سے جانے لگا۔

”محسن اگر آپ یونہی چلے گئے تو پھر میری موت ضرور آئے گا۔“ اب یعنی نے اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

”اللہ نہ کرے ایسا کچھ ہو..... ایک خوب صورت صحت مند اور شدید محبت کرنے والا شخص آپ کا خطر ہے..... آپ ایک بار پھر اس پر اعتبار کیجیے..... مجھے امید ہے اب یہ آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔“ محسن رضا نے آزر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کاش..... یہ بھی سمجھی آپ کی طرح مجھے صرف ایک بار کہنا کہ محسن کا ساتھ نہ چھوڑنا..... یہ شخص تم سے بڑی محبت کرتا ہے..... مگر اس نے تو اپنی ہی خواہش کے لیے بڑپنا شروع کر دیا..... کیا یہ اس کی خود غرضی نہیں..... محسن..... کیا محبت میں خود غرضی ہوتی ہے.....؟ کیا محبت کسی ہوں کا نام ہے..... یہ مجھ سے شادی کر کے صرف اپنا اضطراب دور کرنا چاہتا ہے، اپنے لیے دلی سکون پانا چاہتا ہے نا کہ مجھے..... یا میری محبت کو۔ اس کے لیے تو صرف اس کی اپنی ذات اور اس کے تقاضے اہم ہیں..... میں کہوں ہوں اسے تو یہ خبر بھی نہیں..... نہیں محسن..... میں یہ نہیں کر سکتی۔ میں اس شخص پر اعتبار نہیں کر سکتی۔ میں اسے معاف تو کر سکتی ہوں..... مگر اپنی محبت اس کے نام نہیں کر سکتی..... میری محبت اور چاہت آپ ہیں، لوگ کہتے ہیں عورت اپنی پہلی محبت نہیں بھولتی..... صرف تب تک۔ جب تک اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ محبت صرف اس کے لیے تھی اور محبت کرنے والا اس کے ساتھ کتنا مخلص نہ

جہاں اسے یقین ہونے لگتا ہے کہ وہ محبت شخص ایک دھوکا نہیں تو اس کا اعتبار اس محبت سے اٹھنے لگتا ہے۔ میں مانتی ہوں مجھے آزر سے کبھی محبت تھی..... مگر اب نہیں..... اب میری محبت صرف اور صرف آپ ہیں۔“

یعنی نے جذباتی لہجے میں تہات صاف دل سے کہا۔

”آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کتنی بڑی غلطی کرنے جا رہی ہیں؟ زندگی جذباتی فیصلوں سے خوشگوار نہیں گزرتی یعنی ا..... محسن نے کہا۔

”یہ جذباتی فیصلہ نہیں..... ممکن ہے اس میں میرے رب کی رضا بھی شامل ہو۔“ یعنی نے ٹھوس لہجے میں کہا اور کوئل کی طرف دیکھنے لگی۔

”کوئل آئی ایم سوری..... میں تم لوگوں کی بات نہیں مان سکتی۔“

”میں تمہارا فیصلہ منظور ہے، ہم تو صرف تمہیں سونپ کر کے آئے تھے تم پر زبردستی کرنے نہیں..... تم نے اپنے بارے میں جو بھی فیصلہ کیا ٹھیک ہی کیا ہوگا..... خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے.....“ کوئل نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا اور پھر جواد کو جسنے کا اشارہ کیا۔ جواد نے آزر کی طرف دیکھا جو پچھلی پچھلی نگاہوں سے یعنی اور محسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”چلو آزر.....“ جواد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے جاتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے ان کے ساتھ باہر چلا گیا۔

یعنی نے مسکرا کر محسن کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر بھی زخمی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

”میں شام کو واپس جا رہا ہوں.....“ محسن نے آہستہ آواز میں کہا۔

”میں نہیں..... ہم..... میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔“ یعنی نے مسکرا کر کہا۔

”م..... مگر.....؟“ محسن کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

یعنی اس کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج میں لے آئی اور اسے وہاں بٹھا کر جمال صاحب کو بلا لے چلی گئی۔ ایمن لاؤنج میں داخل ہو گیا تو محسن رضا کو وہاں چٹھے دیکھ کر چونک گئیں۔

”جیسا..... تم کب آئے؟“ ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

”ابھی بس تھوڑی دیر پہلے.....“ محسن نے جواب دیا۔

”مگر تم کہاں غائب ہو گئے تھے..... ہم تو تمہارا انتظار کرتے رہے۔“ ایمن نے مسکرا کر کہا..... اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا..... یعنی، جمال صاحب کا ہاتھ پکڑے وہاں آ گئی۔

”السلام علیکم.....“ جمال احمد نے محبت سے مصافحہ کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

”وو..... میں.....“ محسن کچھ بتانے لگا۔

”کچھ کہنے کی ضرورت نہیں..... مجھے یعنی نے سب کچھ بتا دیا ہے..... میں ابھی اپنے آفس فون کرتا ہوں اور تھوڑی دیر میں مولوی صاحب آ کر تم دونوں کا نکاح پڑھوا دیں گے پھر تم جہاں چاہو..... جاسکتے ہو۔“

جمال احمد نے کہا تو ایمن پچھلی پچھلی نگاہوں سے ان کی

سسپنس، سرگزشت، پاکیزہ، جاسوسی

سول ایجنٹ پوائنٹ یو۔ اے۔ ای



ویکم بک شاپ

پی او بکس، 27869، کراہہ، دہلی

فون: 04-3961016 فیکس: 04-3961015

موبائل: 050-6245817 (ای میل) webooks@emirates.net.ae

معیاری کتابوں کا اعلیٰ مرکز



ویکم بک پورٹ

رشید، ہول سیل، ڈسٹری بیوٹر، پبلشر، ایکسپورٹر

میں اردو بازار کراچی

فون: 32633151، 32639581، (92-21) 32638086 فیکس:

ای میل: webooks@hotmail.com

وبسائٹ: www.welbooks.com



طرف دیکھنے لگیں۔

”کس..... کس کا نکاح..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

”جس بات میں یمنی خوش ہوگی میں وہی کروں گا..... اور یہی یمنی کی خواہش ہے۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن..... آپ ایسا نہیں کر سکتے..... لوگ کیا کہیں گے؟“ ایمن نے گھبرا کر کہا۔

”خدا کے لیے ایمن لوگوں کی فکر چھوڑ دو..... جو وہ کہیں گے میں دیکھ لوں گا۔“

”اور..... اماں جان.....؟“ ایمن نے پھر کہا۔

”ان کو بھی فون کر دیتا ہوں، وہ بھی آ جائیں گی۔“

مینا تم اتنی دیر ریٹ کرو..... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔“ جمال صاحب نے محسن سے کہا۔

”کیوں..... طبیعت کو کیا ہوا؟“ ایمن نے حیرت سے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... اتنا لمبا سفر طے کر کے آیا ہے۔ میرا

مطلب ہے کراچی سے آیا ہے تو ریٹ تو کرنا ہی چاہیے ناں..... ایمن..... تم گیٹ روم کھلو اور دو.....“ جمال

صاحب نے بیوی سے کہا تو وہ وہاں سے چلی گئیں۔

”دیکھو مینا..... میں نے یمنی کے ٹھیلے کو قبول کیا

ہے گو کہ کوئی باپ بھی اس بے یقینی کی صورت میں ایسا

فیصلہ قبول نہیں کرتا مگر یمنی کی صرف ایک بات نے مجھے

قائل کر دیا ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”ڈیڈی..... مجھ مرنے والی لاش کو جب اس خدا

نے پھر سے زندہ کر دیا ہے تو کیا وہ محسن کو زندگی نہیں دے

سکتا..... بات زندگی کی نہیں، بات اس کی نظر کرم کی

ہے..... اور مجھے اس کی ذات پر پورا ایمان بھی ہے اور

یقین بھی۔“ جمال صاحب نے مسکرا کر بیٹی کی طرف

دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔

”اور میں بھی اس خدا پر یقین رکھتے ہوئے اپنا

سب سے قیمتی اثاثہ تمہیں سوپ رہا ہوں۔ زندگی کی

آخری ساتوں تک اسے بہت خوش رکھنا.....“ جمال

صاحب نے دلگیر لہجے میں کہا۔

”آپ مجھ پر کتنا بڑا احسان کر رہے ہیں..... آپ سوچ بھی نہیں سکتے میں جو بالکل ناامید ہو کر یہاں آیا تھا اس خدا نے میرا دامن پھر امید اور خوشیوں سے بھر دیا ہے۔ یقین مایے مجھے تو اب اپنے اوپر ذرا سا بھی اعتبار نہیں رہا۔ صرف اور صرف اس کی ہستی پر یقین اور ایمان چلتے ہو گیا ہے۔ وہ جب انسان کو نوازنے پر آتا ہے تو کوئی اسے نہیں روک سکتا۔ میں یہاں بے یقینی کی کیفیت کے ساتھ آیا تھا مگر اب پختہ ایمان اور کامل یقین کے ساتھ جا رہا ہوں۔“ محسن نے فرط جذبات سے لبریز غم آنکھوں کے ساتھ کہا تو جمال احمد نے اسے اپنے گلے لگا کر اس کی ہمت بندھانے کی کوشش کی۔

شام سے پہلے اماں جی اور مولوی صاحب بھی چند گواہوں کے ہمراہ پہنچ گئے اور چھوٹی سی تقریب میں دونوں کا نکاح ہو گیا۔ ایمن نے جلدی سے بوتیک فون کر کے یمنی کے لیے خوب صورت برائیڈل ڈریس منگوا لیا تھا۔ یمنی اور محسن بہت زیادہ خوش تھے۔ دونوں تمام خوف اور بیماریوں کو بھول چکے تھے جبکہ محسن کے گھر والے بہت زیادہ پریشان ہو رہے تھے۔ وہ انہیں لاہور جانے کا بتائے بغیر گھر سے نکلا تھا اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ جلد ہی آجائے گا مگر جب رات اس کے بھائی کو کال موصول ہوئی جس میں کسی نے یہ پیغام دیا تھا۔ ”محسن صاحب کل صبح کراچی پہنچیں گے۔“

”مگر..... آپ کون؟“ اس کے بھائی نے پوچھا چاہا تھا لیکن کال ڈراپ ہو چکی تھی اور محسن کا اپنا فون بھی آف تھا۔

”خدا خیر کرے..... کہیں بھائی جان کی طبیعت نہ

خراب ہو گئی ہو..... اور انہیں اس میں رکنا پڑ گیا ہو.....“

اس کی بھائی نے فکر مندی سے کہا۔

”لیکن جو بھی ہے..... بھائی جان کو مجھے تو انذار

کرنے چاہیے تھا۔ کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

سرجن احسن انتہائی فکر مندی سے بولا۔

”آپ فکر نہیں کریں..... بس دعا کریں..... اللہ

انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔“ محسن کی بھائی نے

اپنے شوہر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔



## بیاری عذرا رسول کے نام

جب میں پہلی بار آپ سے ملی  
کچھ لوگ جہاں میں ایسے ہیں  
ایک بار جو ہم سے مل جائیں  
دل اُن کی مالا چیتا ہے  
اور آنکھیں رستہ لگتی ہیں  
ہر لمحہ دل یہ کہتا ہے  
اک بار ملو  
اک بار سہی  
اک بار ہمیں اور آن ملو

کادش: ناہید عزی

کی نیکل..... نرالی، برتن، کھڑکیوں کے شیشے..... ہر شے  
اس نے توڑ کر چکنا چور کر دی..... گیٹ پر کھڑا چوکیدار  
بھاگتا ہوا انگلی کی طرف آیا اور آذر کو اس قدر دھوکا لگایا  
حالت میں دیکھ کر..... پریشان ہو گیا۔ آذر کا چہرہ اور  
آنکھیں انتہائی سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے آذر کو روکنے  
کی کوشش کی مگر وہ مزید بے قابو ہونے لگا۔ یکا یک آذر کو  
کیا سوچھی کہ چوکیدار کی گن لے کر اپنے سینے پر رکھ لی  
چوکیدار نے روکنا چاہا مگر آذر سے گن چل گئی تھی۔ چوکیدار.....  
بدحواس ہو کر وہاں سے بھاگا اور جلدی سے رانا صاحب کو  
فون کیا..... انہوں نے فوراً ایسولینس بلوائی اور آذر کو  
اسپتال پہنچایا گیا، کول اور جواد کو بھی جیسے ہی انہوں نے  
اخبارم کیا وہ بھی حواس باختہ اسپتال پہنچے۔ آذر کا بہت  
زیادہ خون بہہ چکا تھا اور اس کی حالت کافی سیریس تھی۔  
ڈاکٹروں نے اپنی پوری کوشش کی مگر وہ اسے نہ بچا سکے  
لیکن مرنے سے پہلے اس نے ایک وصیت کر دی تھی کہ اس  
کے دونوں گروے یعنی اور محسن کو دے دیے جائیں۔  
کول اور جواد نے یعنی سے کونٹیکٹ کرنے کی کوشش کی مگر  
اس کا فون آف تھا۔ کول نے جمال صاحب کو فون کیا اور  
یعنی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اس ہونٹ کا  
بتا دیا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ جواد جلدی سے ہونٹ  
پہنچا تو یعنی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی..... اور جو کچھ اس

☆☆☆

جمال صاحب نے بہت اصرار کر کے محسن کو جانے  
سے روکا تھا انہوں نے اس کے لیے ایک قایم اسٹار ہونٹ  
میں روم بک کرایا تھا اور اس روم کو جمال صاحب کی  
خصوصی ہدایت پر بہت خوب صورت انداز میں  
ڈیکورٹ کیا گیا تھا۔ ہر طرف خوب صورت پھولوں کے  
بوٹے..... اور لائٹنگ کی گئی تھی۔ نکاح کے بعد ایمن اور  
جمال صاحب خود انہیں ہونٹ ڈراپ کرنے آئے  
تھے..... محسن نے بلیک پیٹ کوٹ پہن رکھا تھا اور وجیہہ  
لگ رہا تھا جبکہ یعنی خوب صورت ڈریس اور میک اپ  
میں بھی خوب نہیں دکھائی تھی جو عام طور پر دلہنوں کی ہوتی  
ہے۔ وہ جس طرف سے گزرتے تو لوگ حیران ہو کر مڑ مڑ  
کر اس پہلے کود دیکھتے اور سرگوشیاں ابھرتی رہیں۔

”اسنے خوب صورت لڑکے کو کیا ضرورت تھی اتنی  
بد صورت کافی لڑکی سے شادی کرنے کی..... لگتا ہے اس  
کی آنکھوں پر لڑکی نے کوئی پٹی باندھ رکھی ہے۔“  
”مجت میں کہاں دکھائی دیتا ہے کہ کون کتنا خوب  
صورت ہے یا بد صورت..... آپ کتنی خوب صورت ہیں  
کوئی میرے دل سے پوچھے.....“ محسن نے سرگوشی کی تو  
یعنی مسکراتے لگی اور اس کی آنکھوں میں خوشیوں کے  
دھبے جھلکے گئے۔

☆☆☆

آذر کا اضطراب اسے مزید پامل بنا رہا تھا۔ کول  
اور جواد اسے سارے راستے گاڑی میں سمجھاتے رہے  
اور وہ خاموشی سے سن رہا ان کی کسی بات کا کوئی جواب  
نہیں دیا۔ پہلے یعنی کو پانے کا اضطراب تھا اور اب اس  
کے ہاتھوں ذلت اٹھانے کا..... اسے محسن رضا سے  
نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ محسن اگر درمیان میں نہ ہوتا  
تو یعنی ضرور اس کی طرف دوبارہ محبت کا ہاتھ بڑھاتی۔  
اس بیمار نیم مرنہ شخص کے لیے یعنی نے اسے ٹھکرا دیا  
تھا۔ اس کے اندر مسلسل ایک لاوا یک رہا تھا۔ جواد نے  
اسے ایسی ڈراپ کر دیا تھا وہاں داخل ہوتے ہی اس کا  
آتش فشاں پھٹنے لگا اور لاوا اعلیٰ اعلیٰ کر باہر آنے لگا.....  
اساتے جڑیں اٹھا اٹھا کر پھینکا شروع کر دیں۔ کرشل

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شانہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ملیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ ہائی کوالٹی، تازہ کوالٹی، کچھ بڑے کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے سے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

داعدا وب سائٹ جہاں ہر کتاب فورٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Facebook lib.com/paksociety





نے کہا وہ سن کر حریف ششدر رہ گئی وہ عجیب گو گو کے عالم میں تھی کہ آذر نے اپنے دونوں گردے ان دونوں کو عطیہ کر دیے تھے۔

”پلیز یہ وقت سوچنے کا نہیں..... ممکن ہے تم دونوں میں سے کسی سے میچ کر جائیں۔ جلدی چلو۔“

جواو نے انہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو دونوں اس کے ساتھ چل پڑے۔

آذر کی لاش دیکھ کر یحییٰ کو وہ لمحے وہ ہل یا د آ گئے جو آذر کی سنگت میں گزارے تھے۔ اس کے گالوں پر آنسو رواں تھے جیسی ایک نرس نے اس کا نام جان کر اسے ایک طے کیا ہوا پرچہ لا کر دیا جس میں لکھا تھا۔

”یعنی میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں..... مگر شاید تمہیں کبھی ڈیز رو نہیں کرتا تھا..... اس لیے تمہیں نہیں پاسکا..... کاش.....“ تحریر خاصی شکستہ تھی۔ یعنی پڑھ کر رونے لگی۔

ڈاکٹروں نے دونوں کا چیک اپ کیا..... یحییٰ کا اپنا کڈنی ٹھیک کام کر رہا تھا البتہ محسن کا ایک کڈنی انفیکشن کی وجہ سے کافی damage ہو چکا تھا۔

یحییٰ کے اصرار پر آذر کا کڈنی محسن کو لگایا جا رہا تھا کہ وہ بہت اچھا میچ کر گیا تھا اور اس پر وس کے لیے کافی روز درکار تھے محسن نے کراچی فون کر کے اپنے بھائی کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ فوراً لاہور پہنچ گیا اسے یہ سب کچھ سن کر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے آٹا فانا ہو گیا تھا مگر شاید اسے ہی تقدیر کہتے ہیں۔

محسن کا علاج شروع ہو چکا تھا اور یحییٰ پوری مدد سے اس کی خدمت اور دلجوئی میں مصروف تھی۔ جمال صاحب نے محسن کے علاج میں کسی قسم کی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اسے وی آئی پی ٹریٹمنٹ دیا جا رہا تھا۔ محسن جو اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکا تھا قدرت کیسے اسے لمحہ بہ لمحہ امید دل کر زندگی کی طرف لا رہی تھی اور وہ یحییٰ کا پہلے سے بھی زیادہ مشکور اور احسان مند ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے آذر کا کڈنی اسے مل رہا تھا اور اس کی حد درجے محبت اور کیرا سے زندگی کے نئے مفہوم سے آشنا کر رہی تھی۔

☆☆☆

”بیگم صاحبہ..... وہ..... وہ جلدی انہیں۔“

آذر نے گھبرا کر کہا۔

”کیوں..... کیا ہوا..... اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟“ خدیجہ بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”وہ..... وہ رات کو حاتم بھائی نے فمیل بھائی/طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیا ہے۔“ آذر نے پریشان ہو کر بتایا۔

”ک..... ک..... کیا کہہ رہی ہو..... تمہارا داماد تو ٹھیک ہے؟“ انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔

”مجھے خود حاتم بھائی نے ابھی ابھی بتایا ہے اور وہ بہت پریشان تھے۔ گھر سے باہر چلے گئے ہیں، رات کو دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے۔“ اس نے پریشان ہو کر بتایا۔

”اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا..... یا خدا یا..... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میرا سوا بکل دو..... میں مسلمان سے بات کرتی ہوں..... نہ جانے فمیل اس وقت کس حال میں ہوگی۔“ خدیجہ نے پریشانی سے کہا اور مسلمان کا نمبر ملایا مگر اس کا سوا بکل آف تھا۔ فمیل کا نمبر بھی نہیں مل رہا تھا۔ حاتم کا بھی فون آف جا رہا تھا۔ خدیجہ نے حاتم کو فون کیا اور اسے فوری گھر پہنچنے کو کہا۔ وہ درجہ پریشان تھیں۔

تھوڑی دیر بعد حاتم گھبرایا ہوا گھر میں داخل ہوا تو ماں نے اسے ساری بات سنائی وہ بھی بری طرح گھبر گیا۔

”اتنا سب کچھ ہو گیا..... اور ہمیں پتا ہی نہیں چلا..... حاتم بھائی کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے..... پلے ردا..... اور اب فمیل بھائی.....“ وہ خفگی سے بولا۔

”بیٹا..... تم ابھی مسلمان کی طرف چاؤ اور حاد معلوم کرو..... شاید وہ لوگ غصے میں میرا فون نہیں اٹھا رہے..... میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔“ خدیجہ نے فکر مندی سے کہا۔

”اوکے..... ماما..... میں ابھی جاتا ہوں“ حاتم اٹھ کر جانے لگا تو اس کا سوا بکل بجھا..... اس نے انسپکٹر حیدر علی کا نام پڑھ کر جلدی سے لیس کاٹن پر لیس کیا۔

”حاتم میں فہم کا دوست انسپکٹر حیدر علی بات کر رہا ہوں۔“ حیدر علی نے قدرے افسردہ لہجے میں کہا۔

”بی..... بی..... حیدر بھائی..... فرمائیں.....؟“

حاتم نے سچیدگی سے پوچھا۔

”یار..... بہت بری خبر ہے۔ رات ایک گینگ ریپر ہوا ہے اور خدیجہ فوری میڈیا پر چل گئی۔ میں خود جب ٹیلی ویژن کے لیے وہاں پہنچا تو victim منظر نامہ نکلیں۔“ حیدر علی نے رک رک کر بتایا تو حاتم کے منہ سے جھج بلند ہوئی۔

”بس..... ک..... کیا فمیل بھائی..... اوہ تو.....“ وہ بے یقینی سے بولا۔

”ہاں..... آئی ایم سوری..... میں حاتم کو فون کر رہا تھا مگر اس کا فون آف جا رہا تھا۔ پلیز تم ابھی اسپتال مت آنا اور نہ ہی حاتم کو بھیجنا۔ بھابی کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں..... میڈیا کے لوگ وہاں اکٹھے ہیں اور یہ جاننے کے لیے curious ہو رہے ہیں کہ خاتون کا تعلق کس فیملی سے ہے۔ میں نے کچھ disclose نہیں کیا ورنہ میڈیا کے لوگ آپ تک بھی پہنچ سکتے تھے۔“

حیدر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”پلیز..... حیدر بھائی، اس خبر کی تفصیلات جتنی ضرورت ہو سکتی ہے روکیں۔“ حاتم نے التجائیہ انداز میں کہا۔

”دیکھو خبر تو دونوں جگہ آپ تک ہی ہے مگر نام اور دیگر تفصیلات سے وہ لوگ ابھی آگاہ نہیں۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ معاملہ زیادہ نہ پھیلے۔“ حیدر علی نے یقین دلاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک یو..... ویری ریج.....“ حاتم نے دلدوز لہجے میں کہا اور سوا بکل آف کر دیا۔

”کیا ہوا..... بیٹا..... تم فمیل کی کیا بات کر رہے ہو؟“ خدیجہ بیگم نے گھبرا کر پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ حاتم نے نظریں چراتے ہوئے کہا اور وہاں سے باہر چلا گیا۔ وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔

کھس حیب طے کھس دل

کوئی خبر نہیں مل رہی تھی..... خدیجہ بیگم کا پی پی ہائی ہونے لگا تو وہ دوپہر کو میڈیا سٹوڈیو لے کر لیت گئیں۔ حاتم شام کو تھکا ہارا گھر میں داخل ہوا حاتم جو انتہائی غصے کے عالم میں لاؤنج میں ہی بیٹھا تھا وہ حاتم کو دیکھ کر ایک دم برسنے لگا۔

”حاتم بھائی..... آپ صبح سے کہاں غائب تھے..... جانتے ہیں یہاں کیا قیامت گزر گئی۔“ حاتم نے تہایت درشتگی سے کہا۔

”اب کون سی قیامت آئی باقی ہے، ردا بار بار تو نہیں مرسکتی۔“ حاتم نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”میں فمیل بھابی کی بات کر رہا ہوں۔“ حاتم نے خفگی سے کہا۔ اسی لمحے خدیجہ بیگم اپنے کمرے سے باہر آنے لگیں مگر پھر وہیں رک کر دونوں کی باتیں سننے لگیں۔

”مت نام لو..... اس گھٹیا عورت کا.....“ حاتم نے غصے سے جواب دیا۔

”خدا کے لیے اب تو جذباتی ہونا چھوڑ دیں۔ پہلے ردا آپ کے جذبات کی تذرہ ہوگی اور اب فمیل بھابی.....“ حاتم کہتے ہوئے رکا تو خدیجہ بیگم چونک گئیں۔

”میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور میرا اب اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی نے ہمارے گھر، ہمارے سکون کو آگ لگائی ہے۔“ حاتم نے غصے سے کہا۔

”اور اب ان کی اپنی زندگی میں آگ لگ چکی ہے، ان کا گینگ ریپر ہوا ہے۔ حیدر بھائی نے بتایا ہے مجھے شاید تب جب آپ نے انہیں گھر سے نکالا تھا۔“ حاتم نے نظریں چکی کرتے ہوئے بتایا۔

”واٹ.....؟“ حاتم کی بات پر وہ حیرت سے چلا یا تھا۔ خدیجہ بیگم بھی ایک دم گھبرا کر لاؤنج میں چلی آئیں۔

”حاتم..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا یہ سچ ہے؟“ انہوں نے رو ہانسی ہو کر پوچھا۔

”ہاں..... ماما..... حیدر بھائی نے یہی بتایا ہے وہ خود اسپتال گئے تھے۔ شہر میں اس بات کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ انہوں نے اس خبر کے بارے میں تفصیلات روک رکھی ہیں۔ اسی لیے زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکا کہ فمیل بھابی کون ہیں؟“ حاتم نے افسردگی سے کہا۔

”اوہ..... تو..... یہ تو بہت برا ہوا۔“ حاتم نے



شرمندگی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

”حاتم..... تمہیں اس جوان جہان کو رات کے اندھیرے میں گھر سے نکالتے ہوئے ذرا سا بھی خدا کا خوف نہ آیا۔ نہ جانے تمہاری تربیت میں کس بات کی کمی رہ گئی تھی جو تم بار بار ایسی شرمناک غلطیاں کر رہے ہو۔“  
خدیجہ بیگم گلوگیر آواز میں بولیں تو حاتم شرمندہ ہو کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”بیٹا..... پتا کرو، شمیمہ کہاں ہے..... مجھے اس کے پاس لے چلو۔ نہ جانے اس وقت اس کی کیا حالت ہوگی؟“ وہ شدید دل گرفتہ ہوئیں۔  
”جی، چلیں۔“ عاصم نے کہا اور وہ اس کے ہمراہ اسپتال چلی گئیں۔

شمیلہ جنرل وارڈ کے ایک بیڈ پر بڑی سی چادر لپیٹے سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس نے چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا اور صرف ایک آنکھ دکھائی دے رہی تھی۔ خدیجہ بیگم اور عاصم وہاں داخل ہوئے تو شمیمہ عاصم کو دیکھ کر ڈر گئی اور ہلکتی ہوئی بیڈ کے دوسرے کونے پر ہو گئی۔ خدیجہ بیگم کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”شمیلہ..... بھائی.....“ عاصم نے اس کے قریب آ کر نرمی سے کہا۔ خدیجہ بیگم بھی اس کے ساتھ آگے بڑھیں۔  
”بیچھے ہٹو..... دور ہو جاؤ..... میرے قریب مت آؤ..... جاؤ یہاں سے۔“ اس نے گھبرا کر کہا۔

”مت آنا میرے نزدیک..... مجھے ہاتھ مت لگانا..... دیکھو میرے جسم پر گندگی لگی ہوئی ہے۔ میرے چہرے پر کالک ملی ہوئی ہے، یہ دیکھو..... یہ دیکھو.....“  
شمیلہ نے چادر اپنے چہرے سے ہٹا کر پاگلوں کی طرح اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو خدیجہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے..... قریب بیٹھ کر محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

”شمیلہ بیٹے..... صحت کرو، ہم تمہیں لینے آئے ہیں، گھر چلو..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ خدیجہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ لگا کر روتے ہوئے کہا۔

”م..... م..... مجھے کہیں نہیں جانا..... میرا کوئی گھر نہیں..... سب کچھ ختم ہو گیا۔“ شمیمہ نے انہیں پیچھے

ہٹاتے ہوئے کہا اور ایک دم دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ایک لیڈی ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوئی اور پہلے شمیمہ کی پھر ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولی۔

”ابھی یہ میٹلی طور پر بہت زیادہ ڈسٹربڈ ہیں، جب نارمل ہوں گی پھر بات کریں ابھی انہیں سسک رہے ہیں اور پلیز آپ لوگ چلے جائیں۔“  
”او کے ڈاکٹر صاحبہ.....“ عاصم نے کہا اور ماں کے ہمراہ باہر نکل آیا۔

خدیجہ بیگم ملول دل لیے گھر میں داخل ہوئی تھیں وہ درجہ صدمے کی سی کیفیت میں تھیں۔ بہن اور بیٹی کو کھو کر اب بھانجی اور پھر بہو کی یہ حالت..... وہ سنبھل نہیں پا رہی تھیں۔  
”سچ ہے دنیا مکافات عمل ہے، انسان بھول جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہر عمل کا حساب اسی دنیا میں دے کر جانا ہے۔ شاید میری ہی تربیت میں کمی رہ گئی ہوگی یا اللہ تعالیٰ نے مجھے آزمانے کے لیے زندہ رکھا ہے مگر میں نے تو باوجود شمیمہ کی گستاخیوں کے کبھی اس کا برا نہیں پایا تھا۔“ خدیجہ بیگم نے آہ بھر کر کہا۔

”بیگم صاحبہ یہی تو اللہ کے بندوں کی نشانیاں ہوتی ہیں، وہ سب کچھ اپنی جان پر ہی سہہ جاتے ہیں مگر اُن تک نہیں کرتے۔ جیسے ہماری ردائی بی۔“ زریہ ان کے پاس بیٹھی دلجوئی کر رہی تھی۔ جیسی عاصم بوجھل قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوا اور گرنے کے سے انداز میں ماں کے قریب صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

”مما..... سلمان بھائی اور نصیر بھائی سعودی عرب جا چکے ہیں، مجھے ان کے ایک دوست نے بتایا ہے۔“ عاصم نے افسردگی سے بتایا۔

”اوہ..... تو شمیمہ اسپتال سے ڈسچارج ہو کر کہاں جائے گی حاتم کے یہاں ہوتے ہوئے اسے یہاں لانا تو ناممکن ہے۔“ وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

”بیٹا تم اس کے لیے کسی فلیٹ کا بندوبست کر دو۔ میں اس کے پاس چلی جایا کروں گی۔“ خدیجہ نے کچھ سوچ کر کہا تو زریہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”ٹھیک ہے میں کچھ کرتا ہوں۔“ عاصم کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔



”فہام بھائی..... آپ کہاں چلے گئے..... ہم سب ٹوٹ گئے ہیں، بکھر گئے ہیں، برباد ہو گئے ہیں اور سب کی بربادیوں کا ڈتے دار میں ہوں۔ ہاں صرف میں..... آپ کی سویت ڈول کو میں نے اپنے ہاتھ سے تھپڑ لگایا..... اور وہ مر گئی۔“ حاتم اپنے کمرے میں بیٹھا بھائی کی تصویر سے باتیں کر رہا تھا۔

”بھائی آپ کی شمیلا کی زندگی کو بھی میں نے ہی اندھیروں سے بھر دیا..... میں سب کا مجرم ہوں، گنہگار ہوں..... مجھ سے کوئی کام بھی ٹھیک نہ ہو سکا۔“ یہ کہہ کر وہ رونے لگا جیسی کمرے کے دروازے پر کھڑی خدیجہ بیگم بڑھ کر اس کے پاس آ گئیں۔

”تم اتنے سنگدل اور کٹھور تو نہیں تھے بیٹا..... مگر تمہارے غصے اور جذباتی پن نے آج تمہیں اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ تمہارے پاس اب سوائے بچھتاؤں کے کچھ نہیں رہا۔“ خدیجہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”مما..... مجھے معاف کر دیں، خدا کے لیے ماما پلیز.....“ حاتم نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر ان کے قدموں میں گر گیا اسی لمحے عاصم بھی کمرے میں داخل ہوا اور حاتم کو یوں روتے دیکھ کر قریب آیا اور وہ بھی ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ خدیجہ بیگم صوفے پر بیٹھی تھیں ان کے قدموں میں ایک طرف حاتم اور دوسری جانب عاصم بیٹھا اور دونوں رنج و غم کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

”مما..... ہم دونوں ردا کے گنہگار ہیں..... اور آپ کے مجرم..... آپ ہمیں جو بھی سزا دیں گی وہ قبول ہے۔“ عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیوں ماں کو کٹھنرے میں کھڑا کر رہے ہو، جانتے بھی ہو کہ ماں کے دل میں اپنی ساری اولاد کے لیے محبت اور درد ایک سا ہوتا ہے اور میں تمہیں کیا معاف کروں گی۔ میری ردا تو خود تمہیں معاف کر گئی ہے۔“ خدیجہ بیگم نے دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر آہ بھر کر کہا اور دونوں کے گرد اپنے بازو پھیلا کر انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ تینوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کوئی نہیں جان سکا کہ

ان کے گھر کی تباہی کا اصل ڈتے دار کون تھا۔

☆☆☆

توقیر واپس آسٹریلیا جا رہا تھا..... مگر جانے سے پہلے وہ ردا کی قبر پر گیا، سر پر رومال باندھے وہ اس کی قبر کے سرہانے بیٹھا فاتحہ پڑھتے ہوئے رو رہا تھا۔ اس نے قبر پر سرخ گلاب کی پتیوں کو اتنا زیادہ پھیلا دیا تھا کہ کوئی جگہ بھی خالی نہیں بچی تھی اور اس پر درمیان میں اس نے کی دیے جلا کر رکھے تھے جو وہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ توقیر رو رہا تھا۔

”ردا..... تم نے دنیا سے جانے میں اتنی جلدی کی..... کاش ایک بار مجھے تو پکارا ہوتا..... میرے دل میں تمہارے لیے کتنی محبت تھی..... مجھے ایک موقع دیتیں تو میں تمہیں بتاتا..... تم نے یہ کیا کرو یا.....“ وہ آنسو بھری آنکھوں سے قبر پر جلتے دیوں کو دیکھ کر گھبرا گیا اس کی لو میں اسے ردا کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس نے حیرت سے دیکھا۔ ردا کی شمیلا ان کی لو میں مسکراتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

”توقیر میں دنیا کے لیے سر پہلی ہوں مگر تمہارے لیے کبھی نہیں مروں گی۔“ وہ ردا کے تصور میں ڈوب گیا۔ ”تمہارے دل میں محبت کا جو دیپ روشن ہے میں ہمیشہ اس میں زندہ ہوں گی۔“ دیکھو اس دیپ کو کبھی بجھنے نہ دینا۔“ ردا نے مسکرا کر کہا۔ ایک دم ہوا چلنے لگی، روپے بجھنے لگے اسے لگا ردا کی شمیلا غائب ہو گئی ہو۔ وہ گھبرا گیا اور جلدی سے دیے دوبارہ روشن کیے لو میں ردا پھر دکھائی دینے لگی۔

”تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہونا؟“

”ہاں، ہاں بہت زیادہ.....“ توقیر نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا جیسے ردا مجسم اس کے سامنے ہو۔

”میں بھی توقیر.....“ ردا نے مسکرا کر کہا۔ اس کے اقرار پر توقیر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ ہوا پھر تیز چلنے لگی اور روپے بجھنے لگے۔ دیے کے ساتھ اس کا دل بھی بجھ رہا تھا مگر اس نے دل کا دیا بجھنے نہ دیا کہ ابھی ابھی تو اس کی ردا نے یقین دلایا تھا کہ وہ اس سے بہت محبت کرتی ہے۔ جیسی قبروں پر پانی ڈالنے والا اور ان

کی صفائی کرنے والا ایک آدمی اس کے پاس آیا کہ شاید اسے پانی یا کسی چیز کی ضرورت ہو..... توقیر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

”دیکھو تم اس قبر کا بہت خاص دھیان رکھنا اور تم ان دیاں کو کبھی نہ بجھنے دینا۔ ہر روز انہیں جلاتا۔“ توقیر نے اسے کچھ پیسے دینے چاہے مگر اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

”جناب..... جو دیاں میں زندہ ہوتے ہیں، انہیں دیوں کی کیا ضرورت ہوتی ہے اور محبت تو ویسے بھی کسی کو مرنے نہیں دیتی۔ میں ویسے ہی اس قبر کا دھیان کر لوں گا آپ پیسے نہ بھی دیں تو۔“ آدمی نے کہا۔

”دیکھو وہ مجھے ان دیوں کی روشنی میں دکھائی دے رہی ہے۔ دیکھو..... دیکھو..... اس کی روشنی میں۔“ توقیر نے ایک دیا اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

”جناب وہ صرف آپ کو دکھائی دے رہی ہیں، مجھے نہیں کیونکہ آپ ان سے محبت کرتے ہیں اور محبت کرنے والوں کو تو ڈرتے ڈرتے میں وہی دکھائی دیتا ہے، جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ صاب آپ فکر نہیں کریں، میں آپ کی محبت کے یہ دیے ہر روز جلا کر دوں گا۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو توقیر نے تم آنکھوں سے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر دیوں کی طرف دیکھنے لگا اسے ہر طرف ردا مسکراتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ قدرے مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

☆☆☆

روحیل اپنے کمرے میں بند ہر وقت روتا، تڑپتا رہتا، اس کے اندر بچھتاوے کا ایسا الاؤ روشن ہو گیا تھا جو اسے کسی مل جمن نہیں لینے دیتا تھا۔ نہ اسے چاہ کا کوئی ہوش تھا اور نہ اپنی ذات کا..... ماں ابھی کے سمجھانے کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔ چند روز بعد اسے چاہ سے بھی terminate کر دیا گیا تھا مگر نوکری ختم ہونے کا بھی اسے کوئی دکھ نہیں تھا جتنا دکھ ردا کے ساتھ کیے گئے تھے ردا سلوک کا تھا۔ کبھی کبھی انسان کے اعمال ایسے چھو بن جاتے ہیں جو ہر وقت اندر ہی اندر اسے ڈنک مارتے ہیں۔ اور اسے کوئی راہ قرار نظر نہیں آتی۔ روحیل کے اندر بھی ہر وقت چھو اسے ڈنک مارتے رہتے تھے۔ اس روز وہ

کھنکھہتے دل سے

تک آ کر صبح سویرے اٹھتے ہی گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کا جلیہ پاگلوں والا ہو رہا تھا۔ پچھلی نظر میں وہ بھکاری دکھائی دیتا تھا۔ وہ گھر سے بے خیالی میں نکلا اور سارا دن ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد نادانستہ اس کے قدم قبرستان کی طرف اٹھ گئے۔ وہ ردا کی قبر پر پہنچا تو وہاں پھولوں کے گرد بجھے ہوئے دیے رکھے تھے وہ ردا کی قبر کے ساتھ لپٹ گیا اور دونوں بازو پھیلا کر دہائیں مار مار کر رونے لگا۔

”ردا اٹھو، خدا کے لیے ایک بار اس قبر سے باہر نکلو..... اور مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارا مجرم ہوں، گنہگار ہوں، قاتل ہوں، جو چاہے مجھے سزا دے دو مگر مجھے اس اذیت سے نجات دلا دو، میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا..... بہت برا..... اب مجھ سے اپنے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ تم ناحق، خاموشی سے اتنا کچھ برداشت کر کے چلی گئیں..... تم بہت اعلیٰ ظرف انسان تھیں..... بہت نیک اور پاکباز..... اور میں گنہگار، خطا کار اور..... بدکردار۔“ وہ زور زور سے رو رہا تھا۔ اس کے انتہائی زور سے رونے کی آواز سن کر وہی شخص بھاگتا ہوا آیا اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

”ک..... کون ہو تم..... اور یہاں بیٹھ کر کیوں رو رہے ہو؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”میں اس کا قاتل ہوں..... کیا تمہیں میرے چہرے پر لگا خون دکھائی نہیں دے رہا.....؟“ روحیل اپنے چہرے پر ناخن مارتے ہوئے بولا تو اس کے بڑھے ہوئے ناخنوں سے اس کے چہرے پر خراشیں نمودار ہونے لگیں اور ان سے خون پرستے لگے۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے چہرے کو زخمی کر رہا تھا۔

وہ شخص حیران پریشان کھڑا اسے دیکھنے جا رہا تھا۔ روحیل کے اندر کی تڑپ اور جلن کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔

جج ہے انسان..... دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے بھول جاتا ہے کہ وہ بھی اس جیسا انسان ہے اور اس کی حقیقت اس پر تب کھلتی ہے جب وہ اپنے رب کی پکڑ میں آتا ہے۔ روحیل کو سوائے بچھتاؤں کے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ ساری زندگی اس نے اپنی لگائی ہوئی آگ



میں خود ہی جلنا تھا۔

☆☆☆

شمیلہ کو اسپتال سے ڈسچارج کر کے اس کی خواہش کے مطابق دارالامان .... بھیج دیا گیا تھا۔ اپنے کسی بھی رشتے دار سے ملنے کو اس نے پہلے ہی منع کر دیا تھا۔ وہ دارالامان کے کمرے میں ہر وقت محصور رہتی یا پھر خاموشی سے لان کے کسی کونے میں چھپ کر بیٹھ جاتی۔ وہ جہاں بھی چند عورتوں کو بیٹھے دیکھتی وہاں سے غائب ہو جاتی۔ اسے یوں لگتا جیسے ہر دیکھنے والی نظر اس پر طر کر رہی ہو، اس پر لعن طعن اور ملامت کر رہی ہو، وہ صبح سے لان کے ایک کونے میں درختوں کے پیچھے چھپ کر بیٹھی تھی اور اسی حالت میں اسے دوپہر ہو گئی تھی۔ اسے وقت گزرنے کا ذرا سا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔ اس نے ردا کے ساتھ جو جو زیادتیاں کی تھیں وہ ایک، ایک لحد احساس جرم کی صورت میں اس کے اندر نشتر چھو رہا تھا۔

”یا اللہ.....! تو نے میری قسمت میں اتنی ذلت اور رسوائی کیوں لکھی کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی.....“ کیا ایک وہ سسکتے گی۔

”تو نے بھی تو ردا کو ذلیل کرنا چاہا تھا..... اپنے اندر کے حسد اور نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے تو نے اس معصوم اور بے گناہ پر الزامات لگائے..... بہتان باندھے..... جو گڑھے تو نے اس کے لیے کھودنے چاہے اب تو خود اس میں گر گئی۔ اسے بے گھر کرنا چاہا تھا..... خود ہی بے گھر ہو کر دارالامان پہنچ گئی۔ تو نے ہی یہ نفاق پھیلایا..... اب کیوں رو رہی ہے؟“ اس کے خمیر نے اسے سرزنش کی۔

”میں بھول گئی تھی کہ عزت اور ذلت کا اصل مالک تو اوپر بیٹھا ہے جب اس کی لاشی برسنے پر آتی ہے تو کسی ظالم کو نہیں چھوڑتی۔“ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ اسے زہینہ کے کہے ہوئے الفاظ یاد آئے تھے۔

”ڈریں خدا کی لاشی سے..... آپ جس خدا کو بھلا بیٹھی ہیں، وہ آپ پر قہر بھی توڑ سکتا ہے۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”اس کا قہر مجھ پر ٹوٹ پڑا ہے، وہ مجھ سے ناراض

ہو گیا ہے، مجھے اتنی عزت دے کر اب اسکی ذلت دی جا رہی ہے کہ میں نہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ اپنی ذلت سے محبت اور گھمنڈ مجھے لے ڈوبا..... کاش میں انسان ہو کر سو جیتی.....“ شمیلہ نے روتے ہوئے سوچا اور اس کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب کچن میں ردا نے اس کے پاؤں کو ہاتھ لگا کر گڑ گڑا کر معافی مانگی تھی اور دل سے دھتکار کر باہر نکل گئی تھی۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

ایک ملازمہ اسے بلانے آئی اور بتایا کہ اس کا دروازہ اسے ملنے آیا ہے۔

”انہیں کہہ دو، میں مرجی ہوں اور دوبارہ یہاں کوئی نہ آئے۔“ شمیلہ نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا کہ وہ جلدی سے وہاں سے چلی گئی، کہیں شمیلہ جنونی کیفیت میں اس پر حملہ ہی نہ کر دے۔ عاصم نے گھر آ کر ماں کو بتا دیا کہ شمیلہ نے ملنے سے ہی انکار کر دیا ہے تو وہ شہر پریشان ہو گئیں۔

”بیٹا تم نے اسے سمجھایا نہیں.....؟“ خدیجہ بیگم نے پوچھا۔

”مما بتا تو رہا ہوں کہ انہوں نے مجھ سے ملاقات ہی نہیں کی..... اور ویسے بھی وہ یہاں آ کر کس کس کا سامنا کریں گی۔ ایسی عورتیں جیتے جی مر جاتی ہیں۔ دارالامان میں وہ اپنے جیسی متاثرہ عورتوں کے ساتھ رہیں گی تو شاید ان کا دل لگ جائے۔“ عاصم نے چرتا سف لہجے میں کہا۔

”انسان کی قسمت میں کیا لکھا ہوتا ہے..... کے فرم ہوتی ہے، ریحانہ کی اتنی لاڈلی بیٹی..... میرے قہام کی محبت، جسے میں اتنے ارمانوں سے اس گھر میں بیاہ کر لائی..... اب دارالامان میں پڑی رہے گی۔“ خدیجہ بیگم نے غم سے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

”لیکن میں نے دارالامان کی انتظامیہ سے کہا ہے کہ ان کا خاص خیال رکھیں، اس کے لیے میں انہیں منتقلی کا بھی کیا کروں گا۔“ عاصم نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”آج مجھے تم میں قہام دکھائی دے رہا ہے۔ وہ بگڑا ایسے ہی فیصلے کر کے مجھے بعد میں بتایا کرتا تھا۔“ خدیجہ بیگم نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”شاید..... جب انسان پر ڈرتے داریاں پڑتی جا

تو وہ خود بخود ایسے فیصلے کرنے لگتا ہے۔ قہام بھائی نے بھی تو ہماری ساری ڈرتے داریوں کا بوجھ خود ہی اٹھایا ہوا تھا۔“ عاصم نے آہ بھر کر کہا۔

”ہم چھڑنے والوں کے غم میں ساری زندگی آنسو بہاتے رہتے ہیں مگر وہ کہیں نہ کہیں ہمارے ساتھ ہی موجود ہوتے ہیں۔ آج مجھے تم عاصم نہیں قہام لگ رہے ہو۔ لگتا ہے میرا قہام زندہ ہو گیا ہے۔“ خدیجہ بیگم نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے اسے گلے سے لگایا۔ عاصم نے غم آنکھوں سے ماں کو دیکھا اور ان کی گود میں سر رکھ لیا۔ ان کے آنسو اس کے بالوں پر گرتے رہے۔

☆☆☆

عحسن رضا مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا تھا اور اسے اسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ اسپتال میں قیام کے دوران یعنی نے جس طرح اس کی خدمت کی تھی وہ اس کا پہلے سے بھی زیادہ مداح اور قدردان ہو گیا تھا حالانکہ وہ خود بھی ابھی کمزور ہی تھی۔ وہ اپنی قسمت پر رشک کرتا کہ خدا نے یعنی کی صورت میں اسے خوب صورت اور انمول تحفے سے نوازا تھا۔ عحسن جب صحت یاب ہو کر آیا تو ایمین کے بے حد اصرار اور ضد پر فائینو اشار ہوٹل میں اس کی شادی کے اعزاز میں تقریب منعقد کی گئی کیونکہ وہ لوگوں کو یعنی کی اچانک شادی کے بارے میں بتاتا کر تھک چکی تھیں۔ جمال صاحب بھی اس بات کو مان گئے اور شہر کے تمام ممتاز اور معزز خاندانوں کو دعوت پر مدعو کیا گیا۔ عحسن کے گھر والے بھی کراچی سے خصوصی طور پر اس دعوت میں شرکت کے لیے آئے..... یعنی شہر کے سب سے تیز بین پارلر سے تیار ہونے کے باوجود بھی بہت عام اور معمولی لگ رہی تھی اور اس کی سیاہ رنگت قدرے سافٹولی لگ رہی تھی اور اس نے برائیزل ڈریس بھی اچھا نادل پہنا تھا۔ قل سلوڈ سادی سی شرٹ اور ہلکے کام کے لیٹکے کے ساتھ بڑے سے دوپٹے سے سر اور بازوؤں کو بھی طرح ڈھانپا تھا۔ وہ عحسن رضا کے ساتھ اس پریشانی کی ایمین نے اسے پہلی نظر دیکھا تو ان کا دل ہی بیٹھ گیا۔ عحسن اچھا کی خوب صورت اور وجہہ لگ رہا تھا اور وہ اچھا کی عام سی۔ ہر کوئی یعنی کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔

کھیں دیب حلے کھیں دل

تقریب میں موجود لوگ اس کے خوب صورت نصیب پر رشک کر رہے تھے۔

”جب خدا اپنے لوگوں پر مہربان ہوتا ہے تو ان کے نصیب خود بخود چمکنے لگتے ہیں۔“

”ہاں، یعنی اتنے خوب صورت انسان کو بالکل ڈیز رو نہیں کرتی۔“

”نہ جانے اس خوب صورت شخص کو اتنی معمولی سی لڑکی میں کیا نظر آیا..... اپنی زندگی ہی سیاہ کر ڈالی۔“

”شاید جمال صاحب کی دولت نے اس کی آنکھیں چند حیا دیں۔“ ہر طرف ایسی سرگوشیاں تھیں مگر عحسن رضا لوگوں کی باتوں سے بے نیاز مسکرا مسکرا کر یعنی کی طرف انتہائی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور یعنی اس کی نظروں سے جھپ رہی تھی۔ لوگ جس انداز میں عحسن کی تعریفیں کر رہے تھے ایمین کا دل خوشی سے بارغ، بارغ ہو رہا تھا۔ وہ جو یعنی کے مستقبل کے بارے میں ہر وقت فکر مند رہتی تھیں ان کے سارے اندیشے اور خوف ختم ہو گئے تھے۔ ان کی ساری فیملی جمع تھی اور سب انہیں مبارک باد دے رہے تھے۔

تقریب بہت خوب صورت انداز میں رات گئے تک جاری رہی تھی۔ سب بہت خوش تھے۔ یعنی اور عحسن کے لیے جمال احمد نے ایک خوب صورت گھر خریدا تھا اور دونوں کو اس ویل فرنشڈ گھر میں ڈراپ کیا گیا۔ یعنی کے لیے بھی یہ ایک سر پرانہ تھا۔ دونوں حیرت سے پورے گھر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جب اپنے بندروم میں پہنچے تو ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کمرے کو انتہائی خوب صورت انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی فلمی ماحول میں ہوں یا فینٹسی میں۔

”سب کچھ کتنا غیر یعنی لگ رہا ہے، ڈر لگتا ہے، کہیں اچانک سب کچھ ختم نہ ہو جائے۔“ عحسن رضا نے یعنی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے قدرے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

”ہاں..... اگر میرا خدا پر ایمان پختہ نہ ہوتا تو میں بھی اسے غیر یعنی سمجھتی مگر اب میرا اس پر پختہ ایمان اور یقین کامل ہے کہ مجھے دنیا کی ہر شے اس عظیم ہستی کی رضا کے سامنے بے معنی لگتی ہے۔ دنیا میں انسان کو سب کچھ



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### مجموعہ خاص کیوں نہیں :-

- ☆ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ام ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو یو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➔ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہی بتی ردا کی قبر کی طرف دیکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔  
 ”کیا مطلب.....؟“ محسن نے چونک کر پوچھا۔  
 ”اس قبر کی طرف دیکھو..... اس کے انہوں نے  
 اس پر اتنا ظلم کیا کہ اس نے خود موت کو گلے لگا لیا..... اور  
 اب اس کے گنہگار آکر اس کی قبر پر بیٹھ کر رہتے ہیں،  
 معافیاں مانگتے ہیں اور دہائیں مار مار کر روتے ہیں مگر  
 انہیں کسی طرح قرار نہیں ملتا..... اُن کے دل ایسی آگ  
 میں جلتے رہتے ہیں جو کسی طرح کم نہیں ہوتی۔“ اس نے  
 آہ بھر کر ردا کی قبر کی طرف دیکھ کر نہایت افسردگی سے کہا۔  
 ”ہاں..... کوئی ظلم سہہ کر انسانیت کی معراج  
 حاصل کرتا ہے اور کوئی گنہگار ہونے کے بعد بچے دل سے  
 توبہ کرنے کے بعد..... انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے بھی  
 سب کچھ ہار کر بھی جیت جاتا ہے اور کبھی سب کچھ جیت کر  
 بھی ہار جاتا ہے۔“ یحییٰ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر آذر  
 اور ردا کی قبروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کچھ جلتے  
 دیے اٹھا کر ردا کی قبر پر رکھنے لگی اور تمام بجھے ہوئے  
 دیوں کو جلانے لگی۔

”بی بی..... یہاں وہ سچی محبت ہے جو رب پاک  
 لوگوں کے دلوں میں اپنے ایمان والے بندوں کے لیے  
 ڈالتا ہے۔ وہ سچ فرماتا ہے۔“ انسان خسارے میں ہے،  
 مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے  
 ہیں..... ایمان اور نیک عمل جب نیکیا ہوتے ہیں تو دنیا  
 میں ایسے لوگوں کے لیے ہی دے پ جلتے ہیں..... اور جو  
 ایسے لوگوں کی ناقدری کرتے ہیں ان کے دل ہمیشہ جلتے  
 رہتے ہیں۔“ اس آدمی نے بڑی گہری بات کی تھی۔  
 محسن رضا اور یحییٰ نے بیک وقت اس کی طرف  
 دیکھا اور پھولوں کی پتیوں اور چلتے دیوں سے دونوں کی  
 قبروں کو آراستہ کر کے فاتحہ خوانی کے لیے ہاتھ بلند کیے۔  
 ان کے چہروں پر گہرا اطمینان اور سکون تھا۔ ہر طرف  
 خوشگوار ہوا کے جھونکے چلتے گئے جیسے ان کے عمل کو سرا  
 رہے ہوں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی  
 یہ خاک اپنی فطرت میں نہ توری ہے نہ تار ہے

اس کے کرم سے ملتا ہے۔“ یحییٰ نے فرط جذبات سے  
 لبریز ہو کر تم آنکھوں سے کہا۔  
 ”آپ کو اتنے پختہ ایمان کی دولت کہاں سے  
 ملی؟“ محسن نے اس کی باتیں سن کر حیرت سے پوچھا۔  
 ”گناہ اور ظلم کی انتہا دیکھ کر.....“ یحییٰ نے آہ بھر کر  
 کہا تو اس کی آنکھوں کے سامنے آذر اور جنت گھوم گئے۔ وہ  
 ایک دم خاموش ہو گئی۔  
 ”آپ کو پاک ایمان تو میرا بھی بہت پختہ ہوا ہے مگر  
 اس کے ساتھ ساتھ کسی اور بات پر بھی یقین آ گیا ہے۔“  
 محسن نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
 ”کیا.....؟“ یحییٰ نے چونک کر پوچھا۔  
 ”کل بتاؤں گا.....“ محسن نے کہا تو یحییٰ نے  
 حیرت سے اسے دیکھا۔

☆☆☆

اگلے روز محسن، یحییٰ کے ساتھ قبرستان گیا اور آذر کی  
 قبر پر پھول چڑھائے اور اس کی قبر پر رکھے دیوں کو جلانے  
 لگا۔ یحییٰ چونک کر اسے دیکھتی رہی۔ اس نے آذر کو بھی اس  
 قابل نہیں سمجھا تھا کہ اس کی قبر پر جاتی اور یوں پھول  
 چڑھاتی۔ گو کہ اس نے اسے معاف کر دیا تھا مگر اس کے  
 دل میں آذر کے لیے ویسی محبت اب باقی نہیں تھی۔  
 ”یحییٰ..... آج میں تمہارے سامنے زندہ  
 ہوں..... اور تمہارا شریک سفر ہوں تو اس شخص کی وجہ  
 سے..... اس کا معاملہ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی تھا..... میں  
 اس بحث میں نہیں پڑتا لیکن اب یہ یقین ہونے لگا ہے کہ  
 انسان کا نیک نیتی سے کیا گیا ایک عمل جو وہ دوسرے  
 انسان کی زندگی بچاتے کے لیے کرتا ہے، کبھی کبھی اس کی  
 ساری زندگی پر حاوی ہو جاتا ہے..... جو لوگ اپنے اعمال  
 سے دوسروں کی زندگیوں کو روشن کرنے کی کوشش کرتے  
 ہیں دنیا سے جانے کے بعد بھی اُن کے نام کے دیپ جلتے  
 رہتے ہیں۔“ محسن نے کئی دیے جلاتے ہوئے کہا تو یحییٰ  
 کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

”صاحب..... ٹھیک کہا ہے..... یہ انسان کے اعمال  
 ہی ہوتے ہیں جن سے دنیا میں کہیں دیپ جلتے ہیں اور  
 کہیں دل.....“ پاس کھڑے اسی آدمی نے آذر کی قبر کے پاس